دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور
سے جاری شدہ فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عثمانیہ

مفتی غلام الرحمٰن
رئیس دارالافتاء

زیر نگرانی
مفتی نجم الرحمٰن
نائب رئیس دارالافتاء

جلد ہفتم

الشركة. البيوع الصرف. السلم. المرابحة. الربوا.
الكفالة. المضاربة. القرض والدين. الوديعة والامانة

العصر اکیڈمی پشاور

فتاویٰ عثمانیہ

جلد ہفتم

علمی افادات: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ
مہتمم ورئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

زیر نگرانی: حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن مدظلہ
استاذ الحدیث ونائب رئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

تحقیق وتبویب: شرکائے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء

باہتمام: احسان الرحمٰن عثمانی

سنِ طباعت اشاعت ہفتم:
ذی الحجہ 1442ھ / جولائی 2021ء

سنِ طباعت اشاعت اول:
جمادی الثانیہ 1437ھ / مارچ 2016ء
سنِ طباعت اشاعت دوم:
جمادی الاولیٰ 1438ھ / فروری 2017ء
سنِ طباعت اشاعت سوم:
رجب المرجب 1439ھ / اپریل 2018ء
سنِ طباعت اشاعت چہارم:
ربیع الثانی 1440ھ / دسمبر 2018ء
سنِ طباعت اشاعت پنجم:
ربیع الاول 1441ھ / نومبر 2019ء
سنِ طباعت اشاعت ششم:
رجب المرجب 1442ھ / دسمبر 2020ء

ihsan.usmani@gmail.com
+92 333-9273561 / +92 321-9273561
+92 312-0203561 / +92 315-4499203

ملنے کا پتہ
مکتبہ العصر
احاطہ جامعہ عثمانیہ پشاور
عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور کینٹ
صوبہ خیبر پختونخوا، پاکستان
رابطہ: 0314 9061952 / 0348 0191692

1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست جلد ۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	كتاب الشركة	
	(مباحثِ ابتدائیه)	
1	تعارف اور حکمتِ مشروعیت	1
2	لغوی تحقیق	1
3	اصطلاحی تحقیق	2
4	مشروعیت	2
5	شرکت کی قسمیں	4
6	شرکتِ املاک	4
7	شرکتِ املاک کا رکن	4
8	شرکتِ املاک کی قسمیں	4
9	شرکتِ دین	5
10	شرکتِ غیر دین	5
11	شرکتِ اختیاری	5
12	شرکتِ اضطراری یا جبری	5
13	شرکتِ املاک کا حکم	5
14	شرکتِ عقود	6

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

کتاب الشرکة

(مسائل)

کتاب البیوع

(مباحثِ ابتدائیہ)

باب أركان البيع وشرائطه

(مسائل)

باب البیع الفاسد

کتاب الربوا

(مباحثِ ابتدائیہ)

کتاب المضاربة

(مسائل)

کتاب القرض والدّین

(قرض اور دَین کے احکام کا بیان)

(مباحثِ ابتدائیہ)

❁❁❁

کتاب القرض والدین

(مسائل)

❁❁❁

كتاب الوديعة والأمانة

(مباحثِ ابتدائية)

کتاب الشرکۃ

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

شرکت دو یا دو سے زیادہ افراد کا باہم مل کر اتفاقِ رائے سے ایک معاملہ اور کاروبار طے کرنے کا نام ہے۔ روزمرہ زندگی میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ بسا اوقات بعض افراد کے ساتھ ایک خطیر رقم ہوتی ہے، لیکن وہ کاروبار چلانے کے گروں سے نا آشنا ہوتا ہے یا وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی کاروباری ساکھ سے محروم ہوتا ہے، جب کہ دوسرا آدمی کاروباری مہارت اور کاروباری ساکھ (Good will) رکھتے ہوئے سرمایہ سے محروم ہوتا ہے تو شرکت کی اجازت دیتے ہوئے شریعتِ مطہرہ نے کاروباری ضرورت کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو اتحاد، اجتماعیت اور باہمی اتفاق کی برکت سے بھی نوازا جس سے وہ نہ صرف دگنا نفع کما سکتے ہیں، بلکہ معاملہ کرنے والے کو ایک قابلِ اعتماد مشیر، ہمدرد اور غم خوار دوست اور پشت و پناہ بھی مل جاتی ہے۔

آج کل تجارتی میدان میں اتنے بڑے بڑے سودے بھی تاجر کے سامنے آجاتے ہیں جن کو وہ بوجوہِ کثیرہ اکیلے نہیں نمٹا سکتا اور فریقِ آخر بھی یہ چاہتا ہے کہ وہ یہ سودا ایک ہی تاجر یا پارٹی کے ساتھ کرے تو شرکت کی ضرورت واہمیت جتنی آج کل ہے، وہ سب کے سامنے ہے، بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ شرکت موجودہ معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔(۱)

لغوی تحقیق:

شِرکت، شَرکت اور شِرکت تینوں کا معنی ہے اختلاط، امتزاج اور اشتراک، یعنی ملا ہوا ہونا، شریک ہونا اور کسی عین یا منفعت میں ایک دوسرے کا حصہ دار بننا۔(۲)

---

(۱) الفقه الاسلامي وأدلته ،وهبة الزحيلي، القسم الثالث العقود أو التصرفات المدنية المالية ،الفصل الخامس الشركات المبحث الأوّل ،مشروعية الشركة:۵/۳۸۷۷ ،دار الفكر المعاصر بيروت لبنان

(۲) الكاساني، علاؤالدين، بدائع الصنائع، كتاب الشركة، حاشيه نمبر۱ :۷/۴۹۹ ،الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الشركة:۶/۴۶۵

اصطلاحی تحقیق:

"الشرکۃ اختصاص الشریکین فصاعداً بمحلۃٍ واحدۃٍ".(۱)

دو یا دو سے زیادہ شرکا کا کسی ایک محل کے ساتھ خاص ہونا شرکت کہلاتا ہے۔

یہ شرکت کا عام معنی ہے جو تمام اقسام کو شامل ہے، تاہم خاص عقدِ شرکت کی تعریف یہ ہے:

"عقدٌ بین المتشارکین فی الأصل و الربح".

دو افراد کے درمیان ایسا معاملہ جس میں وہ دونوں سرمایہ اور نفع میں باہم شریک ہوں۔(۲)

علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ سبب خلط ہونے کی وجہ سے اس عقد پر شرکت کا اطلاق مجازاً ہے۔ بعض فقہا کے ہاں اب یہ حقیقتِ عرفیہ بن گیا ہے۔(۳)

مشروعیت:

قرآن کریم سے:

﴿فهم شرکاء فی الثلث﴾(٤)

پس وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے۔

﴿وإنّ کثیراً من الخلطاء لیبغی بعضهم علی بعض إلّا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وقلیل ما هم﴾(٥)

اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کرتے ہیں، مگر ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہی ہیں۔

---

(۱) التاتارخانیہ، کتاب الشرکۃ،٥/٤٢٢،دار إحیاء التراث العربی بیروت

(۲) الدرالمختار، کتاب الشرکۃ،٦/٦٦

(۳) تبیین الحقائق، کتاب الشرکۃ، ٤/٢٣٤،دار الکتب العلمیۃ بیروت، شرح المجلۃ،لمحمد خالد الأتاسی،الکتاب العاشر فی أنواع الشرکات،المقدمۃ،تحت مادۃ(١٠٤٥):٤/٤،المکتبۃ الحقانیۃ پشاور

(٤) سورۃ النساء:١٢

(٥) سورۃ ص:٢٤

احادیث سے:

"إنّ الله يقول :أنا ثالث الشريكين مالم يخن أحدهما صاحبه، فإذا خانه خرجتُ من بينهما".

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو آدمی شریک ہوں تو جب تک ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے، میں اُن کا تیسرا ہوتا ہوں جب وہ دونوں خیانت کرتے ہیں تو میں ان دونوں کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔(۱)

اسی طرح حضرت سائب مخزومی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں کاروباری شریک تھے جب فتحِ مکہ کا موقع آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"مرحباً بأخي وشريكي لا يداري ولا يماري".

خوش آمدید میرے بھائی اور میرے شریک کو جو لڑتے جھگڑتے نہیں تھے۔(۲)

اجماع سے:

علامہ ابن قدامہ اور علامہ نوویؒ نے اس کے جواز پر اُمت کا اجماع نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ کسی بھی صاحب علم نے اس کے جائز ہونے میں اختلاف نہیں کیا ہے۔(۳)

تجارتی میدان میں چونکہ شرکت کی ضرورت واہمیت انتہائی زیادہ ہے اور یہ تکثیر الأموال کا ایک مناسب اور آسان طریقہ بھی ہے، اس لیے عقل بھی اس کے جواز کا مقتضی ہے۔(۴)

---

(۱)سنن أبي داؤد، كتاب البيوع ،باب في الشركة:۲/۱۲۵،مكتبه رحمانيه لاهور

(۲)المستدرك على الصحيحين للحاكم، محمد بن عبدالله النيسابوري، كتاب البيوع ،(رقم الحديث۲۳۵۷):۲/۶۹،۷۰ دار الكتب العلمية بيروت لبنان

(۳)المغني مع الشرح الكبير، كتاب الشركة:۵/۱۰۹،المكتبة التجارية المكة المكرمة، خطيب الشربيني، محمد، مغني المحتاج ،كتاب الشركة ،:۲/۲۱۱،دار الذخائر للمطبوعات ايران،الموسوعة الفقهيّة،مادة شركة العقد :۲۶/۳۵، وزارة الأوقاف والشؤن الإسلامية الكويت

(٤)الموسوعة الفقهيّة،مادة شركة العقد:۲۶/۳۵

شرکت کی قسمیں:

اصولی طور پر شرکت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شرکت املاک

(۲) شرکت عقود

یہاں پر بھی یہی دو قسمیں ہیں، تاہم لغوی معنی اور نام کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے بعض فقہا ایک اور قسم بھی ذکر کرتے ہیں، یعنی شرکۃ الإباحۃ۔

(۳) شرکۃ الإباحۃ: عام لوگوں کا کسی ایسی مباح چیز کی حق ملکیت میں شریک ہونا جس چیز کا کوئی ایک شخص مالک نہ ہو، مثلاً: پانی، آگ، گھاس اور دوسرے عام حقوق مثلاً: شارع عام، سڑک، مسجد، رباط، مقبرہ وغیرہ۔(۱)

شرکتِ اِملاک:

"هي أن يتملّك شخصان فأكثر عيناً من غير عقد الشركة".

یعنی عقدِ شرکت کا معاملہ کیے بغیر دو یا دو سے زیادہ افراد کا کسی چیز (عین) کی ملکیت میں شریک ہونا۔(۲)

شرکتِ املاک کا رکن:

دو مالوں کا آپس میں اس طور پر خلط ہونا کہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں۔(۳)

شرکتِ املاک کی قسمیں:

شرکتِ املاک کی دو تقسیمات ہیں: ایک تقسیم شرکتِ دین اور غیرِ دین کی طرف اور دوسری تقسیم شرکتِ اختیاری اور اضطراری کی طرف۔(۴)

(۱) شرح المجلة للأتاسي، الكتاب العاشر في أنواع الشركات، المقدمة، المادة(۱۰٤٥):٤/٣، وكذا في الباب الرابع في بيان شركة الإباحة، الفصل الأول، المادة(۱۲۳٤):٤/۱۷٥

(۲) الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود أو التصرفات المدنية المالية، الفصل الخامس الشركات، المبحث الأول، أقسام الشركة:٥/٣٨٧٧، دار الفكر المعاصر بيروت لبنان، الدر المختار، كتاب الشركة:٦/٤٦٦

(۳) الدر المختار، كتاب الشركة:٦/٤٦٦

(٤) الموسوعة الفقهيّة، مادة الشركة:٢٦/٢١

شرکتِ دین:

دین یا قرض وغیرہ میں اگر دو یا زیادہ افراد باہم شریک ہوں تو یہ شرکتِ دین ہے، مثلاً: کسی تاجر کے ذمے ۱۰۰ دینار ہوں اور اس میں کئی افراد باہم شریک ہوں۔

شرکتِ غیر دین:

کسی عین، حق یا منفعت میں شرکت، مثلاً: گاڑیوں اور ٹیکسٹائل وغیرہ میں شرکت یا تین شرکا میں سے ایک کا اپنا حصہ زمین فروخت کرنے کے بعد باقی دو کا حقِ شفعہ یا مشترکہ طور پر گھر یا زمین کرایہ پر لینے سے سکنی یا زراعت کا حق۔(۱)

شرکتِ اختیاری:

یہ وہ شرکت ہے جس میں شریکین میں سے ہر ایک شریک کے ارادے اور فعل کو دخل ہو، چاہے عقد کے ذریعے ہو یا غیر عقد کے ذریعے، مثلاً: دونوں مشترکہ طور پر کوئی چیز خریدیں یا دونوں کو ہبہ ہو جائے یا دونوں کے لیے وصیت ہو جائے اور دونوں اس کو قبول کریں تو اِن تمام صورتوں میں شئِ مشتریٰ، موہوب اور موصی بہ اِن کے درمیان مشترک ہوگی۔

شرکتِ اضطراری یا جبری:

وہ شرکت جس میں شرکا کے فعل اور ارادے کو کوئی عمل دخل نہ ہو، مثلاً: کوئی چیز دو یا زیادہ آدمیوں کو میراث میں مل جائے یا کسی شخص کے فعل کے بغیر گندم وغیرہ کی بوریاں پھٹ جائیں اور باہم خلط ملط ہو جائیں تو یہ شرکتِ اضطراری ہے، البتہ اگر کسی ایک شخص نے قصداً اپنے مال کو دوسرے کے مال سے خلط کر دیا تو یہ شرکت نہیں ہوگی، بلکہ وہ اس خلط شدہ چیز کے مثل کا ضامن ہوگا۔(۲)

شرکتِ املاک کا حکم:

شرکتِ املاک کے چاروں قسموں میں ہر شریک دوسرے شریک کے لیے بمنزلہ اجنبی متصور ہوگا، اس لیے کہ

(۱) الموسوعة الفقهية، مادة الشركة:۲۶/۲۱، شرح المجلة، الكتاب العاشر في أنواع الشركات، الباب الأول، الفصل الأول، المادة(۱۰۶۸، ۱۰۶۷)۱۱/٤، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الشركة:٦/٤٦٧، ٤٦٦

(۲) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الشركة، مطلب: الحق أنّ الدين يملك:٦/٤٦٨، ٤٦٧، بدائع الصنائع، كتاب الشركة:٧/٥٠١

ایک شریک نہ تو دوسرے کا وکیل ہے، نہ اس کو کوئی اور ولایت حاصل ہے اور نہ وہ شریک کے حصے میں ملکیت کا حق دار ہے، لہٰذا کسی بھی شریک کے لیے دوسرے کے حصے میں اُس کی اجازت کے بغیر تصرف کا حق نہیں۔ اور اگر دونوں کے حصے جدا جدا ہوں (باہم خلط نہ ہوں) تو کوئی بھی شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے۔(۱)

شرکتِ عقود:

یہ شرکت کی سب سے اہم قسم ہے جس میں ایک معاہدہ اور معاملہ کے تحت ایک سے زیادہ افراد شریک ہوتے ہیں۔ علامہ حصکفیؒ نے اس کی مختصر مگر جامع تعریف کی ہے:

"عقد بين المتشاركين في الأصل والربح".

دو افراد کے درمیان ایسا معاملہ جس میں وہ اصل سرمایہ اور نفع میں باہم شریک ہوں۔(۲)

شرکتِ عقود کا رکن:

شرکتِ عقود کا رُکن بھی دوسری بیوعات کی طرح ایجاب وقبول ہے، اس طور پر کہ ایجاب کرنے والا "شاركتك في كذا" کہے اور دوسرا اس کے مقابلے میں "قبلتُ" کہے۔(۳)

جمہور کے ہاں عاقدین، معقود علیہ اور صیغہ تینوں ارکان ہیں۔(۴)

شرکتِ عقود کی قسمیں:

اس کی تین قسمیں ہیں: شرکتِ اموال، شرکتِ اعمال اور شرکتِ وجوہ۔ پھر ان تینوں اقسام کی دو صورتیں ہیں۔ شرکتِ مفاوضہ اور شرکتِ عنان۔ گویا حنفیہ کے ہاں شرکتِ عقود کی چھ قسمیں بن گئیں۔ حنابلہ کے ہاں اس کی پانچ

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في حكم شركة الأملاك:۷/۵۲۳، الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الشركة، مطلب: الحق أن الدين يملك:۶/۴۶۷، الموسوعة الفقهيّة، مادة الشركة:۲۶/۲۲-۲۷

(۲) الدرالمختار، كتاب الشركة:۶/۴۶۶

(۳) التاتارخانية، كتاب الشركة، قبيل الفصل الأول:۵/۴۲۲، الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الشركة :۷/۴۷۴، ۴۶۶

(۴) الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود، أو التصرفات المدنية أو المالية، الفصل الخامس الشركات، المطلب الأول كيفية انعقاد شركات العقود، ركن شركة العقود:۵/۳۸۷۹، دار الفكر المعاصر بيروت لبنان

قسمیں ہیں (بشمول مضاربت)، جب کہ مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں چار قسمیں ہیں۔(۱)

شرکتِ عقود کی قسموں کے بارے میں فقہائے کرام کی آرا:

(۱) اموال میں شرکتِ عنان جائز ہے اور گویا اس پر اُمت کا اجماع ہے۔(۲)

(۲) شرکتِ مفاوضہ صرف حنفیہ کے ہاں جائز ہے، باقی ائمہ اس سے بالکل انکار کرتے ہیں۔(۳)

(۳) شرکت الاعمال مالکیہ کے نزدیک اس شرط پر جائز ہے کہ دونوں کا کام ایک ہو۔ حنفیہ کے ہاں کام کے اختلاف کے باوجود یہ جائز ہے۔ حنابلہ کے ہاں تو مباحات (لکڑی، گھاس وغیرہ) میں بھی یہ جائز ہے۔(۴)

(۴) شرکتِ وجوہ اور شرکتِ اعمال حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں جائز ہے، مالکیہ اور شوافع کے ہاں جائز نہیں۔(۵)

شرکتِ اموال کی تعریف:

شرکتِ اموال یہ ہے کہ دو آدمی مشترک سرمایہ لے کر یہ طے کرلیں کہ ہم اس سے مشترکہ طور پر خرید و فروخت (مطلق کاروبار) کریں گے اور اللہ تعالیٰ جو نفع عنایت فرمائے گا، اس کو باہم اس تناسب سے تقسیم کریں گے، چاہے دونوں یہ کہیں یا ایک کہے اور دوسرا اس کو قبول کرے اور چاہے عقد کے وقت سرمایہ کی مقدار اور عمل کی کیفیت معلوم ہو یا نہ ہو۔(۶)

شرکتِ اعمال کی تعریف:

شرکتِ اعمال یہ ہے کہ دو آدمی مل کر کسی کام کی انجام دہی کا معاملہ طے کریں، مثلاً: یہ کہ ہم دونوں کپڑے سیئیں گے یا دھوئیں گے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ رزق دے گا، وہ ہم دونوں کے درمیان اس مقررہ تناسب سے تقسیم ہوگا، اس

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود أو التصرفات المدنية المالية، الفصل الخامس الشركات، المبحث الأول، أقسام الشركة: ٥/٣٨٧٨، قاموس الفقه، مادة شركة: ٤/١٨٧۔ زم زم پبلشرز کراچی

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في جواز الأنواع الثلاثة: ٧/٥٠٤

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في جواز الأنواع الثلاثة: ٧/٥٠٧، ٥٠٨

(٤) الفقه الإسلامي و أدلته، القسم الثالث العقود، الفصل الخامس الشركات، المطلب الأول، ثالثاً تعريف شركة الأعمال و الأبدان: ٥/٣٨٨٨، دار الفكر المعاصر بيروت لبنان

(٥) الموسوعة الفقهية، مادة شركة العقد: ٢٦/٣٥

(٦) بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ٧/٥٠٢، الموسوعة الفقهية، مادة شركة العقد: ٢٦/٣٦

کو شرکۃ الأبدان، شرکۃ الصنائع اور شرکۃ بالتقبل بھی کہتے ہیں۔(۱)

پھر حنفیہ کے ہاں یہ دو قسم پر ہے: چاہے اس میں کسی خاص عمل کی قید لگائی گئی ہو یا نہیں، بلکہ مطلق ہو۔(۲)

شرکتِ وجوہ:

شرکتِ وجوہ یہ ہے کہ شریکین کے پاس مال تو نہ ہو، لیکن اُن کو معاشرے میں وجاہت اور معاملاتی ساکھ حاصل ہو، لہٰذا وہ یہ طے کرلیں کہ ہم اپنی وجاہت کے بل بوتے پر لوگوں سے قرض اشیا لے کر نقد فروخت کریں گے اور جو نفع اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے اُس میں (اپنے ذمے پر لینے والے قرض کے بقدر) شریک ہوں گے۔اس کو شرکت علی الذمم بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں نقد سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ادھار اور ذمہ سے کام لیا جاتا ہے۔(۳)

شرکتِ مفاوضہ:

شرکتِ عقود کی مذکورہ تینوں قسموں کی دو صورتیں ہیں: شرکتِ عنان اور شرکتِ مفاوضہ۔

شرکتِ مفاوضہ یہ ہے کہ دو آدمی اس طرح شریک ہوں کہ دونوں کا سرمایہ بھی مساوی ہو، نفع بھی اور حقِ تصرف بھی۔اسی طرح تجارتی واجبات اور ذمہ داریوں میں بھی دونوں باہم شریک ہوں، یعنی ہر ایک تصرف میں دوسرے کا وکیل اور ذمہ داریوں میں ایک دوسرے کا کفیل ہوتا ہے۔(۴)

مفاوضہ کے معنی لغت میں مساوات اور برابری کے ہیں۔شرکتِ مفاوضہ میں بھی دونوں فریق پانچ چیزوں (راس المال، تصرف، نفع، کفالت اور اہلیتِ تصرف) میں برابر شریک ہوتے ہیں۔اور مفاوضہ تفویض سے بھی ہوسکتا ہے بمعنی سپرد کرنا، اس لیے کہ عقدِ مذکور میں ہر شریک اپنا حقِ تصرف دوسرے کو سپرد کرتا ہے۔(۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الشرکۃ:۵۰۳/۷

(۲) الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ، کتاب الشرکۃ، فصل فی شرکۃ الأعمال:۶۲۴/۳

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الشرکۃ، وأما شرکۃ الوجوہ:۵۰۴/۷، الفقہ الإسلامی، القسم الثالث العقود، الفصل الخامس الشرکات، المطلب الأول، ثانیاً تعریف شرکۃ الوجوہ أو الشرکۃ علی الذمم:۳۸۸۰/۵، دار الفکر المعاصر

(۴) بدائع الصنائع، کتاب الشرکۃ، فصل فی جواز الأنواع الثلاثۃ:۵۰۵/۷، الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الشرکۃ، مطلب فی شرکۃ المفاوضۃ:۴۷۶/۶

(۵) بدائع الصنائع، کتاب الشرکۃ، فصل فی جواز الأنواع الثلاثۃ:۵۰۵/۷، الموسوعۃ الفقھیۃ، مادۃ الشرکۃ العقد:۳۸/۲۶

شرکتِ عنان:

شرکت کی مذکورہ صورت میں سرمایہ، نفع، تصرف، ذمہ داری وغیرہ کسی بھی چیز میں برابری شرط نہیں، بلکہ سرمائے کی طرح تصرف اور نفع کی مقدار بھی اپنی مرضی سے طے کر سکتے ہیں، تاہم نقصان ہر صورت میں بقدرِ سرمایہ ہوگا؛

"لأنّ الربح علىٰ ماشرطا والوصفيةعلى قدر المالين".

شرکت کی یہ قسم تمام فقہاءِ اُمت کے ہاں بالاتفاق جائز ہے۔ یہ وہی شرکت ہے جو زمانہ جاہلیت ہی سے رائج ہے۔ عنان کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ "عن" کا معنی اعراض ہے اور اس عقد میں بھی یہ جائز ہے کہ سرمائے کے کسی خاص حصے میں شرکت ہو اور باقی سے اعراض ہو، یعنی فریقِ آخر کے تصرف سے باہر ہو، یا عنان الفرس سے ہے کہ ایک ہاتھ میں لگام ہو اور دوسرا ہر قسم کے تصرف کے لیے فارغ ہو۔ (۱)

شرکت العقود کی شرائط:

شرکت العقود کے لیے دو قسم کی شرطیں ہیں۔ کچھ شرائط تمام اقسام کے لیے ہیں اور کچھ ہر ایک نوع کے لیے الگ الگ ہیں۔

عمومی شرائط:

(۱) معقود علیہ، یعنی جس چیز پر شرکت کی گئی ہو، وہ ایسی ہو کہ اس میں تصرف کا وکیل بنایا جاسکتا ہو، مثلاً: خرید و فروخت وغیرہ، تاکہ تصرف کرتے وقت متصرف اپنے حصے میں اصیل ہو اور دوسرے شریک کے حصے میں وکیل ہو۔ اگر معقود علیہ سرے سے مشترکہ تصرف کے قابل ہی نہ ہو، مثلاً: مباحات (لکڑی، گھاس، شکار وغیرہ) نکاح اور وقف؛ تو اس میں شرکت درست نہیں۔ (۲)

(۲) ہر ایک شریک میں خود وکیل بننے اور وکیل بنانے کی صلاحیت موجود ہو، لہٰذا معتوہ اور بہت چھوٹے بچے کی شرکت درست نہیں۔ (۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الشركة،فصل في جواز الأنواع الثلاثة:۷/۵۰۵،الفقه الإسلامي وأدلته،القسم الثالث العقود، الفصل الخامس الشركات،المطلب الأول،أوّلاً:تعريف شركة الأموال،شركة العنان:۵/۳۸۸۰، دار الفكر المعاصر

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في شروط جواز هذه الأنواع ، أما الشرائط العامة:۷/۵۰۹،الدر المختار على صدر رد المحتار ،كتاب الشركة، مطلب في شركة العقد:۶/۴۷۴،۶/۴۶۶

(۳) بدائع الصنائع ، كتاب الشركة ، حواله بالا:۷/۵۰۹،الموسوعة الفقهية،مادة شركةالعقد:۲۶/۴۴

(۳) نفع کی مقدار معلوم ومتعین ہو۔

(۴) نفع کی تحدید جزء شائع، یعنی تناسب (نصف، ثلث، ربع وغیرہ) کے اعتبار سے ہو۔خاص تعداد، یعنی ہزار دو ہزار کی تعیین سے بالاتفاق شرکت فاسد ہو جائے گی، البتہ اگر یہ کہے کہ شرکت کے مال سے الگ مجھے مثلاً: سو روپے دو گے تو شرط باطل ہے اور شرکت جائز ہے۔(۱)

خصوصی شرائط:

شرکتِ اموال سے متعلق شرائط:

(۱) راس المال (سرمایہ) ثمن، یعنی زر کے قبیل سے ہو۔ثمنِ خلقی (دراہم ودنانیر) ہو یا ثمنِ عرفی (روپیہ پیسہ وغیرہ)۔حنفیہ کے ہاں ثمن کے علاوہ اشیا میں شرکت درست نہیں۔

(۲) راس المال عین (نقد اور موجودہ مال) ہو، دین نہ ہو۔

(۳) راس المال عقد یا خرید وفروخت کے وقت موجود اور حاضر ہو۔غیر موجود مال میں شرکت درست نہیں۔(۲)

نوٹ:

اثمانِ مطلقہ کے علاوہ مثلیات (مکیلات، موزونات اور عددیاتِ متقاربہ) اگر باہم خلط ملط ہوں اور ایک جنس کے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کے ہاں یہ راس المال بن سکتے ہیں، لہٰذا یہ شرکت الاموال کے قبیل سے ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں یہ شرکتِ ملک ہے، تاہم ایک مرتبہ خلط کرنے کے بعد وہ حیلہ کر کے اس کو شرکت العقود بنا سکتے ہیں۔(۳)

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الشركة، الباب السادس في المتفرقات، قبيل كتاب الوقف: ۲/ ۳۵۰، بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في شروط هذه الأنواع، أما الشرائط العامة: ۵۰۹۷

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في شروط هذه الأنواع، أما الشركة بالأموال فلها شروط: ۵۱۳/۷-۵۰۹، الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود، الفصل الخامس الشركات المطلب الثاني شرائط شركة العقود، الشروط الخاصة بعقود شركات الأموال: ۵/ ۳۸۹۴-۳۸۹۰، دار الفكر المعاصر بيروت لبنان

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في جواز هذه الأنواع، أما الشركة بالأموال فلها شروط: ۵۱۲/۷، الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود، الفصل الخامس الشركات، المطلب الثاني شرائط شركة العقود، ثانياً الشروط الخاصة بعقود شركات الأموال، هل يشترط خلط المالين، وأما الفلوس: ۵/ ۳۸۹۴، ۳۸۹۵ دار الفكر المعاصر بيروت

نوٹ:

جمہور فقہا کے نزدیک شرکت کے مال کو باہم خلط کرنا اور ملانا ضروری نہیں۔ شوافعؒ اور امام زفرؒ کے ہاں ضروری ہے، لہٰذا اگر اموال دو جنس کے ہوں (ایک طرف دراہم ہوں، دوسری طرف دنانیر) تو جمہور کے ہاں تو شرکت درست ہے لیکن امام شافعیؒ وزفرؒ کے ہاں خلط ناممکن ہونے کی وجہ سے شرکت بھی درست نہیں۔ (۱)

شرکتِ مفاوضہ سے متعلق مخصوص شرائط:

(۱) شرکا میں سے ہر ایک وکیل اور کفیل بننے کی اہلیت رکھتا ہو، یعنی عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔

(۲) مقدار اور قیمت کے اعتبار سے دونوں کا سرمایہ برابر ہو، لہٰذا اگر دونوں اموال مختلف الجنس ہوں تو بھی شرکتِ مفاوضہ جائز ہے، تاہم دونوں اجناس کا قیمتاً برابر ہونا ضروری ہے۔

(۳) راس المال (سرمایہ) کے علاوہ دونوں میں سے کسی کے پاس مزید کوئی ایسا مال موجود نہ ہو جس پر شرکت کا معاملہ کیا جا سکتا ہو اور وہ شرکت میں داخل نہ ہو۔ چنانچہ اگر اس قسم کا کوئی مال موجود ہونے کے باوجود شرکت میں داخل نہ ہو تو مساوات نہ ہونے کی وجہ سے شرکتِ مفاوضہ ختم ہو کر شرکتِ عنان میں تبدیل ہو جائے گی، البتہ اگر شرکت سے زائد مال عروض، زمین دیون، اور اموال غائبہ وغیرہ ہوں تو کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ ان اشیا میں تفاضل ازواج اور اولاد کے تفاضل کی طرح ہے۔

(۴) دونوں کے لیے نفع کا تناسب مساوی ہو، تفاضل کی صورت میں شرکتِ مفاوضہ نہ رہے گی۔

(۵) شرکت اور تصرف میں عموم ہو، یعنی تجارت کے تمام انواع میں ہر شریک کو تصرف کا حق حاصل ہوگا اور دوسرا اس میں برابر کا شریک ہوگا، لہٰذا امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے ہاں مسلم اور کافر کے درمیان شرکتِ مفاوضہ درست نہیں، اس لیے کہ کافر کے لیے بعض وہ تجارتیں بھی جائز ہیں جو مسلمان کے لیے جائز نہیں، لہٰذا دونوں کے لیے تصرفِ عمومی میں برابری نہ رہی۔

(۶) شرکت مفاوضہ میں یا تو مفاوضہ کے الفاظ استعمال کیے جائیں یا ایسے الفاظ جو مفاوضہ کے معنی میں ہوں۔ اِن شرائط میں سے ایک بھی شرط نہ ہو تو شرکت مفاوضہ شرکت عنان میں بدل جائے گی۔ (۲)

علامہ وھبۃ الزحیلیؒ اپنے استاد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شرکت مفاوضہ کے شرائط کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ شرکت عملی طور پر مشکل ہے۔ اگر کہیں موجود ہو بھی جائے تو اس کے وجود کو بقا ملنا مشکل ہے۔ دراصل اس

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الشركة ،فصل في جواز هذه الأنواع،أما الشركة بالأموال فلها شروط:۷/۵۱۳

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الشركة،فصل في شروط جواز هذه الأنواع ،ومنها :ماهو مختص بالمفاوضة:۷/۱۶-۵۱۴

کی شرائط ہی کچھ ایسی ہیں، جنہوں نے اس کے وجود کو ایک مشکل امر بنا دیا ہے۔(۱)

شرکتِ مفاوضہ کے احکام:

خرید وفروخت کے تمام احکامات میں (بشمولِ خیاراتِ ثلاثہ) ایک کا عمل دوسرے کی جانب سے بھی متصور ہوگا، البتہ اپنے اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات اگر ایک شریک خرید لے تو وہ استحسانا مشترک نہیں ہوں گے۔ایک کے قرض، غصب، اتلاف؛ ہر ذمہ داری کا دوسرا بھی کفیل ہوگا۔اگر کسی کو کوئی مال (ثمن کے قبیل سے) ہبہ، صدقہ یا میراث میں مل گیا تو راس المال میں مساوات ختم ہوگئی، لہٰذا شرکتِ مفاوضہ بھی ختم ہوگئی۔اب اگر شرکتِ عنان سے کوئی مانع نہ ہو تو یہ شرکتِ عنان میں تبدیل ہوجائے گی۔(۲)

شرکتِ عنان کے احکام:

شرکت کی تمام صورتوں میں سب سے زیادہ قابلِ عمل اور مروج و معمول طریقہ ''شرکتِ عنان'' کا ہے۔اس میں نہ یہ ضروری ہے کہ دونوں شریکوں کا سرمایہ برابر ہو، نہ یہ ضروری ہے کہ نفع برابر ہو، البتہ اگر دونوں کا سرمایہ برابر ہو اور ایک کے لیے زیادہ نفع کی شرط ہو تو ضروری ہے کہ اس زیادہ نفع پانے والے کا عمل بھی دوسرے سے زیادہ ہو۔(۳)

شرکتِ عنان میں کفالت کی اہلیت ضروری نہیں، بلکہ وکالت کی اہلیت کافی ہے، اس لیے نابالغ ہوشیار بچے کی شرکت درست ہے۔شرکتِ عنان مخصوص چیز کی تجارت میں بھی ہوسکتی ہے اور عمومی طور پر بھی، مخصوص مدت کی تعیین کے ساتھ بھی اور بلا تعیین مدت بھی۔(۴)

یہ شرکت مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی ہوسکتی ہے، شرکا کے مال کو خلط کرنا ضروری نہیں۔شرکتِ عنان میں

---

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود، الفصل الخامس الشركات، المطلب الثاني شرائط شركة العقود، ثالثاً الشروط الخاصة بشركة المفاوضة: ۳۸۹۸/۵

(۲) الفتاوى الخانية، كتاب الشركة، فصل في شركة المفاوضة: ۶۱۸-۲۰/۳، الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: في ما يقع كثيراً في الفلاحين الخ: ۴۸۰-۴۷۷/۶

(۳) رد المحتار، كتاب الشركة، بعد مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۴۸۴/۶، الفتاوى الخانية على هامش الهندية، كتاب الشركة، فصل في شركة العنان: ۶۱۳/۳

(۴) الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الشركة، ومطلب في شركة العنان: ۴۸۳/۶، الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الشركة، فصل في شركة العنان: ۶۱۳،۶۱۲/۳

دونوں شرکا کی طرف سے عمل بھی درست ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ایک ہی شریک کی طرف سے عمل ہو۔(۱)

شرکتِ اعمال کے احکام:

شرکتِ اعمال میں شرکت بطورِ عنان بھی ہو سکتی ہے اور بطور مفاوضہ بھی۔ اگر بطور مفاوضہ ہو تو دونوں کے لیے کفالت کا اہل ہونا ضروری ہے، اُجرت (نفع) میں برابری کی شرط ہو اور الفاظ مفاوضہ کے استعمال ہوں۔ شرکتِ عنان ہو تو پھر یہ شرائط ضروری نہیں، صرف وکالت کا اہل ہونا کافی ہے۔ شرکتِ اعمال میں مدت کا بیان کرنا ضروری نہیں۔(۲)

دونوں میں سے ہر شریک دوسرے کی طرف سے کام قبول کرنے میں وکیل متصور ہوگا۔ شرکتِ عنان ہو تو اُجرت میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ جو تناسب اُجرت کا ہو، وہی تناسب نقصانات کی ذمہ داری اٹھانے میں بھی ہوگا۔ کام کے درمیان اگر کوئی سامان غائب ہوا تو دونوں مل کر اس کا ضمان ادا کریں گے۔ امام ابو یوسف کے ہاں اگر ایک بیمار ہوا اور دوسرے نے کام کیا تو بھی اجرت دونوں میں تقسیم ہوگی۔ دونوں اجرت وصول کر سکتے ہیں اور کام کرنے والا جسے بھی اجرت دے، اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

شرکت اعمال میں دونوں ہم پیشہ بھی ہو سکتے ہیں اور الگ الگ پیشے والے بھی، مثلاً دھوبی اور درزی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک کے پاس آلات ہوں اور دوسرے کے پاس مکان اور دکان اور دونوں یہ طے کر لیں کہ دونوں ایک دوسرے کے مکان یا آلات سے استفادہ کریں گے اور اُجرت باہم مشترک ہوگی۔(۳)

شرکتِ وجوہ، شرائط اور احکام:

اس کی بھی دو صورتیں ہیں: مفاوضہ اور عنان، جو شرطیں مفاوضہ کی مذکور ہیں، وہی شرطیں شرکتِ وجوہ کی صورت میں بھی مطلوب ہوں گی۔ البتہ اگر شرکتِ عنان کی صورت ہو تو پھر وہ شرطیں نہیں ہوں گی جو مفاوضہ کی صورت میں تھیں۔

شرکتِ وجوہ میں نفع بقدر ضمان ہوگا، یعنی جس شریک نے معقود علیہ خریدتے وقت اپنے ذمے جتنا قرض لیا تھا

---

(۱) الفتاوی الخانیة علی هامش الهندیة، کتاب الشرکة ،فصل في شرکةالعنان:۶۱۳/۳

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الشرکة، فصل في شروط جوازهذه الأنواع:۵۱۹/۷

(۳) الفتاوی الخانیة علی هامش الهندیة ،کتاب الشرکة، فصل في شرکة الأعمال:۶۲۴،۶۲۳/۳

اُسی کے بقدر نفع کا حق دار ہوگا۔اگر قدرِ ضمان سے زیادہ کی شرط لگائے تو شرط باطل ہوگی اور نفع بقدرِ ضمان ہی ہوگا۔(۱)

شرکا کے تصرفات کا خلاصہ:

(۱) شرکا تجارتی کاموں کی انجام دہی کے لیے حسبِ ضرورت ملازمین رکھ سکتے ہیں۔

(۲) سرمایہ دوسرے شخص کے پاس بطورِ امانت رکھ سکتے ہیں۔

(۳) عاریتاً دوسرے کو شرکت کا سامان دے سکتے ہیں۔

(۴) سرمایہ کسی اور کو مضاربت پر بھی دے سکتے ہیں۔

(۵) کسی اور کو خرید وفروخت کا وکیل بنا سکتے ہیں۔

(۶) نقد وادھار ہر طرح خرید وفروخت کر سکتے ہیں۔

(۷) سرمایہ لے کر سفر پر جا سکتے ہیں۔یہی صحیح قول ہے۔

(۸) تجارتی مقاصد کے لیے قرض لے سکتے ہیں۔

ایک شریک دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر قرض نہیں دے سکتا، نہ رہن رکھ سکتا ہے، نہ ہبہ کر سکتا ہے، نہ کسی اور کو شرکت پر سرمایہ دے سکتا ہے۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں ”ایسی تمام صورتیں ناجائز ہیں جن میں مال کا ضیاع ہوتا ہو یا بلا عوض دوسرے کو مال کا مالک بنایا جاتا ہو۔(۲)

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر شرکا ایک دوسرے کو آزادی دے دیں کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کرو تو دونوں کے لیے وہ تمام تصرفات روا ہوں گے جن کی تجارت میں نوبت آتی ہے، جیسے: سفر، رہن اور شرکت وغیرہ، البتہ جن صورتوں میں مال کے تلف ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہو یا بلا عوض دوسرے کو مالک بنانے کی صورت ہو، جیسے: ہبہ وقرض وغیرہ تو اس کی اجازت دوسرے شریک کی صراحتاً اجازت کے بغیر نہ ہوگی۔(۳)

---

(۱) الفتاوی الخانیۃ علی هامش الهندیة، کتاب الشرکة، فصل في شرکة الوجوه:۶۲۳/۳، بدائع الصنائع، کتاب الشرکة،فصل في شروط جواز هذه الأنواع ، وأما الشرکة بالوجوه فشرط المفاوضة:۵۲۲/۷

(۲) الدر المختار ، کتاب الشرکة ،بعد مطلب :اشترکا علی أنّ ما اشتریا من تجارة فهو بیننا: ۴۹۰/۶-۴۹۳

(۳) رد المحتار ، کتاب الشرکة،مطلب :یملك الإستدانة بإذن شریکه:۴۹۳/۶

فقہا کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس باب میں اصل تجارتی اور کاروباری عرف ہے۔عرف میں تجارتی مفادات کے لیے جن امور کو روا رکھا جاتا ہو،ان کی اجازت ہوگی۔(۱)

شرکت پر مرتب ہونے والے عام آثار:

(۱)معقود علیہ اور اس کے منافع میں شرکا کی باہمی شرکت۔(۲)

(۲)حنفیہ اور اکثر فقہا کے ہاں شرکت غیر لازمی معاملہ ہے،فریقین میں سے کوئی بھی جب چاہے،شرکت کو ختم کر سکتا ہے۔دوسرے فریق کا اس پر رضامند ہونا ضروری نہیں،صرف اس کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔(۳)

البتہ مالکیہ کی بعض عبارات سے لزوم معلوم ہوتا ہے۔فی زمانناکاروبای وسعت اور پھیلاؤ کے باعث اگر شرکت کے معاملات میں ہمہ وقت علیحدہ ہوجانے کی گنجائش ہوتو دوسرا فریق شدید ضرر ونقصان میں مبتلا ہوسکتا ہے۔اس مقصد کے تحت اگر مالکیہ کے نقطۂ نظر کو قبول کیا جائے تو کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔(۴)

(۳)مالِ شرکت پر شریک کا قبضہ بطور رہن ہوتا ہے،لہذا نفع ونقصان سے متعلق اسی کا قول معتبر ہوگا۔اس کی تعدی کے بغیر اگر نقصان ہوا تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا۔جیسا کہ امانات کا عام قاعدہ ہے۔(۵)

(۴)نفع کا استحقاق تین چیزوں سے ممکن ہے:مال سے،عمل سے اور ضمان سے۔مضاربت میں رب المال مال کی وجہ سے،مضارب عمل کی وجہ سے اور شرکت الوجوہ میں شرکا ضمان کی وجہ سے نفع کے مستحق بنتے ہیں۔(۶)

شرکت کو ختم کرنے والی چیزیں:

یہ اسباب دو قسم پر ہیں:عام اسباب اور خاص اسباب۔

عام اسباب:

یہ وہ اسباب ہیں جو شرکت کی کسی خاص قسم کے ساتھ مخصوص نہیں،بلکہ ہر قسم میں آسکتے ہیں۔

---

(۱) قاموس الفقه، مادة شركة: ١٩٢/٤

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الشركة ،الباب الأول ،الفصل الأول،وحكم شركة العقد:٣٠٢/٢

(۳) بدائع الصنائع ،كتاب الشركة ،فصل في صفة عقد الشركة: ٥٤٥/٧

(۴) قاموس الفقه ،مادة شركه : ١٩٣/٤

(۵)الدر المختار على صدر رد المحتار ،كتاب الشركة ،مطلب : أقر بمقدار الربح ثم ادعى الخطأ:٤٩٤/٦

(۶) الموسوعة الفقهية،مادة شركة العقد: ٦٠/٢٦

(۱) شریکین میں سے کسی ایک کا شرکت کو فسخ کرنا۔

(۲) شریکین میں سے کسی ایک کا شرکت سے انکار کرنا، یہ بھی بمنزلہ فسخ کے ہے۔

(۳) شریکین میں سے کسی پر جنون مطبق (مسلسل ایک ماہ یا ایک سال علی حسب الاختلاف) طاری ہونا۔

(۴) شریکین میں سے کسی کی موت واقع ہونا۔ اگر میت کا وارث یا مجنون کا ولی شرکت کو جاری رکھنا چاہے تو معاملہ کی تجدید کریں گے۔

(۵) شریکین میں سے کسی ایک کا مرتد ہو کر دار الحرب جانا اور اس دار الحرب جانے اور کفار سے ملنے پر قاضی کی طرف سے فیصلہ ہونا۔(۱)

(۶) شرکت میں لگائے گئے شرائط کی مخالفت، لہٰذا مخالفت کے بقدر شرکت باطل ہوگی اور مخالفت کرنے والا ضامن ہوگا۔

(۷) شافعیہ وحنابلہ کے ہاں شریکین میں سے کسی پر افلاس یا سفہ (بے وقوفی) کی وجہ سے قاضی کی طرف سے پابندی لگنا۔(۲)

خاص اسباب:

یعنی وہ اسباب جو کسی خاص شرکت کے لیے سببِ فساد یا بطلان بن سکتے ہیں۔

(۱) شرکتِ اموال میں دونوں کے مال کا ہلاک ہو جانا۔ اگر کسی ایک کا مال ہلاک ہو جائے تو اسی خاص شخص کی شرکت فاسد ہو جائے گی۔(۳)

(۲) شرکتِ مفاوضہ میں راس المال یا تصرف میں تساوی کا فوت ہو جانا۔(۴)

(۳) شرکتِ موقتہ میں مدت کا ختم ہو جانا۔(۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الشركة،فصل،وأما بيان ما يبطل به عقد الشركة:۷/۵٤۷

(۲)الشرح الكبير على المغنى، كتاب الشركة، فصل، وشركة العنان مبنية على الوكالة والأمانة:۵/۱۲۹، الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة:٦/٥-٥٠٤، بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل، وأما بيان ما يبطل به عقد الشركة:۷/٥٤٧، ٦٤٦

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل، وأما بيان ما يبطل به عقد الشركة، وأما الذى يخص البعض دون البعض: ۷/۵٤۷، الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: فيما يبطل الشركة: ٦/٤٨٧

(٤) الفتاوى الهندية، كتاب الشركة، الباب الثاني في المفاوضة، الفصل الرابع في ما تبطل به المفاوضة وما لا تبطل به: ۲/۳۱۱، بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل، وأما بيان ما يبطل به عقد الشركة، وأما الذى يخص البعض دون البعض:۷/۵٤۸

(٥) الموسوعة الفقهية، مادة شركة العقد:٢٦/٩٠-٩٢

مسائل متعلقه كتاب الشركة

باب اول ارکان، شرائط اور احکام

شرکت میں زائد سرمایہ والے پر کاروبار کی شرط لگانا

سوال نمبر(1):

زید بکر کے ساتھ شراکت پر کاروبار کرنا چاہتا ہے، دونوں کا سرمایہ متفاوت ہے۔(مثلاً زید کا ایک ہزار روپے اور بکر کا دو ہزار روپے) اب زید بکر سے کہتا ہے کہ کاروبار صرف تم کروگے، حالانکہ بکر کا سرمایہ بھی زیادہ ہے۔ کیا زیادہ سرمایہ لگانے والے پر عمل کی شرط لگانا شرعاً جائز ہے؟ یا اس کاروبار سے اجتناب کرنا چاہیے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرکت عقد کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں عمل کی شرط اس شریک پر لگائی جائے جس کا سرمایہ کم ہو، اگر زیادہ سرمایہ والے شریک پر عمل کو شرط قرار دیا گیا تو شرعاً یہ جائز نہیں۔

صورت مسئولہ کے مطابق اصل سرمایہ میں تفاوت کے باوجود زیادہ سرمایہ لگانے والے پر عمل کی شرط لگانا اور نفع میں برابر کے شریک ہونا شرعاً جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وإن شرطا العمل على أحدهما، فإن شرطاه على الذي رأس ماله أقل جاز ،ويستحق قدر ربح ماله بماله ،والفضل بعمله. وإن شرطاه على صاحب الأكثر لم يجز .(١)

ترجمہ:

اگر دونوں میں سے کسی ایک پر عمل شرط لگائیں، اگر اس پر شرط لگائی گئی جس کا سرمایہ کم ہے تو جائز ہے اور وہ بقدرِ سرمایہ اپنے نفع کا مستحق ہوگا اور عمل کی وجہ سے زیادتی کا بھی اور اگر زیادہ سرمایہ لگانے والے پر عمل شرط لگائی گئی تو جائز نہیں۔

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في شروط جوازهذه الأنواع:٧/٥١٨

4

سرمایہ میں تفاوت کے باوجود نفع میں مساوات

سوال نمبر(2):

ایک شخص نے امارات میں پانی کا ایک ٹینکر خریدا اور اس میں ایک رشتہ دار کو بھی شریک کیا، لیکن اس شخص کی رقم رشتہ دار کی نسبت زیادہ تھی۔ اب اس ٹینکر کی فروختگی کے بعد حاصل شدہ منافع ان کے مابین کس تناسب سے تقسیم ہوں گے؟ اگر یہ شخص شریک آخر (رشتہ دار) کو بخوشی نصف نفع دینا چاہے تو شریک آخر کے لیے اس کا لینا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر دو شخص تجارت میں شریک ہوں اور اصل سرمایہ میں دونوں کی برابری نہ ہو، بلکہ ایک شریک کا سرمایہ دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ ہو، باوجود اس کے نفع میں دونوں بخوشی برابر حصہ لیتے ہوں تو شرعاً ایسی شرکت جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

والمساواۃفي رأس المال لیست بشرط،ویجوزالتفاضل في الربح مع تساویھمافي رأس المال.(۱)

ترجمہ: (شرکت کے) راس المال میں برابری شرط نہیں۔ راس المال کی مساوات کے باوجود بھی نفع میں زیادتی جائز ہے۔

❁❁❁

ایک شریک کی عدم موجودگی میں مشترکہ جائیداد کی تقسیم

سوال نمبر(3):

پانچ بھائیوں کی مشترکہ جائیداد ہے۔ تقسیم کے وقت ایک بھائی موجود نہیں تھا اور نہ اس کو اس تقسیم کا علم تھا، تقسیم کے بعد اس بھائی کو علم ہوا تو اس نے تقسیم تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ کیا ایک شریک کی عدم موجودگی اور عدمِ رضا کی صورت میں شرعاً ایسی تقسیم جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

(۱)الفتاوی الھندیۃ، کتاب الشرکۃ،الباب الثالث في شرکۃ العنان:۲/۳۱۹

الجواب وباللہ التوفیق:

مشترکہ جائیداد کی تقسیم میں ہر شریک کا اصالتاً یا وکالتاً موجود ہونا ضروری ہے، بصورت دیگر تقسیم شرکا کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں یہ تقسیم درست نہیں، کیوں کہ ایک شریک اس تقسیم پر راضی نہیں، اس لیے اس شریک کو تقسیم فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

قسمة الفضولي موقوفة على الإجازة قولاًأو فعلاً..........فإذاقسم واحد المال المشترك بنفسه لاتكون القسمة جائزة ،ولكن إذا أجاز أصحابه.(١)

ترجمہ: فضولی کی تقسیم قولاً یا فعلاً اجازت پر موقوف ہے۔۔۔۔اگر کوئی ایک شریک اپنی طرف سے مشترک مال تقسیم کرے تو یہ تقسیم جائز نہیں ہوگی، ہاں اگر باقی شرکا اجازت دیں۔

❁❁❁

عقدِ شرکت کی بعض شرائط

سوال نمبر (4):

جناب مفتی صاحب! میرا ایک دوست مجھے چار لاکھ روپے دینا چاہتا ہے، جسے میں اپنے کاروبار (سپیئر پارٹس) میں لگادوں گا، جب کہ میرا یہ کاروبار چلا آرہا ہے تو ان چار لاکھ روپے کو میں شرعی لحاظ سے کن معاملات اور شرائط کے تحت لے کر اپنے کاروبار میں لگاؤں۔ ہمارا نفع ونقصان کس نسبت اور کس لحاظ سے ہو، تاکہ شرعی لحاظ سے ہمارا معاملہ درست قرار پائے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے ضرورتِ انسانی کے تحت دو آدمیوں کو کاروبار میں شریک ہونے کی اجازت دی ہے اور اس کے لیے مستقل اصول وقواعد بیان کیے ہیں جو ''کتاب الشرکۃ'' کے عنوان سے کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔

(١)شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشرفي انواع الشركات،الباب السادس ،رقم المادة :١١٢٦، ص/٦٢٣

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص آپ کو رقم کاروبار میں شرکت کے لیے دینا چاہتا ہے تو آپ اس سے یہ رقم لے سکتے ہیں۔آپ کو چاہیے کہ اپنے کاروبار کا حساب لگائیں اور اس رقم کی نسبت معلوم کریں جو نسبت بھی نکل آئے، اسی نسبت سے وہ آپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوگا اور نفع کی تقسیم آپ دونوں باہمی رضامندی سے طے کرلیں، البتہ اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ ہر شریک کا نفع کل نفع میں فیصد کے اعتبار سے متعین ہو، رقم کی کوئی متعین مقدار کسی ایک شریک کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں اور نقصان بھی دونوں اپنے حصہ کے برابر برداشت کریں۔اس سے زیادتی یا کمی کی شرط لگانا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

أما الأول : وهو الشركة بالأموال : فهو أن يشترك اثنان في رأس مال ، فيقولان اشتركنا فيه على أن نشتري ونبيع معا، أو شتى .(۱)

ترجمہ:

شرکت کی پہلی قسم شرکت اموال ہے: وہ یہ ہے کہ دو آدمی اصلی سرمایہ میں شریک ہوں اور یہ کہیں کہ ہم دونوں ایک ساتھ یا الگ الگ خرید وفروخت کریں گے۔

ولاتجوز الشركة إذاشرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح .(۲)

ترجمہ: جب ایک شریک کے لیے نفع میں متعین مقدار کے درہم شرط لگائے جائیں تو شرکت جائز نہیں ہوگی۔

❁❁❁

شرکت کے مال میں ذاتی تصرف کرنا

سوال نمبر(5):

ایک شریک (پارٹنر) نے مال شرکت سے کچھ رقم نکال کر اس سے کاروبار کیا۔اب اس کا شرعی حل کیا ہوگا؟ اب تمام سرمایہ نفع سمیت شرکت کے مال میں لوٹانا ضروری ہے یا صرف اصل سرمایہ؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الشركة:۷/۵۰۲

(۲) الهداية، كتاب الشركة،فصل لاتنعقدالشركة إلابالدراهم:۲/۶۱۱

الجواب وباللہ التوفیق:

شرکت کے مال کو دوسرے شریک کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔اجازت کے بغیر استعمال کرنا امانت میں خیانت ہے، جو کبیرہ گناہ ہے۔استعمال کے بعد اصل سرمایہ منافع سمیت مشترک مال میں لوٹانا ضروری نہیں، بلکہ اصل مال واپس کرنا ضروری ہے،تاہم اگر منافع سمیت اصل مال واپس کرے تو یہ شرکا کے ساتھ احسان ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

حصة أحد الشريكين في حكم الوديعة في يد الآخر ،فإذا أودع أحدهما المال المشترك عند آخر بدون إذن ،فتلف كان ضامنا حصة شريكه.(١)

ترجمہ:

شرکا میں سے ہر ایک کا حصہ دوسرے شریک کے پاس امانت کے حکم میں ہوتا ہے،لہٰذا اگر کسی ایک شریک نے مشترک مال کسی دوسرے شخص کے پاس اپنے شریک کی اجازت کے بغیر رکھ دیا اور وہ مال ضائع ہوگیا تو یہ شخص اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا۔

❀❀❀

مشترک کاروبار کے لیے ایک شریک کا قرض لینا

سوال نمبر (6):

پانچ بھائیوں کا مشترکہ کاروبار تھا،کاروبار کا اختیار بڑے بھائی کے ہاتھ میں تھا۔ایک دفعہ بڑے بھائی نے دو لاکھ روپیہ قرض لے کر اس کو شریک کاروبار میں لگایا اور اس سے نفع بھی کمایا۔کیا اس قرض اور اس کے نفع میں تمام شرکا شریک ہوں گے؟یا قرض کی ادائیگی اور اس کا نفع بڑے بھائی کے ذمے ہوگا؟اس کی ضرورت اس لیے پڑی ہے کہ شرکا اب کاروبار ختم کرانا چاہتے ہیں۔

بیّنوا توجروا

(١)شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات،الفصل السادس في شركة العنان،رقم المادة: ١٣٦٩ ص/٧٢٧

الجواب وباللہ التوفیق :

شرکت چاہے شرکت عنان ہو یا مفاوضہ، بہرصورت اگر ایک شریک قرض لے کر مشترک کاروبار میں لگائے تو سب شرکا پر اس کی ادائیگی ضروری ہے اور منافع شرکا کے درمیان حسبِ معاہدہ تقسیم ہوگا۔

شرکت عنان میں اصل سرمایہ، عمل اور منافع میں مساوات نہیں ہوتی، جب کہ مفاوضہ میں اصل سرمایہ، عمل اور منافع سب میں مساوات ہوتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں ایک شریک مشترک کاروبار کے لیے قرض لے تو سب پر ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو استقرض أحد شريكي العنان مالا للتجارة لزمهما.(١)

ترجمہ:

اور اگر ایک شریک نے شرکت عنان میں تجارت کے لیے مال قرض لیا تو دونوں پر وہ لازم ہوگا۔

قال في المبسوط :ان أقرض أحد المتفاوضين يلزم شريكه عند أبي حنيفةؒ.(٢)

ترجمہ:

اگر شرکت مفاوضہ میں ایک شریک نے قرض لیا تو دوسرے شریک پر بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لازم ہوگا۔

❁❁❁

مالِ مشترک سے انتفاع کا طریقہ کار

سوال نمبر(7):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو بھائیوں کا مشترکہ پہاڑ ہے جس میں ہر ایک بھائی کا حصہ رسدگی متعین ہے، تاہم پہاڑ تاحال مشاع ہے۔ ایسی صورت میں دونوں شرکا کے لیے انتفاع کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ کیا ایک بھائی دوسرے بھائی کا حصہ جبراً قبضہ کر کے اس سے استفادہ کر سکتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(١)الفتاوی تنقیح الحامدیة، کتاب الشرکة:١/٨٩

(٢)الکفایة علی فتح القدیر، کتاب الشرکة،تحت قوله:(واماالاقراض):٥/٣٨٦

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے اگر کسی چیز میں کئی افراد شریک ہوں اور وہ اس سے منفعت حاصل کرنا چاہتے ہوں تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱)......شرکت برقرار رکھ کر فائدہ حاصل کریں۔

(۲)......شرکت کو ختم کر کے الگ ہوں اور اپنے اپنے حصے سے مستفید ہوں۔

شرکت کو برقرار رکھتے ہوئے فائدہ حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) تہایؤ (۲) مشترک انتفاع

(۱) تہایؤ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں شریک باہم رضامندی سے انتفاع کا کوئی طریقہ متعین کر لیں مثلاً: یہ کہ دونوں شریک فائدہ اٹھانے کے لیے الگ الگ باری مقرر کر لیں کہ ایک مہینہ یا ایک سال ایک شریک استعمال کر کے فائدہ اُٹھائے گا اور دوسرے مہینے یا دوسرے سال دوسرا شریک استعمال کر کے اس سے فائدہ حاصل کرے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ باہم رضامندی سے مشترک چیز کے عارضی حصے بنا دیے جائیں، ایک حصہ سے ایک شریک فائدہ اٹھائے اور دوسرے حصہ سے دوسرا شریک۔ ایسی صورت میں ہر شریک دوسرے شریک کے حصہ سے اس کی رضامندی کے بغیر جبراً انتفاع حاصل نہیں کر سکتا۔

(۲) مشترک انتفاع کا مطلب یہ ہے کہ باری یا حصہ مقرر کرنے کی بجائے دونوں شریک برضا ورغبت مشترک چیز سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھاتے رہیں۔ ایسی صورت میں ہر شریک کو یہ خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ کوئی ایسا تصرف نہ کرے جس سے دوسرے شریک کو ضرر پہنچے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شرکا باہمی رضامندی سے آپس میں تقسیم کر کے علیحدہ ہو کر اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کریں یا ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک پر بیچ دے۔

مسئولہ صورت میں اگر دو بھائیوں کا پہاڑ میں شریک ہونا مسلم ہو تو وہ دونوں مندرجہ بالا طریقوں کے مطابق باہمی رضامندی سے اس پہاڑ سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس میں ایک شریک کو جبراً دوسرے شریک کو انتفاع سے روکنے کا اختیار نہیں اور نہ ہی دوسرے کا حصہ جبراً وصول کر کے اس کو استعمال کرنے کا حق حاصل ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

المهاياة جائزة استحسانا للحاجة إليه، إذ يتعذر الاجتماع على الانتفاع، فأشبه القسمة ....

(ولو تهايأ في دار واحدة على أن يسكن هذا طائفة، وهذا طائفة، أو هذا علوها، وهذا سفلها جاز) لأن القسمة على هذا الوجه جائزة، فكذا المهاياة.(۱)

ترجمہ:

مہایات حاجت کی وجہ سے استحسانا جائز ہے، اس لیے کہ کبھی کبھار انتفاع پر اجتماع متعذر ہو جاتا ہے تو یہ تقسیم کے مشابہ ہو گیا۔۔۔۔۔ (اور اگر دونوں شرکا نے ایک گھر میں اس طریقہ پر مہایات کی کہ یہ اس حصہ میں رہے گا اور یہ دوسرے حصہ میں، یا یہ اس گھر کے اوپر والی منزل میں اور یہ (دوسرا) اس کی نچلی والی منزل میں، تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ اس طریقہ پر تقسیم جائز ہے تو مہایات اور باری مقرر کرنا بھی جائز ہے۔

كل من الشركاء في شركة الملك أجنبي في حصة سائرهم، فليس أحدهم وكيلا عن الأخر، ولا يجوز له من ثم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه.(۲)

ترجمہ:

شرکتِ ملک میں ہر شریک تمام شرکا کے حصص میں اجنبی کی طرح ہوتا ہے، ایک شریک دوسرے کا وکیل نہیں ہوتا، اس لیے کسی شریک کے لیے دوسرے شریک کی اجازت لیے بغیر اس کے حصہ میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

❁❁❁

شرکت کے لیے دل کا ارادہ کرنا

سوال نمبر(8):

ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو کچھ رقم دی۔ دوسرا بھائی اس سے کاروبار چلاتا رہا، خوب کمائی کی۔ یہ رقم دینے والا بھائی کہتا ہے کہ میں نے رقم شرکت کے ارادہ سے دی تھی۔ تاجر بھائی کہتا ہے کہ اس نے صراحتاً تذکرہ نہیں کیا تھا کہ رقم شرکت کے لیے ہے یا بطورِ قرض۔ اب فیصلہ آپ فرمائیں۔ بینوا توجروا

(۱) الهداية، كتاب القسمة، فصل في المهاياة: ٤/ ٤٢١، ٤٢٢

(۲) شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب العاشر، الباب السادس في شركة العنان، رقم المادة: ١٠٧٥ ص/ ٦٠١

الجواب وباللہ التوفیق:

شرکت کے لیے باہمی رضامندی سے حصص کا تعین کر کے باقاعدہ معاہدہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔صرف نیت اور ارادہ سے شرکت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے مذکورہ صورت میں چونکہ باقاعدہ شرکت کا معاہدہ نہیں ہوا،اس لیے اس معاملہ کو شرکت شمار کرنا درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وشركة عقد:وهي أن يقول أحدهما شاركتك في كذا،ويقول الآخر قبلت،هكذا في كنزالدقائق.(۱)

ترجمہ: شرکتِ عقد وہ ہوتا ہے کہ ایک شریک کہے کہ میں نے تم کو اس میں شریک کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے شرکت قبول کی۔

❁❁❁

شریک کاروبار میں نفع کی تقسیم کا طریقہ کار

سوال نمبر(9):

پانچ بھائیوں نے برابر رقم جمع کر کے مشترک کاروبار شروع کیا۔پھر دو بھائیوں نے اپنے حصہ میں کچھ مزید رقم بھی دی،اس شرط پر کہ انہیں زیادہ منافع دیا جائے گا۔اب مشترکہ کاروبار میں نفع ہوا ہے تو شریعت کی رو سے اس کی تقسیم کا طریقہ کار کیا ہوگا۔وضاحت فرما کر شکرگزار فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرکت میں ہر شریک کو نفع اس کے سرمایہ کے بقدر ملتا ہے،تاہم اگر نفع کی تقسیم کے بارے میں ابتداءً کوئی خاص معاہدہ ہوا ہو تو پھر نفع کی تقسیم اس معاہدہ کے تحت ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں بھائیوں کو چاہیے کہ نفع کی تقسیم معاہدہ کے مطابق کریں اور اس بات کا خیال رہے کہ ہر شریک کا نفع کل نفع میں فیصد کے اعتبار سے معین ہو۔رقم کی کوئی متعین مقدار کسی شریک کے لیے مقرر کرنا جائز نہیں اور

(۱)الفتاوی الهندية،کتاب الشركة،الباب الاول في بيان انواع الشركة واركانها:۲/۳۰۱

اگر بھائیوں کے درمیان نفع کی تعیین کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا تو ہر ایک کو بقدر سرمایہ نفع ملے گا۔ یاد رہے کہ نقصان بقدر سرمایہ ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

لو كان المال منهما في شركة العنان ،والعمل على أحدهما إن شرطا الربح على قدر رؤس أموالهما جاز ،ويكون ربحه له ووضيعته عليه ،وإن شرطا الربح للعامل أكثر من رأس ماله جاز على الشرط .(١)

ترجمہ:

اگر شرکت عنان میں مال دونوں شرکا کی طرف سے ہو اور عمل ایک پر ہو، اگر دونوں رأس المال کے بقدر نفع شرط قرار دیں تو جائز ہے اور پھر نفع بھی اس کے لیے ہوگا اور نقصان بھی اس پر ہوگا اور اگر دونوں عامل کے لیے رأس المال سے زیادہ نفع رکھیں تو یہ شرط کے ساتھ جائز ہے۔

❁❁❁

شریکین میں سے کسی کا اپنے ذاتی مال سے مشترکہ قرضہ کی ادائیگی

سوال نمبر (10):

دو آدمیوں کا آپس میں شراکت کا کاروبار تھا۔ کاروبار میں خسارہ ہوا، دونوں مقروض ہوگئے، دونوں کا خیال تھا کہ شراکت کو برقرار رکھا جائے اور قرض خواہ کو قرض کے بدلے میں کوئی چیز دی جائے، لہٰذا ایک شریک نے اپنا ذاتی مکان مبلغ ایک لاکھ روپے (مارکیٹ ریٹ) ڈیڑھ لاکھ روپے میں قرض خواہ پر بیچ کر مشترک قرض ختم کرایا۔ اب ایک شریک دوسرے شریک سے کہتا ہے کہ چونکہ گھر ایک لاکھ روپے کا تھا اور تو نے ڈیڑھ لاکھ کا بیچ دیا اور مشترکہ قرضہ اس سے ادا کیا، لہٰذا اس نفع میں بھی دونوں برابر شریک ہوں گے۔ کیا ایک شریک کا دوسرے شریک سے اس نفع کا مطالبہ شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر شرکا میں سے کسی ایک نے آپس کی رضامندی سے شرکت کے سرمایہ کے علاوہ اپنے ذاتی

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان: ٢/ ٣٢٠

سرمایہ سے شرکت کے قرض کو ادا کیا تو چونکہ اس صورت میں اس نے شرکت کے قرض کی کفالت کرلی، اس لیے بعد از ادائیگی وہ شرکت کی رقم سے قرض کے بقدر لینے کا حق دار ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ ایک شریک نے اپنا ذاتی مکان قرض خواہ پر نفع کے ساتھ فروخت کیا۔ یہ اس شریک کا قرض خواہ کے ساتھ اپنا ذاتی معاملہ تھا، لہٰذا اس شریک کا شرکت کی رقم سے بقدر اپنے مکان کی قیمت کے (جس قیمت پر اس نے قرض خواہ پر فروخت کیا تھا) لینا صحیح ہے اور دوسرے شریک کا قرض خواہ پر مکان فروخت کرنے والے شریک سے نفع میں حصہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

فإن كفل بأمره رجع بما أدى عليه ؛لأنه قضى دينه بأمره .(١)

ترجمہ:

اگر مکفول لہ کے حکم (اجازت) سے کفیل ہوا تو اس کی طرف سے دی گئی رقم کے لیے رجوع کرسکتا ہے، کیوں کہ اس نے مکفول لہ کا قرض اس کی اجازت سے ادا کیا ہے۔

رجلان اشتركا شركة عنان في تجارة على أن يشتريا ،ويبيعا بالنقد و النسيئة ،فاشترى أحدهما شيئا من غير تلك التجارة ،كان له خاصة.(٢)

ترجمہ: دو آدمی شرکت عنان کی تجارت اس شرط پر کریں کہ دونوں نقد اور ادھار بیع وشرا کریں گے۔ پھر ایک نے اس تجارت کے علاوہ کوئی اور چیز خرید لی تو یہ اس کے لیے خاص ہوگی۔

❁❁❁

مشترک کاروبار کی شرعی حیثیت

سوال نمبر (11):

ایک شخص وسیع کاروبار کا مالک ہے۔ دوسرا شخص اس تاجر کے ساتھ کاروبار کا ارادہ رکھتا ہے، لہٰذا مخصوص رقم تاجر کو دیتا ہے۔ تاجر کا کہنا ہے کہ وسعت کاروبار کی وجہ سے اس رقم کا حساب کتاب الگ رکھنا میرے لیے مشکل ہے،

(١) الهداية، كتاب الكفالة:٣/١٢٤

(٢) الفتاوى الخانية على هامش الهندية،فصل في شركة العنان :٣/٦١٨

لہٰذا سہولت کی وجہ سے وہ یوں کرتا ہے کہ جب بھی وہ اپنے لیے مال (مثلاً سیمنٹ وغیرہ) خریدتا ہے تو بقدرِ رقم اس شریک کے لیے بھی خرید لیتا ہے، پھر تمام مال دکان یا گودام میں رکھ کر فروخت کرتا رہتا ہے۔ فروختگی کے وقت یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کس کا مال کتنا فروخت ہوا، لہٰذا تاجر سہولت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شریک کے لیے تین روپے (مثلاً) بوری کے حساب سے نفع متعین کر لیتا ہے۔ پھر مال فروخت ہو جانے کے بعد اس حساب سے اس کو نفع دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ شرعاً یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ اور صحیح صورت کیا ہو سکتی ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مشترک کاروبار کرتے ہوئے سب سے پہلے اس کی نوعیت مقرر کرنا ضروری ہے کہ یہ معاملہ شرکت کا ہوگا یا مضاربت کا یا بضاعت کا (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔ مذکورہ معاملہ میں دونوں معاملات کی شرائط مفقود ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاجر کو قرض دے کر اس سے غیر متعین نفع حاصل کیا جاتا ہے جو بوجہ سود ہونے کے جائز نہیں۔ نیز معاملہ کو اس طرح مجہول رکھنا کہ تاجر رقم لے کر اپنے مال کے ساتھ کوئی چیز (مثلاً سیمنٹ کی بوریاں) خرید کر شریک کے لیے فی بوری متعین کرے، درست نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ جہالت متعاقدین کے درمیان نزاع کا سبب بھی بنے، لہٰذا اس معاملہ کو ترک کیا جائے اور اس کی جگہ کوئی جائز صورت اختیار کی جائے کہ تاجر عامل بنے اور شریک (رب المال) کی رقم کو الگ کر کے متعین چیز خریدے، فروخت ہو جانے پر نفع مناسب حصوں مثلاً نصف، نصف وغیرہ میں تقسیم کرے۔ شریعت میں اس کو مضاربت کہتے ہیں۔

دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تاجر مذکورہ رقم اپنی رقم کے ساتھ ملا لے اور مال خرید کر کاروبار کرے، پھر بقدرِ سرمایہ نفع تقسیم کرے۔ شریعت میں اس معاملہ کو شرکت کہتے ہیں۔ اس صورت میں تاجر (عامل) اپنے لیے عمل کی وجہ سے زائد منافع بھی مقرر کر سکتا ہے۔

تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ مال بضاعت کا تصور کیا جائے کہ تاجر استحساناً اس شخص کی رقم کسی متعین چیز میں لگا کر نفع سارا اس کو دے دے۔ یاد رہے کہ نقصان کی صورت میں نقصان بھی اسی شخص (اصل مالک) کا ہوگا۔

والدلیل علی ذلک:

رأس المال في شركة الأموال يكون مشتركا بين الشريكين على التساوي ،أو على التفاضل،

لکن إذاکان رأس المال من واحد ،والعمل من آخر، وشرط أن يكون الربح مشتركا بينهما كانت الشركة مضاربة كمايأتي في بابها المخصوص .وإذاشرط كل الربح للعامل كانت قرضا.وإذاشرط كله لصاحب رأس المال ،كان رأس المال في يد العامل بضاعة ،والعامل مستبضعا، ولماكان المستبضع في حكم الوكيل المتبرع ،كان الربح كله لصاحب المال ،والخسارة كلها عليه .(۱)

ترجمہ:

شرکتِ اموال میں رأس المال برابری یازیادتی کی شرط پرشریکین میں مشترک ہوتا ہے،لیکن جب رأس المال ایک جانب سے ہواورعمل دوسری جانب سے اورشرط لگائی کہ نفع میں دونوں شریک ہوں گےتو یہ شرکتِ مضاربت ہےاور جب تمام نفع عامل کے لیے شرط لگائی جائےتو یہ قرض ہےاوراگرتمام نفع صاحبِ مال کے لیے شرط ہوتو پھرراس المال عامل کے ہاتھ میں پونجی ہوگی اور عامل پونجی بنانیوالا (سرمایہ بنانے والا) شمار ہوگااور چونکہ پونجی بنانے والامتبرع وکیل کے حکم میں ہے،لہٰذاپورانفع صاحبِ مال کے لیے ہوگااورنقصان بھی اسی پرہوگا(اس صورت میں یہ صرف مالک پراحسان شمارہوگا)۔

تقسیم کیے بغیر مکان دومتعددافرادکودینا

سوال نمبر(12):

ایک لڑکی کووالدکی طرف سے ایک عددمکان میراث میں ملا،کچھ عرصہ بعداس لڑکی نے اپنے دوبھائیوں سے کہا"یہ گھرمیں نے تم دونوں کودےدیا"لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ معاہدہ بھی گواہوں کے روبروکیاکہ جب تک میں زندہ رہوں،اس مکان کی ملکیت میری ہوگی۔ایک بھائی نےاس موقع پراسٹامپ منگوایا،اس عورت نےاس پرلکھوایاکہ اتنی اتنی رقم پرمیں نے یہ مکان ان کے ہاتھوں بیچ دیا۔تاحال معاہدہ کےتحت مکان اس لڑکی کے قبضہ میں ہے،گواہ موجود ہیں،اب تک بھائیوں نے قیمت ادانہیں کی ہے۔اب کچھ خاندانی تنازع کی وجہ سے ایک بھائی اس لڑکی سے اپنے نصف حصہ کامطالبہ کرتا ہے۔سوال یہ ہےکہ یہ گھرشرعاًکس کاحق بنتاہے؟

بیّنواتؤجروا

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:۱۳۵۱۔ص/۷۲۰

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں اگر اس لڑکی نے اپنا مکان اپنے دو بھائیوں کے ہاں بیچ دیا ہو اور اس کی رقم وصول کی ہو تو پھر یہ مکان اس کی ملکیت سے نکل کر بھائیوں کی ملکیت میں آجائے گا اور اس میں یہ شرط لگانا درست نہیں کہ میری موت تک یہ میری ملکیت میں رہے گا، البتہ اگر ہبہ کر دیا ہو تو ہبہ کی صورت میں جب موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا گیا) کئی شرکا ہوں اور موہوب (ہبہ کی گئی چیز) قابل تقسیم چیز ہو تو اس کی تقسیم ضروری ہوتی ہے۔ تقسیم کیے بغیر مشاع چیز کا ہبہ درست نہیں۔

لہٰذا اگر ذکر کردہ مکان دو بھائیوں کو بیچ دی ہو اور اس کی قیمت ابھی تک بھائیوں نے ادا نہیں کی تو یہ مکان فروخت کرنے کی وجہ سے بہن کا نہیں رہا، تاہم قیمت ادا کرنے تک بہن اس کو روک سکتی ہے اور اگر بہن نے ہبہ کیا ہو تو تقسیم کیے بغیر ہبہ درست نہیں اور اس صورت میں بھی وہ مکان اس لڑکی کی ملکیت متصور ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما أحكامه :فالأصلي له الملك في البدلين لكل منهما في بدل ....وجوب تسليم المبيع، والثمن.(۱)

ترجمہ: اور بیع کے احکام یہ ہیں کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کی بدلین میں سے ایک بدل پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔اور (بائع پر) مبیع، جب کہ (مشتری پر) ثمن حوالہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

وأما الشيوع من طرف الموهوب له ،فمانع من جواز الهبة عند أبي حنيفةؒ .(۲)

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک موہوب لہ کی طرف سے شیوع ہبہ کے جواز سے مانع ہے۔

❁❁❁

منافع کی تقسیم کے بنیادی اصول

سوال نمبر (13):

میں اکثر شراکت پر کام کرتا رہتا ہوں، لہٰذا خواہش ہے کہ شرکت کے بارے میں شرعی اصولوں کا پابند رہوں

(۱) البحر الرائق، کتاب البیع، باب شفرائط النفاذ: ٥/٤٣٨

(۲) الفتاوی الهندية، کتاب الهبة: ٤/٣٧٨

اس لیے آپ کی خدمت میں بصد تکریم وتعظیم عرض ہے کہ شرکت کے نفع کے بارے میں بنیادی اصولوں کی نشان دہی کرائی جائے۔ اللہ رب العزت آپ کو اجرِ عظیم دے۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرکت کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ معاہدہ کرتے وقت ہی تمام شرکا واضح طور پر یہ طے کرلیں کہ منافع کی تقسیم کس معیار پر عمل میں آئے گی۔ عام اصول تو یہ ہے کہ فریقین باہمی رضامندی سے منافع کی جو شرح طے کرنا چاہیں، طے کرسکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود بعض پابندیوں اور اصول کا شرعاً خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱)......نفع کو سرمایہ کے تناسب کی بجائے حاصل ہونے والے حقیقی نفع کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے۔

(۲)......مال کی ایک معین مقدار بطورِ نفع کسی شریک کے لیے طے نہ کی جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولایجوز الشرکة إذا شرط لأحدھما دراھم مسماة من الربح.(۱)

ترجمہ: جب ایک شریک کے لیے نفع میں متعین مقدار کے درہم شرط لگائے جائیں تو شرکت جائز نہیں ہوگی۔

(۳)......اگر دو شریک یہ طے کریں کہ ہر شریک کو نفع کا اتنا حصہ ملے گا، جتنا فیصد اس نے سرمایہ لگایا ہے تو یہ صورت جائز ہے، خواہ دونوں کی سرمایہ کاری کا تناسب برابر ہو یا کم وبیش۔ نیز چاہے دونوں نے کام کرنا طے کیا ہو یا دونوں میں سے ایک کا کام کرنا طے ہوا ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

إذاشرطا الربح علی قدر المالین متساویا،أو متفاضلا ،فلاشك أنه یجوز ،ویکون الربح بینھما علی الشرط، سواء شرطا العمل علیھما،أوعلی أحدھما.(۲)

ترجمہ: اگر دونوں شریک بقدرِ سرمایہ نفع طے کریں چاہے برابری کے ساتھ ہو یا زیادتی کے ساتھ تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں اور نفع دونوں کے مابین طے کردہ شرط کے مطابق ہوگا، چاہے عمل دونوں پر ہو یا ایک پر۔

(۱)الھدایة، کتاب الشرکة،فصل ولاتنعقدالشرکة إلابالدراھم وغیرہ:۲/۶۱۱

(۲)بدائع الصنائع، کتاب الشرکة،فصل في شروط جوازھذہ الانواع:۷/۵۱۷

(۴)......جس شریک کے بارے میں یہ طے کیا گیا کہ وہ ضرور کام کرے گا اور اس کا نفع سرمایہ کاری کے تناسب سے زائد مقرر کیا جائے تو بالاتفاق یہ جائز ہے، خواہ دوسرا کام کرے یا نہ کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن شرطا العمل على أحدهما، فإن شرطاه على الذي شرطا له فضل الربح ،جاز.(۱)

ترجمہ: اگر کسی ایک پر عمل کی شرط لگائیں اور اس کے لیے زیادہ منافع بھی شرط لگائی گئی ہو تو یہ جائز ہے۔

(۵)......جس شخص کے لیے شرط لگائی ہو کہ وہ کام نہیں کرے گا، اس کے لیے سرمایہ کاری کے تناسب سے زیادہ مقرر کرنا ناجائز ہے۔

(۶)......جو شخص کام نہیں کرے گا، اس کے لیے سرمایہ کاری کے تناسب سے کم مقرر کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن شرطاه على أقلهما ربحا لم يجز؛لأن الذي شرط له الزيادة ليس له من الزيادة مال ، ولاعمل ، ولاضمان .وقدبينا أن الربح لايستحق إلابأحدهذه الأشياء الثلاثة .(۲)

ترجمہ: اگر کم نفع والے کے لیے عمل کی شرط لگائیں تو جائز نہیں، کیوں کہ جس کے لیے زیادہ نفع کی شرط لگائی گئی ہے، اس کے لیے زیادتی کے عوض نہ مال ہے، نہ عمل اور نہ ضمان اور واضح ہے کہ نفع ان تین اشیا میں سے کسی ایک کی وجہ سے مقرر کیا جاتا ہے۔

❀❀❀

پنشن کی رقم کو مشترک استعمال کرنے کا معاہدہ کرنا

سوال نمبر(14):

دو بھائی سرکاری ملازم ہیں، ایک نے پنشن لی تو دونوں نے اپنے مابین ایک معاہدہ کیا کہ اس پنشن کو اکٹھے استعمال میں لائیں گے، جب دوسرے بھائی کو پنشن ملے گی تو وہ بھی باہمی طور پر استعمال کی جائے گی اور اس معاہدہ کو ثبت کر دیا۔ کیا ایک بھائی کی پنشن کو مشترک استعمال میں لا کر دوسری پنشن میں دوسرے بھائی کے لیے اس معاہدہ سے روگردانی شرعاً جائز ہے؟ بیّنوا تؤجروا

(۱)بدائع الصنائع، کتاب الشركة،فصل في شروط جوازهذه الانواع:۷/۵۱۸ (۲) أيضا

الجواب وباللہ التوفیق:

معاہدہ کی ایفا شرعاً ضروری ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں دوسرے بھائی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی پنشن میں حسبِ معاہدہ بھائی کو شریک کرے، معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا شرعاً جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾.(۱)

ترجمہ:

اور عہد کو پورا کرو اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

كذلك مايكتب الناس فيما بينهم على أنفسهم في دفاترهم المحفوظة عندهم بخطهم المعلوم بين التجار وأهل البلد ،فهو حجة عليهم .(۱)

ترجمہ:

اسی طرح جو لوگ اپنی محفوظ رجسٹروں میں تاجروں اور شہر کے معروف خط میں اپنے باہمی معاملات لکھتے ہیں، تو یہ ان پر حجت ہیں (کہ ان کو مانے)۔

❁❁❁

بھائیوں کا مشترک کاروبار کی رقم میں سے حج کرنا

سوال نمبر (15):

تین بھائیوں کا مشترک کاروبار ہے۔ دو بھائیوں نے مشترک کاروبار سے رقم لے کر حج بھی ادا کیا، جب کہ ایک بھائی نے ذاتی کاروبار کے لیے شریک مال سے پچاس ہزار نقد رقم لی، اب بھائی جدائی اور تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ کیا مشترک کاروبار کے دوران بھائیوں نے جو خرچے کیے ہیں، ان کا حساب بھی کرنا ہوگا؟ یا موجود مال آپس میں تقسیم کیا جائے گا؟

بینوا تؤجروا

---

(۱) بنی اسرائیل/۳۴

(۲) شرح المجلة لخالد الاتاسی، تحت المادة:۶۹:۱/۱۹۲

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں جب بھائیوں کا کاروبار مشترک ہے تو اس دوران اگر بھائیوں نے آپس کی رضامندی سے حج کے لیے یا کاروبار کے لیے رقم لی ہو تو اب کاروبار کی تقسیم اور جدائی کے وقت اس بھائی سے اس خرچہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔اس کے علاوہ باقی مال برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

فإذاكان سعيهم واحدا ،ولم يتميز ماحصله كل واحد منهم بعمله ،يكون ماجمعوه مشتركا بينهم بالسوية ،وإن اختلفوافي العمل والرأي كثرة وصوابا.(١)

ترجمہ: جب بھائیوں کی کوشش ایک ساتھ ہواور ہر ایک کے عمل سے حاصل شدہ منافع الگ الگ معلوم نہ ہوں تو ان کا جمع کردہ مال سب کے درمیان مساوی طور پر مشترک ہوگا اگر چہ وہ عمل اور رائے کے اعتبار سے متفاوت اور مختلف ہوں۔

❁❁❁

عقدِ شرکت میں وقت مقرر کرنا

سوال نمبر(16):

جناب مفتی صاحب! کیا شرکت کا کاروبار محدود وقت، مثلاً تین سال کے لیے کرنا اور محدود وقت کا معاہدہ کرنا شرعاً جائز ہے؟ عقدِ شرکت پر اس سے فرق تو نہیں پڑتا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق شرکت کا معاہدہ کیا جائے اور اس میں وقت مقرر کیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے،عقدِ شرکت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔بلکہ تنازعات اور اختلافات سے بچنے کے لیے وقت کا معاہدہ کرنا ضروری ہے،تاہم اس کی رعایت بھی ضروری ہے کہ جس چیز میں شراکت ہوئی ہے،اگر مقرروقت تک اس کی خرید وفروخت نہ ہوئی ہو تو پھر وقت بڑھایا جاسکتا ہے۔

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الشركة،مطلب فيمايقع كثيراً في الفلاحين:٦/٤٧٨

والدّلیل علی ذلک:

وکذا لووقت المضاربۃ صح التوقیت ؛لأن المضاربۃ والشرکۃ توکیل ،والوکالۃ ممایتوقت .(۱)

ترجمہ: اگر مضاربت کوموقت کیا جائے تو توقیت درست ہے، کیوں کہ مضاربت اور شرکت توکیل ہے اور وکالت میں توقیت جائز ہے (تو مضاربت اور شرکت میں بھی جائز ہوگی)۔

❁❁❁

شرکت میں نفع اور نقصان کا اندازہ

سوال نمبر(17):

پانچ بھائیوں نے ایک معین تناسب کے حساب سے مشترک کاروبار شروع کیا۔نفع اور نقصان بھی سرمایہ کے تناسب سے طے ہوا، بعد میں ایک شریک نے اپنا سرمایہ بڑھانے کا ارادہ کیا۔دوسرے شرکا نے اسے قبول کیا،لیکن اختتام سال تک وہ سرمایہ نہ بڑھا سکا۔اب سوال یہ ہے کہ اختتام سال پر اس شریک کو اضافی تناسب کے حساب سے نفع ملے گا یا ابتدائی سرمایہ کے تناسب سے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

باوجود ارادہ کے جب ایک شریک اپنا سرمایہ بڑھا نہ سکا تو اختتام سال اس کو نفع بھی اضافی تناسب کے ساتھ نہیں ملے گا، بلکہ ابتداءً سرمایہ لگاتے وقت نفع کی جو شرح طے ہوئی تھی ،اسی تناسب سے نفع ملے گا۔سرمایہ بڑھانے کا ارادہ اور شرکا کا قبول کرنا تقسیم نفع پر اثر انداز نہیں ہوگا، جب تک واقعتاً سرمایہ نہ بڑھائے۔

والدّلیل علی ذلک:

یقسم الربح بینھما علی نسبۃ رأس المال.(۲)

ترجمہ: دو شرکا کے مابین نفع راس المال کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا۔

❁❁❁❁❁

---

(۱)الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ، کتاب الشرکۃ،فصل فی شرکۃ العنان:۳/۶۱۳

(۲)شرح المجلۃ لسلیم رستم باز،الکتاب العاشر ،الباب السادس فی شرکۃ العنان،رقم المادۃ:۱۳۷۱ ص/۷۲۸

مشترک پہاڑ میں حصہ کا مطالبہ کرنا

سوال نمبر(18):

ایک گاؤں والوں کا مشترکہ پہاڑ ہے، مرد، عورت سب اس میں شریک ہیں۔ کسی لڑکی کو شادی کے بعد اس سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ جب کہ ان لوگوں کے رسم ورواج میں شادی سے پہلے حصہ دیا جاتا ہے۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مذکورہ پہاڑ کا مشترک ہونا مبہم ہے، اگر مراد اس سے وہ پہاڑ ہے کہ عوام الناس سب اس میں برابر شریک شمار کیے جاتے ہوں۔ تو یہ شرکۃ الاباحۃ کے زمرہ میں آکر اس میں میراث جاری نہیں ہوتی اور اگر مراد اس سے وہ قومی املاک ہیں، جو باہم مشترک ہوا کرتے ہیں۔ اس میں سب ورثا شریک ہوا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں عورت کو محروم رکھنا بڑا ظلم ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو کسی کو میراث سے محروم کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم کرے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

الاشجار التي تنبت بلاغرس في الجبال المباحة غير مملوكة مباحة .(۱)

ترجمہ: وہ درخت جو ایسے پہاڑوں میں اُگے، جو سب کے لیے مباح ہیں۔ کسی کی ملک میں اگر نہ ہوں تو سب کے لیے مباح ہیں۔

عن أنس ؓ قال :قال رسول اللّٰه ﷺ من قطع ميراث وارثه قطع اللّٰه ميراثه من الجنة يوم القيامة.(۲)

ترجمہ:

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''جو کسی وارث کو میراث سے محروم کردے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جنت سے محروم کردے گا''۔

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر ،الباب الرابع في شركة الاباحة،رقم المادة:۱۲۴۳ ص/۶۷۸

(۲) مشكوة المصابيح، كتاب الفرائض ،باب الوصايا:۱/۲۸۶

مورث کے مال میں ایک وارث کا تصرف کر کے نفع کمانا

سوال نمبر (19):

ایک تاجر فوت ہوا۔اس کا کچھ سرمایہ رہ گیا۔مرحوم کے چار بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ایک بھائی ڈاکٹر، دوسرا انجینئر، تیسرا اسٹوڈنٹ جب کہ چوتھا بھائی کاروباری تھا جو کہ پہلے سے باپ کے ساتھ کاروبار کرتا رہا۔تاجر بھائی باپ کے سرمایہ میں تصرف کرتا رہا اور کماتا رہا۔آخر کار ایک بھائی نے اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔تقسیم میراث کے وقت یہ مشکل پیش آئی کہ تقسیم اس سرمایہ کی ہوگی جو والد مرحوم نے چھوڑا تھا یا اس تمام سرمایہ مع نفع کی ہوگی جو ایک بھائی نے تصرف کر کے اس میں نفع بھی کمایا تھا۔چنانچہ جناب حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے فتوی طلب کیا مفتی فرید صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا فتوی تھا کہ تقسیم اس سرمایہ کی ہوگی جو باپ کی وفات کے وقت موجود تھا۔ دوسرے فریق نے کراچی اور فیصل آباد سے فتوی طلب کیا۔وہاں کے حضرات مفتیان کرام نے سرمایہ مع نفع کی تقسیم کا فتوی دیا۔اب آنجناب کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ کون سے فتوی پر عمل کیا جائے؟ مہربانی فرما کر اپنی رائے گرامی سے مستفید فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسلکہ جوابات مفتیان کرام سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں حضرات مفتیان کرام کے جوابات اپنی جگہ درست ہیں۔کیوں کہ ہر مفتی صاحب کو جو تحریر بھیجی گئی ہے، وہ دوسری تحریر سے بالکل مختلف ہے۔چونکہ جواب عموماً محررہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے دیا جاتا ہے، اس لیے ہر مفتی صاحب کا جواب متعلقہ تحریر کی تفصیل اور تعبیر پر مبنی ہے۔سوال مختلف ہونے کی بنا پر کسی مفتی صاحب کو ملامت کرنا دانشمندی نہیں۔محررہ حالات کی روشنی میں اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ ترکہ میں تصرف کرنے والے وارث نے اگر دوسرے ورثا کی اجازت لیے بغیر ترکہ کو استعمال کرتے ہوئے منافع کمایا۔اگرچہ بذات خود اس کا یہ عمل درست نہیں، بلکہ امانت میں خیانت کے مترادف ہے، لیکن بہر حال کاروبار سے حاصل شدہ نفع صرف اس کا رہے گا۔اصل سرمایہ میں تمام بھائی شریک ہوں گے، تاہم اگر کہیں دوسرے شرکا کی اجازت صراحتاً یا دلالتاً ثابت ہو تو پھر کاروبار مشترک ترکہ میں سمجھا جائے گا جس کی رو سے منافع مع سرمایہ حسب حصص تمام شرکا میں تقسیم ہوں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

إذاأخذ أحد الورثة مبلغا من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن الآخرين ،وعمل فيه ،وخسر كانت الخسارة عليه ،كما أنه إذا ربح لايسوغ لبقية الورثة أن يقاسموه الربح.(١)

ترجمہ:

اگر ورثا میں سے کوئی ایک وارث ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے دوسرے ورثا کی اجازت کے بغیر کچھ رقم لے لی، اور اس میں کاروبار کیا اور نقصان ہوا تو نقصان اسی پر ہوگا جیسا کہ جب وہ نفع کرے تو جائز نہیں کہ باقی ورثا اس نفع کو آپس میں تقسیم کریں۔

❁❁❁

ذاتی معاملہ میں مالِ شرکت سے ادائیگی

سوال نمبر(20):

دو شخص کاروبار میں شریک ہیں۔اگر ایک شریک ذاتی کاروبار کے سلسلہ میں کہیں پھنس جائے اور جان چھڑانے کے لیے مشترکہ کاروبار سے رقم ادا کرے۔کیا شرعاً اس شریک کے لیے ایسا تصرف کرنا جائز ہے یا یہ اس کا ذاتی معاملہ شمار ہوکر دوسرا شریک اس کا ذمہ دار نہ ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر شریکین کا کاروباری فریق ہونا مبرہن اور مسلم ہو تو ایک شریک کا اپنے ذاتی خصم کو شریک کاروبار سے رقم دینا جائز نہیں۔یہ شریک کاروبار سے الگ تصرف ہے جو شرکا کی اجازت پر موقوف ہوگا۔جہاں کہیں ایک شریک ایسے تصرفات کا مرتکب ہو، جو کاروبار میں منافع کی بجائے خسارہ کے موجب ہوں تو یہ تصرفات ذاتی معاملات تصور کیے جاتے ہیں، شراکت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

لہٰذا صورت مسؤلہ میں دوسرے شریک پر اس کی ذمہ داری ڈالنا قطعاً جائز نہیں۔

(١)شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات،الباب الثاني في كيفية التصرف في الاعيان المشتركة ،رقم المادة: ١٠٩٠ ص/ ٦١٠

والدّلیل علی ذلک:

لایجوز له إتلاف المال ،ولاالتمليك بغيرعوض إلا بصريح إذن شريكه مثلاً لايجوز له أن يقرض من مال الشركة ،ولا أن يهب منه إلا بصريح إذن شريكه .(۱)

ترجمہ: ایک شریک کو دوسرے شریک کی صراحتاً اجازت کے بغیر مال کا اتلاف (تصرف) اور کسی کو بغیر عوض تملیک کا دینا جائز نہیں مثلاً اس کے لیے جائز نہیں کہ شریک مال سے قرض دے یا کسی کو ہبہ کرے، ہاں صراحتاً اجازت ہو (تو جائز ہے)

❁❁❁

مالِ ترکہ میں شرکت اصل سرمایہ تک محدود رہنا

سوال نمبر(21):

ایک شخص کے والد کا کاروبار تھا۔ والد کی زندگی میں اگرچہ والد کا کاروبار تھا، لیکن تمام سرگرمیاں اس شخص کی رہیں۔ والد کی وفات کے بعد بیٹے نے اپنے بھائیوں کو اپنا اپنا حصہ حوالہ کیا، صرف بہن کا حصہ باقی رہا، اب بھائی کے کاروبار میں بہن کا حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

والد کی حیات میں اگرچہ کاروبار کی تمام تر سرگرمیاں بیٹا سرانجام دے رہا تھا، لیکن پھر بھی اس کا تمام تر کاروبار والد کا شمار ہوتا ہے، لہٰذا والد کی وفات کے بعد تمام مال پر احکام میراث جاری ہوتے ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ ہر ایک بھائی کو میراث سے حصہ رسدگی ملا ہے، صرف بہن تاجر بھائی کے ساتھ اس مال میں شریک ہے جو والد کی وفات کے بعد اصل سرمایہ تھا، لہٰذا اسے صرف اپنا حصہ میراث دیا جائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة ،وربح ،فالربح للمتصرف وحده .(۲)

ترجمہ: اگر ایک وارث نے مشترکہ ترکہ میں تصرف کیا اور نفع کمایا تو نفع صرف متصرف کے لیے ہوگا۔

❁❁❁

(۱) شرح المجلة لخالد الاتاسي، كتاب الشركة، الفصل السادس في شركة العنان: المادة:۱۳۸۲: ۴/۳۰۶

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الشركة: ۲/۳۴۶

تقسیم کے بعد سابقہ شرکا سے کسی حق کا مطالبہ کرنا

سوال نمبر (22):

چند بھائی آپس میں شریک کاروبار کرتے رہے اور دورانِ شرکت ہر بھائی مشترک مال سے ہر قسم کا فائدہ اٹھاتا رہا۔ اپنی اولاد کی شادیاں بھی مشترک کاروبار سے کرتے رہے۔ اب کچھ عرصہ سے ان کے درمیان باقاعدہ تقسیم ہوئی۔ اب ایک بھائی کے بیٹے کی شادی کا پروگرام ہے۔ دیگر بھائیوں سے کہتا ہے کہ پہلے بھی اولاد کی شادی سب کے ذمہ تھی، اب میرے بیٹے کی شادی بھی سب کے ذمہ ہوگی۔ کیا اس کا دوسرے بھائیوں سے بیٹے کی شادی کا خرچہ طلب کرنا ازروئے شریعت جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب تمام بھائی شریک تھے، اس وقت تک ہر شریک بھائی کے لیے مشترک مال سے فائدہ اٹھانا جائز تھا، مثلاً بیٹوں کی شادی کرانا درست تھا، تاہم جب باقاعدہ تقسیم ہوئی اور ہر ذی حق کو اپنا حق رسدگی ملا، اب کسی بھائی کا دوسرے بھائی کے مال سے کوئی حق باقی نہیں رہا، لہٰذا بھائی کا اپنے بیٹے کی شادی کا خرچہ دوسرے بھائیوں پر ڈالنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

كل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالكا لحصته بالاستقلال ،ولا يبقى لأحدهم علاقة في حصة الآخر .(١)

ترجمہ:

شرکا میں سے ہر ایک تقسیم کے بعد اپنے حصہ کا مستقل طور پر مالک ٹھہرتا ہے اور پھر کسی شریک کا دوسرے کے حصہ کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

❁❁❁

(١)شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات،الفصل الثامن في احكام القسمة ،رقم المادة : ١١٦٢ ص/٦٤٣

موروثی مال کے کاروبار میں میراث کے حق دار

سوال نمبر(23):

تین بھائیوں نے موروثی مال میں مشترک کاروبار شروع کیا۔اب تینوں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔بھائیوں میں بعض نے کمائی (کاروبار) میں زیادہ محنت کی ہے اور بعض نے کم۔اب موروثی مال ان کے درمیان مساوی تقسیم ہوگا یا اس میں ترجیحی صورت بھی جائز ہے۔

نیز ان تین بھائیوں کا لمبا چوڑا خاندان ہے۔ہر بھائی کی اولاد ہے،اولاد بھی اپنے والدین کے ساتھ کاروبار میں محنت کرتے رہے ہیں۔کیا ان کو اس مال میں سے کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تینوں بھائیوں نے مل کر موروثی جائیداد میں کاروبار کر کے نفع کمایا ہے۔اصل سرمایہ کی طرح جملہ منافع میں بھی تینوں شرکا مساوی حصہ کے حق دار ہوں گے۔محنت کی زیادتی کی وجہ سے ترجیحی صورت جائز نہیں۔

رہا مسئلہ بھائیوں کی اولاد کا تو یاد رہے کہ ان کا اس مال میں کوئی حصہ شرعاً ثابت نہیں،کیوں کہ والد کے کاروبار میں بیٹے معاونین شمار ہوتے ہیں،لہٰذا خاندان کی کثرت یا قلت سے بھائیوں کے حصے متاثر نہیں ہوں گے،بلکہ ان کو اپنے والد کی طرف سے مل جانے والی رقم اور حصہ پر کفایت کرنا ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

لو اجتمع اخوة يعملون في تركة أبيهم ،ونما المال ،فهو بينهم سوية ،ولو اختلفوا في العمل ، والرأي. (١)

ترجمہ: اگر بھائی مشترکہ طور پر والد کے ترکہ میں کاروبار کریں اور مال میں نفع ہو جائے تو (پورا) مال ان کے درمیان برابر ہوگا،اگرچہ بھائی محنت اور رائے کے اعتبار سے مختلف ہوں۔

إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله ،فجميع الكسب لذلك الرجل ،وولده يعد معيناله. (٢)

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الشركة،مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا:٦/٢ ٥٠

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:١٣٩٨،ص/٧٤١

ترجمہ:

جب شخص اور اس کا بیٹا جو اس کے عیال میں ہے، کاروبار کریں تو سارا مال اس شخص کا شمار ہوگا اور بیٹا اس کا مددگار متصور ہوگا۔

❁❁❁

بھائیوں کی مشترک آمدنی کی تقسیم کا طریقہ کار

سوال نمبر (24):

دو بھائی بچپن سے شریک تھے، بڑے بھائی کو ملازمت سے ریٹائرمنٹ پر پنشن ملی، اس نے اس سے جائیداد بھی خرید لی اور اپنے چھوٹے بھائی کے لیے سعودی عرب کا ویزہ بھی کرایا۔ اس نے سعودی عرب میں چھ سال گزارے۔ اس دوران وہ اپنی کمائی بڑے بھائی کو بھیجتا رہا۔ بہر حال گھربار کا خرچہ، بیماری (دوائی وغیرہ) کا خرچہ بڑا بھائی مشترکہ آمدنی سے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ دو بیٹوں کی شادی بھی اسی مشترکہ مال سے کروائی۔ اب کچھ عرصہ سے دونوں بھائی جدا ہوگئے سوال یہ ہے کہ اب موجودہ مال ومتاع اور جائیداد میں دونوں بھائیوں کو مساوی حصہ ملے گا یا جس کے قبضہ میں ہے، سب اس کو ملے گا۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہی اعتبار سے شراکت کی مختلف قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو آج کل معاشرہ میں مروج ہے کہ مورث کی متروکہ جائیداد میں تقسیم سے قبل ہی ورثا کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ کئی بھائی اکٹھے رہتے ہوں اور سب کمائی کو ملا کر مشترک طور پر خرچ کرتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں علیحدگی کے وقت موجودہ تمام مال وجائیداد میں سب بھائی مساوی طور پر مستحق ہوں گے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر بھائیوں کے درمیان شراکت مذکورہ بالا قسموں میں کوئی ایک ہو تو تمام جائیداد اور مال میں دونوں بھائی مساوی حصہ کے مستحق ہوں گے۔

والدلیل علی ذلک:

لو اجتمع اخوة يعملون في تركة أبيهم ،ونما المال ،فهو بينهم سوية ،ولو اختلفوا في العمل ،

والرأي. (۱)

ترجمہ:

اگر بھائی مشترکہ طور پر والد کے ترکہ میں کاروبار کریں اور مال میں نفع ہوا تو (پورا) مال ان کے درمیان برابر ہوگا، اگرچہ بھائی محنت اور رائے کے اعتبار سے مختلف ہوں۔

یؤخذ من هذا ما أفتى به فى الخيرية في زوج امرأة وابنها اجتمعافي دار واحدة، وأخذ كل منهما يكتسب على حدة، ويجمعان كسبهما، ولا يعلم التفاوت، ولا التساوى، ولا التميز، فأجاب بانه بينهما سوية. (۲)

ترجمہ:

ایک عورت کا خاوند اور اس کا بیٹا ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر ایک ان میں سے انفرادی طور پر کماتا ہے اور پھر اپنی کمائی کو باہم اکٹھا کرتے ہیں اور اس میں برابری، تفاوت اور تمیز معلوم نہیں کی جاسکتی تو فتوی ہے کہ یہ مال ان کے مابین برابر ہوگا۔

مشترک چراگاہ اور شاملات پہاڑ سے دوسروں کو منع کرنا

سوال نمبر (25):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں تمام پہاڑ علاقہ وار تقسیم ہیں۔ ایک گاؤں والے دوسرے گاؤں کی چراگاہ میں اپنے مویشی نہیں چراتے، اگر کوئی چرانا چاہے تو اس سے معاوضہ لیا جاتا ہے، کیا شرعاً یہ معاوضہ درست ہے؟ اگر ان سے معاوضہ نہ لیا جائے تو لوگ دلیر ہوجاتے ہیں اور بے جا تصرف پر اتر آتے ہیں جس سے ان لوگوں کا نقصان ہوتا ہے۔ بہرحال تقسیم سے لوگوں میں کچھ نظم وضبط برقرار رہتا ہے۔ اب ایک گاؤں والے دوسرے کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرنا چاہتے ہیں۔ مدعیٰ علیہم اپنے دفاع میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ یہ پہاڑ ہماری ملکیتی زمین کے شاملات میں ہے اور ہم اس کی حفاظت کرتے آئے ہیں اور عرصہ دراز سے اس پر ہمارا قبضہ بھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مدعیٰ علیہم کا عدالت میں یہ قسم اُٹھانا کہ ''یہ پہاڑ ہماری ملک ہے'' درست ہے

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الشركة، مطلب اجتمعافي داروا حدة واكتسبا:۶/ ۵۰۲. (۲) أيضاً

نیز وہ پہاڑ جہاں صرف سوختہ کے لیے لکڑیاں اور مویشیوں کے لیے گھاس ہو، اس کی حفاظت کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ کیوں کہ حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ موسم سرما کے لیے گھاس کاٹ کر ذخیرہ نہیں کر سکتے۔ کیا اس متبوضہ پہاڑ کی گھاس یا دیگر اشیا کی فروخت درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

پہاڑ اگر مدعیٰ علیہم کی ملکیتی زمین کے شاملات میں ہو اور اس پر ان کا قبضہ بھی ہو تو جج کے سامنے اس بات پر قسم اُٹھانا کہ "یہ پہاڑ ہماری ملک ہے" اس میں کوئی حرج نہیں۔ واضح رہے کہ ایسے شاملات جن کے ساتھ تمام گاؤں کے منافع وابستہ ہوں، مثلاً چراگاہ وغیرہ کے کام آتے ہوں تو اس پر کسی ایک فرد کا قبضہ نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ چراگاہ جس گاؤں کے قریب میں واقع ہو، ان سب گاؤں والوں کے مابین مشترک ہوتی ہے، البتہ اگر کئی چراگاہ ہوں اور گاؤں بھی کئی ہوں تو پھر اپنی اپنی چراگاہ پر قبضہ تب ہوگا کہ تمام گاؤں کے لوگ جمع ہو کر اتفاق رائے سے یا بذریعہ حکومت چراگاہ متعین کرالیں۔ تعین کے بعد ہر بستی کی متعین چراگاہ ان کے قبضہ میں شمار ہوگی۔

گاؤں کے قرب وجوار میں واقع چراگاہ اگرچہ شرکۃ الاباحۃ (جس میں تمام لوگ شریک ہوں) کے زمرہ میں آتی ہے، لیکن اس سے استفادہ کا حق صرف مقامی باشندگان کو حاصل ہے، مقامی باشندگان اگر دوسرے گاؤں کے آدمی کو استفادہ کا حق دیں اور استفادہ صرف خودرو گھاس کا ہو تو اس پر معاوضہ لینا درست نہیں اور اگر لکڑی یا پتھر وغیرہ کا ہے تو اس پر معاوضہ لینا درست ہے، البتہ خودرو گھاس بھی اگر مالکان زمین کاٹ کر فروخت کریں تو درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

الكلاء النابت في ملك إنسان بدون تسببه ،وإن يكن مباحا ،فلصاحبه المنع من الدخول إلى ملكه .(١)

ترجمہ:

کسی انسان کی ملک میں وہ گھاس جو اس کی محنت کے بغیر اُگی ہوئی ہو، اگرچہ مباح ہے لیکن صاحبِ ملک کو اپنے ملک میں دخول سے منع کرنے کا حق حاصل ہے۔

(١)شرح المجلة لسليم رستم باز،الفصل الثالث في أحكام الشياء المباحة،المادة:١٢٥٧،ص/٦٨١

وأما القسم الثاني :وهو مايختص بأفنية الدور ،والأملاك ،فإن كان مضراباً رباربها منع المرتفقون منها،وإلا أن يأذنوا بدخول الضرر عليهم ،فيمكنوا. (۱)

ترجمہ:

دوسری قسم (چراگاہ) وہ ہے جو مکانات یا املاک کے صحن میں ہوتا ہے۔ اگران کا استعمال مالکوں کے لیے نقصان کا باعث ہوتو فائدہ حاصل کرنے والوں کو اس سے روکا جائے گا، ہاں اگر وہ خود ضرر کے باوجود اجازت دے دیں تو پھران کے لیے فائدے کا حصول ممکن رہے گا۔

❁❁❁

مشترکہ راستہ میں ذاتی تصرف کرنا

سوال نمبر (26):

چندگھروں کے درمیان ایک مشترکہ راستہ ہے۔ ایک صاحبِ مکان نے راستہ کے کچھ حصہ پر چھت ڈال کر اس کو گھر کی حدود میں شامل کر دیا ہے۔ دوسرے صاحبِ مکان کے لیے صرف ایک دروازہ کے بقدر جگہ ہے، کچھ عرصہ کے بعد دوسرے صاحب مکان کو دوسرے دروازے کی ضرورت پڑی، اس نے پہلے صاحب سے رجوع کیا کہ مشترکہ راستہ کو خالی کردے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس مشترکہ راستہ میں ذاتی تصرف کرنا جائز ہے؟ اور صاحب مکان کا مشترکہ راستہ کو خالی کرانے کا مطالبہ شرعاً درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

جس چیز سے مشترک حقوق وابستہ ہوں، اس میں ذاتی تصرف کا اختیار سب شرکا کی رضامندی پر موقوف ہے شرکا کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت نہ ہونے کی صورت میں ذاتی تصرف پر شرکا کو احتجاج کا حق شرعاً حاصل ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر صاحبِ مکان کا ذاتی تصرف ایسی گلی میں ہو جو بند ہو تو اس بند گلی کے جملہ شرکا کی رضامندی شرط ہے۔ بصورت دیگر وہ تعمیر جو مشترکہ راستہ میں ہو ہر شریک کو اس کے منہدم کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر عام راستے میں تصرف کرے تو چونکہ پھر اس بند گلی کے شرکا کے ساتھ ساتھ دیگر لوگوں کے حقوق بھی

(۱) الاحکام السلطانیۃ،فصل في الكلام على الارفاق:ص/۱۸۸

اس کے ساتھ وابستہ ہیں، لہٰذا صرف اہل محلہ کی اجازت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا، بلکہ عام لوگوں کی اجازت ضروری ہے اور ہر ایک کو اس کے منع کرنے کا حق حاصل ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

فلایجوز لواحدمن أصحاب الطریق الخاص أن یحدث فیه شیئاسواء کان مضرا أوغیرمضر إلاباذن الباقین .(١)

ترجمہ:

طریق خاص میں رہنے والوں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ طریق خاص میں کوئی کام کرے، چاہے مضر ہو یا نہ ہو، ہاں سب کی اجازت ہو تو دوسری بات ہے۔

وإذا أراد الرجل إحداث ظلة في طریق العامة ،ولایضر بالعامة ،فالصحیح من مذهب أبي حنیفةؒ أن لکل واحد من آحاد المسلمین حق المنع ،وحق الطرح .(٢)

ترجمہ:

اور جب کوئی شخص کسی عام راستہ میں سائبان کا ارادہ کرے اور عام راستہ کو نقصان بھی نہ ہو تو صحیح قول کے مطابق مسلمانوں میں سے ہر کسی کو اس کے منع کرنے اور اس کو ڈھانے کا حق حاصل ہے۔

❁❁❁

عمومی راستہ ذاتی گھر کی حدود میں شامل کرنا

سوال نمبر (27):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص عام راستہ کو اپنے گھر کی حدود میں شامل کرے، حالانکہ وہ بڑے عرصہ سے عام راستہ ہو۔ کیا شرعاً اس کی اجازت ہے، خاص کر جب کہ اس سے راہ گیروں کو تکلیف بھی ہوتی ہو۔

بیّنوا تؤجروا

---

(١) شرح المجلة لسلیم رستم باز،المادة: ١٢٢٠ ـ ص/٦٦٩

(٢) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة،الباب التاسع والعشرون في الانتفاع: ٥/٣٧٠

الجواب وباللہ التوفیق :

راستہ عوام الناس کی بنیادی ضرورت ہے، اس لیے جہاں کہیں پہلے راستہ موجود ہو اور قرب وجوار کے لوگوں کو اس کی ضرورت درپیش ہو تو اس کی حیثیت تبدیل کر کے اس کو گھر کا حصہ بنانا شرعاً جائز نہیں۔

لہٰذا مذکورہ شخص کی بیان کردہ حرکت شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ایسی صورت میں حکومت وقت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ایسے شخص سے عوامی راستہ واگذار کرائے۔

والدّلیل علی ذلک:

والحاصل أن ما كان على طريق العامة إذالم يعرف حاله على قول محمدؒ يجعل حديثا حتى كان للإمام رفعه .(١)

ترجمہ:

وہ تعمیر جو عام راستہ پر کی جائے اور اس کا حال معلوم نہ ہو تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق وہ نئی تعمیر شمار ہوگی، یہاں تک کہ حاکم کو اس کے ہٹانے کا اختیار ہے۔

لوأضر بالمارة لايجوز أن يعطى منه شيء ،ولو كان للعامة طريق آخرى. (٢)

ترجمہ:

(کسی راستہ کے حصہ کو اپنے گھر میں شامل کرنا) اگر گزرنے والوں کے لیے باعث تکلیف ہو تو جائز نہیں کہ راستے کا کوئی حصہ کسی شخص کو دیا جائے، اگرچہ دوسرا عام راستہ بھی ہو۔

❁❁❁

مشترکہ جائیداد کی خرید وفروخت

سوال نمبر (28):

غیرآباد شاملات اور مشترکہ جائیداد پر قبضہ کرنا، اس کی خرید وفروخت یا دیگر تصرفات جائز ہیں یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية،الباب التاسع والعشرون في الانتفاع:٥/٣٧١

(٢)شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:١٢١٧ـ ص/٦٦٧

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت کی مکمل تفصیل نہ ہونے کی وجہ سے قطعی جواب دینے سے قاصر ہیں، تاہم مشترکہ جائیداد کی چند صورتیں ذکر کی جاتی ہیں، شاید ان سے رہنمائی مل سکے۔ اگر ایسی زمین ہو کہ عام لوگ اس کو چراگاہ یا دیگر اجتماعی امور کے لیے استعمال کرتے ہوں تو اس پر شخصی قبضہ کرنا، خرید وفروخت اور دیگر تصرفات ناجائز ہیں۔

اور اگر کسی قوم کی مشترک زمین ہے اور ہر شریک کا حصہ اس میں معین ہے تو پھر ہر شریک اس کا مالک متصور ہو کر اس میں تصرف کا حق رکھتا ہے، لہٰذا اس کو فروخت کرنا درست ہے، البتہ اگر کسی شریک کا حصہ نہ معلوم ہو، نہ متعین ہو تو پھر کسی شریک کو ایسی زمین کی فروختگی کا حق حاصل نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

الأراضي القريبة من العمران تترك للإهالي مرعى وبيدراً،ومحتطبا، ويقال لها الأراضي المتروكة ،وهذه الأراضي لايجوز إحياؤها لتحقق حاجة لأهالي إليها تحقيقاًأو تقديرا ،فصار كالنهر والطريق .(١)

ترجمہ:

آبادی کے قریب جو زمینیں چراگاہ، غلہ کی کھلیان یا ایندھن جمع کرنے کے واسطے چھوڑی جاتی ہوں، ان کو اراضی متروکہ کہتے ہیں، کسی شخص کے لیے ان اراضی کا احیا جائز نہیں، کیوں کہ ان کی طرف تحقیقی یا تقدیری طور پر ضرورت پڑتی ہے، جیسے نہر اور راستہ کے واسطے۔

يصح بيع حصة شائعة معلومة كالنصف والثلث والعشر من عقار مملوك قبل الإفراز ......

أمااذاكانت الحصةغيرمعلومة فالبيع فاسد لجهالة المبيع .(٢)

ترجمہ: مملوک جائیداد میں شائع معلوم حصہ جیسے نصف ثلث یا عشر کو جدائی سے پہلے پہلے بیچنا درست ہے......اور اگر حصہ معلوم نہ ہو تو جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔

❁❁❁

(١)شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات:المادة:١٢٧١۔ص/٦٨٨

(٢)شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:٢١٤۔ص/١٠٣

عام نہر سے پانی لے جانا

سوال نمبر(29):

ایک شخص کے باغ کے نزدیک عام نہر ہے، نہر سے دور ایک باغ والے کو اس پانی کی ضرورت ہے، لیکن قریبی شخص اس کو نہر سے پانی لے جانے نہیں دیتا، حالانکہ اس سے اس کو کوئی نقصان بھی نہیں۔ کیا اس کی اجازت کے بغیر پانی لے جانا درست ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

جو چیزیں مباح الاصل ہوں تو ہر کوئی ان سے اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ حاصل کرسکتا ہے، اس لیے غیر مملوکہ نہروں سے زمینوں کی براہِ راست سیرابی یا ندی نکال کر پانی لینے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے، بشرطیکہ ندی نکالنے میں دوسرے کا ضرر لازم نہ ہو۔ بلا وجہ شرعی عام نہر سے کسی کو منع کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی کی ذاتی نہر ہو تو اس ذاتی نہر سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پانی لے جا کر اس سے باغ سیراب کرنا درست نہیں۔

والدّليل على ذلك:

لكل واحد أن يسقي أراضيه من الأنهر غير المملوكة ،وله أن يشق جدولا لسقي الأرض، وإنشاء الطاحون ،ولكن بشرط أن لايضر بالعامة ....فلايسوغ لأحد أن يسقي أرضه من نهر مختص بجماعة .(١)

ترجمہ:

غیر مملوکہ نہروں سے ہر ایک کو اراضی سیراب کرنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ بند کو زمین کی سیرابی اور چکی چلانے کے لیے گرادے، بشرطیکہ عام لوگوں کو اس سے تکلیف نہ ہو۔۔۔۔۔۔ جو نہر کسی مخصوص جماعت اور لوگوں کے لیے مختص ہو تو غیر کے لیے اس سے زمین سیراب کرنا جائز نہیں۔

❁❁❁

(١)شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات:المادة:١٢٦٥_١٢٦٧ص/٦٨٣،٦٨٤

موروثی مشترک مال میں اپنا حصہ فروخت کرنا

سوال نمبر (30):

تین بھائیوں کی موروثی مشترک زمین ہے جو تا حال مشترک ہے۔ کیا ایک بھائی کا دیگر بھائیوں کی رضامندی کے بغیر انفرادی طور پر شادی کے اخراجات کے لیے اس زمین کو فروخت کرنا درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

موروثی مشترک زمین میں کوئی ایک شریک صرف اپنا حصہ دوسروں کی اجازت کے بغیر فروخت کرسکتا ہے لیکن ایک شریک پو، ے مشترک زمین کو دیگر شرکا کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت کے بغیر فروخت نہیں کرسکتا۔

لہٰذا مسؤلہ صورت میں ایک بھائی کا دوسرے بھائیوں کی رضامندی کے بغیر ساری مشترکہ زمین فروخت کرنا جائز نہیں، البتہ صرف اپنے حصہ کو فروخت کرنے کا مجاز ہے۔ تاہم اجنبی پر فروخت کی صورت میں باقی ںہ ائیو ں کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

لأحد أصحاب الحصص التصرف مستقلا في الملك المشترك بإذن الآخر ،لكن لا يجوزله أن يتصرف تصرفا مضرابالشريك. أي أن يتصرف في جميع الملك المشترك .(١)

ترجمہ: اصحاب حصص میں سے ہر ایک کو مشترک ملک میں دوسرے کی اجازت سے تصرف کا مستقل اختیار ہے، لیکن ایسے تصرف کا اختیار نہیں جس سے دوسرے شریک کو نقصان پہنچے۔ یعنی پورے ملک مشترک میں تصرف۔

يصح بيع الحصة المعلومة الشائعة بدون إذن الشريك. (٢)

ترجمہ: معلوم غیر منقسم حصہ کی بیع شریک کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے۔

❁❁❁

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب العاشر ،الباب شركة الملك، الفصل الثاني في كيفية التصرف في الاعيان المشتركة، المادة: ١٠٧١ ، ص/ ٦٠٠

(٢) شرح المجلة ، كتاب البيوع ، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بال[illegible] ٢، ص ١٠٣

شریک سے گھر خریدنا

سوال نمبر(31):

میرا ایک مکان ہے۔میرا پھوپھی زاد بھائی کہتا ہے کہ اس گھر کی آدھی قیمت آپ کو ادا کر کے آپ کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا، پھر مشترک طور پر اس کو کرایہ پر دے دیں گے۔کیا اس طریقہ سے معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟ نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ کل اگر یہ مکان نفع پر فروخت ہوا تو میں نفع نہ لینے کا وعدہ کرتا ہوں۔آپ کی مرضی دینا چاہیں یا نہ، کیا یہ کہنا شرعاً درست ہے؟ اور اس گھر کو یہی شریک اب خریدنا چاہے تو خرید سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مکان کے آدھے حصہ کو بیچ کر پھر اس مکان میں افراد کا شریک بن کر کرایہ وصول کرنا اور پھر اس کو اپنے مابین تقسیم کرنا درست ہے، لیکن مکان کے آدھے حصہ کی فروخت میں یہ شرط لگانا کہ ''بعد میں نفع مالک کی مرضی پر موقوف ہوگا'' درست نہیں، تاہم اگر اس بات کو شرط نہ ٹھہرایا گیا ہو، بلکہ صرف وعدہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہو تو پھر جائز ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ گھر کو کرایہ پر دینا اور منافع برابر تقسیم کرنا جائز ہے۔نیز جب شریک اپنے حصے کو فروخت کرنا چاہے تو دوسرا شریک اس کا سب سے زیادہ حق دار ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

لو ذکر البیع بلاشرط ،ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع ،ولزم الوفاء بالوعد.(۱)

ترجمہ: اگر بیع بلاشرط ہو جائے پھر شرط وعدہ کے طور پر ذکر کی جائے تو بیع جائز ہے اور وعدہ پورا کرنا لازم ہے۔

إن أحد الشریکین في دار ونحوها یشتري من شریکه جمیع الدار بثمن معلوم ،فإنه یصح علی الأصح بحصة شریکه من الثمن .(۲)

ترجمہ: دو شریکوں میں ایک شریک اگر مشترک گھر کو دوسرے سے خریدے، درآں حالیکہ پورے گھر کی قیمت معلوم ہو تو اصح قول کے مطابق شریک کے حصہ کی رقم کے بقدر (خریدنا) صحیح ہے۔

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب في البیع بشرط فاسد:۲۸۱/۷

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیما إذا اشتری أحد الشریکین :۲۴۳/۷

مشترک پانی کا انفرادی ذاتی استعمال

سوال نمبر(32):

تین بھائیوں کے درمیان زمین کی آب پاشی کے لیے مشترک پانی ہے۔ ہر ایک اس سے زمین سیراب کرتا ہے ایک ان میں سے خفیہ طور پر پائپ لائن کے ذریعے سے گھر کے استعمال کے لیے پانی سپلائی کرتا ہے۔ دوسرے شرکا اس پر راضی نہیں اور کہتے ہیں کہ مذکورہ پانی صرف زمینوں کی آب پاشی کے لیے ہے، اس طریقہ سے زمینیں خراب ہو جائیں گی، نیز خون خرابہ اور خانگی فسادات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ کیا مشترک پانی کا انفرادی طور پر استعمال کرنا شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرکا کی اجازت کے بغیر پانی کے استعمال کے قدیم طریقہ کار سے چشم پوشی کر کے پانی کو پائپ لائن یا کسی اور طریقہ سے ذاتی طور پر استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں۔ مشترکہ پانی میں شرکا کے درمیان جو قدیم طریقہ انتفاع ہے، باقی رکھا جائے گا جہاں تبدیلی کی ضرورت پیش آئے تو انفرادی تصرف دوسرے شرکا کی رضامندی پر موقوف رہے گا، کیوں کہ انفرادی استعمال سے لازمی طور پر دوسرے شرکا کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ مشترک پانی کے طریقہ انتفاع میں تبدیلی اس صورت میں جائز ہے جب دوسرے کے حقوق متاثر نہ ہوں۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذا كان النهر بين قوم ،ولهم عليه أرضون أراد واحد منهم أن يكري من هذا النهر نهرا لأرض كان شربها من هذاالنهر ،أو لأرض أخرى ،لم يكن شربهامن هذاالنهر، لم يكن له ذلك إلابرضاء الشركاء،أماإذا أ راد أن يكري الأرض لم يكن شربها من هذاالنهر،فلأنه يريد أن يأخذ زيادة الماء ،ولأنه يكسر ضفة مشتركة ،وأماإذاأ راد أن يكري الأرض كان شربها من هذاالنهر ،فللعلة الثانية.(۱)

ترجمہ:

جب ایک قوم کی مشترک نہر ہو اور اس پر ان کی زمینیں واقع ہوں، ان میں سے کسی ایک نے نہر سے چھوٹی نہر نکالنے کا ارادہ کیا کہ اس سے وہ زمین سیراب کرے جو پہلے سے اس مشترک نہر سے سیراب ہوتی تھی یا وہ زمین

(۱)الفتاوى الهندية، كتاب الشرب ،الباب الثالث فيمايحدثه الانسان:۵/۳۹۶

سیراب کرے جو پہلے سے اس مشترک نہر سے سیراب نہیں کی جاتی تھی تو یہ شخص دوسرے شرکا کی اجازت کے بغیر انفرادی طور پر ایسا نہیں کرسکتا، کیوں کہ جب یہ شخص اس زمین کے لیے پانی لے جائے گا جو اس نہر سے سیراب نہیں کی جاتی تھی تو گویا یہ زیادہ پانی لینے کا ارادہ رکھتا ہے اور نہر کے کنارے توڑنے کا بھی مرتکب ہوگا اور اگر اس زمین کو سیراب کرے جو اسی نہر سے سیراب کی جاتی تھی اگر اس کے لیے علیحدہ نہر کھودے گا تو بھی (رفقا کی اجازت ضروری ہے کہ اس سے مشترک نہر توڑ پھوڑ کا شکار ہوگی) اور مشترک چیز میں تصرف کے لیے شرکا کی اجازت ضروری ہے۔

❀❀❀

ترک قرض وصول کرنے میں حق دار

سوال نمبر (33):

زید اور عمرو نے باہمی اشتراک سے رقم جمع کرکے بھینس خرید لی اور بکر پر فروخت کی۔ بکر یومیہ آٹھ سو روپیہ حسب معاہدہ ادا کرتا رہا، دونوں شرکا اس کو مابین تقسیم کرکے اپنا حصہ لے لیتے، کچھ مدت کے بعد بکر نے روپے ادا کرنا بند کیا، ایک شریک عمرو نے انفرادی طور پر اپنی گاڑی اور تیل کا خرچہ کرکے بکر سے مشترک رقم حاصل کی۔ اب عمرو کہتا ہے کہ اس رقم میں زید کا کچھ حصہ نہیں بنتا، کیوں کہ میں نے اپنی محنت اور خرچہ سے اس رقم کی وصولی یقینی بنائی ہے۔ کیا شرعاً اس رقم میں زید کا حصہ بنتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مشترک کاروبار میں ہر شریک دوسرے کا وکیل اور کفیل ہوتا ہے، لہٰذا اگر دورانِ تجارت ایک شریک انفرادی طور پر زیادہ محنت ومشقت برداشت کرے تو اس کی وجہ سے دوسرے شریک کو منافع سے محروم کرنا شرعاً جائز نہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عمرو کا زید کو مشترک حصہ سے محروم کرنا جائز نہیں، بلکہ دونوں شرکا اس رقم میں مساوی حصہ کے حق دار ہیں، تاہم عمرو نے رقم کی وصولی کے لیے جو اخراجات کیے ہیں، وہ زید سے حسبِ حصہ ان اخراجات کا مطالبہ شرعاً کرسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

كل دين لايعين على واحد حقيقة ،وحكما كان الدين مشتركا بينهما فإذا قبض أحدهما شيئا

منه كان للآخر أن يشاركه في المقبوض.(١)

ترجمہ: ہر وہ دین جو کسی ایک شریک کے لیے حقیقتاً یا حکماً معین نہ ہو، وہ دین دونوں شرکا کے مابین مشترک ہوگا جب کوئی شریک اس میں سے کچھ وصول کرے تو دوسرا شریک بھی اس میں شریک شمار ہوگا۔

مشترک (عام) نہر پر ذاتی پن چکی بنانا

سوال نمبر (34):

جناب مفتی صاحب! ایک عام نہر ہے جس سے مختلف افراد کے کھیت سیراب ہوتے ہیں۔ایک شخص اس عام نہر پر اپنے لیے پن چکی بنانا چاہتا ہے۔ کیا عام نہر پر ذاتی طور پر تصرف کرکے ''پن چکی'' تعمیر کرنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں اگر عام نہر پر ''پن چکی'' چلانے سے دوسروں کے کھیتوں کو نقصان پہنچتا ہو تو یہ دوسروں کی حق تلفی کی وجہ سے شرعاً درست نہیں، ہاں اگر نقصان نہ پہنچتا ہو اور کوئی اپنی زمین میں ''پن چکی'' نصب کرے تو کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وليس لأحدهم أن يكري منه نهرا ،أوينصب عليه رحى ماء إلا برضاء أصحابه ؛لأن فيه كسر ضفة النهر وشغل موضع مشترك بالبناء إلاأن يكون رحى لايضر بالنهر ولابالماء ،ويكون موضعها في أرض صاحبها.(٢)

ترجمہ: مشترک نہر سے انفرادی نہر نکالنا یا اس پر ''پن چکی'' نصب کرنا شرکا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، کیوں کہ اس میں نہر کے کنارے کو توڑنا ہے اور مشترک جگہ کو عمارت میں مشغول کرنا ہے، مگر یہ کہ پن چکی نہر اور پانی کو نقصان نہ پہنچائے اور اس (پن چکی) کی جگہ مالک کی زمین میں ہو۔

(١)الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة،الفصل السابع في تصرف احدالشريكين:٥/٤٥٧

(٢)الهداية، كتاب احياء الموات،فصل في الدعوى:٤/٤٩٣

قومی پہاڑوں میں ذاتی تصرف کرنا

سوال نمبر (35):

جناب مفتی صاحب! ہمارے اطراف میں بہت سارے پہاڑ ہیں، سارے لوگ ان سے گھاس وغیرہ لاتے رہتے ہیں، بعض دفعہ جو لوگ ان پہاڑوں کے قریب ہوتے ہیں، وہ ان پر اجارہ داری قائم کر کے چاردیواری کراتے اور اس میں اپنے لیے درخت لگا دیتے ہیں۔ شرعاً ان کا یہ کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر پہاڑ ایسے ہوں کہ وہ کسی خاص قوم کی ملکیت میں ہوں یا ملک متصور نہ ہوں، لیکن ان کے ساتھ علاقہ والوں کا اجتماعی مفاد وابستہ ہو تو ان پر ذاتی اجارہ داری اور مالکانہ تصرف قائم کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔
البتہ اگر پہاڑ نہ کسی خاص قوم کی ملک ہو اور نہ ہی ان سے علاقہ کی اجتماعی ضروریات وابستہ ہوں تو جو شخص ان پہاڑوں میں درخت لگا کر آباد کرے تو اگرچہ اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، لیکن مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس میں بھی سرکار (حکومت) سے اجازت لینا ضروری ہے، باقی جو درخت وغیرہ لگائے ہیں، بہر صورت لگانے والے کی ملکیت ہیں دوسرے شخص کے لیے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

دار مشترکة بین قوم ......لیس له أن یحفر بئرا ،أو یبنی بناء بغیر إذن شریکه .(۱)

ترجمہ:

ایک قوم وجماعت کے مشترک مکان میں کسی ایک کو دیگر شرکا کی اجازت کے بغیر یہ اختیار حاصل نہیں کہ اس میں کنواں کھودے یا اس میں کوئی تعمیر کھڑی کرے۔

وکذاماکان خارج البلدة من مرافقها محتطبا لأهلها ،ومرعی لهم لا یکون مواتا ،حتی لایملك الإمام أقطاعها ،وکذلك أرض الملح ،والقار ،ونحوهما ممالایستغني عنها المسلمون لاتکون أرض موات حتی لایجوز للإمام أن یقطعها لأحد..........والملك في الموات یثبت بالإحیاء بإذن

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع والعشرون في الانتفاع:۵/ ۳۷۰

الإمام عندأبي حنيفةؒ .(۱)

ترجمہ:

اسی طرح وہ زمین جو شہر سے باہر شہر کے مصالح کے متعلق ہو، اہل شہر وہاں لکڑیاں چنتے ہوں اور وہاں جانوروں کی چراگاہ ہو تو ایسی زمین بھی موات نہیں ہوگی، یہاں تک کہ حاکم اس بات کا مالک نہیں ہے کہ اس زمین کا بٹوارہ کرے۔ اسی طرح وہ زمین جہاں نمک یا تارکول یا اس کے علاوہ وہ اشیاء ہوں جن سے عام مسلمان مستغنی نہیں ہیں (ان کو ضرورت پڑتی ہے) یہ بھی موات زمین نہیں ہے، اس میں بھی حاکم کو اختیار نہیں کہ اس کا بٹوارہ کر کے کسی کو اس کا مالک بنادے۔۔۔۔۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موات (غیر آباد زمینوں) کو آباد کرنے سے ملکیت اس شخص کے لیے ثابت ہوگی جس کو حاکم وقت اس بات کی اجازت دے دے۔

ولو غرس على طريق العامة .... فالشجرة للغارس.(۲)

ترجمہ:

جب کوئی شخص عام راستہ میں درخت لگائے۔۔۔تو یہ درخت، درخت لگانے والے کے ہوں گے۔

❁❁❁

قبائلی علاقہ جات میں راستوں کا محصول لینا

سوال نمبر(36):

قبائلی علاقوں والے مختلف تاجروں سے جو مال لے کر ان کے راستوں سے گزرتے ہیں، محصول لیتے ہیں اور متفقہ طور پر اس جگہ کو ٹھیکہ پر دیتے ہیں۔ کیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہے؟ غصب اور راہزنی کے زمرے میں تو نہیں آتا؟ بعض علاقوں میں یہ ترتیب ہے کہ ہر شخص اپنی زمین میں پھاٹک بنا بیٹھا ہوتا ہے اور راہ گیر سے محصول وصول کرتا ہے۔ ان سب صورتوں میں شرعی حکم مطلوب ہے۔

بیّنوا توجروا

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب احياء الموات، الباب الاول:۳۸٦/٥

(۲) البحرالرائق، كتاب الوقف، باب غرس شجرة ووقفها أوغرس:۳٤۱/٥

الجواب وباللہ التوفیق:

مشترک پہاڑوں اور چراگاہوں سے گزرنے والے راستے جس جس قوم کے ہیں، اس قوم کو اجتماعی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ ان راستوں پر کسی شخص کو مقرر کرکے سامان تجارت لانے والوں سے اجرت وصول کریں یا ان راستوں کا کسی شخص کو ٹھیکہ دے دیں اور وہ اجرت وصول کرے، البتہ ان مشترکہ راستوں پر کسی شخص کے لیے انفرادی طور پر اجرت وصول کرنا جائز نہیں۔ ایسی صورت میں انفرادی اجرت وصول کرنے والا غاصب شمار ہوگا اور اس پر غاصب کے احکام جاری ہوں گے۔

اور جو راستے لوگوں کی ذاتی زمینوں پر سے گزرتے ہیں اور وہ شارع عام نہ ہوں تو ان راستوں پر گزرنے والے سے اجرت لینا اگرچہ اسلامی اخوت کے خلاف ہے، کیوں کہ اس صورت میں راہ گیر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوئے بیسوں جگہ اجرت دینی ہوگی، تاہم اس صورت میں اجرت لینے والا غاصب شمار نہ ہوگا اور نہ ہی اس پر غاصب کے احکام جاری ہوں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

كيفما يتصرف صاحب الملك المستقل في ملكه، فكذا يتصرف أيضا في الملك المشترك أصحابه بالاتفاق .(١)

ترجمہ:

جیسا کہ کوئی شخص جو مستقل طور پر ایک چیز کا مالک ہو اور وہ اپنی ملکیت میں ہر قسم کے تصرف کا حق دار ہے، بالکل اسی طرح ایک مشترک چیز میں تمام شرکا بالاتفاق تصرف کر سکتے ہیں۔

ولو استاجر طريقا يمر فيه ،فعنده لا يجوز ،وعندهما يجوز واختار في العيون قولهما.(٢)

ترجمہ:

اگر کوئی شخص عام گزرگاہ اجرت پر لے لے تو اجارہ کا یہ معاملہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور کتاب العیون میں صاحبین کے قول کو پسند کیا گیا ہے۔

❁❁❁

(١)شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر،الفصل الثاني في كيفية التصرف:المادة:١٠٦٩،ص/٥٩٩

(٢)شرح المجلة لسليم رستم باز:المادة:٥٢٧،ص/٢٨٧

مشترک زمین میں اپنا حصہ فروخت کرنا

سوال نمبر(37):

تین آدمیوں کے درمیان زمین مشترک تھی۔ تقسیم کے بعد ایک شریک نے اپنے حصہ زمین کا کسی کے ساتھ زمین پر تبادلہ کیا، کچھ عرصہ بعد اس منقسم زمین سے متصل ان شرکا کی مزید زمین نکل آئی۔ اب سوال یہ ہے کہ شرکا میں سے جس شریک نے اپنی زمین الگ کر کے کسی غیر متعلقہ شخص سے زمین تبدیل کرادی تھی، وہ شریک اس بقیہ زمین میں شریک شمار ہوگا یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اس زمین سے سابق تقسیم پر کچھ اثر تو نہیں پڑے گا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس شریک نے اپنی زمین باقاعدہ صحیح تقسیم ہونے کے بعد تبدیل کردی ہے، وہ صرف تقسیم شدہ زمین سے بے دخل شمار ہوگا، باقی ماندہ زمین میں یہ شریک اپنے حصے کے بقدر شریک رہے گا۔ نیز نئی مشترکہ زمین کے نکل آنے سے سابق تقسیم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تاہم اگر بقیہ زمین کی تقسیم میں سابقہ تقسیم کی وجہ سے ناقابل حل رکاوٹ پیش آتی ہو یا غبن فاحش کا ارتکاب لازم آتا ہو تو پھر پہلی والی تقسیم کالعدم شمار ہوگی اور از سر نو تمام زمین سب شرکا میں برابر تقسیم ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

كل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالكا لحصته بالاستقلال ،ولا يبقى لأحدهم علاقة في حصة الآخر ،هذا لو كانت القسمة صحيحة.........ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء .(۱)

ترجمہ:

ہر شریک تقسیم کے بعد اپنے حصہ کا مستقل طور پر مالک بن جاتا ہے اور پھر کسی شریک کا دوسرے کے حصہ کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ یہ بات تب ہے کہ تقسیم صحیح ہوئی ہو۔۔۔۔۔اور ہر شریک کو اپنے حصہ میں مکمل تصرف کا اختیار ہے جس طرح چاہے کرسکتا ہے۔

(۱)شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات،الباب الثامن في احكام القسمة،رقم المادة: ۱۱٦۲ ص/٦٤٣

یجب أن تکون القسمة عادلة بمعنی أنه یلزم تعدیل الحصص بحسب استحقاقها، بحیث لایکون فیها نقصان فاحش ،فدعوی الغبن الفاحش في القسمة تسمع .(۱)

ترجمہ:

ضروری ہے کہ تقسیم عادلانہ ہو یعنی ضروری ہے کہ ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق حصہ پہنچے، بایں طور کہ اس میں غبن فاحش نہ ہو، ورنہ غبن فاحش کا دعویٰ تقسیم کے بعد قابل سماعت ہوتا ہے۔

❁❁❁

دکان اور سامان تجارت میں شرکت

سوال نمبر (38):

دو آدمیوں کے مابین شرکت کا معاہدہ ہوا۔ ایک آدمی نے رقم دی اور دوسرے پارٹنر نے دکان اور فرنیچر کا حصہ ڈال دیا۔ کیا شرکت کی مذکورہ صورت جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرکت کی من جملہ شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ جانبین کی شرکت سرمایہ مال کی صورت میں ہوگا۔

مسئولہ صورت میں ایک طرف سے سرمایہ مال نہ ہونے کی وجہ سے شرکت فاسد ہے، لہٰذا مذکورہ معاملہ قابل فسخ رہے گا، اگر نفع ہوا ہے تو نفع سارا رقم دینے والے کا ہے، البتہ دکان والے کو دکان کا کرایہ دیا جائے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

فلو کان لواحد دکان ولآخر أمتعة،فتشارکا علی بیع الأمتعة في الدکان علی أن مایحصل من الربح مشترك بینهمافالشرکة فاسدة وربح الأمتعة لصاحبها،أماصاحب الدکان فله أجرمثل دکانه . (۲)

---

(۱)شرح المجلة لسلیم رستم باز،الکتاب العاشر في انواع الشرکات،الباب السادس في شرائط القسمة، رقم المادة: ۱۱۲۷، ص/۶۲۴

(۲)شرح المجلة لسلیم رستم باز،الکتاب العاشر في انواع الشرکات،الفصل الثالث في الشرائط المختصة بشرکة الاموال، رقم المادة:۱۳۴۴، ص/۷۱۶

ترجمہ:

اگر ایک شخص کی دکان ہو اور دوسرے کا کاروباری سامان ہو اور دونوں اس شرط پر اس سامان کی اس دکان میں فروختگی پر شریک ہو جائیں کہ حاصل نفع میں دونوں شریک ہوں گے تو یہ شرکت فاسد ہے اور سامان تجارت کا نفع سامان والے کا ہوگا، البتہ دکان کے مالک کو دکان کی اجرتِ مثل ملے گی۔

❁❁❁

سہروں کے کاروبار میں شراکت

سوال نمبر(39):

ایک شخص سہروں کا کاروبار کرتا ہے۔کیا اس کے ساتھ کاروبار میں شراکت جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سہروں کا کاروبار فی نفسہ جائز کاروبار ہے۔شرکت کے دیگر شرائط وارکان کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کے ساتھ کاروبار میں شرکت جائز ہے،تاہم اگر اس کاروبار میں بینک سے نئے نوٹ سود پر حاصل کیے جاتے ہوں تو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

وشرطه:أن یکون التصرف المعقودعلیه عقد الشرکة قابلا للوکالة.(۱)

ترجمہ: عقد شرکت کی شرط یہ ہے کہ معقود علیہ ایسی چیز ہو جو قابل وکالت ہو۔

❁❁❁

مشترک مارکیٹ میں ایک شریک کا رقم لگا کر دیگر شرکا سے قسط وار وصول کرنا

سوال نمبر(40):

ہم چند ساتھیوں کی مشترک مارکیٹ ہے جس کا کرایہ ہم سب مساوی طور پر تقسیم کرتے ہیں۔مارکیٹ میں

(۱)الهدایة، کتاب الشرکة:۲/۶۰۵

مزید دکانوں کی تعمیر کی گنجائش تھی، لیکن دوسرے شرکا کے پاس رقم لگانے کی گنجائش نہیں تھی۔ اگر ایک ساتھی تعمیر پر رقم لگائے اور پھر شرکا کے حصہ کی ... ان سے قسط وار وصول کرے اور اس دوران شرکا کو مارکیٹ کا نفع بھی ملتا رہے، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب ایک شریک دیگر شرکا کی اجازت سے مشترک ملک میں تعمیر کرے اور اس پر اپنا سرمایہ لگائے تو ہر شریک سے اس کے حصہ کے بقدر وصول کرنا جائز ہے۔

مسئولہ صورت میں ایک شریک کا دوسرے شرکا سے ان کے حصہ کے بقدر رقم یکمشت یا قسط وار وصول کرنا جائز ہے، البتہ ہر شریک سے حصہ کی مقدار سے زیادہ وصول کرنا جائز نہیں۔ نیز جو خرچہ شرکا کی اجازت کے بغیر ہو جائے، اس کا مطالبہ بھی درست نہیں، یعنی خرچہ کرانے کے لیے دیگر شرکا کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إن بنى بإذنه أوإذن القاضي كان له الرجوع بماخص شريكه من النفقة.(۱)

ترجمہ:

اگر شریک کی اجازت سے یا قاضی کی اجازت سے تعمیر کرلی تو پھر شریک سے خصوصی طور پر کیے گئے خرچہ کے رجوع کا حق رکھتا ہے (ورنہ نہیں)۔

إذاعمّر شخص الملك المشترك بدون إذن من الشريك ،أومن الحاكم يكون متبرعا يعنى ليس له أن يرجع على شريكه.(۲)

ترجمہ:

جب کوئی شخص شریک یا حاکم کی اجازت لیے بغیر مشترک ملک میں تعمیر کرلے تو وہ متبرع ہوگا، یعنی اس کے لیے شریک پر رجوع کرنا جائز نہیں۔

❁❁❁

(۱)شرح المجلة لخالدالاتاسي،الباب الخامس في النفقات المشتركة،تحت المادة:۱۳۱۳: ٤/ ۲۳٥

(۲)شرح المجلة لخالدالاتاسي،الباب الخامس في النفقات المشتركة،تحت المادة:۱۳۱۱: ٤/ ۲۳۱

مخصوص چیز کی خریداری میں شراکت کرنا

سوال نمبر (41):

دو شرکا کے مابین ایک معین چیز کی خریداری کی بابت ... شریک نے معاہدہ کے خلاف اور چیز خرید لی، وہ چیز اب گودام میں پڑی ہے۔ اب دوسرا شریک معاہدہ کی پاس داری نہ کرنے کی وجہ سے شرکت کو ختم کرانا چاہتا ہے، لیکن اصل سرمایہ کے ساتھ ساتھ بیس ہزار روپے کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ کیا شرعاً ایسی صورت میں شرکت کو ختم کرنا اور زائد سرمایہ کا مطالبہ کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب شرکا کے مابین معین چیز کی خریداری کا معاہدہ ہو جائے تو کسی شریک کے لیے اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں، خلاف ورزی کی صورت میں اس کا ضمان اسی پر ہوگا اور دوسرے شریک کو شرکت ختم کرنے کا اختیار رہے گا۔

مسئولہ صورت میں خلاف ورزی کرنے والے شریک سے حسبِ معاہدہ شرکت ختم کرانا درست ہے، تاہم اصل ادا کردہ سرمایہ سے زیادہ وصول کرنا شرعاً درست نہیں، لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

كل ما كان لأحدهما أن يعمله إذا نهاه شريكه عنه لم يكن له عمله، فإن عمله ضمن نصيب شريكه. (١)

ترجمہ: ہر وہ کام جس کا ہر شریک کو کرنے کا اختیار ہو، جب ایک شریک دوسرے کو اس کے کرنے سے منع کرے تو دوسرے شریک کو وہ کام نہیں کرنا چاہیے، اگر دوسرا شریک وہ کام کرے گا تو پہلے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا۔

وإن خص له رب المال التصرف في بلد بعينه ،أوفي سلعة بعينها لم يجزله أن يتجاوزها. (٢)

ترجمہ: اور جب رب المال "مضارب" کو کسی خاص شہر میں کام کرنے کی یا خاص سودا کے کاروبار کی شرط لگائے تو "مضارب" کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان شرائط کی خلاف ورزی کرے۔

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الشركة، الفصل الثالث في تصرف شريكي العنان: ٣٢٠/٢

(٢) الهداية، كتاب المضاربة: ٢٦٥،٢٦٤/٣

بیٹے کی ذاتی ملکیت میں والد اور بھائیوں کا حق

سوال نمبر(42):

ایک شخص نے اپنے والد اور دوسرے بھائیوں سے ہٹ کر اپنی ذاتی محنت سے مال کما کر مستقل کاروبار شروع کیا اور اس کاروبار میں نہ اپنے والد کو شریک کیا، نہ بھائیوں کو اور نہ کاروبار کے متعلق ان سے کوئی معاہدہ ہوا اور نہ ان میں سے کسی نے اس میں مالی تعاون کیا۔ اب والد صاحب اس بیٹے کے کاروبار میں دیگر بھائیوں کو شریک گردان کر کاروبار میں ان کو برابر حصہ دینے کا حکم دیتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا شرعاً والد اور بھائیوں کا یہ حق بنتا ہے کہ اس شخص کے کاروبار میں شریک بن جائیں، جب کہ اس میں والد کا پدری حق شامل ہے اور نہ بھائیوں کا۔ مسئلہ کا شرعی حل واضح فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر باپ کا کاروبار ہو اور بیٹا باپ کا ہاتھ بٹا کر کاروبار میں حصہ لے تو بیٹا خواہ کتنا فعال ہی کیوں نہ ہو اور اس کی وجہ سے کاروبار کو ترقی ملتی ہو، پھر بھی بیٹا معاون بن کر سب کاروبار باپ کا متصور ہوگا، لیکن جہاں کہیں بیٹا خود کاروبار شروع کرلے، بھائیوں اور باپ کا اس میں کوئی دخل نہ ہو اور نہ ہی ان کا کوئی مالی تعاون ہو، بلکہ صرف بیٹے کی ذاتی محنت سے کاروبار میں ترقی ہوئی ہو تو ایسی صورت میں اگرچہ "انت ومالك لابيك" کی وجہ سے باپ کی ضروریات کی فکر کرنا بیٹے کی اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے، لیکن باپ بیٹا ہونے کے ناطے ملکیت میں شریک نہیں ہوسکتے اور نہ ہی دوسرے بھائی اخوت (بھائی ہونے) کی وجہ سے شریک متصور ہوں گے۔ ایسے انفرادی تصرفات کی صورت میں کاروباری استحقاق اس بیٹے کو حاصل ہوگا جس کا کاروبار ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

لولم يمكن للأب عمل ،ولا كسب ،بل العمل والكسب للابن ،يكون المال المتحصل للابن خاصة ؛لأن الأب حينئذٍ في عيال ابنه .(١)

---

(١)شرح المجلة لخالد الاتاسي،الباب السادس في بيان شركة العقد،الفصل السادس في حق شركة العنان، المادة:١٣٩٨، ٣٢٠/٤

ترجمہ:

اگر باپ کا نہ عمل ہو اور نہ کسب، بلکہ عمل اور کسب بیٹے کا ہو تو حاصل شدہ مال بیٹے کے لیے ہی خاص ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں باپ بیٹے کے عیال میں شمار ہوتا ہے۔

❁❁❁

پنشن کی رقم میں شراکت

سوال نمبر(43):

جناب مفتی صاحب! ہم چند بھائی مشترک کاروبار کرتے ہیں جو بھائی جتنا کماتا ہے، سب اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اب ہمارے بھائی کو حکومت کی طرف سے پنشن کی رقم ملی ہے۔ کیا دیگر اشیا کی طرح اس میں بھی سب بھائی شریک شمار ہوں گے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں بھائیوں کی باہمی شراکت، شرکتِ عنان کی صورت ہے جس میں شرکت صرف متعلقہ کاروبار تک محدود رہتی ہے۔ پنشن چونکہ حکومت کی طرف سے ایک تبرع اور احسان ہے، لہذا یہ صرف اس بھائی کا حق بنتا ہے، دیگر بھائیوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

أحدشريكي العنان إذا آجر نفسه في عمل كان من تجارتهما كان الأجر بينهما ،ولو آجر نفسه في عمل لم يكن من تجارتهما، أو آجر عبداله كان الأجر له خاصة.(١)

ترجمہ:

شرکتِ عنان میں اگر ایک شریک کسی ایسے کام میں اجرت پر کام کرے جو ان کی شرکت کی تجارت میں سے ہو تو اجرت دونوں کے مابین تقسیم ہوگی اور اگر کسی ایسے کام میں اجرت پر کام کرے جو ان کی شرکت کی تجارت میں سے نہ ہو یا اپنے غلام کو اجرت پر لگائے تو اس کی اجرت اس کے لیے خاص ہوگی۔

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الشركة،الفصل الثالث في تصرف شريكي العنان:٢/٣٢٦

عقدِ بضاعت کا مسئلہ

سوال نمبر (44):

ایک شخص کی اپنی ایک دکان ہے، اس نے اپنے ایک دوست سے رقم لے کر اس میں تجارت شروع کی۔ اس کا سارا نفع دوست کو دیتا ہے، خود بلا معاوضہ کاروبار کرتا ہے۔ شرعاً یہ کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ فقہائے کرام کی اصطلاح میں ایسے معاملہ کو عقدِ ب... کہتے ہیں جو شرعاً درست ہے، الد... نفع ونقصان کا ذمہ دار صاحبِ مال ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذا شرط كله لصاحب رأس المال ،كان رأس المال في يدالعامل بضاعة ،والعامل مستبضعا، ولما كان المستبضع في حكم الوكيل المتبرع كان الربح كله لصاحب المال ،والخسارة كلهاعليه. (۱)

ترجمہ:

اور اگر تمام نفع صاحبِ مال کے لیے شرط ہو تو راس المال عامل کے ہاتھ میں پونجی ہوگی اور عامل پونجی بنانے والا (سرمایہ بنانے والا) شمار ہوگا اور چونکہ پونجی بنانے والا متبرع وکیل کے حکم میں ہے، لہٰذا پورا نفع صاحبِ مال کے لیے ہوگا اور نقصان بھی اسی پر ہوگا۔

❀❀❀

پارٹنر سے کوئی چیز گم ہو جانا

سوال نمبر (45):

عمرو اور زید دونوں کاروباری پارٹنر ہیں۔ ہر ایک کے حساب کتاب کا رجسٹر الگ الگ ہے۔ زید ان پڑھ

(۱) شرح المجلة لسيلم رستم باز،الكتاب العاشر ،المادة:۱۳۵۱ـص/ ۷۲۰

ہونے کی وجہ سے رجسٹر میں حساب کتاب لگوانے کے لیے لے جاتا رہتا ہے۔ایک دن عمرو سے زید کا رجسٹر کسی نے چوری کیا اب زید کہتا ہے کہ اس رجسٹر میں جتنا کھاتہ تھا، اس کا ضمان تو دے گا کہ مجھے مقروض حضرات کا کچھ علم نہیں۔کیا زید کا یہ مطالبہ شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

امانت کی چیز گم ہونے کی صورت میں امین پر ضمان لازم نہیں ہوتا۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں عمرو سے ضمان کا مطالبہ درست نہیں، تاہم شرکت کی وجہ سے عمرو کی ذمہ داری بنتی ہے کہ مشترکہ کاروبار کے قرضہ جات کی وصولی کے لیے باہم دوڑ دھوپ کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن سرقت الوديعة عند المودع ،ولم يسرق معها مال آخر ،للمودع لم يضمن عند نا .(١)

ترجمہ:

اور اگر امین کے ہاں امانت چوری ہوگئی اور اس کے ساتھ اگرچہ امین کی کوئی چیز چوری نہ ہو تو پھر بھی امین پر ضمان نہیں آئے گا۔

❁❁❁

تعلیمی ادارے کو مشترکہ طور پر چلانا

سوال نمبر(46):

ایک شخص تعلیمی ادارہ کو فروغ دینے اور اس کی مینجمنٹ سے واقف ہے، اس نے کچھ رقم لے کر دوسرے ساتھی کے ساتھ مل کر تعلیمی ادارہ شروع کیا۔دوسرے ساتھی کی رقم نسبتاً زیادہ ہے۔ماہر ساتھی تعلیمی امور نمٹاتا ہے، جب کہ دوسرا ساتھی حساب، کتاب اور بیرونی کاموں میں تعاون کرتا ہے۔نفع مساوی طور پر تقسیم ہوتا ہے۔سوال یہ ہے کہ مذکورہ معاملہ شرکت کی کون سی قسم ہے؟ اور جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الوديعة،الباب الرابع فيمايكون تضيعا للوديعة ومالا:٤/٣٤٦

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ معاملہ شرکتِ عنان ہے جو جائز شرکت ہے اور شرکت میں سرمایہ کی مساوات ضروری نہیں اور سرمایہ میں مساوات نہ ہونے کے باوجود نفع میں مساوات بھی شرعاً درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

لایشترط التساوي في شركة العنان،فتصح مع التفاضل في رأس المال ،بأن يكون لأحدهما ألف وللآخر ألفان ،وفي الربح بأن يكون ثلثا الربح لأحدهما، وثلثه للآخر.(١)

ترجمہ:

شرکتِ عنان میں تساوی ضروری نہیں، چنانچہ راس المال میں تفاضل کی صورت میں بھی صحیح ہے، بایں طور کہ ایک شریک کے ایک ہزار روپے ہوں اور دوسرے شریک کے دو ہزار، اسی طرح منافع میں بھی تفاضل صحیح ہے، بایں طور کہ دو ثلث نفع ایک شریک کا ہو اور ایک ثلث دوسرے شریک کا۔

❁❁❁

جانوروں کی دیکھ بھال میں شرکت کرنا

سوال نمبر(47):

ایک شخص کے پاس زیادہ مویشی ہوں، وہ کچھ جانور کسی دوسرے شخص کو پالنے کے لیے دے دے اور اس سے کہے کہ ان کی خدمت کرو، اس جانور سے جو بچے پیدا ہوں گے، وہ باہم نصف نصف ہوں گے۔ کیا شرعاً یہ طریقہ درست ہے؟ اگر نہیں تو صحیح طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رُو سے مجہول چیز کی بیع جائز نہیں۔ یہی حکم جانوروں میں رائج شرکت کا بھی ہے کہ اس میں جانور کسی کو پالنے کے لیے دیا جاتا ہے اور اس کا جو بچہ پیدا ہو، وہ دونوں کے درمیان نصف ہو۔

(١)شرح المحلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر ،الباب في بيان شركه العقد،الفصل السادس في شركة العنان، المادة:١٣٦٥ ، ص/٧٢٧

تاہم اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ابتداءً جانور کی قیمت لگائی جائے، پھر نصف قیمت مالک کو دے کر اس سے جانور لے لیا جائے، پھر مالک کو اختیار ہے کہ وہ نصف قیمت مستاجر کو معاف کردے یا وصول کرے، پھر اس سے کہے کہ تم اس جانور کی دیکھ بھال کرو، جو بچے پیدا ہوں گے، وہ نصف نصف ہوں گے۔اور صورت مسئولہ میں ذکر کردہ طریقہ درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وعلی هذا إذادفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين ....والحيلة في ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذلك الرجل......بثمن معلوم حتى تصير البقرة واحناسهامشتركة بينهما، فيكون الحادث منها على الشركة. (۱)

ترجمہ:

اور شرکتِ فاسدہ کے حکم میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو گائے پالنے کے لیے دے، اس شرط پر کہ ہونے والے بچے شریک ہوں گے۔۔۔۔۔اور اس کی جائز تدبیر یہ ہے کہ اس شخص سے نصف گائے معلوم قیمت پر خرید لی جائے تو پھر شرکت ان کے مابین صحیح ہوجائے گی اور ہونے والے بچے شریک ہوں گے۔

❁❁❁

دوسرے کی کمائی میں خود کو شریک ٹھہرانا

سوال نمبر (48):

ایک شخص نے کسی کو اپنے خرچہ پر بیرون ملک بھیج دیا، اس شرط پر کہ اس کو اس کا خرچہ بھی واپس دیا جائے گا اور اس کے بعد وہ جتنی کمائی کرے گا، اس میں بھی ساتھ شریک ہوگا۔کیا عامل کے اس کام میں اس شخص کی شرکت جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

یاد رہے کہ عقدِ شرکت میں جانبین سے مال کا ہونا ضروری ہے، البتہ عقدِ مضاربت میں ایک جانب سے مال اور دوسری جانب (مضارب کی طرف) سے محنت ہوا کرتی ہے، بغیر سرمایہ اور محنت کے خوامخواہ کسی کی مزدوری میں شریک

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الشركة، الفصل الخامس في الشركة الفاسدة: ۲/ ۳۳۵

ہونا شرعاً جائز نہیں۔

مسئولہ صورت میں جب عامل بھیجنے والے کو اس کی رقم ادا کرے تو پھر عامل کے عمل کے منافع میں اس کا کوئی حق نہیں بنتا، البتہ اگر عامل بھیجنے والے کا سرمایہ کاروبار میں لگائے، تب اس کو نفع دینا جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

إذاقال رجل لآخر أنت اتجر بمالك على أن الربح مشترك بيننا، فلاشركة ،وفي هذه الصورة ليس له أخذحصة من الربح الحاصل.(١)

ترجمہ:

جب کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ تو اپنے مال سے تجارت کر اور نفع ہمارے درمیان مشترک ہوگا تو اس سے شرکت حاصل نہیں ہوتی اور اس صورت میں اس کے لیے نفع سے حصہ لینا جائز نہیں۔

ولاتصح(المضاربة) إلابالمال الذي تصح به الشركة .(٢)

ترجمہ:

اور مضاربت صرف اس مال سے جائز ہے، جس سے شرکت جائز ہو۔

۞۞۞

شریک کو تصرف کا اختیار دینا

سوال نمبر(49):

چار بھائی موروثی جائیداد میں مشترک رہتے ہیں، ایک بھائی نے تقریباً پندرہ سال پہلے اپنے لیے کمرہ بنانے کے لیے ایک آبائی موروثی پلاٹ کو فروخت کیا تھا، اب بھائی علیحدہ ہونا چاہتے ہیں، متصرف بھائی ان کو ان کے حصے کی رقم اسی حساب سے دینا چاہتا ہے، لیکن ان کا مطالبہ ہے کہ ہمیں رقم نہیں، بلکہ فروخت شدہ پلاٹ میں ہر ایک کے حصہ کے بقدر رہائشی ذاتی گھر میں سے حصہ دے دو، کیوں کہ وہ رقم بہت کم بنتی ہے۔ شریعت کی رو سے مسئلہ کا حل سمجھائیں۔

بيّنوا تؤجروا

(١)شرح المجلة لخالدالاتاسي،الباب الخامس في النفقات المشتركة،تحت المادة:١٣١١: ٤/ ٢٣١

(٢)الهداية، كتاب المضاربة:٣/ ٢٦٣

الجواب وباللہ التوفیق:

املاکِ مشترکہ میں کسی ایک شریک کو بدوں اجازت دوسرے شرکا کے کسی ایسے تصرف کرنے کی اجازت نہیں، جس سے دوسرے شرکا کا کوئی نقصان ہو جائے۔ اگر کوئی شریک بغیر اجازت کے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو اس کا نقصان بھی اس پر آئے گا، البتہ اگر کوئی شریک دیگر شرکا کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت سے تصرف کرے تو اس میں تمام شرکا شامل ہوں گے۔

مسئولہ صورت میں ایک شریک بھائی کا آبائی پلاٹ بیچنے پر دیگر بھائیوں کی خاموشی اور اس کے خلاف آواز نہ اٹھانا اجازت کے مترادف ہے۔ پس یہ بیع سب کی اجازت سے ہوئی، لہٰذا حاصل شدہ رقم میں بھی سب شریک ہوں گے اب جب کہ اس ایک بھائی نے اس کو انفرادی طور پر خرچ کیا تو وہ اس پر دین ہے اور دین کی اتنی مقدار واپس کرنی ہوتی ہے، جتنی ذمہ پر ہو، اس لیے اب دوسرے بھائیوں کو وہ اس پلاٹ کے سابقہ حساب سے رقم دے گا، چونکہ بیع ان کی اجازت سے ہوئی، لہٰذا اب اس رقم کی ویلیو (مالی حیثیت) گھٹ جانے سے نقصان بھی سب پر آئے گا اور پلاٹ کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لأحد أصحاب الحصص التصرف مستقلا في الملك المشترك بإذن الآخر، لكن لايجوز له أن يتصرف تصرفا مضرابالشريك ،والإذن نوعان :صريح ودلالة.(١)

ترجمہ:

مشترک ملک میں ہر حصہ دار کو دوسرے شریک کی اجازت سے تصرف کا حق ہے، لیکن جائز نہیں کہ کوئی ایسا تصرف کرے جو دوسروں کے لیے نقصان دہ ہو (وہ تصرف شرعاً جائز نہ ہوگا) اور اجازت کی دو قسمیں ہیں، صراحتاً اور دلالتاً۔

(١)شرح المحلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشرفي انواع الشركات،الباب الاول ،الفصل الثاني في كيفية التصرف في الاعيان المشتركة:المادة:١٠٧١،ص/٦٠٠

شرکتِ اعمال کا طریقہ

سوال نمبر(50):

دو کاریگروں نے مل کر آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ دونوں مل کر کام کریں گے، جو منافع ملے گا، اس کو آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ کیا مذکورہ شرکت جائز ہے؟ نیز اگر ایک کاریگر کو کوئی شخص کام کے لیے بلائے اور کام ختم ہونے کے بعد مقررہ مزدوری کے علاوہ رکشہ کا کرایہ اپنی طرف سے دے، مزدور رکشہ کی بجائے کم کرایہ پر بس میں سفر کرے تو شرعاً کرایہ کی باقی ماندہ رقم صرف اس کاریگر کی ہے جو کام کے لیے گیا تھا یا دوسرا کاریگر بھی اس میں شریک رہے گا؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر دو کاریگر آپس میں یہ معاہدہ کرلیں کہ کاریگری کا کام اکٹھا کریں گے اور جو نفع حاصل ہوگا، وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گے تو یہ شرکت جائز ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے شریک کا وکیل ہوگا، لہٰذا ایک کاریگر جو کمائی شرکت کے حوالہ سے کرے گا، دوسرا بھی اس میں شریک ہوگا، تاہم اگر کوئی شریک شرکت کے علاوہ کسی رقم کا مستحق بنے تو اس میں دوسرے شریک کا حصہ نہ ہوگا۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں جب کوئی شخص کسی کاریگر کو مزدوری کے علاوہ اپنی طرف سے کرایہ کے لیے رقم دے تو اس کا مالک صرف وہی کاریگر ہوگا جو کام کے لیے گیا تھا، پھر اس کی مرضی چاہے رکشہ میں سفر کرے یا بس میں۔

والدّلیل علی ذلک :

وأما شركة الأعمال:فهي كالخياطين ،والصباغين ،أوأحدهما خياط ،والأخرصباغ، أوأسكاف يشتركان من غيرمال على أن يتقبلا الأعمال ،فيكون الكسب بينهما،فيجوز ذلك .(١)

ترجمہ:

اور شرکت اعمال یہ ہے کہ، مثلاً دو درزی یا دو رنگ ریز یا ایک درزی اور دوسرا رنگ ریز یا موچی بغیر مال کے اس شرط پر شریک ہوں کہ دونوں کام کریں گے اور نفع دونوں کا مشترک ہوگا تو یہ شرکت جائز ہے۔

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الشركة،الباب الثالث في شركة الوجوه:٢/٣٢٨

وما اكتسب أحدهما بتقبل الأعمال ،وذلك ليس من شركتهما، فإنه يكون له خاصة.(۱)

ترجمہ: اور (شرکت اعمال) میں جو شریک کام کی وجہ سے کمائے اور یہ (کمانا) شرکت کی وجہ سے نہ ہو تو یہ (کمائی) اس کے لیے خاص ہوگی۔

۞۞۞

ایک شریک کا عمل کی وجہ سے زیادہ منافع لینا

سوال نمبر (51):

زید کے پاس چند آدمیوں نے کاروبار کی غرض سے رقم جمع کرائی۔ اس نے بھی اپنے حصہ کی رقم اس میں شامل کردی، کاروبار زید کرتا ہے۔ سب شرکا اس پر متفق ہیں کہ اخراجات کو منہا کر کے صافی منافع باہم باعتبار حصص تقسیم کیا جائے گا۔ نیز تمام شرکا یہ چاہتے ہیں کہ زید کو اپنے حصہ کے منافع کے ساتھ پندرہ فیصد منافع زیادہ دیا جائے، کیوں کہ زید کاروبار کو اکیلا سنبھالتا ہے اور باقی شرکا کو گھر بیٹھے منافع مل جاتا ہے۔ کیا زید کے لیے کاروبار چلانے کے عوض پندرہ فیصد منافع مع منافع شرکت لینا شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک شریک کے لیے مشترک منافع کے علاوہ اپنے زائد عمل اور محنت کی بنا پر مزید منافع لینا بھی جائز ہے۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں کاروبار چلانے کے عوض ذمہ داری سنبھالنے کی وجہ سے زید کا پندرہ فیصد زیادہ منافع لینا شرعاً درست ہے۔

والدّليل على ذلك:

إذا شرط عمل أحدهما وحده ،فينظر إن كان العمل مشروطا على الشريك الذي شرط له زيادة الربح،فالشركة صحيحة أيضاً، والشرط معتبر ،ويصيرذلك الشريك مستحقا ربح رأس ماله بماله، والزيادة بعمله.(۲)

---

(۱)الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة،نوع في تصرف أحدشريكى العنان في عقد صاحبه:۵/ ۴۵۰

(۲)شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر،الباب السادس في شركة العنان،رقم المادة:۱۳۷۱ ص/۷۲۸

ترجمہ: جب کسی ایک شریک کے لیے عمل (کاروبار) شرط ٹھہرایا جائے تو دیکھا جائے گا کہ جس شریک کے لیے عمل ٹھہرایا گیا ہے، اگر اس شریک کے لیے اضافی منافع کی شرط بھی لگادی گئی ہو تو پھر شرکت صحیح ہے اور شرط بھی معتبر ہے اور یہ شریک راس مال کے منافع کا اپنے مال کی وجہ سے اور اضافی نفع کا اپنے عمل کی وجہ سے مستحق ہوا۔

❁❁❁

باپ کا بیٹے کے کاروبار میں معاونت کرنا

سوال نمبر (52):

ایک شخص نجاری (ترکانی) کا کام کرتا تھا، اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ مزدوری پر کام کیا کرتا تھا، کچھ عرصہ تک یوں سلسلہ چلتا رہا، باپ ٹھیکہ لیتا رہا اور بیٹا بھی ساتھ کام کرتا رہا، باقی بھائی ان کے خرچہ سے مستفید ہوتے رہے۔ کچھ مدت بعد والد نے ٹھیکہ لینا چھوڑ دیا، پھر بیٹے نے اپنے طور پر ٹھیکہ لینا شروع کیا اور والد اس کے ساتھ مزدوری پر کام کرتا رہا، اس نے خوب رقم کمائی، بھائی کی شادی کرائی، والد کو حج بیت اللہ کرایا۔ علیحدگی کی صورت میں اب اس رقم میں والد یا دیگر بھائیوں کا کچھ حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب اولاد باپ کے عیال (یعنی پرورش) میں ہوں تو باپ کے ساتھ کاروبار میں اعانت کرنے کی بنیاد پر معاونین شمار ہو کر ان کی مشترکہ کمائی باپ کی شمار ہوتی ہے، البتہ اگر کوئی بیٹا باپ کے عیال (یعنی پرورش) میں نہ ہو اور اس کی کمائی اور کاروبار میں باپ کا کوئی دخل نہ ہو تو سارا مال بیٹے کا ہوگا اور اس صورت میں باپ کی اعانت معاونت کے درجہ میں ہوگی۔ مسئولہ صورت میں بیٹے کے شروع کردہ کاروبار میں باپ اور دیگر بھائیوں کا کوئی حصہ نہیں بنتا، تاہم اگر وہ برضا و رغبت حصہ دینا چاہے تو یہ اس کی طرف سے تبرع و احسان ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

لو لم یمکن للأب عمل ،ولا کسب ،بل العمل والکسب للابن یکون المال المتحصل للابن خاصة ؛لأن الأب حینئذٍ في عیال ابنه .(۱)

---

(۱)شرح المجلة لخالد الاتاسي ،الباب السادس ،الفصل السادس في حق شرکة العنان، المادة:۱۳۹۸، ۳۲۰/۴

ترجمہ:

اگر باپ کا نہ عمل ہو اور نہ کسب، بلکہ عمل اور کسب بیٹے کا ہو تو حاصل شدہ مال بیٹے کے لیے ہی خاص ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں باپ بیٹے کے عیال میں شمار ہوتا ہے۔

❁❁❁

نفع بقدر سرمایہ طے ہو اور کام صرف ایک شریک کرے

سوال نمبر (53):

دو شریک آپس میں طے کریں کہ ہر شریک کو نفع کا اتنا فیصد حصہ ملے گا جتنا فیصد اس نے سرمایہ لگایا ہے اور دونوں کا سرمایہ متفاوت ہو اور یہ طے پایا کہ عمل (کاروبار) ایک شریک کرے گا۔ کیا ایک شریک کام کرے اور دوسرا گھر بیٹھے منافع کمائے، شرعاً یہ کاروبار درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر شرکت میں یہ طے پائے کہ ہر شریک کو نفع کا اتنا فیصد حصہ ملے گا، جتنا فیصد اس نے سرمایہ لگایا ہے تو یہ جائز ہے، خواہ دونوں کی سرمایہ کاری کا تناسب برابر ہو یا کم وبیش، نیز چاہے دونوں نے کام کرنا طے کیا ہو یا دونوں میں سے ایک کا کام کرنا طے پایا ہو۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ جائز ہے کہ کام کرنا صرف ایک شریک کی ذمہ داری قرار دی گئی ہو۔

والدلیل علی ذلک:

إذا شرطا الربح علی قدر المالین متساویا، أو متفاضلا ،فلاشك أنه یجوز، ویکون الربح بینهما علی الشرط سواء شرط العمل علیهما، أوعلی أحدهما. (۱)

ترجمہ: اگر دونوں شریک بقدر سرمایہ نفع طے کریں، چاہے برابری کے ساتھ ہو یا زیادتی کے ساتھ اس کے جواز میں کوئی شک نہیں اور نفع دونوں کے مابین طے کردہ شرط کے مطابق ہوگا، چاہے عمل (کام کرنا) دونوں پر شرط ہو یا ایک پر۔

❁❁❁

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الشرکۃ، فصل في شروط جواز هذه الانواع: ۵۱۷/۷

مشترکہ جائیداد میں اجازت کے بغیر ذاتی تصرف کرنا

سوال نمبر (54):

پانچ بھائیوں کا ایک مشترکہ مکان ہے۔ایک بھائی نے دیگر بھائیوں کی اجازت لیے بغیر اسی مکان کی ایک جانب میں اپنے لیے کچھ تعمیر کیا، بعد میں تنازعہ ختم کرنے کے لیے یہ فیصلہ ہوا کہ تمام بھائی اس زائد تعمیر کی قیمت دے کر اس میں شریک ہوجائیں گے۔کیا شرعاً یہ معاملہ درست ہے؟ نیز کیا یہ رقم بھائیوں کے ذمہ دین شمار ہوگی؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مشترکہ جائیداد میں بغیر اجازت کے آبادی کرنا غاصبانہ اقدام ہے۔دورانِ تقسیم اگر یہ آبادی اس کے اپنے حصہ میں نکلتی ہے تو اس کو دی جائے گی۔بصورت دیگر دوسرے شرکا کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس کو ناجائز تعمیر منہدم کرنے پر مجبور کردیں یا اگر چاہیں تو قیمت دے کر اس میں شریک ہوجائیں،لیکن قیمت درست تعمیر کی نہیں دی جائے گی، بلکہ منہدم تعمیر کی قیمت معتبر ہوگی۔جب دوسرے شرکا قیمت دینے پر راضی ہیں تو شرعاً یہ عقد کی ایک صورت ہوگی اور جو رقم ان کے ذمہ آتی ہے، وہ دین متصور ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

(بنى أحدهما)أي أحد الشريكين (بغير إذن الآخر)في عقار مشترك بينهما(فطلب شريكه رفع بنائه قسم)العقار(فإن وقع)البناء(في نصيب الباني فبها) ونعمت(وإلاهدم)البناء .قال ابن عابدين:أو أرضاه بدفع قيمته.(١)

ترجمہ:

ایک شریک نے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر مشترک جائیداد میں تعمیر کی،شریک نے اس کے ہٹانے کا مطالبہ کیا تو جائیداد تقسیم کی جائے گی ،اگر تعمیر،تعمیر کرنے والے شریک کے حصہ میں آئی تو درست ہے،ورنہ اس کے انہدام کا حکم دیا جائے گا یا پھر دوسرا شریک اس کی قیمت دے کر اس کو راضی کرے۔

(١)ردالمحتار على الدر المختار، كتاب القسمة،مطلب في الرجوع عن القرعة:٩/٣٨٨

سامانِ تجارت میں شرکت

سوال نمبر(55):

ایک شخص سعودی عرب میں مقیم ہے، اس نے گاڑی لے کر ایک شخص کو اس معاہدہ پر دی کہ میں پاکستان جارہا ہوں گاڑی لے کر کاروبار کرتے رہو، جتنا خرچہ گاڑی پر آئے، اس کو کاروبار کی رقم سے خرچ کیا کرو، جب میں واپس آجاؤں تو پھر حساب کتاب کر کے منافع آپس میں تقسیم کرلیں گے، بہرحال ڈرائیور حسبِ معاہدہ کام کرتا رہا، اس دوران اس سے چوری بھی ہوئی۔ اس نے کاروبار کی رقم میں سے اس کو ادا کیا۔ کیا شرعاً یہ معاملہ درست ہے؟ نیز پوچھنا یہ ہے کہ جو چوری ہوئی، اس کا تاوان مالک کے ذمہ ہے یا ڈرائیور کے ذمہ یا تاوان دونوں پر آئے گا؟ اس تاوان کو مال تجارت سے پورا کیا گیا ہے۔ کیا ڈرائیور کا حق بنتا ہے کہ اتنی رقم مالک سے وصول کرے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعاً شرکت کے لیے دراہم، دنانیر یا روپے کا ہونا ضروری ہے، سامان تجارت دے کر شرکت کرنا شرکتِ فاسدہ ہے۔

مسئولہ صورت میں شرکت کے عدم جواز کی بنا پر کاروبار کا سارا نفع مالک کا ہے، البتہ ڈرائیور (اجیر) کو اجرتِ مثل ملے گی۔ چوری کی وجہ سے مال تجارت میں جو نقصان ہوا وہ مالک کے مال سے پورا کیا جائے گا۔ ڈرائیور نے چونکہ تاوان ونقصان کو مال تجارت سے پورا کیا ہے اور مال تجارت اور منافع مالک کے ہیں تو اس کا یہ اقدام درست ہے، البتہ ڈرائیور کو اپنی محنت کا اجرِ مثل ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

ولاینعقد الشرکة إلابالدراهم ،والدنانیر ،والفلوس النافقة.(۱)

ترجمہ: دراہم، دینار اور روپے کے علاوہ اشیا میں شرکت منعقد نہیں ہوتی۔

حاصله أن الشركة الفاسدة ......والثانية بقدر المال......وللآخر أجر مثله.قوله (فالشركة فاسدة) ؛لأنه في معنى بع منافع دابتي ليكون الأجر بيننا ،فيكون كله لصاحب الدابة ؛ لأن العاقد عقد العقد على ملك صاحبه بأمره ، وللعاقد أجرة مثله ؛ لأنه لم يرض أن يعمل مجاناً .(۲)

(۱)الهداية، كتاب الشركة،فصل ولاتنعقد الشركة إلابالدراهم :۲/۶۰۸

(۲)ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الشركة،فصل في الشركة الفاسدة:۶/۵۰۳

ترجمہ:

اورخلاصہ یہ کہ شرکتِ فاسدہ (کے اقسام یہ ہیں)۔۔۔۔۔اوردوسری قسم وہ ہے جس میں منافع مال کے اعتبار سے ہوں۔۔۔اور عامل کے لیے اجرت مثل ہوگی۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری سواری فروخت کرو، تاکہ اس کا نفع دونوں کا ہو (لیکن چونکہ شرکت فاسد ہے اس لیے) اس میں مالک کے لیے پورا نفع ہوگا، کیوں کہ اس عامل نے یہ معاملہ اس مالک کے حکم پر کیا تھا اور عامل کو اجرت مثل ملے گی، کیوں کہ وہ بھی تو بغیر اجرت کے محنت کے لیے راضی نہیں ہے۔

❁❁❁

شرکت میں شریک کے حکم کی مخالفت

سوال نمبر (56):

چار بھائیوں نے مل کر میڈیسن کمپنی شروع کی۔ایک بھائی نے یہ شرط لگائی کہ کمپنی کے معاملہ میں بینک سے سودی قرضہ لیں گے، نہ سودی لین دین کریں گے،لیکن اس کے باوجود باقی تین بھائیوں نے اس سے خفیہ طور پر بینک سے سودی رابطہ رکھا۔معلوم ہونے پر اب اس چوتھے بھائی کو کیا کرنا چاہیے، بالخصوص جب کہ اب اس کا حصہ بکتا بھی نہیں اگر بکے گا تو کافی عرصہ لے گا اور علیحدگی کی صورت میں دیگر شریک بھائی رقم مہیا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔اس کا شرعی حل کیا ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کمپنی کے سودی لین دین کی صورت اگر اس طرح ہو کہ کمپنی بینک سے قرضہ لیتی ہو اور اس پر سود ادا کرتی ہو تو اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہے، اس لیے کہ جب کوئی شخص سود پر قرضہ لے تو یہ فعل حرام اور گناہ ہے، مگر وہ قرض کا مالک بن جائے گا۔اس کے ساتھ کاروبار کر کے جو آمدنی حاصل ہوگی، وہ حلال ہوگی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جس بھائی نے سودی قرضہ نہ لینے کی شرط لگائی تھی۔اب اگر وہ اجازت دے تو یہ شرکت صحیح ہو جائے گی اور اس سے جو آمدنی حاصل ہوگی، وہ حلال ہوگی، تاہم سودی قرضے سے کاروبار چلانے کا گناہ ضرور ملے گا۔آئندہ کے لیے ایسے لوگوں کے ساتھ ہرگز شرکت نہ کی جائے جو سودی قرضہ لے کر کاروبار کرتے ہوں۔

والدّلیل علی ذلك:

وإذانهی أحدالشریکین الأخر ،بقوله لاتذهب بمال الشرکة إلی دیارأخری ،ولاتبع المال نسیئة، فلم یسمع ،وذهب إلی دیارأخری ،أوباع نسیئة ضمن حصة شریکه من الخسارالواقع.(۱)

ترجمہ: اور جب ایک شریک دوسرے کومنع کرے کہ شرکت کے مال کودوسرے علاقہ نہیں لے جانا یا ادھار نہیں بیچنا اور وہ اس کی بات نہ مانے اور مبیع کو دوسرے شہروں میں لے جائے یا ادھار بیچ دے، پس اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو دوسرے شریک کے حصہ کے نقصان کا ضامن ہوگا۔

❁❁❁

حرام مال والے سے شرکت کرنا

سوال نمبر (57):

دو افراد مشترک کاروبار کرنے کے خواہاں ہیں، لیکن ایک کا طریقہ آمدن حرام ہے۔کیا ان کے درمیان شراکت کا کاروبار شرعاً درست ہوگا؟ اگر نہیں تو اس کی جائز صورت کیا ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کاروبار چاہے مشترک ہو یا انفرادی کل سرمایہ یا غالب اس میں حلال ہونا چاہیے، کل آمدنی حرام رکھنے والے سے شراکت کا کاروبار کرنا جائز نہیں، البتہ اگر ذرائع آمدن میں سے کوئی حلال ذریعہ بھی رکھتا ہو تو اس کے ساتھ شرکت کرنا جائز ہے، تاہم حرام مال رکھنے والے کے لیے کاروبار کی جائز صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی سے قرض لے کر کاروبار شروع کرے اور پھر مال حرام سے قرض کی ادائیگی کرے، لیکن یاد رہے کہ بقدرِ مال حرام تصدق اس پر بہرحال لازم ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وفي شرح حیل الخصاف لشمس الأئمةؒ :أن الشیخ أبا القاسم الحکیمؒ کان یأخذ جائزة السلطان ،وکان یستقرض لجمیع حوائجه ،وما یأخذمن الجائزة یقضی بهادیونه ،والحیلة في هذه

---

(۱) شرح المجلة لخالد الاتاسی، المادة:۱۳۸۳، ۲۰۷/٤

المسائل أن يشتري نسيئة ،ثم ينقد ثمنه من أي مال شاء .(١)

ترجمہ:

شیخ ابوالقاسم حکیمؒ حاکم کے انعامات (جو کہ حرام مال سے ہوتے) لے لیتا اور پھر اپنے تمام حوائج کے لیے قرض لے لیتا جب حاکم سے لیتا تو اس سے اپنے قرض ادا کرتا، اس قسم (حرام مال سے بچنے) کے لیے یہی طریقہ ہے کہ کوئی چیز قرض خریدی جائے، پھر جس مال سے (چاہے حرام سے) ہو، اس کی قیمت ادا کی جائے۔

❁❁❁

ایک شریک کا اصل سرمایہ کے نقصان سے بری ہونا

سوال نمبر (58):

ایک شخص سونے کا کاروبار کرتا ہے، ایک آدمی اس سے شرکت کا متمنی ہے۔ سرمایہ کے علاوہ نفع اور نقصان پر بھی راضی ہے، صرف یہ کہتا ہے کہ اصل سرمایہ میں اس پر نقصان نہیں آئے گا۔ کیا شرکت کی یہ صورت جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرکت میں نفع برابر یا حسبِ معاہدہ مقرر کرنا اور نقصان میں حسبِ اصل سرمایہ شریک ہونا ضروری ہے۔ نقصان کبھی زیادہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اصل سرمایہ پر محیط ہو جائے، لہٰذا سرمایہ کو نقصان سے مبرا کرنا ازروئے شرع درست نہیں، لہٰذا مسئولہ صورت میں ایک شریک کا اپنے کو نقصان سے بری کرنا شرطِ باطل ہے، اس لیے نقصان ہونے کی صورت میں دونوں شرکا پر بقدرِ سرمایہ نقصان آئے گا اور شرط باطل ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

والـوضيعة على قدر رؤوس أموالهما ....اشتركا فجاء أحدهما بألف ،والآخر بألفين على أن الـربـح ،والـوضيـعـة نصفان ،فالعقد جائز ،والشرط في حق الوضيعة باطل ،فإن عملا ،وربحا ، فالربح على ماشرط ،وإن خسرا ،فالخسران على قدر رأس مالهما .(٢)

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ٣٤٢/٥

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الشركه، الباب الثالث في شركة العنان ،الفصل الثاني في شرط الربح ...... : ٣٢٠/٢

ترجمہ:

نقصان ہمیشہ بقدر سرمایہ لازم ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔دو افراد شریک ہوئے، ایک شریک ایک ہزار اور دوسرا شریک دو ہزار لے کر اس شرط پر کہ نفع ونقصان نصفا نصف ہوگا، شرکت کریں تو عقد جائز ہے، البتہ نقصان کی شرط لگانا باطل ہے، اگر کاروبار کیا اور نفع ہوا تو نفع حسب معاہدہ تقسیم ہوگا اور نقصان ہوا تو نقصان رأس المال کے بقدر آئے گا۔

❁❁❁

شرکتِ فاسدہ کی ایک صورت

سوال نمبر(59):

ایک شخص کی دکان ہے، اس کی مالیت تقریباً دس لاکھ روپے بنتی ہے، یہ شخص کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس معاہدہ پر شریک ہوا کہ وہ بھی دس لاکھ روپے ملائے گا اور شرح منافع دونوں کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا۔ شرعاً یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرکت کے لیے ضروری ہے کہ جانبین کی طرف سے نقد مال ہو یا ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل ہو، جو کہ مضاربت کی ایک صورت ہے یا دونوں کسی عمل میں شریک ہوں اور اس کی اجرت آپس میں تقسیم کریں۔

صورتِ مسئولہ میں کاروبار کی جو نوعیت بیان کی گئی ہے یہ شرکتِ فاسدہ کے زمرہ میں آتا ہے، جو کہ جائز نہیں صحیح صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جانبین نقد رقم ملا کر شریک ہوں، چاہے مال کم ہو یا زیادہ، اس میں برابری ضروری نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

کمالایجوز أن یکون رأس مالھاعروضا،لایجوز أن یکون رأس مال أحدھما دراھم أودنانیر، ورأس مال الآخر عروضا في مفاوضه وعنان .(۱)

ترجمہ: جیسا کہ جائز نہیں کہ شرکت میں رأس المال عروض ہوں تو یہ بھی جائز نہیں کہ عقد مفاوضہ اور عنان میں ایک شریک کی طرف سے رأس المال دراہم اور دنانیر ہوں اور دوسرے کی طرف سے رأس المال سامان کی شکل میں ہو۔

---

(۱) خلاصة الفتاوی ،کتاب الشرکة،الفصل الاول:٤/٢٩٥

ایک شریک کا سرمایہ اور دوسرے کی دُکان

سوال نمبر (60):

دو افراد کے مابین شرکت کا معاہدہ یوں ہوا کہ ایک نے سرمایہ لگایا، جب کہ دوسرے شریک کی طرف سے دُکان ہے۔کیا اس طریقہ سے شرکت کا کاروبار کرنا اور پھر نفع ونقصان میں مساوی طور پر شریک ہونا از روئے شرع جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرکت کی مذکورہ صورت جائز نہیں، کیوں کہ شرکت میں جانبین کی طرف سے مال کا ہونا ضروری ہے، حالانکہ یہاں پر ایسا نہیں ۔اس کی درست صورت یوں بن سکتی ہے کہ سرمایہ دار شخص دکان خرید کر دوسرے شریک کی طرف سے بھی وہ سرمایہ لگائے یا پھر سرمایہ دار شخص اس سے دکان خرید کر دوسرے شخص کو اجرت پر رکھ کر تنخواہ دیا کرے تو بھی جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

لایصح عقد الشرکة علی الأموال التي لاتعدمن النقود کالعروض والعقارأي لایجوز أن تکون هذه رأس مال للشرکة إلاأنه إذا أراد اثنان أن یتخذا المال الذي لیس من قبیل النقود رأس مال للشرکة، فکل واحد منهمایبیع نصف ماله بنصف ماله للآخر ،وبعد حصول اشتراکهما یجوزلهما عقد الشرکة علی هذاالمال المشترك.(۱)

ترجمہ:

وہ اموال جو نقود میں شمار نہیں ہوتے ،ان پر عقد شرکت کرنا صحیح نہیں، جیسے عروض اور جائیداد، یعنی ان چیزوں کا شرکت میں راس المال بنانا جائز نہیں ۔ ہاں اگر دو شرکت کرنے والے چاہیں کہ وہ مال جو نقود کے قبیل سے نہیں، اس کو راس المال بنائیں تو ہر ایک اپنے نصف حصہ کو دوسرے کے نصف حصہ سے فروخت کرے، پھر اشتراک کے حصول کے بعد ان کے لیے اس مال پر عقدِ شرکت جائز رہے گا۔

❁❁❁❁❁

(۱)شرح المجلة لسلیم رستم باز،الکتاب العاشر ،الباب السادس،الفصل الثاني، المادة:۱۳٤۲، ص/۷۱٤

کتاب البیوع

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو لامحدود حوائج، بے شمار قسم کی ضروریات اور ان گنت خواہشات کے بیچ پیدا فرمایا اور پھر اسے ان کی تکمیل میں خود کفیل نہیں بنایا، بلکہ نظامِ معاش چلا کر بعض کی ضروریات کو بعض دوسروں کے ذریعے پوری کرنے کا انتظام کیا۔ ہر انسان بنیادی ضروریات میں خوراک، پوشاک، صحت اور سکونت کا، جب کہ اضافی خواہشات میں دیگر لامحدود سہولیات کا محتاج ہوتا ہے، لیکن وہ یہ سب چیزیں اپنے لیے خود اکیلے مہیا کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ کچھ ضروریات کی چیزیں اس کے پاس بالکل نہیں ہوتیں، کچھ بقدرِ ضرورت ہوتی ہیں اور کچھ ضرورت سے زائد؛ اب عقل وفطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ان زائد از ضرورت چیزوں کے بدلے انسان اپنی ضروریات پوری کرلے، فالتو اور اضافی چیزیں دے کر ان کے عوض حاجت وضرورت کی چیزیں حاصل کرلے۔ اس باہم مبادلہ کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اسے عربی میں ''بیع وشراء'' اردو میں ''خرید وفروخت'' اور انگریزی میں ''Sale and Purchase'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اشیا کے اس تبادلہ میں چونکہ انسان اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے محض اپنے عقل ودانش سے مفید اور صحیح راستوں کا تعیین نہیں کرسکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی اور اپنے رسول ﷺ کی تعلیمات کے ذریعے بیع وشرا کے معاملات طے کرنے کے اصول وضوابط سے ہمیں تفصیل کے ساتھ آگاہ کیا، جائز وناجائز کی وضاحت فرمائی اور جائز طریقے اپنا کرنا جائز سے بچنے کی تلقین کی، جو شخص اپنی تجارت کو ان شرعی اصولوں کے تحت چلاتا ہو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"التاجر الصدوق الامين مع النبيين والصديقين والشهداء".

سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔(۱)

اپنے معاملات کو شرعی خطوط پر استوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان کے بارے میں شرعی احکام معلوم کیے جائیں۔ پرانے زمانہ میں تاجر احکام شرع سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اپنے ساتھ تجارتی قافلے میں ایک فقیہ

(۱) الترمذي، محمد بن عيسىٰ، جامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في التجار و تسمية النبي ﷺ إياهم: ۳۶۰/۱

بھی ضرور لے جاتے تھے، تاکہ سفر میں بھی وہ بوقتِ ضرورت احکامِ فقہ سے بسہولت آگاہ ہوسکیں اور کسی ناجائز معاملہ کا ارتکاب نہ کریں۔فقہاے کرام فرماتے ہیں:

لابدّ للتّاجر من فقیہٍ صدیقٍ .

تاجر کے لیے ایک فقیہ دوست کا ہونا بھی ضروری ہے۔(۱)

شریعتِ مطہرہ نے بیع وشرا کے معاملات میں جن اصول وقواعد کی رعایت رکھنے کو ضروری قرار دیا ہے، ذیل میں ان پر مختصراً روشنی ڈالی جاتی ہے۔یہ بحث درج ذیل عنوانات پر مشتمل ہے:

۱-مشروعیت ۲-لغوی اور شرعی معنی ۳-رکنِ بیع ۴-شروطِ بیع ۵-اقسام واحکامِ بیع

۱- مشروعیت:

بیع وشرا کی مشروعیت قرآن، حدیث اور اجماع تینوں مآخذ سے ہوئی ہے۔

قرآن کریم سے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (۲)

اور حلال قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو اور حرام قرار دیا ہے سود کو۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾(۳)

اے ایمان والو!ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔

احادیث نبویہ ﷺ سے:

ذخیرہ احادیث میں حضور پاک ﷺ کے قول، فعل اور تقریر تینوں سے جوازِ بیع کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ

(۱) ابن نجیمؒ ، زین الدین ، البحرالرائق ، البیع : ۴۳۸/۵، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

(۲) البقرۃ:۲۷۵ (۳) النساء:۲۹

صحابہ کرام نے جب آپ ﷺ سے پوچھا:

أيُ الكسبِ أطيب؟

کون سا کسب بہتر اور پاکیزہ ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

عملُ الرَّجل بيدهٖ و كل بيع مبرور. (۱)

آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر صحیح بیع۔

سیرت کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ آپ ﷺ نے بعثت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے تجارت کی اور اس کے لیے شام کا سفر بھی کیا، اس کے علاوہ بھی مختلف قسم کی بیوعات اور معاملات خود طے کیے۔

آپ ﷺ کے عہدِ مبارک میں کئی سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تجارت اور بیع وشرا سے وابستہ تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اشیائے خوردونوش کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھجور اور کپڑے کی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ عطر کی تجارت کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے وقتاً فوقتاً ان صحابہ کو بیع وشرا کی تعلیمات دیں، مگر کسی کو اس سے منع نہیں کیا۔ (۲)

اجماعِ اُمت اور قیاس سے:

آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ کرام اور پوری امت کا بیع کے جواز پر اجماع رہا اور کسی سے اس کی مخالفت منقول نہیں۔ اور عقل بھی اس بات کی مقتضی ہے کہ انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے کوئی ایسا طریقہ ہو جس سے فسادِ عالم اور نزاع کے بغیر باہمی رضامندی سے سارے امور طے ہوں۔ علامہ ابنِ نجیمؒ نے یہی نکتہ محاسنِ بیوع میں ذکر فرمایا ہے۔ (۳)

۲- ''بیع'' کا لغوی اور شرعی مفہوم:

لغت کے اعتبار سے بیع مصدر ہے بمعنی "مبادلةُ المال بالمال" (مال کا مال سے تبادلہ کرنا) یا ''دفع عوض

(۱) أحمدبن حنبل ، مسند الإمام أحمد ، مسندالشاميين، حديث رافع بن خديجؓ : ٤١٤/٤

(۲) ابن نجیمؒ ، زين الدين ، البحرالرائق ، كتاب البيع : ٤٣٩/٥ ؛ دارالكتب العلمية، بيروت

(۳) ابن نجیمؒ ، زين الدين ، البحرالرائق ، كتاب البيع : ٤٣٨/٥ ؛ دارالكتب العلمية، بيروت

واخذ ما عوض عنه" (عوض دے کراس کا بدل خریدنا)۔

لفظ "بیع" اور لفظِ "شراء" دونوں اضداد میں سے ہیں۔ دونوں خرید وفروخت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، البتہ علامہ خطابؒ فرماتے ہیں کہ قریش کی لغت میں بیع بیچنے اور شراء خریدنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی افصح ہے اور فقہا کی اصطلاح میں بھی اسی طرح مشہور ہے۔(۱)

فقہاے احنافؒ نے بیع کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

هو مبادلة المال بالمال بالتراضي.(۲)

باہمی رضامندی سے مال کا مال سے تبادلہ کرنا۔

۳-رُکنِ بیع:

بیع کا رکن ایجاب اور قبول ہے، خواہ وہ قولاً ہو یا فعلاً (تعاطی، یعنی ایجاب وقبول کے بغیر قیمت دے کر مبیع اٹھانا)، مشافہتاً ہو یا مکاتبتاً۔(۳)

ایجاب:

وہ پہلا بول جو متعاقدین میں سے کسی ایک سے صادر ہو اور اس میں بیع منعقد کرنے کی درخواست اور پیشکش کی گئی ہو۔

قبول:

وہ دوسرا قول جو بیع کی درخواست یا پیشکش کے جواب میں کیا جایے، قبول کہلاتا ہے۔(۴)

ایجاب وقبول درست ہونے کے لیے شرائط:

(۱)......ایجاب وقبول کے الفاظ رضا اور رغبت پر دلالت کرنے والے ہوں، جبر واکراہ پر نہیں۔

(۲)......قبول ایجاب کے موافق ہو، اگر ایجاب کے موافق نہ ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی، بلکہ یہ ایجاب جدید بن

---

(۱) وزارة الأوقاف والشئون الإسلاميه الكويت، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة البيع: ۹/۵

(۲) ابن نجيمؒ، زين الدين، البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/ ۴۳۰؛ دار الكتب العلمية، بيروت

(۳) الأتاسيؒ، محمد خالد، شرح المجلة، المادة: ۱۶۷-۱۷۵، البيوع، الباب الأول، الفصل الأول: ۲/۲۷-۳۶

(۴) سليم رستم باز اللبنانيؒ، شرح المجلة، المادة: ۱۰۱، ۱۰۳، البيوع، مقدمة: ۶۴/؛ مكتبه حنفيه كوئٹه

جائے گا جس کے لیے الگ ''قبول'' درکار ہوگا۔

(۳)......ایجاب وقبول میں اتحادِ مجلس ہو۔

(۴)......ایجاب وقبول میں مزاح اور گپ شپ نہ ہو۔

(۵)......قبول سے پہلے ایجاب کرنے والا ایجاب سے رجوع نہ کرے۔

(۶)......قبول سے پہلے مبیع ہلاک نہ ہوجائے اور نہ اس میں ایسی تبدیلی رونما ہوجائے جس سے اس کا نام ہی بدل جائے۔

(۷)......ایجاب وقبول ماضی کے الفاظ کے ساتھ ہوں، ہاں اگر مضارع کے الفاظ کے ساتھ ہوں تو پھر حال کا قرینہ (لفظیہ یا عرفیہ) موجود ہونا ضروری ہے تو بھی درست ہے۔ ایجاب وقبول کے باب میں قول، کتابت، اشارہ، تعاطی وغیرہ سب کا اعتبار ہوسکتا ہے، تاہم اس میں عرف کو مدنظر رکھا جائے گا۔(۱)

۴- بیع کی شرائط:

فقہائے کرام نے بیع کی شرائط چار مختلف نوعیتوں میں تقسیم کی ہیں:

(۱)......شروط الانعقاد (۲)......شروط النفاذ

(۳)......شروط الصحۃ (۴)......شروط اللزوم

۱- شرائط انعقاد:

فقہائے کرام کی اصطلاح میں ''شروط الانعقاد'' سے مراد وہ شرائط ہیں، جن کے وجود پر عقد کا انعقاد موقوف ہوتا ہے، یعنی اگر یہ شرائط موجود ہوں گی تو بیع منعقد ہوگی، ورنہ ان میں سے کسی ایک شرط کا فقدان بھی بیع کو باطل کردیتا ہے۔ ان شرائط میں سے بعض کا تعلق عاقدین (یعنی خریدار اور فروخت کنندہ) کے ساتھ ہے، بعض کا خود عقد اور معاملہ کے ساتھ، بعض کا بدلین، یعنی مبیع اور ثمن کے ساتھ اور بعض کا مکانِ عقد کے ساتھ۔

عاقدین سے متعلق شرائط:

(۱)......عاقدین عقل وفہم اور شعور رکھنے والے ہوں، لہٰذا مجنون اور ناسمجھ بچے کی بیع باطل ہوگی۔ اس کے علاوہ بلوغ، حُریت اور اسلام کی کوئی شرط نہیں، اس لیے سمجھدار نابالغ بچے، غلام اور غیر مسلم کے ساتھ بیع کرنا درست ہے۔

(۱) وزارۃ الأوقاف والشؤن الاسلامیہ الکویت، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، مادۃ البیع: ۹/۱۱-۱۳

(۲)......عاقدین کی تعداد کم از کم دو یا اس سے زائد ہو، لہٰذا اگر ایک شخص دونوں جانب سے وکیل بن کر یا ایک جانب سے اصیل اور دوسری جانب سے وکیل بن کر بیع کرے گا، بیع باطل ہوگی۔

(۳)......عاقدین ایک دوسرے کا ایجاب وقبول سُن لیں۔

عقد اور معاملہ سے متعلق شرائط:

(۴)......قبول ایجاب کے موافق ہو، لہٰذا ان میں تفاوت کی صورت میں بیع منعقد نہ ہوگی۔

(۵)......ایجاب وقبول ماضی کے الفاظ کے ساتھ ہوں۔

بدلین، یعنی مبیع اور ثمن سے متعلق شرائط:

(۶)......مبیع موجود ہو، لہٰذا معدوم کی بیع باطل ہوگی۔

(۷)......مبیع اور ثمن دونوں مال ہوں۔

(۸)......مبیع مالِ متقوم ہو، چنانچہ شرعاً غیر متقوم چیز کی بیع باطل ہے۔

(۹)......بائع اگر اپنے لیے فروخت کر رہا ہے تو مبیع اس کی ملک میں ہو۔

(۱۰)......بائع کو اس کی حوالگی پر قدرت حاصل ہو۔

محلِ عقد سے متعلق شرط:

(۹)......ایجاب وقبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہوں، اتحادِ مجلس خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔

۲-شرائط نفاذ:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جن پر عقد کا نفاذ موقوف ہوتا ہے، لہٰذا اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو عقدِ بیع موقوف رہے گا، یہ شرائط درج ذیل ہیں:

(۱)......بائع خود مبیع کا مالک ہو یا بحیثیتِ ولی یا قاضی یا وکیل اُسے تصرف کا حق حاصل ہو۔

(۲)......اس چیز کے ساتھ بائع کے علاوہ کسی اور کا حق متعلق نہ ہو، جیسے: مرہونہ کے ساتھ مرتہن کا اور کرایہ پر دی گئی چیز کے ساتھ کرایہ دار کا حق متعلق ہوتا ہے، اس لیے اس کی بیع غیر نافذ ہوتی ہے۔

۳-شرائط صحت:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جن کی موجودگی صحتِ بیع کے لیے ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک شرط کا فقدان

بھی فسادِ بیع کا ذریعہ بنتا ہے۔

ان میں کچھ شرائط تو وہ ہیں جو ہر قسم کی بیع کی صحت کے لیے ضروری ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کا تعلق چند مخصوص بیوعات کے ساتھ ہے۔

پہلی قسم کی شرائط (جن کا تعلق ہر قسم کی بیع کے ساتھ ہے):

شروطِ صحت میں سے اولاً تو وہ تمام شرائط ہیں جن کا بیان شرائطِ انعقاد کے ضمن میں ہو چکا، کیوں کہ جو بیع منعقد نہیں ہوتی، وہ صحیح بھی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مزید شرائط یہ ہیں:

(۱)...... بیع کسی خاص مدت تک کے لیے نہ ہو، بلکہ ہمیشہ کے لیے ہو۔

(۲،۳)...... مبیع اور ثمن دونوں معلوم و متعین ہوں اور ان میں ایسی جہالت نہ ہو جو نزاع کی طرف مفضی ہو سکے۔

(۴)...... صلبِ عقد میں کوئی شرط فاسد نہ لگائی گئی ہو، شرائط فاسدہ درج ذیل ہیں:

الف:...... ایسی شرط جس میں غرر، یعنی دھوکہ ہو۔

ب:...... وہ شرط جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہو۔

ج:...... کوئی ایسی شرط جو مقتضیاتِ عقد میں سے نہ ہو اور اس میں بائع، مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو، نیز یہ شرط لوگوں کے رواج میں بھی نہ ہو۔

د:...... عقدِ بیع میں تین دن سے زائد، دائمی یا کسی مجہول مدت تک کے لیے فسخ کا اختیار دینے کی شرط لگانا۔

ھ:...... بدلین (مبیع اور ثمن) کی موجودگی کے باوجود حوالگی کے لیے مدت مقرر کرنا۔

(۵)...... بیع بے فائدہ نہ ہو، جیسے: ایک روپے کے عوض ایک روپے کی بیع۔

(۶)...... عاقدین اُس پر راضی ہوں، لہٰذا مکرہ کی بیع فاسد ہوتی ہے۔

دوسری قسم کی شرائط (جن کا تعلق مخصوص بیوعات کے ساتھ ہے):

(۱)...... اُدھار بیع میں ثمن کی ادائیگی کے لیے مدت کی تعیین۔

(۲)...... اموالِ ربویہ کے تبادلہ میں اگر ایک جنس کی چیزوں کا تبادلہ کیا جائے تو دونوں کا مساوی ہونا ضروری ہے اور اگر مختلف الجنس کے ساتھ تبادلہ ہو تو پھر کمی بیشی جائز ہے اور اُدھار ناجائز۔

(۳)...... بیعِ صرف (سونے چاندی کا باہم تبادلہ) میں مجلسِ عقد کے اندر ہی بدلین پر قبضہ۔

(۴)......بیع کا شبہ ربا سے خالی ہونا۔

(۵)......جب ایجاب وقبول قولاً کیا جائے تو اس میں بدل کو نام لے کر متعین کرنا۔

(۶)......خریدی جانے والی چیز اگر منقولی ہے تو اس کا بائع کے قبضہ میں ہونا۔

(۷)......بیع سلم میں عقدِ سلم کی جملہ شرائط کا موجود ہونا۔

(۸)......بیع مرابحہ، تولیہ، وضیعہ یا اشراک میں مشتری کا قیمتِ خرید سے واقف ہونا۔

۴-شرائط لزوم:

عقد بیع کے منعقد، نافذ اور صحیح ہونے کے بعد اس کے برقرار رہنے کے لیے جن شرائط کا ہونا لازمی ہے وہ ''شرائط اللزوم'' کہلاتی ہیں۔لزومِ بیع کے لیے شرط یہ ہے کہ بیع میں خیاراتِ اربعہ (خیارِ عیب، خیارِ رؤیۃ، خیارِ شرط، خیارِ قبول) میں سے کوئی خیار باقی نہ رہے۔(۱)

۵-بیع کی اقسام اور احکام:

مختلف اعتبارات سے بیع کی تین تقسیمات کی گئی ہیں:

(۱): باعتبارِ حکم (۲): باعتبارِ ثمن (۳): باعتبارِ مبیع

اقسامِ بیع باعتبارِ حکم:

حکم کے اعتبار سے بیع کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) بیعِ باطل (۲) بیعِ فاسد (۳) بیعِ صحیح (۴) بیعِ نافذ غیر لازم (۵) بیعِ موقوف

۱-بیع باطل:

اس سے مراد وہ بیع ہے جس میں شرائط الانعقاد میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔یہ بیع نہ اصلاً مشروع ہے اور نہ وصفاً۔اس کا حکم یہ ہے کہ باوجود علم کے اس طرح کی بیع کرنا حرام ہے، یہ مِلک کا فائدہ نہیں دیتی، خواہ قبضہ بھی ہو جائے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۲-۳؛ الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۱۳/۷-۱۷، بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في شروط الركن: ۵۳۲/۶ وبعد

۲-بیع فاسد:

وہ بیع جس میں شرائطِ صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو، یہ اصلاً جائز اور مشروع ہوتی ہے، لیکن وصفاً ناجائز اور غیر مشروع ہوتی ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ باوجود علم کے اس طرح کی بیع کرنا جائز نہیں، البتہ قبض کے بعد بیعِ فاسد نافذ ہو کر مشتری کو مبیعہ کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے، لہٰذا بعد القبض وہ اس میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ بیع جائز ہو جاتی ہے، بیع بہر حال ناجائز ہی ہوتی ہے اور جو ملکیت ثابت ہوتی ہے وہ خبیث اور ناپاک ملکیت ہوتی ہے؛ اسی لیے متعاقدین کے لیے بیع فاسد کا فسخ کرنا لازم ہوتا ہے اور فسخ کا یہ اختیار دونوں کو یکساں حاصل ہوتا ہے۔

۳-بیع صحیح:

وہ بیع جس میں بیع سے متعلق تمام شرائط موجود ہوں۔ یہ اصل اور وصف دونوں اعتبار سے مشروع ہوتی ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور عقد کے ساتھ ہی جانبین کو ملکیت کا فائدہ دیتی ہے۔

۴-بیع نافذ غیر لازم:

وہ بیع جس میں کوئی خیار موجود ہو۔ یہ بیع جائز اور مشروع ہے، البتہ ثبوتِ ملکیت خیار کے ساقط ہونے پر موقوف رہے گا۔

۵-بیع موقوف:

وہ بیع جس میں شرائط نفاذ میں سے کوئی شرط موجود نہ ہو۔ یہ بیع مشروع ہے لیکن وجودِ شرط تک ملکیت موقوف رہتی ہے۔(۱)

۶-بیع مکروہ:

وہ بیع جو اصل کے لحاظ سے صحیح ہو، لیکن کسی خارجی امر کی وجہ سے ناپسندیدہ ہو، جیسے: فتنہ کے وقت اسلحہ کی خرید و فروخت، جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت، مسجد میں خرید و فروخت یا محض کسی کو ابھارنے کی خاطر بولی لگانا؛ اس

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في حكم البيع: ۲۱٦/۷، شرح المجله للأتاسي، الباب السابع في بيان أنواع البيع وأحكامه، الفصل الأول في أنواع البيع: ۳٤۳/۲، البحر الرائق، كتاب البيع: ٤۳۸/۵

قسم کی بیوعات کو فقہائے کرام مکروہ کہتے ہیں۔ (۱)

اقسام بیع باعتبار ثمن:

ثمن کی تحدید اور تعیین کے اعتبار سے بیع کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ مساومہ:

وہ بیع جس میں بائع قیمتِ خرید کا سرے سے تذکرہ ہی نہ کرے، بلکہ محض آپس کی رضامندی سے بیع ہو جائے۔

۲۔ بیع المزایدہ، یعنی نیلام کرنا:

وہ بیع جس میں بائع خریدنے والوں کے سامنے مبیع رکھ دیتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قیمت بتاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ زیادہ قیمت لگانے والے کو مبیع دی جاتی ہے۔

۳۔ بیوع الامانۃ:

اس کی تین قسمیں ہیں: مرابحہ، تولیہ اور وضیعہ۔

(الف) مرابحہ:......وہ بیع جس میں بائع قیمتِ خرید بتا کر اس کے ساتھ کچھ اضافی رقم بھی ملا کر بیچے، بیع مرابحہ کہلاتی ہے۔

(ب) تولیہ:......وہ بیع جس میں بائع اصل قیمتِ خرید بتا کر رقم میں کمی بیشی کیے بغیر اُسی اصل قیمتِ خرید کے عوض مبیع فروخت کرے، بیع تولیہ کہلاتی ہے۔

(ج) وضیعہ:......اس کو حطیطہ اور نقیصہ بھی کہتے ہیں، اس سے مراد وہ بیع ہے جس میں بائع اصل قیمتِ خرید بتا کر اس سے کم میں مبیع فروخت کرتا ہے۔

ان تینوں کو بیوع الامانۃ اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں بائع مبیع کی اصل قیمت کے بارے میں مشتری کو آگاہ کر دیتا ہے اور مشتری اس کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے زیادت، کمی یا برابری کے ساتھ خرید لیتا ہے۔ گویا مذکورہ بیوعات میں بائع قیمت خرید بتانے کے اعتبار سے ایک امین شخص کا کردار ادا کرتا ہے۔ (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب البیوع، فصل في بیان مایکره من البیاعات: ۷/۱۹۹، ۲۱۱۔۲۱۴

(۲) الهدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة: ۳/۷٤

۴۔بیع الاشراک:

اگر مبیع کے کسی معین حصے کی بیع ہو تو یہ بیعِ اشراک ہے (یہ قسم اقسامِ مذکورہ میں سے کسی میں داخل شمار ہوگی)(۱)

اقسام بیع باعتبارِ کیفیتِ ثمن:

۱۔منجز الثمن:

جس میں تاجیل کی کوئی شرط نہ ہو اور ثمن فوراً دی جائے، اس کو بیع النقد یا بیع بثمن الحال بھی کہتے ہیں۔

۲۔بیع مؤجل الثمن:

جس میں ثمن کی ادائیگی کے لیے وقت مقرر کیا جائے۔

۳۔بیع مؤجل العوضین:

یہ بیع الدین بالدین ہے جس میں دونوں عوض (ثمن، مبیع) قرض ہوں۔ یہ بیع ناجائز ہے۔(۲)

اقسامِ بیع باعتبارِ مبیع:

باعتبارِ مبیع بیع کی چار قسمیں ہیں:

۱-بیع مقایضہ:

''بیع العین بالعین'' یعنی وہ بیع جس میں مبیع اور ثمن دونوں سامان ہوں اور اس میں سے کسی ایک جانب بھی سونا چاندی یا روپے نہ ہوں۔

۲-بیع صرف:

''بیع الدین بالدین'' سونے چاندی یا کرنسی کا آپس میں مبادلہ۔

۳-بیع سلم:

''بیع الدین بالعین'' او ''بیع شیءٍ مؤجلٍ بثمنٍ معجلٍ'' نقد رقم کے عوض ادھار مبیع خریدنا۔

---

(۱) الموسوعة الفقهية، مادہ بیع:۹/۹، البحر الرائق، کتاب البیع:۵/۴۳۸

(۲) الموسوعة الفقهية، مادہ بیع:۹/۹

۴-البیع المطلق:

''بیع العین بالدین'' سونے چاندی یا کرنسی کے عوض سامان خریدنا، جیسا کہ اکثر بیوعات میں ہوتا ہے۔(۱)

اسلامی قانونِ تجارت کے چند بنیادی اصول:

شریعتِ مطہرہ میں خرید وفروخت اور تجارت کے لیے چند بنیادی اور کلیدی اصول وضع کیے گئے ہیں، ذیل میں ان کو مختصراً پیش کیا جارہا ہے۔

☆......خرید وفروخت کے سلسلے میں اسلام نے نہایت متوازن اصول وضع کیے ہیں جن میں تاجر اور خریدار کی نفسیات اور جذبات کی رعایت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک مستحکم معاشرے کی جملہ ضروریات کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ذیل میں چند اساسی اور بنیادی قسم کے اصول اجمالاً ذکر کیے جارہے ہیں۔ ان میں سے اکثر وہی ہیں جو خود رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں وضع فرمائے ہیں۔

☆......جو خرید وفروخت معصیت میں تعاون کا ذریعہ ہو، ان کے ذریعے گناہ کے کاموں کو فروغ مل رہا ہو یا ایسی اشیاء جن کو شریعت نے حرام اور خبیث قرار دیا ہو اور خرید وفروخت سے ان کی تعظیم وتوقیر ہوتی ہو؛ ایسی تمام صورتوں کو شریعت نے منع کیا ہے۔ چنانچہ شراب، خنزیر اور مردار کی بیع شرعاً ممنوع ہے۔ تصاویر اور ذی روح اشیا کے مجسمے چونکہ بے حیائی اور شرک کے لیے بنیاد اور اساس ہیں، لہٰذا ان کی بیع بھی حرام قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح جو چیز معصیت میں تعاون کا ذریعہ بنتی ہو، اس کی خرید وفروخت بھی صحیح نہیں، مثلاً: فتنہ کے زمانے میں اہلِ فتنہ سے اسلحہ کی خرید وفروخت ممنوع قرار دی گئی ہے۔

☆......جس معاملہ میں کسی قسم کی دھوکہ دہی کا شائبہ ہو، شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے گاہک کو خیارِ عیب دیا گیا ہے تاکہ وہ دھوکہ دہی سے محفوظ رہ سکے، اسی طرح محض قیمت بڑھانے کی خاطر کسی خریدار کی بولی پر بولی لگانا بھی شرعاً ممنوع ہے۔(۱)

☆......خرید وفروخت کی وہ تمام صورتیں جن کی تکمیل مشتبہ اور مشکوک ہو، شریعت میں ناجائز ہیں۔ اسی کو حدیث میں غرر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر وہ چیز جس کے حوالہ کرنے پر بائع کو قدرت نہ ہو، جیسے: ہوا میں اُڑتے ہوئے پرندے، پانی میں مچھلی یا وہ چیز جو ابھی تک معرضِ وجود میں نہ آئی ہو؛ اس کی خرید وفروخت بھی شرعاً ممنوع ہے، چنانچہ حمل

---

(۱) الصحیح للبخاري، کتاب البیوع، باب النجش وباب لایبیع علی بیع أخیه...... ۱/۲۸۷

کی بیع یا ایسا پھل جو ابھی تک نہ نکلا ہو، اسی زمرے میں داخل ہیں۔

☆...... ہر وہ معاملہ جس سے مستقبل میں طرفین کے درمیان نزاع پیدا ہو جانے کا امکان ہو، اسلام میں ممنوع ہے، مثلاً: قیمت غیر متعین ہو، مبیع میں ابہام ہو، قیمت کی ادائیگی کی مدت معلوم نہ ہو، قیمت یا سامان کی مقدار پوری طرح واضح نہ ہو وغیرہ۔

☆...... تجارت ایسے اصول پر قائم ہو جن سے بازار پر مخصوص طبقے کی حکمرانی کا سدّ باب ہو سکے اور دولت کی گردش چند ہاتھوں تک محدود رہنے کی بجائے باہم آزادانہ مسابقت کی فضا قائم ہو، چنانچہ ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی، ناجائز منافع خوری اور سود پر شریعت نے سختی سے پابندی عائد کردی ہے، تاکہ کوئی بھی شخص اس آزادانہ مسابقت میں رکاوٹ ڈالنے کا مرتکب نہ ہو سکے۔

☆...... تجارت ایسے نہج پر ہو کہ طرفین معاملہ سے پوری طرح مطمئن ہوں، کسی ایک جانب سے ایسی شرط لگانا جو بیع کی حکمتوں کے منافی ہو یا طرفِ آخر کے حقِ تصرف پر قدغن کا سبب ہو، شریعت میں ممنوع ہے۔

☆...... شریعت کا مزاج یہ ہے کہ ہر عاقل بالغ شخص خود اپنی مرضی سے آزادانہ طور پر خرید و فروخت کرے۔ اس میں نہ صرف بائع و مشتری کا فائدہ ہے، بلکہ اس سے معاشرے میں ضروریات کی سستی فراہمی میں بھی آسان ہو جاتی ہے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی شہری آدمی دیہاتی آدمی کے لیے بیع و شرانہ کرے، پھر فرمایا کہ لوگوں کو (اپنی مرضی) پر چھوڑو، اللہ تعالیٰ بعض لوگوں سے دوسرے بعض لوگوں کے لیے رزق فراہم کرتا ہے۔(۱)

☆...... کاروبار صرف دنیوی معاملات کی تکمیل کا ذریعہ نہیں، بلکہ خلوص، للّٰہیت اور خلق خدا کی خیر خواہی کے حسین جذبہ سے عبادت کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ چنانچہ مسلم اور غیر مسلم کے کاروبار میں یہی بنیادی فرق ہے کہ غیر مسلم کاروبار صرف دنیوی معاملات تک محدود رکھتا ہے، جب کہ مسلمان اس کو اخروی سعادت مندی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الحاضر للبادی: ۲/ ۴، منتخب از قاموس الفقہ، مادۃ بیع: ۲/ ۳۵۱۔۳۵۲

مسائل متعلقہ کتاب البیوع

باب اول ارکان، شرائط اور احکام

انعقادِ بیع میں قصد اور ارادے کی ضرورت

سوال نمبر (61):

ایک مدرس دورانِ درس صورتِ مسئلہ کی وضاحت کے لیے اپنی کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے کسی شاگرد سے کہے "بعت هذا الشئي على الألف" اور شاگرد کہہ دے کہ قبلت" تو اس سے بیع منعقد ہو جائے گی یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عقدِ بیع میں جانبین کی رضامندی لازمی اور ضروری ہے، لہٰذا اگر بائع اور مشتری میں سے کوئی ایک بھی بیع پر راضی نہ ہو تو محض بیع کے الفاظ کہنے سے بیع منعقد نہ ہو گی۔

صورتِ مسئولہ میں مدرس چونکہ اپنی چیز کو فروخت کرنے کی نیت سے "بعت هذا الشئي على الألف" کے الفاظ نہیں کہتا بلکہ محض توضیح وتشریح کے لیے اس قسم کے الفاظ کہتا ہے، اس لیے اس کے ان الفاظ پر "قبلت" کہنے سے بیع منعقد نہیں ہوتی۔

والدلیل علی ذلك:

البيع مبادلة المال بالمال بالتراضي. (۱)

ترجمہ:

بیع رضامندی کے ساتھ مال کا مال سے تبادلہ کرنے کو کہتے ہیں۔

❁❁❁

(۱) ابن الهمام، كمال الدين محمد بن عبدالواحد، فتح القدير، كتاب البيوع: ٥/٤٥٤، مكتبه حقانيه، پشاور

جبری بیع

سوال نمبر(62):

اگر کوئی شخص دوسرے پر جبر کر کے اس سے کوئی چیز خرید لے اور اس کو ثمن حوالہ کر دے تو ایسی صورت میں بائع کو فسخ کا اختیار حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے تمام عقود کی طرح عقدِ بیع میں بھی طرفین کی رضامندی لازمی اور ضروری ہوتی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی سے جبراً کوئی چیز خرید کر قبض کر لے تو بائع کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس بیع کو نافذ کر دے اور اگر چاہے تو فسخ کر دے۔ عقدِ بیع اور نکاح، طلاق میں یہی فرق ہے کہ وہ عقود ہر حال میں واقع ہو جاتے ہیں جب کہ عقدِ بیع میں طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔

والدلیل علی ذلک:

وإذا أكره الرجل على بيع ماله،أو على شراءِ سلعة،أو على أن يقر لرجل بألف،أو يؤاجر داره، وأكره على ذلك بالقتل ،أو بالضرب الشديد ،أو بالحبس فباع،أو اشترى فهو بالخيار إن شاء أمضى البيع وإن شاء فسخه ورجع بالمبيع ؛لأن من شرط صحة هذه العقود التراضي. (۲)

ترجمہ:

اور جب کسی کو اپنے مال کی فروخت پر مجبور کیا جائے یا کسی چیز کے خریدنے پر یا کسی آدمی کے لیے ہزار روپے کے اقرار کرنے پر یا اپنا گھر کرایہ پر دینے پر اور ان چیزوں پر اُسے قتل، سخت پٹائی یا قید کرنے کی دھمکی کے ساتھ مجبور کیا جائے جس کی وجہ سے وہ بیچے یا خرید لے تو اس کو اختیار ہے، چاہے تو بیع کو نافذ کر دے یا چاہے تو فسخ کرے اور مبیع واپس لے لے، اس لیے کہ ان عقود کی صحت کی شرائط میں سے باہمی رضامندی بھی ہے۔ (بخلاف نکاح، طلاق وغیرہ)

(۱)المرغینانیؒ ، برهان الدين علي بن أبي بكر، الهداية ، كتاب الاكراه : ۳۴۷/۳،مكتبه رحمانية،لاهور

چھوٹے بچوں سے خریداری کرنا

سوال نمبر(63):

ہمارے ہاں دیہاتوں میں چھوٹے چھوٹے بچے اپنے گھروں کے ساتھ متصل دُکان یا تخت پر بیٹھ کر مختلف چیزیں فروخت کرتے ہیں۔کیاان سے خریداری کرنا شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو بچے خرید وفروخت کا معاملہ سمجھتے ہوں اور نفع نقصان کی تمیز کر سکتے ہوں،ان کی بیع وشرا والدین کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے،لہٰذا اگر وہ اجازت دے دیں توان کی بیع نافذ ہوگی۔

عموماً دیہاتوں میں جو بچے چھوٹی موٹی اشیا کی خرید وفروخت کرتے ہیں،یہ ان کے والدین کی اجازت سے ہوتا ہے،اس لیے ان سے خریداری کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

إذاأذن لصبي يعقل البيع والشراء يجوز يريد به أنه يعقل معنى البيع والشراء بأن عرف أن البيع سالب للملك والشراء جالبٌ ،وعرف الغبن اليسير من الفاحش، لانفس العبارة. (۱)

ترجمہ:

جب بیع سمجھنے والے بچے کو اجازت دی جائے تو اس سے خریداری کرنا جائز ہے۔اس عبارت سے ماتنؒ کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیع وشرا کا معنیٰ (مقصد) سمجھتا ہو،اس طرح کہ وہ جانتا ہو کہ بیع (فروخت کرنا) ملکیت کو ختم کرنے والی اور شرا (خریدنا) ملک کو کھینچنے والی ہے اور تھوڑے خسارے کو زیادہ خسارے سے ممتاز کر سکتا ہو۔صرف (بیع کی) عبارت سمجھنا مراد نہیں۔

(۱)الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند ، الفتاوىٰ الهندية ، كتاب المأذون ، الباب الثاني عشر في الصبي او المعتوه : ۱۱۰/۵، مكتبه رشيديه ، كوئته

مجنون کی بیع وشرا

سوال نمبر(64):

زید،عمرواور بکر تین بھائی ہیں۔ان میں سے ہرایک کووالدہ نے اپنی زندگی میں 15,15 مرلے زمین ہبہ کی تھی۔منجھلا بھائی عمرو پاگل اور دیوانہ ہے جو دنیاوی امور کو بالکل نہیں سمجھتا اور بڑے بھائی زید کے ساتھ گھر میں رہتا ہے۔اب زید نے عمرو کی زمین اپنے نام منتقل کرلی ہے اور کہتا ہے کہ عمرو نے یہ زمین مجھ پر اسی ہزار روپے 80,000 کے عوض فروخت کی ہے، حالانکہ عمرو پاگل ہونے کی وجہ سے خرید وفروخت کو سمجھتا ہی نہیں۔واضح رہے کہ عمرو کے پاگل ہونے پر میڈیکل رپورٹ کا ثبوت بھی موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض عمرو نے کسی طرح غیر شعوری طور پر اپنی زمین بیچ دی ہو تو اس کا بیچنا معتبر ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

انعقادِ بیع کے لیے متعاقدین کا اہل ہونا ضروری ہے،لہٰذا پاگل اور ناسمجھ بچے کا کوئی معاملہ منعقد نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں حسبِ بیان اگر واقعی عمرو پاگل اور دیوانہ ہو اور اس کے پاگل ہونے پر مستند ڈاکٹر کی میڈیکل رپورٹ بھی موجود ہو تو پھر زید کا اس کی زمین کو اپنے نام منتقل کرنا درست نہیں۔یہ زمین عمرو ہی کی ملکیت متصور ہوگی۔اگر اس نے بے سمجھی میں بیع کرلی ہو تو بھی وہ منعقد نہ ہوگی۔

والدلیل علی ذلک:

وأما شرائطهُ فأنواع أربعة :شرط انعقاد، وشرط صحةٍ، وشرط نفاذ، وشرط لزوم، فالأول أربعة أنواع. فشرائط العاقد: العقل، فلا ينعقد بيع المجنون والصبي الذي لا يعقل. (١)

ترجمہ: اور بہرحال (بیع کی) جو شرائط ہیں وہ یہ چار قسم کی ہیں:(۱)انعقاد کی شرط(۲)صحت کی شرط(۳)نفاذ کی شرط (۴)لزوم کی شرط۔پھر اول (انعقاد کی شرط) کی چار قسمیں ہیں۔۔۔۔سو عاقد کی شرائط یہ ہیں:(۱)عقل، (یعنی عاقد کا عاقل ہونا) پس مجنون کی بیع منعقد نہیں ہوتی اور اس بچے کی بیع بھی منعقد نہیں ہوتی جو ناسمجھ ہو۔

(۱)ابن نجیمؒ ، زین الدین ، البحرالرائق، کتاب البیع، الفصل شرائط البیع :۴۳۲/۵،دارالکتب العلمیۃ،بیروت

وِنڈنگ مشین (Vending Machine) سے مشروبات خریدنا

سوال نمبر(65):

میں سعودی عرب میں مقیم ہوں۔یہاں اکثر پبلک مقامات پر وِنڈنگ مشین (Vending Machine) لگے ہوتے ہیں جن میں ایک خاص مقدار میں سکے ڈالے جائیں اور بٹن دبایا جائے تو پسند کے مطابق پیپسی،کوکا کولا وغیرہ مشروب باہر نکل آتا ہے۔کیا شریعت کی رو سے اس طرح کی خرید وفروخت جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں بیان کردہ طریقے کے مطابق کوئی چیز خریدنا بیع تعاطی کے حکم میں داخل ہے اور بیع تعاطی شرعاً جائز ہے،اس لیے مسئولہ طریقے سے خریداری کرنا بلاتردد جائز ہے۔اس میں کوئی شرعی خامی موجود نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

البیع : هو مبادلة المال بالمال ينعقد بإيجاب وقبول بلفظي الماضي ،وبتعاط في النفيس والخسيس. (۱)

ترجمہ:

بیع مال کا مال کے ساتھ تبادلہ کرنا ہے، یہ ماضی کے دو الفاظ کے ساتھ ایجاب وقبول کرنے سے اور نفیس یا خسیس ہر دو قسم کی چیزوں میں تعاطی سے منعقد ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

انٹرنیٹ کے ذریعے خرید وفروخت

سوال نمبر(66):

انٹرنیٹ کے ذریعے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(۱)صدرالشريعة الأصغر،عبيدا لله بن مسعود،شرح الوقاية،كتاب البيع :۳/ ۱۰؛ مكتبه رشيديه ، كوئٹه

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہاے کرام نے بذریعہ خط وکتابت بیع کو جائز قرار دیا ہے اور اس طرح کی بیع میں مرسل الیہ (جس کو خط بھیجا ہو) کو خط ملنے کی مجلس، مجلسِ عقد شمار کی ہے، لہٰذا اگر وہ اس مجلس میں مرسل کی پیشکش (ایجاب) قبول کرلے تو بیع تام ہوجاتی ہے۔

موجودہ دور میں انٹرنیٹ خط وکتابت کا ایک جدید اور تیز ترین ذریعہ ہے جس میں باہمی رابطہ تحریر کے علاوہ گفت وشنید (Voice Chatting) اور ایک دوسرے کے براہِ راست مشاہدہ (Video Conferencing) کے ساتھ بھی استوار ہوسکتا ہے، اس لیے یہ کاغذی تحریر سے زیادہ قوی ذریعہ ہے، لہٰذا اس کے ذریعے خرید وفروخت کے معاملات طے کرنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔

والدلیل علی ذلک:

والكتاب كالخطاب، و كذا الإرسال، حتى اعتبر مجلس بلوغ الكتاب وأداء الرسالة. (۱)

ترجمہ: اور کتابت خطاب کی طرح ہے اور اسی طرح پیغام بھیجنا بھی، یہاں تک کہ اس میں خط پہنچنے اور پیغام موصول ہونے کی مجلس معتبر ہوگی۔

❁❁❁

بیع میں ثبوتِ ملک کے لیے انتقال کی حیثیت

سوال نمبر (67):

میں نے اپنی چچازاد بیٹی سے تین کنال زمین دس لاکھ روپے کے عوض خریدی۔ اس نے مجھے زمین کا قبضہ دیا اور میں نے رقم ادا کردی، البتہ ابھی تک زمین کا انتقال نہیں ہوا تھا کہ وہ فوت ہوگئی۔ اب یہ زمین شریعت کی رُو سے میری ملکیت ہوگی یا مرحومہ کی میراث شمار ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب بائع اور مشتری باہمی رضامندی سے کسی چیز کی بیع طے کرلیں اور طرفین سے ایجاب وقبول ہوجائے

(۱) المرغینانیؒ ، برهان الدين علي بن أبي بكر، الهداية، كتاب البيوع: ۳/ ۲۰

تو بیع تام ہو جاتی ہے، اس کے بعد مشتری کے ذمے ثمن ادا کرنا لازم ہوتا ہے اور بائع کے ذمے مبیع حوالہ کرنا۔ انعقادِ بیع کے بعد انتقالِ ملک کے قانونی تقاضے پورے کرنا بہتر ضرور ہے، لیکن شرعاً ثبوتِ ملک اس پر موقوف نہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر سائل نے واقعی اپنی چچازاد بہن سے زمین خریدی ہو اور رقم ادا کر کے زمین پر قبضہ بھی کیا ہو، لیکن انتقال کرانے سے پہلے پہلے وہ فوت ہوگئی تو اب یہ زمین سائل ہی کی ملک شمار ہوگی، میراث کا حصہ نہیں۔

والدليل على ذلك:

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع ،ولا خيار لواحد منهما. (١)

ترجمہ:

اور جب ایجاب وقبول ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے اور طرفین میں سے کسی کو (فسخ کا) اختیار نہیں ہوتا۔

❁❁❁

سرکاری زمین کرایہ پر لے کر فروخت کرنا

سوال نمبر (68):

ایک شخص نے سرکاری زمین ڈھائی سو روپے ماہانہ کرایہ کے عوض لیز پر لے لی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ زمین دوسرے شخص پر پچیس ہزار روپے کے عوض بیچ دی۔ بیع طے ہونے کے بعد ابھی رقم وصول نہیں ہوئی تھی کہ حکومت نے اس جگہ کو مسمار کر دیا اور اس جگہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

ایسی صورت میں زمین فروخت کرنے والا خریدار سے اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسرے کی ملک کو بیچے یا ہبہ کرے یا اس میں کسی اور قسم کا تصرف کرے، اس لیے اگر کوئی شخص غیر مملوک چیز کو فروخت کرے تو یہ بیع باطل شمار ہوتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں سرکاری زمین کو کرایہ پر لینے والے کا اُس زمین کو کسی کے ہاتھ فروخت کرنا بیع باطل ہے، اس لیے اُسے خریدار سے زمین کی قیمت کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں اور نہ ہی وہ جگہ خریدار کی ملکیت بنتی ہے۔

---

(١) المرغینانیؒ، برهان الدين علي بن أبي بكر، الهداية، كتاب البيوع: ٣/ ٢٠

والدلیل علی ذلک :

وكذا يبطل أيضاً بيع ما ليس في ملكه. (١)

ترجمہ:

اور اسی طرح جو چیز بائع کی ملک میں نہ ہو، اس کی بیع بھی باطل ہوتی ہے۔

❁❁❁

قبرستان کے لیے وقف زمین خریدنا

سوال نمبر(69):

قبرستان کے لیے وقف شدہ زمین میں ایک شخص گھر بنانا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس زمین کی قیمت ادا کردوں گا جو قبرستان کا متولی قبرستان کی ضروریات میں خرچ کر دے گا۔ کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو جگہ ایک مرتبہ وقف کر کے متولی کے قبضہ میں دی جائے تو وہ وقف تام ہو جاتا ہے، لہٰذا پھر اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا۔

مسئولہ صورت میں قبرستان کے لیے وقف شدہ زمین گھر بنانے کے لیے خریدنا جائز نہیں، اس لیے موقوفہ زمین محلِ بیع نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیع، بیعِ باطل کے حکم میں ہے۔

والدلیل علی ذلک:

المحل القابل لحكم البيع هو المبيع الذي يكون موجوداً و مقدور التسليم ،ومالا متقوماً، فبيع المعدوم وما ليس بمقدور التسليم ،وما ليس بمال متقومٍ باطلٌ.(قال الشارح سليم رستم باز : فدخل تحت حكم هذه المادة بيع الوقف ،فإنه باطلٌ. (٢)

---

(١)سليم رستم باز،شرح المجلة،كتاب البيوع ،باب بيان المسائل المتعلقة بالمبيع،الفصل الثاني:المادة/٢٠٥، ص٩٨،مكتبة حبيبيه

(٢)سليم رستم باز اللبناني ، شرح المجلة ، البيع ، انواع البيع وأحكامه : المادة : ٣٦٣، ص٢٠٢،٢٠٣ مكتبه حبيبيه كوئٹه

ترجمہ:

حکمِ بیع کے لیے قابل قبول محل وہ مبیع ہے جو موجود، مقدور التسلیم اور مالِ متقوم ہو۔ سو معدوم چیز، جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو اور جو مال متقوم نہ ہو، اس کی بیع جائز نہیں۔ (شارحؒ فرماتے ہیں) اس ضابطہ کے حکم کے تحت وقف کی بیع بھی داخل ہے، پس وہ بھی باطل ہے۔

۞۞۞

غیر متعین حصے کی بیع

سوال نمبر (70):

میرے دادا کے انتقال کے بعد اس کے پس ماندہ ورثا میں چار بیٹے اور ایک بیٹی زندہ تھی۔ ان میں سے ایک بیٹی جو کہ رشتہ میں میری پھوپھی ہے، اس نے جائیداد میں سے اپنا حصہ مجھ پر فروخت کیا، میں نے اس کی پوری رقم نقد ادا کردی۔ ہمارا یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ اور میں جائیداد کے اس حصے کا جس کو میں نے خریدا ہے مالک ہوں، یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے کوئی ایک شریک مشترکہ جائیداد میں سے اپنا حصہ تقسیم سے پہلے بھی فروخت کرسکتا ہے، بشرطیکہ اس کا حصہ معلوم اور متعین ہو۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی مرحوم کے ورثا میں چار بیٹے اور ایک بیٹی ہو اور بیٹی نے اپنا حصہ رسد تقسیم سے پہلے بھتیجے کے ہاتھ فروخت کر کے رقم وصول کی ہو تو خریدنے والا مرحوم کی جائیداد میں ۹/۱ حصے (یعنی اس پھوپھی کے حصہ) کا مالک متصور ہوگا۔

والدلیل علی ذلك:

یصح بیع حصة شائعة معلومة كالنصف ،والثلث ،والعشر من عقار مملوك قبل الإفراز. (۱)

ترجمہ:

مملوکہ جائیداد میں سے اپنا شائع (غیر منقسم) معلوم حصہ، جیسے آدھا، تیسرا یا دسواں حصہ تقسیم سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے۔

---

(۱) سلیم رستم باز، شرح المجلة ، كتاب البيوع، الباب الثاني في بيان المسائل المتعلقة بالمبيع : المادة : ۲۱۴ ص ۱۰۳

شرکا کی اجازت کے بغیر مشترک مال سے اپنا حصہ فروخت کرنا

سوال نمبر (71):

ایک زمین دس بھائیوں کے مابین مشترک ہے۔ ہر شریک اس میں برابر کا حصہ دار ہے۔ان میں سے دو بھائی اپنا اپنا حصہ دوسرے بھائیوں کی رضامندی اوراجازت کے بغیر ایک شخص پر فروخت کرنا چاہتے ہیں۔کیا شریعت ان کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ بھائیوں کی اجازت کے بغیر اپنا حصہ فروخت کریں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مشترکہ جائیداد میں سے جب شرکا کے حصص معلوم ہوں تو ہر شریک اپنا حصہ دوسرے شرکا کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بھی فروخت کرسکتا ہے،البتہ شرکا کو شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسؤلہ میں بھی دو بھائیوں کا اپنا حصہ کسی پر فروخت کرنا شریعت کی رُو سے جائز ہے،تاہم باقی بھائیوں کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ چاہیں تو حقِ شفعہ استعمال کرلیں۔

والدلیل علی ذلک:

يصح بيع الحصة المعلومة الشائعة بدون إذن الشريك. (۱)

ترجمہ: معلوم غیر منقسم حصہ کی بیع شریک کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے۔

❁❁❁

ثمن اور مبیع میں پہلے کون سی چیز کی سپردگی ضروری ہے؟

سوال نمبر (72):

خرید وفروخت کے معاملہ میں ثمن اور مبیع میں سے پہلے کس چیز کی سپردگی ضروری ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

---

(۱) سلیم رستم باز اللبنانیؒ ، شرح المجلة ، ، کتاب البیوع ، الباب الثانی فی المسائل المتعلقة بالمبیع ، الفصل الثانی فیما یجوز بیعهٗ ومالایجوز : المادة: ۲۱۵، ص۱۰۳

الجواب وباللہ التوفیق:

خرید وفروخت کے معاملہ میں مبیع اشارہ کرنے سے متعین ہوجاتا ہے، جب کہ ثمن سپردگی کے بغیر کسی طرح بھی متعین نہیں ہوتا، اس لیے جب بائع مبیع کو حاضر کر کے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے تو مشتری کا حق اس میں متعین ہوجاتا ہے، چنانچہ مساوات قائم کرنے کے لیے پھر مشتری پر لازم ہوتا ہے کہ وہ بھی ثمن بائع کے حوالہ کردے، تاکہ اس کا حق بھی متعین ہوجائے اور ثمن کی ادائیگی کے بعد بائع پر لازم ہے کہ وہ مبیع مشتری کے قبضہ میں دے دے۔

والدلیل علی ذلک:

ومن باع سلعة بثمن ،قيل للمشتري ادفع الثمن أولاً ؛لأن حق المشتري تعين في المبيع فيقدم دفع الثمن ليتعين حق البائع بالقبض لماأنه لا يتعين بالتعيين، تحقيقاً للمساواة. (۱)

ترجمہ:

اور جس نے سامان رقم کے عوض خریدا تو مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے ثمن حوالہ کردو، اس لیے کہ مبیع میں تعین کے ساتھ مشتری کا حق تو متعین ہوگیا، سو ثمن کی حوالگی مقدم کی جائے گی تاکہ قبض کے ساتھ بائع کا حق بھی متعین ہوجائے، کیوں کہ یہ تعیین کے ساتھ متعین نہیں ہوتا، مساوات قائم کرنے کے لیے (اس طرح کرنا ضروری ہے)۔

❁❁❁

خریدے ہوئے انڈے کے خراب نکلنے کی صورت میں حکم

سوال نمبر(73):

ایک شخص نے دُکان سے انڈے خریدے، گھر آکر ان کو توڑا تو سب خراب نکلے، اب کیا وہ انڈے واپس کر کے دُکان دار سے رقم واپس لینے کا مجاز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

گندا انڈا چونکہ مالِ متقوم نہیں، اس لیے اس کی خرید وفروخت بیع باطل کے حکم میں داخل ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص دُکان سے انڈے خرید کر گھر لائے اور توڑنے کے بعد وہ گندے نکلیں جس کی وجہ سے وہ

(۱) الهداية ، كتاب البيوع : ۳/ ۳۰

قابل انتفاع نہ ہوں تو دکان دار کو واپس کر کے ان کی قیمت واپس لے لے۔

والدلیل علی ذلك:

ومن اشتری بیضاً،أو بطیخاً،أو قثاءً،أو خیاراً،أو جوزاً فکسره ،فوجده فاسداً ،فإن لم ینتفع به، رجع بالثمن کله؛لأنه لیس بمال ، فکان البیع باطلاً. (۱)

ترجمہ: جس نے انڈا، خربوز، ککڑی، کھیرا یا اخروٹ خرید اپھر اس کو توڑا تو وہ خراب نکلا، پس اگر یہ قابل انتفاع ہی نہ ہوں تو بائع سے پورے ثمن کی واپسی کا مطالبہ کرے گا، اس لیے کہ یہ چیزیں مال نہیں، سو بیع باطل ہوئی۔

❁❁❁

بائع کا یک طرفہ طور پر بیع فسخ کرنا

سوال نمبر (74):

زید نے دو کنال زمین اپنے بیٹے عمرو پر 64,000 روپے کے عوض فروخت کی۔ گواہان کی موجودگی میں باقاعدہ ایجاب وقبول ہوا اور دونوں نے آپس میں طے کیا کہ یہ رقم دو ماہ تک بائع کے حوالہ کی جائے گی۔

اس معاملہ کے دو سال بعد تک مشتری (عمرو) نے یہ رقم ادا نہیں کی۔ بائع نے بار بار یاد دہانی کرائی، مگر وہ ٹال مٹول کرتا رہا۔ اسی اثنا میں بائع (زید) سخت بیمار ہوا۔ اس نے (مشتری کے علاوہ) اپنے باقی بیٹوں کو بُلا کر ان سے کہہ دیا کہ اگر میں اس بیماری میں انتقال کر گیا تو جو زمین میں نے عمرو پر فروخت کی ہے، وہ بھی تم میراث کے طور پر تقسیم کر دینا، کیوں کہ اس نے ابھی تک مجھے رقم ادا نہیں کی۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ زید اس کے ایک روز بعد ہی فوت ہو گیا۔ اب عمرو کے علاوہ اس کے باقی بیٹے کہتے ہیں کہ ہمیں والد صاحب نے وصیت میں کہا کہ ہم اس زمین کو میراث کے طور پر تقسیم کریں گے، اس لیے اس میں ہم سب کا حق ہے، جب کہ عمرو کہتا ہے کہ یہ زمین میں نے خریدی ہے اس لیے یہ اکیلے میرا حق ہے، البتہ اس کی قیمت میں نے ادا نہیں کی ہے، اس لیے وہ میں ادا کر دوں گا، آپ قیمت میراث کے مطابق تقسیم کریں۔ چونکہ اب زمین کی قیمت کافی بڑھ گئی ہے، اس لیے دوسرے بھائی اس کو میراث بنانے پر مُصِر ہیں اور عمرو قیمت ادا کر کے زمین کو اپنے قبضے میں رکھنے پر اصرار کرتا ہے۔ برائے مہربانی اِس نزاع کا شرعی حل بتائیں تاکہ مسئلہ حل ہو جائے اور ان کا بھائی چارہ قائم رہے۔ بینوا توجروا

(۱) الهدایة ، کتاب البیوع ، باب خیار العیب : ۳/۴۵

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے بیع متعاقدین کے ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتی ہے۔انعقادِ بیع کے بعد بائع کے ذمے مبیع اور مشتری کے ذمے قیمت ادا کرنا لازم ہوتا ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ یک طرفہ طور پر دوسرے کی رضامندی کے بغیر بیع فسخ کرے۔

مسئولہ صورت میں چونکہ حسب بیان باپ اور بیٹے کے مابین زمین کی بیع منعقد ہوچکی تھی،اس لیے رقم کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے بائع کا یک طرفہ طور پر بیع کو فسخ کرکے زمین اپنی ملکیت میں لوٹانا اور اس کو ترکہ کا حصہ قرار دینا درست نہیں۔یہ زمین بدستور مشتری ہی کی ملکیت ہے،بائع (باپ) کے مرنے کے بعد دوسرے بھائی زمین میں اس کے ساتھ شریک نہیں،البتہ اس پر لازم ہے کہ زمین کی قیمت جلد از جلد ادا کرے،تاکہ وہ ترکہ کا حصہ بنے اور حسبِ قواعد میراث تقسیم ہو۔

والدلیل علی ذلک:

وإذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع ،ولا خیار لواحد منهما. (۱)

ترجمہ: اور جب ایجاب وقبول ہوجائے تو بیع لازم ہوجاتی ہے اور کسی ایک عاقد کو (فسخ کا) اختیار نہیں ہوتا۔

❁❁❁

زندہ مرغیوں کو تول کر بیچنا

سوال نمبر(75):

آج کل زندہ مرغیوں کو تول کر بیچنے اور خریدنے کا رواج عام ہوگیا ہے،جب کہ فقہائے کرام نے زندہ حیوان کی بیع وزن کے ساتھ ناجائز لکھی ہے۔برائے مہربانی مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام نے زندہ جانور کو تول کر بیچنا اس لیے ناجائز لکھا ہے کہ زندہ جانور سانس لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا وزن گھٹتا اور بڑھتا ہے اور صحیح وزن کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے،چنانچہ وزن کی جہالت کی وجہ سے اس طرح

(۱) الهدایة ، کتاب البیوع :۳/ ۲۰

کی بیع درست نہیں، تاہم موجودہ دور میں چونکہ زندہ مرغی کو تول کر بیچنے اور خریدنے کا رواج عام ہوگیا ہے اور اس سلسلے میں وزن کی تھوڑی بہت کمی بیشی سے صرف نظر کیا جاتا ہے، اس لیے نزاع کا سبب نہ بننے کی وجہ سے یہ بیع جائز ہے۔

والدلیل علی ذلک:

ومنها:أن یکون المبیع معلوماً وثمنهٔ معلوماً علماًیمنع من المنازعة ، فإن کان أحدهمامجهولاً جهالةً مفضیةً إلی المنازعة فسدالبیع ،وإن کان مجهولاً جهالةً لاتفضي إلی المنازعة لایفسد. (۱)

ترجمہ:

اوران (شرائطِ صحتِ بیع) میں سے مبیع اور ثمن کا اس طرح معلوم ہونا بھی ہے جو نزاع کے لیے مانع ہو، سو اگر مبیع اور ثمن میں سے کوئی ایک اس طرح مجہول ہو کہ وہ نزاع کی طرف مفضی بنے تو بیع فاسد ہوگی اور اگر جہالت ایسی ہو کہ نزاع کی طرف مفضی نہ بنے تو پھر بیع فاسد نہ ہوگی۔

❁❁❁

اُدھار بیع میں ثمن کی ادائیگی کے لیے مجہول مدت مقرر کرنا

سوال نمبر(76):

میری تندور کی دُکان ہے۔آٹے کا ایک تاجر مجھ سے کہتا ہے کہ میں تمھیں سو بوری آٹا اُدھار دیتا ہوں، جب وہ ختم ہوجائے تو مجھے اس کی قیمت ادا کر دینا۔ میں بھی اس پر راضی ہوں، لیکن پہلے شریعت کا حکم معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جائز بھی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تندور والے کا کسی ڈیلر سے اُدھار آٹا خریدنا شرعاً جائز ہے، لیکن اس میں رقم کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت متعین کرنا ضروری ہے، تاکہ بعد میں نزاع اور جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔

صورتِ مسئولہ میں آٹا ختم ہونے کو قیمت کی ادائیگی کے لیے بطورِ مدت متعین کیا گیا ہے جو مجہول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، اس لیے بائع اور مشتری باہمی رضامندی سے کوئی خاص تاریخ مقرر کرلیں، تب بیع صحیح ہوجائے گی۔

(۱) الکاسانیؒ، علاء الدین أبوبکربن مسعود، بدائع الصنائع ، کتاب البیوع ، فصل فی شرائط الصحة :۶/۵۹۲

والدلیل علی ذلك:

ویجوز البیع بثمن حال ومؤجل ،إذا کان الأجل معلوماً .... ولا بد أن یکون الأجل معلوماً؛لأن الجهالة فیه مانعة عن التسلیم الواجب بالعقد ،فهذا یطالبه به في قریب المدة ،وهذا یسلم في بعیدها. (۱)

ترجمہ: بیع نقد ثمن اور ادھار دونوں کے عوض جائز ہے، جب کہ مدت معلوم ہو۔۔۔۔۔اور مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ اِس میں جہالت اُس حوالگی سے مانع بنتی ہے جو عقد کے ذریعے واجب ہوئی ہے، پس بائع قریب مدت میں مطالبہ کرے گا اور مشتری بعید مدت میں سپرد کرنا چاہے گا۔

❁❁❁

بیع تام ہونے کے بعد بائع کا ثمن معاف کرنا

سوال نمبر (77):

بائع اور مشتری کے مابین بیع تام ہوئی، بعد میں بائع نے ثمن معاف کر دیا۔ کیا یہ معاملہ درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بیع تام ہونے کے بعد مشتری کے ذمے ثمن کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، تاہم اگر قیمت وصول کرنے سے پہلے بائع اپنی طرف سے قیمت معاف کر دے یا ہبہ کر دے تو مشتری کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، لہٰذا پھر اس کے ذمے ثمن کی ادائیگی واجب نہیں رہتی۔

والدلیل علی ذلك:

وإذا حط کل الثمن ،أووهبه ،أو أبرأه عنه ،فإن کان ذلك قبل قبض الثمن ،صح الکل. (۲)

ترجمہ: اور جب بائع پورا ثمن چھوڑ دے یا ہبہ کر دے یا اس سے بری کرے تو اگر یہ ثمن کی ادائیگی سے پہلے ہو تو یہ (صورتیں) سب صحیح ہیں۔

---

(۱) الهدایة، کتاب البیوع ، باب کیفیة انعقاد البیع:۲۲،۲۱/۳

(۲) الفتاوی الهندیة ، کتاب البیوع ، الباب السادس عشرفی الزیادة فی الثمن : ۱۷۳/۳

کوئی چیز اُدھار بیچ کر رقم کی وصولی سے قبل نقد خریدنا

سوال نمبر(78):

زید نے چار لاکھ روپے بکر سے بطورِ قرض مانگے۔ بکر بلا منافع قرض دینے کے لیے تیار نہ ہوا اور قرض پر منافع لینا سود ہے، اس لیے اس نے سود سے بچنے کی خاطر اپنی گاڑی پانچ لاکھ روپے کے عوض زید پر اُدھار فروخت کردی۔ زید نے وہ گاڑی دوبارہ بکر پر نقد چار لاکھ روپے کے عوض بیچی اور نقد رقم لے کر اپنی ضرورت پوری کی۔ کیا شرعاً یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے جس طرح سودی معاملات کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح ایسے معاملات جن میں ظاہراً سود سے اجتناب کی صورت اختیار کی گئی ہو، لیکن درحقیقت وہ سود کی تقویت کا ذریعہ ہوں، ان کو بھی سود کے زمرہ میں شمار کرکے حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز اُدھار زیادہ قیمت سے خریدے اور پھر بعینہ اس چیز کو دوبارہ اُسی بائع پر نقد رقم کے عوض کم قیمت میں فروخت کرے تو چونکہ اس صورت میں بائع کا مبیع اپنی حالت پر برقرار ہے اور اس کو منفعت رقم دینے کے عوض حاصل ہوئی ہے، اس لیے یہ معاملہ سود میں شمار ہو کر حرام ہوگا۔

والدلیل علی ذلک:

من اشترى شيئاً بألف درهم (حالةً أو نسيئةً) فقبضه ،ثم باعه من البائع بخمسمائة (قبل نقد الثمن) فالبيع الثاني فاسدٌ. (۱)

ترجمہ:

جس نے کوئی چیز ہزار درہم کے عوض نقد یا اُدھار خریدی اور اس کو قبض کیا، پھر ثمن حوالہ کرنے سے پہلے اسی بائع پر پانچ سو درہم میں بیچ دی تو دوسری بیع فاسد ہے۔

❁❁❁

(۱) اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی ،العنایہ علی ھامش فتح القدیر، کتاب البیوع،البیوع الفاسدۃ: ٦/ ٦٨

کوئی چیز اُدھار خرید کر نقد فروخت کرنا

سوال نمبر (79):

ایک شخص مجبوری کی حالت میں بارگین سے 1,20,000 روپے کے عوض گاڑی اُدھار خریدتا ہے اور پھر کسی دوسرے شخص پر ایک لاکھ روپے میں نقد فروخت کر کے اپنے قرضے چکاتا ہے۔ شریعت کی رُو سے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص بارگین سے گاڑی زیادہ قیمت میں اُدھار خرید کر کسی دوسرے شخص پر نقد کم قیمت میں فروخت کرے اور رقم سے اپنے قرضے چکائے تو یہ صورت اختیار کرنا شرعاً جائز ہے، البتہ چونکہ بار بار اس طرح کا معاملہ کرنے سے دیوالیہ بننے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے حتی الوسع اس سے احتراز بہتر ہے۔

والدلیل علی ذلک:

من اشتریٰ شیئاً بألف درهم (حالة ،أو نسيئة فقبضه ،ثم باعه من البائع بخمسمائة قبل نقد الثمن) فالبيع فاسدٌ .... إذا باع من غير البائع ،فإنه جائز بالاتفاق. (۱)

ترجمہ:

جس نے کوئی چیز ہزار درہم کے عوض نقد یا ادھار خریدی اور اس کو قبض کیا، پھر ثمن وصول کرنے سے پہلے اسی بائع پر پانچ سو درہم میں بیچ دی تو بیع فاسد ہے۔۔۔۔۔البتہ اگر بائع کے علاوہ کسی اور پر بیچے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

❁❁❁

بائع کا ثمن وصول کرنے سے پہلے بعض مبیع کو قیمت فروخت سے کم قیمت میں خریدنا

سوال نمبر (80):

ہم نے لاہور کے ایک تاجر پر 30,000 چادریں فروخت کیں۔ ہمارے درمیان طے ہوا کہ ایک چادر کی

(۱) العنایہ علی ہامش فتح القدیر، کتاب البیوع، البیوع الفاسدة: ۶۸/۶

قیمت 400 روپے ہوگی۔ 10,000 چادروں کی قیمت وہ نقد دے گا، دس ہزار چادروں کی قیمت چھ ماہ بعد دے گا اور باقی دس ہزار چادروں کی قیمت ایک سال بعد ادا کرے گا۔ ابھی اس معاملے کا ایک سال گزر چکا ہے۔ اس دوران اس نے بیس ہزار چادروں کی قیمت حسبِ معاہدہ ادا کی ہے، لیکن باقی دس ہزار چادروں کی قیمت ابھی باقی ہے۔ ابھی وہ کہتا ہے کہ میں بقیہ چادروں کی قیمت مقررہ تاریخ تک ادا نہیں کرسکتا، تم چاہو تو میں ان چادروں کی قیمت بکنے کے بعد ادا کردوں گا یا یہ چادریں واپس لے لو۔

اس کے جواب میں ہم نے اس سے کہا کہ چونکہ یہ چادریں تم نے ایک سال تک اپنے پاس روکے رکھی ہیں، اس لیے اب ہم اُسی قیمت پر واپس لینے کو تیار نہیں۔ اب ہم ایک چادر کی قیمت 350 روپے لگائیں گے۔ اس حساب سے واپس خریدنے کے بعد جو رقم آپ کے ذمے بقایا رہ جائے گی، وہ آپ دو ماہ میں ادا کردیں گے۔ وہ تاجر کہتا ہے کہ اس طرح کرنا جائز نہیں، اگر تم واپس خریدتے ہو تو 400 روپے پر ہی خریدو گے۔

آپ سے درخواست ہے کہ ہمارے اس مسئلے کا شرعی حل واضح فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں بائع کے لیے دس ہزار چادروں کی قیمت وصول کرنے سے پہلے ان کو قیمتِ فروخت سے کم قیمت پر دوبارہ خریدنا جائز نہیں۔ یہ "شراء ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن" (فروخت کی ہوئی چیز کو ثمن کی ادائیگی سے قبل قیمتِ فروخت سے کم قیمت پر خریدنے) کی صورت ہے، جو احناف ؒ کے ہاں جائز نہیں، اس لیے آپ کا یہ مطالبہ درست نہیں، البتہ خریدار کو چاہیے کہ وہ حسبِ معاہدہ مقررہ تاریخ تک بقیہ چادروں کی قیمت بھی ادا کرے اور بدعہدی کا مرتکب نہ ہو۔ پھر بھی اگر بائع بقیہ چادریں اُس سے واپس وصول کرنا چاہے تو قیمتِ فروخت پر یا اس سے زائد قیمت پر خرید سکتا ہے۔

والدلیل علی ذلک:

ولم یجز شراءه، وشراء من لا تصح شهادته له، ما باع بنفسه، أو بیع له بأن باع وکیله بأقل مما باع قبل نقد الثمن لنفسه، أو لغیره من مشتریه، أو من وارثه. (۱)

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب البیوع، الباب التاسع فی مایجوز بیعه ومالایجوز، الفصل العاشر: ۱۳۲/۳

ترجمہ: اور بائع یا بائع کے کسی ایسے رشتہ دار کے لیے جس کے حق میں اس کی گواہی صحیح نہ ہو، اس چیز کا خریدنا جو اس نے خود بیچی ہو یا اس کے وکیل نے اس کے لیے بیچی ہو، قیمت فروخت سے کم قیمت پر ثمن وصول کرنے سے پہلے، مشتری یا اس کے وارث سے خریدنا جائز نہیں۔

❁❁❁

حرام کمائی والے شخص سے خریداری کرنا

سوال نمبر (81):

جس شخص کی کمائی حرام کی ہو، اس سے کوئی چیز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی طور پر خرید و فروخت کے معاملات اس شخص سے کرنے چاہیے جس کا مال حلال اور پاک ہو، تاہم جس کی کمائی میں حلال غالب اور حرام مغلوب ہو تو اس کے ساتھ معاملات کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ جس کی کمائی خالصتاً حرام ہو یا اس میں حرام غالب اور حلال مغلوب ہو، اس سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

وفي الجملة أن طلب الحلال من هذه البلاد صعبٌ ،وقد قال بعض مشائخنا: عليك بترك الحرام المحض في هذا الزمان ،فإنك لاتجد شيأً لا شبهة فيه. (١)

ترجمہ: اور خلاصہ یہ کہ ان علاقوں میں حلال طلب کرنا مشکل ہے اور بلاشبہ ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس زمانہ میں خالص حرام سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیوں کہ تم کوئی ایسی چیز نہیں پاؤ گے جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔

❁❁❁

فروختگی کے بعد مبیع میں زیادتی کا دعوی

سوال نمبر (82):

میں نے ایک دوست سے دو کنال میں واقع گھر خریدا، اس نے بوقتِ بیع مجھ سے کہا تھا کہ یہ دو کنال میں واقع

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية ، الباب الخامس والعشرون: ٥/٣٦٤

ہے، لیکن ابھی ایک سال گزرنے کے بعد اس نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ دو کنال سے زیادہ ہے، میں اس کو باقاعدہ ناپتا ہوں جو حصہ دو کنال سے زائد نکلا وہ میرا ہوگا، تم اس کی مزید قیمت مجھے ادا کرو گے۔ کیا اس کا یہ دعویٰ درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب مذروعی اشیا (پیائش کے ذریعے بیچی جانے والی اشیا) کی بیع ایک متعین مقدار کے ساتھ طے ہو جائے اور بیع تام ہونے کے بعد وہ چیز زیادہ نکلے تو زیادتی مشتری کا حق ہوتا ہے بائع کا نہیں، اس لیے کہ پیائش مبیع کا ایک وصف ہے اور قیمت اصل کے مقابلے میں ہوتی ہے، وصف کے مقابلہ میں نہیں۔ لیکن جہاں کہیں وصف مقصود بن جائے تو اس وقت وہ وصف معتبر ہوتی ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے ثمن میں کمی بیشی کرنا درست ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر گھر کی پیائش کرنے کے بعد معلوم ہو جائے کہ یہ دو کنال سے زائد ہے تو زمین میں زیادتی ایک ایسی وصف ہے جس کا ثمن میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ دو کنال کا کہہ کر گھر فروخت کرنا وصف کو اہمیت دینے کے مترادف ہے، اس لیے وہ زیادتی بائع کا حق ہے، مشتری کا نہیں، لہٰذا مشتری چاہے تو اس زیادہ حصہ کی قیمت ادا کر کے وہ (زیادہ حصہ) لے لے یا وہ پوری زمین بائع کو واپس کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

(وإن باع المذروع مثله) على أنه مائة ذراعٍ مثلاً (أخذ) المشتري (الأقل بكل الثمن أو ترك) إلا إذا قبض المبيع، أو شاهده، فلا خيار له لانتفاءِ الغرر (و) أخذ (الأكثر بلاخيار للبائع). لأن الذرع وصف لتعيبه بالتبعيض ضد القدر، والوصف لا يقابله شيء من الثمن (إلا إذا كان مقصودا بالتناول لمذروع). قال ابن عابدين: قوله : (إلا إذا كان مقصودا بالتناول) أي تناول المبيع له كأنه جعل كل ذراع مبيعا. قوله : (لصيرورته) أي الذرع أصلا، أي مقصودا كالقدر في المثليات .(۱)

ترجمہ: اور اگر پیائش کے ذریعے فروخت کی جانے والی چیز بیچی، اس وضاحت کے ساتھ کہ مثلاً یہ سو گز ہے، تو کم نکلنے کی صورت میں خریدار پوری قیمت کے مقابلے میں بیان شدہ مقدار سے کم مبیع لے گا یا اس کو چھوڑے گا، البتہ اگر خریدار مبیع قبض کرلے یا اس کو دیکھ لے تو پھر غرر کے منتفی ہونے کی وجہ سے اس کو کوئی اختیار حاصل نہیں، اور زیادہ نکلنے کی صورت

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب المعتبر ماوقع علیه العقد : ۷/ ۶۹،۷۰

میں زائد حصہ بائع کے اختیار کے بغیر لے گا، کیوں کہ وصف قدر (کیل، وزن) کا مقابل ہوتا ہے اور وصف کے مقابلے میں کوئی ثمن نہیں ہوتی، ہاں اگر یہ وصف مقصود بن جائے۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: مبیع اس کو ایسا قبول کرے گویا وہ ہر ذراع کو مبیع بنالے اور اس کی حیثیت ایسی ہوجائے، جیسا کہ مثلی چیزوں میں قدر کی ہوتی ہے۔

❁❁❁

مشتری بائع کو ثمن بھیجے اور وہ راستے میں ہی ہلاک ہوجائے

سوال نمبر (83):

زید نے عمرو کو اپنی جائیداد فروخت کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا۔عمرو نے وہ جائیداد بکر کے ہاتھ بیچ دی۔ مشتری (بکر) نے ایک شخص کے ہاتھ جائیداد کی رقم روانہ کردی۔دورانِ سفر ایکسیڈنٹ ہوا جس میں وہ شخص فوت ہوا اور رقم بھی ضائع ہوگئی۔

اب سوال یہ ہے کہ عمرو (وکیل) بکر (مشتری) سے رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب مدیون (قرض دار) کسی کے ذریعے دین دائن (قرض خواہ) کی طرف روانہ کردے اور وہ راستہ میں ہی ضائع ہوجائے تو دیکھا جائے گا کہ یہ شخص قرض خواہ کا فرستادہ تھا یا قرض دار نے اس کو اپنی طرف سے قرض ادا کرنے کے لیے بھیجا تھا۔اگر قرض خواہ کا فرستادہ ہو تو مال کے ضیاع کا بوجھ بھی اُسی پر پڑے گا،لہٰذا وہ دوبارہ دین کا مطالبہ نہیں کرسکے گا،لیکن اگر قرض دار نے اپنی طرف سے بھیجا ہو تو مال کی ہلاکت کا ذمہ دار بھی وہی ہوگا، چنانچہ وہ دائن کو دوبارہ دین کی ادائیگی کا پابند ہوگا۔

مسئولہ صورت میں مشتری بکر نے جس شخص کے ہاتھ رقم بھیجی ہے، اگر اس کو مؤکل (زید) یا وکیل (عمرو) نے نہیں بھیجا ہو تو وکیل یا مؤکل دوبارہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں اور اگر انہوں نے بھیجا ہو تو پھر ان کو مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

بعث المدیون المال علی ید رسول فهلك، فإن كان رسول الدائن هلك عليه ،وإن كان رسول

المدیون هلك عليه. (١)

ترجمہ: قرض دار نے فرستادہ کے ہاتھ مال بھیجا تو وہ (پہنچنے سے قبل) ضائع ہوگیا، سو اگر یہ قرض خواہ کا فرستادہ ہو تو اس ضیاع کا بوجھ اسی پر ہوگا اور اگر قرض دار کا فرستادہ ہو تو ضیاع کا بوجھ اس پر پڑے گا۔

❁❁❁

شیشہ فروش کا کم مقدار کی زیادہ قیمت لگانا

سوال نمبر (84):

ایک شخص شیشہ فروخت کرتا ہے۔ جب کوئی گاہک اس سے ایک فٹ اور ایک انچ یا ایک فٹ اور دو انچ شیشہ خریدتا ہے تو وہ اس کی قیمت سوا فٹ (فٹ اور تین انچ) کے حساب سے لگاتا ہے اور وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس طرح کرنے سے میرا ایک دو انچ شیشہ ضائع ہوتا ہے، اس لیے اس کی تلافی کے لیے پورے سوا فٹ کی قیمت وصول کرتا ہوں۔ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اس طرح کرنے کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بیع باہمی رضامندی کے ساتھ مبیع اور ثمن کے تبادلے کا نام ہے، لہٰذا بائع اور مشتری مبیع کی جس مقدار کے عوض جو قیمت طے کرنا چاہیں، طے کر سکتے ہیں۔

مسئولہ صورت کے مطابق اگر شیشہ فروخت کرنے والا ایک فٹ اور ایک انچ کی قیمت سوا فٹ کے حساب سے وصول کرتا ہو اور گاہک اس پر راضی ہو تو یہ بیع جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر گاہک اس پر راضی نہ ہو یا بائع اس کو بے خبر رکھے تو اس طرح بیع کرنا جائز نہیں۔

والدلیل علی ذلك:

وأمّا تعریفه فمبادلة المال بالمالِ بالتراضی. (٢)

ترجمہ: اور بہر حال بیع کی تعریف یہ ہے: مال کا مال کے عوض باہمی رضامندی سے تبادلہ کرنا۔

(١) الفتاوی تنقیح الحامدیة، کتاب البیوع ومطالبه:١/٣٦٨

(٢) الفتاوی الهندیة، کتاب البیوع، الباب الأوّل: ٢/٣

نقد رقم کی وصولی کے بعد مبیع روکنا

سوال نمبر (85):

زید نے ایک مارکیٹ عمرو پر اسّی لاکھ 80,00000 روپے کے عوض بیچ دی۔ دونوں کے مابین طے ہوا کہ چالیس لاکھ 40,00000 روپے نقد ادا کیے جائیں گے اور باقی رقم چھ ماہ بعد ادا کی جائے گی۔ عمرو نے حسب معاہدہ چالیس لاکھ روپے نقد ادا کردیے، لیکن زید نے اسے مارکیٹ کا قبضہ نہیں دیا اور عمرو کی ناراضگی کے باوجود اس کا کرایہ خود وصول کرتا رہا۔ اب چھ ماہ گزرنے کے بعد عمرو بقایا رقم میں سے اسی ہزار 80,000 روپے دکانوں کے کرایہ کی بابت کاٹ کر ادائیگی کر رہا ہے، لیکن زید اس پر راضی نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے پوری رقم ادا کروگے۔ چونکہ پہلے سے اس کے متعلق تحریری معاہدہ میں کوئی بات درج نہیں کی گئی تھی، اس لیے اب جھگڑا بن گیا ہے۔ برائے مہربانی اس کا شرعی حل وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے بائع کو رقم کی مکمل وصولی تک مبیع روکنے کا اختیار حاصل ہے، لیکن اگر بیع مؤجل (ادھار رقم کے عوض) ہو تو رقم کی وصولی تک بائع کو مبیع روکنے کا اختیار نہیں، کیوں کہ ایجاب وقبول سے بیع تام ہو کر مبیع پر مشتری کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بائع کا نقد رقم کی مکمل وصولی کے بعد باقی ماندہ رقم کی وصولی تک مارکیٹ کو اپنے قبضے میں رکھ کر اس کا کرایہ وصول کرنا درست نہیں۔ یہ کرایہ مشتری کا حق ہے، بائع کا نہیں، اس لیے اگر مشتری بقیہ رقم میں سے مارکیٹ کے چھ ماہ کا کرایہ کاٹتا ہو تو اس کو یہ حق حاصل ہے۔

والدلیل علی ذلک:

إذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع ،ولا خیار لواحد منھما إلا من عیب ،أو عدم رؤیۃ. (۱)

ترجمہ: جب ایجاب وقبول ہوجائے تو بیع لازم ہوجاتی ہے۔ پھر بائع اور مشتری میں سے کسی کو (فسخ کا) اختیار نہیں ہوتا، البتہ عیب یا مبیع کو نہ دیکھنے کی صورت میں خیارِ عیب اور خیارِ رؤیت حاصل ہوتا ہے۔

(۱) الھدایۃ ، کتاب البیوع : ۳/ ۲۱،۲۰

ولو كان بعض الثمن حالا وبعضه مؤجلا ،فله حبسه حتى يستوفي الحال، ولو بقي من الثمن شئ قليل كان له حبس جميع المبيع. (۱)

ترجمہ:

اور اگر بعض ثمن نقد ہو اور بعض ادھار ہو تو بائع مبیع کو روکے گا یہاں تک کہ نقد رقم وصول ہو جائے۔ اگر نقد ثمن میں سے تھوڑی سی مقدار بھی باقی ہو تو بائع پورا مبیع روکنے کا اختیار رکھتا ہے۔

❁❁❁

درخت خرید کر کچھ مدت تک زمین میں چھوڑنا

سوال نمبر(86):

ایک شخص نے کسی کی مملوکہ زمین میں واقع جنگل کٹائی کے لیے خریدی، اب کیا اس کے لیے جائز ہے کہ کچھ عرصہ تک بلا معاوضہ زمین پر درخت چھوڑ دے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں اگر درختوں کی بیع کٹائی کی نیت سے کی گئی ہو تو مشتری خریداری کے بعد مالک زمین کی اجازت کے بغیر اس میں درخت چھوڑنے کا حق دار نہیں۔ اسے چاہیے کہ جلد ہی درخت کاٹ کر زمین فارغ کر دے۔

اگر درختوں کا کچھ وقت کے لیے زمین میں چھوڑ دینا ضروری ہو تو یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ مشتری یہ زمین مالک سے عاریت یا ایک خاص مدت کے لیے اجارہ پر لے لے، پھر اس مدت عاریت یا مدت اجارہ تک درخت چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

اعلم أن شراء الشجرة على ثلاثة أوجه:إما أن يشتريها للقلع بدون الأرض، وفي هذا الوجه يؤمر المشتري بقلعها. (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية ، كتاب البيوع ، الباب الرابع في حبس المبيع بالثمن : ۱۵/۳

(۲) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة : ۲۳٦ ، كتاب البيوع ، الباب الثاني في بيان المسائل المتعلقة بالمبيع : ص ۱۲۱

ترجمہ: اور جان لیجیے کہ درختوں کے خریدنے کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ مشتری درخت اس لیے خریدے، تا کہ ان کو کاٹ دے، اس صورت میں مشتری کو درخت کاٹنے کا حکم دیا جائے گا۔

❁❁❁

بائع کا مبیع کے عیوب سے برأت کا اظہار کرنا

سوال نمبر (87):

میں نے ایک دکاندار سے کمپیوٹر خریدا۔ اس نے فروخت کرتے وقت مجھ سے کہا کہ: ''ابھی دکان ہی میں اچھی طرح چیک کر کے خریدلو۔ بعد میں اگر کوئی نقص نکل آیا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔'' میں نے اس کے کہنے کے مطابق وہیں چیک کر دیا، مگر میں کوئی نقص نہیں پہچان سکا، اس لیے خرید لیا۔ جب گھر لا کر ایک ماہر دوست کو دکھایا تو اس نے کہا کہ اس میں فلاں فلاں چیزیں بالکل بے کار ہیں، اس کو واپس کردو۔

اب سوال یہ ہے کہ چونکہ کمپیوٹر ڈیلر نے پہلے سے مجھے خبردار کر دیا تھا، اس لیے اب میں اسے واپس کرنے کا حق رکھتا ہوں یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسلک احناف ؒ میں بائع کا مبیع کے تمام عیوب سے برأت کا اعلان کرنا درست ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اگر مشتری خریداری کے بعد کوئی نقص دیکھ کر مبیع واپس کرنا چاہے تو اس کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا، البتہ اگر بائع رضامندی سے اقالہ (بیع ختم کرنے) کے لیے تیار ہو جائے تو الگ بات ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جب کمپیوٹر ڈیلر نے پہلے ہی سے مشتری کے سامنے کمپیوٹر کے نقصان سے برأت ظاہر کی تھی تو بعد میں نقص پائے جانے کی صورت میں اسے واپس کرنے کا حق حاصل نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

(ومن باع عبداًو شرط البراءة من کل عیب فلیس له أن یرده بعیب)قال ابن الهمام تحت قوله : (ومن باع عبداً)لیس العبد بقید ،فإن البیع بشرط البراءة من کل عیب صحیح في الحیوان وغیره. (۱)

(۱) فتح القدیر، کتاب البیوع، باب خیار العیب : ۳۸/۶

ترجمہ:

اور جس نے غلام خریدا اور (بائع نے) تمام عیوب سے برأت کی شرط لگادی تو مشتری کو عیب کی وجہ سے مبیع لوٹانے کا حق حاصل نہیں۔علامہ ابن ہمامؒ ہدایہ کی عبارت "ومن باع عبداً" کے تحت لکھتے ہیں: صرف غلام ہی مراد نہیں، بلکہ عیوب سے برأت کی شرط ہر بیع میں درست ہے خواہ، حیوان کی ہو یا کسی اور چیز کی۔

❁❁❁

خریدی ہوئی چیز کو قبضہ سے پہلے مشتری کے لیے فروخت کرنا

سوال نمبر (88):

زید نقد رقم کے عوض سائیکل خرید کر قسط وار بیچنے کا کاروبار کرتا ہے۔وہ بازار میں کسی بااعتماد دکاندار کو نقد رقم دے کر اس سے سائیکل خریدتا ہے۔پھر وہی دکاندار اس کے لیے یہ سائیکل دوسرے شخص پر قسط وار فروخت کرتا ہے اور گاہک سے ماہانہ قسط زید کے لیے وصول کرتا ہے۔زید اکثر سائیکل کا معائنہ بھی نہیں کرتا، بلکہ سائیکل دکان یا گودام میں کھڑی رہتی ہے، زید صرف اس کی قیمت دکاندار کو دیتا ہے۔کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دکاندار کا زید پر نقد رقم کے عوض سائیکل بیچ کر اسی کے لیے آگے کسی اور پر زیادہ قیمت کے عوض قسط وار بیچنا جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ زید سائیکل خرید کر اسے اپنے قبضہ میں لے لے، کیوں کہ قبضہ کیے بغیر مبیع آگے بیچنا جائز نہیں۔قبضہ کی صورت یہ ہے کہ دکاندار اس کے لیے ایک سائیکل دوسرے سائیکلوں سے علیحدہ کردے اور اس کی رسید لکھ دے، زید اس کو اپنے قبضہ میں لے کر دوبارہ دکاندار کے حوالہ کرے، پھر دکاندار اس کا وکیل بن کر اس کے لیے سائیکل قسط وار فروخت کرے تو یوں یہ کاروبار درست اور جائز رہے گا۔

والدلیل علی ذلک:

من حكم المبيع إذا كان منقولاً أن لا يجوز بيعه قبل القبض. (١)

ترجمہ: جب مبیع منقولی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے اُسے بیچنا جائز نہیں۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الباب الثاني فيما يرجع الى انعقاد البيع، الفصل الثالث: ١٣/٣

والتخلية في بيت البائع صحيحة عند محمدؒ خلافاً لأبي يوسفؒ. رجل باع خلافي دن في بيته فخلى بينه وبين المشتري ،فختم المشتري على الدن وتركه في بيت البائع ،فهلك بعد ذلك ،فإنه يهلك من مال المشتري في قول محمدؒ ،وعليه الفتوى. (۱)

ترجمہ:

بائع کے گھر میں (مبیع اور مشتری کے درمیان) تخلیہ امام محمدؒ کے نزدیک درست ہے، بخلاف امام ابویوسفؒ کے۔ایک آدمی نے مٹکے میں موجود سرکہ (بائع سے) اس کے گھر میں خریدا اور بائع نے اس مٹکے اور مشتری کے مابین تخلیہ کردیا (یعنی مٹکا مشتری کے حوالہ کردیا) پھر مشتری نے اس پر مہر لگا کر وہیں بائع کے گھر میں چھوڑ دیا، اس کے بعد وہ ہلاک ہوگیا۔ تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ مشتری کے مال سے ہلاک ہوا، فتوی اسی قول پر ہے۔

❁❁❁

خرید وفروخت میں بائع کا مشتری کی طرف سے وکیل مقرر ہونا

سوال نمبر (89):

ہم صراف کے ساتھ کرنسی کی خرید وفروخت کا لین دین کرتے ہیں۔طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ہم پہلے سے اس کے پاس ایک مقدار میں پاکستانی روپیہ رکھ لیتے ہیں۔پھر فون پر اُس سے ڈالر یا کسی اور کرنسی کی قیمت دریافت کرکے اس کو ایک خاص مقدار میں ڈالر خریدنے کا کہہ دیتے ہیں۔وہ ہمارے لیے مطلوبہ مقدار میں ڈالر خرید کر اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ہمارا یہ معاملہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص بائع بھی ہو اور مشتری کی طرف سے وکیل بن کر اس کے لیے قبضہ بھی کرے تو چونکہ خرید و فروخت میں تمام حقوق کا ذمہ دار وکیل ہی ہوتا ہے، اس لیے ایک ہی وقت میں مالک بھی ہوگا اور مملّک (مالک بنانے والا) بھی، جب کہ شرعاً ایک ہی شخص بیک وقت مالک اور مملّک نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مشتری نے فون کے ذریعے خود بائع (صراف) ہی کو اپنا وکیل مقرر کیا ہو اور وہ

(۱) الفتاوی الهندية ، كتاب البيوع ، الباب الرابع فی حبس المبيع بالثمن ، الفصل الثانی : ۱۶/۳

مشتری کی طرف سے وکیل اور خود بائع بن کر معاملہ کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔

البتہ اگر صراف کو وکیل مقرر کیے بغیر خود مشتری کی حیثیت سے فون کے ذریعے صراف سے کرنسی خرید لے یا بائع کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو وکیل بنایا جائے تو یہ معاملہ جائز رہے گا۔

والدلیل علی ذلك:

الوكيل في النكاح معبرو سفير...... بخلاف البيع ؛لأنه مباشر حتى رجعت الحقوق إليه.(١)

ترجمہ:

نکاح میں وکیل (صرف) سفیر اور تعبیر کرنے والا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ بخلاف بیع کے، اس لیے کہ وہ (وکیل) خود معاملہ منعقد کرنے والا ہوتا ہے، یہاں تک کہ حقوق بھی اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

وقال ابن الهمام تحت قوله:(أن يكون مملكاً ومتملكاً)لايجوز كونه وكيلاً من الجانبين لتضاد حكمي التمليك والتملك. (٢)

ترجمہ:

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: ''(ایک ہی شخص کا) دونوں جانب سے وکیل بننا جائز نہیں، اس لیے کہ خود مالک بننے اور دوسرے کو مالک بنانے کے حکموں میں تضاد ہے۔''

❁❁❁

قبضہ چھوڑنے کے عوض رقم لینا

سوال نمبر (90):

ایک زمین کافی عرصہ سے ہمارے قبضہ میں ہے، ہم اس میں کاشتکاری کرتے ہیں اور مالک کو پیداوار کا مخصوص حصہ ادا کرتے ہیں۔ اب مالک چاہتا ہے کہ وہ زمین فروخت کرے، لیکن ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ زمین کا قبضہ چھوڑنے کے عوض رقم لی جاتی ہے۔ کیا ہمارے لیے یہ رقم لینا جائز ہوگا؟

بینوا توجروا

(١) الهداية ، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها:٢/٣٤٤

(٢) فتح القدير، كتاب النكاح ، باب الوكالة في النكاح وغيرها: ٣/١٩٧

الجواب وباللہ التوفیق:

عقدِ اجارہ طے کرتے وقت متعاقدین کے مابین جواختتامی مدت طے ہوجائے،اس مدت کے گزرتے ہی عقدِ اجارہ خود بخود ختم ہوجاتا ہے۔اگر مؤجر اور مستأجر باہمی رضامندی سے اجارہ کو برقرار رکھنا چاہیں تو دوبارہ عقد کرلیں،ورنہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کی بھی رضامندی نہ ہوتو مستأجر (کرایہ دار) کے لیے مدت ختم ہونے کے بعد عین چیز (کرایہ پر لی ہوئی چیز) مؤجر کے حوالہ کرنا لازمی اور ضروری ہے۔شرعاً اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے بعد بھی اس پر قبضہ جمائے رکھے۔اسی طرح وہ اس قبضہ چھوڑنے کے عوض رقم وغیرہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کافی عرصہ سے کسی کی زمین آپ کے قبضہ میں ہواوراب مالک زمین اس کو بیچنا چاہتا ہوتواس کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ بحیثیت مالک زمین جس طرح چاہے اپنے ملک میں تصرف کرے اوراس قبضہ چھوڑنے کے عوض آپ کا اس سے رقم کا مطالبہ کرنا جائز نہیں،کیوں کہ مال لینے کے لیے سبب شرعی کا ہونا ضروری ہے،جب کہ اس عرف پر عمل کرتے ہوئے کوئی شرعی سبب نہیں،لہٰذا آپ کا مطالبہ بھی شرعاً معتبر نہیں۔

والدّلیل علی ذلک :

وأما الذی ینفسخ به عقد المعاملة فأنواع : ...... ومنها انقضاء المدة. (١)

ترجمہ: اور جس سبب کی وجہ سے معاملہ فسخ ہوتا ہے اس کی کئی قسمیں ہیں۔۔۔۔ان میں سے ایک مدت کا ختم ہونا ہے۔

وإن كـان الشرط شرطاً لم يعرف ورودالشرع بجوازه في صورة ،وهوليس بمتعارف، إن كان لأحـد الـمتـعاقدين فيه منفعة ،أو كان للمعقود عليه منفعة ،و المعقود عليه من أهل أن يستحق حقاً على الغير ،فالعقد فاسدٌ. (٢)

ترجمہ:

اوراگر شرط ایسی ہوکہ شریعت میں اس کا جواز کسی صورت میں بھی ثابت نہ ہواوروہ متعارف بھی نہ ہوتو اگر اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کی منفعت ہو یا معقود علیہ کا فائدہ ہواوروہ معقود علیہ اہلِ استحقاق میں سے ہوتو عقد فاسد ہوگا۔

❀❀❀

(١) بدائع الصنائع، كتاب المعامله،فصل في المعاني التي تفسخ بهاالمعامله:٢٩٢،٢٩١/٨

(٢) الفتاویٰ الهندية : كتاب البيوع ، الباب العاشر ، مطلب فى الشروط المفسدة :١٣٤/٣

نقد ادائیگی کی صورت میں بائع سے قیمت میں کمی کا مطالبہ

سوال نمبر (91):

بائع اور مشتری کے مابین قسط وار بیع طے ہو جائے جس میں قیمتِ مروجہ ریٹ سے بوجہ اُدھار زیادہ مقرر ہو، لیکن چند دن بعد مشتری وہ ساری رقم نقد ادا کرنے کو تیار ہو جائے اور بائع سے کہے کہ اب قیمت میں کمی کر دو تو کیا اس طرح کا معاملہ درست ہے؟ نیز اگر بائع برضائے خویش قیمت کم کرے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب متعاقدین (بائع اور مشتری) مجلسِ عقد میں کسی قیمت پر اتفاق کر کے بیع منعقد کرلیں تو بیع تام ہو جاتی ہے اور مشتری حسبِ معاہدہ نقد یا اُدھار ثمن کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے، جب کہ بائع مجلسِ عقد ہی میں مبیع حوالہ کرنے کا پابند ہوگا۔ پھر اگر معاملہ اُدھار ہو تو مشتری چاہے وقت مقرر سے پہلے ثمن ادا کرے یا کسی شرعی عذر کی بنا پر مقررہ وقت کے بعد، بہر حال وہی ثمن پورا پورا ادا کرے گا جو بوقتِ عقد طے ہوا ہو۔ میعادِ مقرر سے قبل ادائیگی کی صورت میں مشتری ثمن میں کمی کے مطالبہ کا حق دار نہیں اور اس کے بعد ادائیگی کی صورت میں بائع ثمن پر زیادتی طلب کرنے کا حق دار نہیں۔

تاہم اگر میعادِ مقرر سے قبل ادائیگی کی صورت میں بائع اپنی طرف سے کچھ رعایت کر کے کم قیمت وصول کرنے پر راضی ہو تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ حق دار جس طرح اپنے حق سے مکمل دست بردار ہو سکتا ہے، اسی طرح اس میں کمی کرنے کا بھی مجاز ہے۔

والدلیل علی ذلک:

حط البائع مقداراً من الثمن المسمّٰی بعد العقد صحیحٌ ومعتبر. (۱)

ترجمہ: بائع کا عقد کے بعد مسمّٰی ثمن میں کمی کرنا درست اور معتبر ہے۔

❁❁❁

(۱) محمد خالد الأتاسي، شرح المجلة، المادة: ۲۵۶، کتاب البیوع، الباب الثالث فی بیان المسائل المتعلقة بالثمن: ۲/۱۸۲

عددی اور مذروعی اشیا کے تبادلہ میں کمی بیشی

سوال نمبر (92):

ایک قلم کے عوض دو قلم، ایک گھر کے عوض دو گھر یا ایک گاڑی کے عوض دو گاڑیاں خریدنے کا کیا حکم ہے؟ یہ سود کے زمرہ میں آتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عددی اور مذروعی اشیا کے تبادلہ میں کمی بیشی کرنا جائز ہے، جب کہ مکیلی اور موزونی اشیا میں ناجائز ہے، البتہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اگر ایک ہی جنس کی عددی یا مذروعی اشیا کا آپس میں تبادلہ کیا جائے تو دونوں بدل مجلس عقد ہی میں نقد ایک دوسرے کے حوالہ کیے جائیں، اُدھار کا معاملہ نہ ہو، کیوں کہ ایک ہی جنس کے اشیا میں تبادلہ کرتے وقت ادھار کا معاملہ کرنا ربا النسیئہ کے حکم میں داخل ہو کر حرام ہے۔

والدلیل علی ذلك :

(قال وإذا عدم الوصفان : الجنس والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنساء) ………… وإذا وجدا حرم التفاضل والنساء لوجود العلة، وإذا وجد أحدهما ،وعدم الأخر حل التفاضل وحرم النساء. (۱)

ترجمہ: اور اگر دونوں وصف معدوم ہوں، یعنی جنس اور جو معنی اس کے ساتھ ملایا گیا ہے (یعنی قدر) تو کمی بیشی اور اوھار دونوں جائز ہیں۔۔۔۔۔اور جب دونوں وصف موجود ہوں تو کمی بیشی اور اُدھار دونوں حرام ہیں، کیوں کہ علتِ ربوا موجود ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک وصف موجود ہو اور دوسرا معدوم تو کمی بیشی حلال ہے اور ادھار حرام ہے۔

❁❁❁

زمین کا زمین سے تبادلہ کرتے وقت کمی بیشی

سوال نمبر (93):

زید چاہتا ہے کہ عمرو کے ساتھ زمین کا تبادلہ کرے۔ زید کی زمین پچاس جریب ہے جب کہ عمرو کی زمین ستر

(۱) الهداية ، كتاب البيوع، باب الربا: ۸۲/۳

جریب، مگر محل وقوع کے مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں کی قیمت تقریباً ایک جتنی ہے۔ عمرو بھی اس تبادلہ پر راضی ہے، مگر کسی نے ان کو بتایا ہے کہ جنس کا جنس سے تبادلہ کرتے وقت کمی بیشی کرنا جائز نہیں، اس لیے وہ مشوش ہیں۔ برائے مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو چیزیں وزن یا کیل (پیمانہ) کے ساتھ فروخت ہوتی ہیں، ان کا تبادلہ اگر جنس کے ساتھ ہو تو اس میں کمی بیشی اور اُدھار سود پائے جانے کی وجہ سے حرام ہے۔ اس کے علاوہ جو اشیا عددی ہوں یا مساحت کے ساتھ اُن کو فروخت کیا جاتا ہو ان کا تبادلہ اگر جنس کے ساتھ بھی ہو تو اس میں کمی بیشی جائز ہے۔ شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق جب زمین کا زمین سے تبادلہ کیا جائے تو چونکہ یہ وزنی یا کیلی اشیا میں سے نہیں، بلکہ مساحت کے اعتبار سے فروخت ہوتی ہے، اس لیے اس کے تبادلہ میں کمی بیشی سود کے حکم میں داخل نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

الربا محرم في كل مكيل أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلاً. (۱)

ترجمہ: سود حرام ہے ہر مکیلی اور موزونی چیز میں، جب اس کو اپنی جنس کے ساتھ زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جائے۔

❁❁❁

پرانے برتنوں کے عوض نئے برتن خریدنا

سوال نمبر (94):

دو تین پُرانے برتنوں کے عوض لوہے یا پیتل کا ایک نیا برتن خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر پُرانے برتنوں کے ساتھ کچھ رقم بھی ملادی جائے تو پھر حکم کیا ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر دونوں طرف کے برتن الگ الگ جنس سے ہوں، مثلاً: پرانے برتن پیتل کے ہوں اور نیا برتن سلور یا لوہے

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب الربوا: ۸۱/۳

کا ہوتو خواہ پرانے برتن کے ساتھ رقم ملائی جائے یا نہ ملائی جائے، بہر صورت بیع جائز ہے اور اگر دونوں طرف کے برتن ایک ہی جنس سے ہوں تو پھر دیکھا جائے گا کہ عرف میں اس جنس کے برتن عدد کے اعتبار سے فروخت ہوتے ہیں یا وزن کے اعتبار سے۔ اگر عدد کے اعتبار سے فروخت ہوتے ہوں تو تبادلہ میں کمی بیشی کرنا جائز ہے اور اگر وزن کے اعتبار سے فروخت ہوتے ہوں جیسا کہ آج کل سلور یا پیتل وغیرہ کے برتن وزناً فروخت ہوتے ہیں تو پھر آپس میں تبادلہ کرتے وقت بدلین (پُرانے برتن اور نئے برتن) کا وزن ایک جتنا ہونا ضروری ہے، ورنہ اگر ایک جانب وزن زیادہ ہو اور دوسری جانب کم تو یہ سود کے حکم میں داخل ہو کر حرام ہوگا۔

والدلیل علی ذلک:

وفي التجريد : الأواني المتخذة من الصفر والحديد تصير عادةً عدديةً بالتعامل يجوز بيع بعضها ببعض كيفما كان ،كذا في التتارخانية.لو تعارفوا بيع هذه الأواني بالوزن لا بالعدد لا يجوز بيعها بجنسها إلا متساوياً. (١)

ترجمہ: اور تجرید میں ہے کہ پیتل اور لوہے سے بنے ہوئے برتن تعامل کی وجہ سے عادتاً عددی بن جائیں تو بعض کا بعض سے تبادلہ جائز ہے، جیسے بھی ہو۔ اگر ان برتنوں کی خرید وفروخت کا عرف عدد کی بجائے وزن سے ہونے لگے تو پھر ان کی بیع جنس کے ساتھ صرف برابر سرابر جائز ہے۔

❁❁❁

عمدہ چاول کا ردی چاول کے ساتھ کمی بیشی تبادلہ

سوال نمبر(95):

عمدہ چاول کا ردی چاول کے ساتھ کمی بیشی سے تبادلہ جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے مکیلی اور موزونی اشیا کا تبادلہ جب ہم جنس سے کیا جائے تو کمی بیشی اور اُدھار دونوں ناجائز

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر الى المعقود عليه، الفصل بيع الحديد بالحديد والصفر بالصفر :٣/٢٢١

ہیں، خواہ یہ دونوں چیزیں ایک ہی معیار کی ہوں یا ایک چیز عمدہ اور دوسری چیز ردی قسم کی ہو۔
مسئولہ صورت کے مطابق عمدہ چاول کا معمولی چاول کے ساتھ کمی بیشی سے تبادلہ کرنا جائز نہیں۔

والدلیل علی ذلك:

(وجیده کردیئه) یعنی جید مال الربا وردیئه سواءٌ، حتی لایجوز بیع أحدهما بالأخر متفاضلاً لنهیه ﷺ عن ذلك. (۱)

ترجمہ:

اور اس کا اعلیٰ ردی کی طرح ہے، یعنی سود کے مال میں جید اور ردی دونوں برابر ہیں۔ آپ ﷺ کا اس سے منع کرنے کی وجہ سے ایک کی بیع دوسرے کے عوض تفاضلا جائز نہیں۔

❁❁❁

دیسی انڈوں کا فارمی انڈوں کے عوض زیادتی کے ساتھ تبادلہ

سوال نمبر (96):

خرید وفروخت کے بارے میں کسی سے یہ مسئلہ سنا ہے کہ اگر دیسی انڈوں کا فارمی انڈوں کے ساتھ تبادلہ کیا جائے تو ان میں کمی بیشی اور ادھار دونوں ناجائز ہیں۔ کیا یہ مسئلہ درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مکیلی یا موزونی اشیا کا تبادلہ جب ہم جنس چیز سے ہو تو اس میں کمی بیشی اور ادھار کا معاملہ جائز نہیں، لیکن جو چیزیں مکیلی یا موزونی نہ ہوں، جیسے شمار یا ماپ کر کے فروخت کی جانے والی چیزیں، تو ہم جنس کے ساتھ تبادلہ کرتے وقت ان میں کمی بیشی جائز ہے، البتہ ادھار جائز نہیں اور اگر غیر جنس کے ساتھ ان کا تبادلہ ہو تو پھر کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی۔ انڈے چونکہ ہمارے عرف میں مکیلی یا موزونی نہیں، بلکہ عددی ہیں، اس لیے دیسی انڈوں سے فارمی انڈوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، لیکن ادھار ناجائز ہے۔

---

(۱) الزیلعیؒ، فخرالدین عثمان بن علي، تبیین الحقائق، کتاب البیوع، باب الربا: ٤/٤٥٥، دارالکتب العلمیة، بیروت

والدلیل علی ذلك:

(قال وإذا عدم الوصفان : الجنس والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنساء) .... وإذا وجدا حرم التفاضل والنساء لوجود العلة، وإذا وجد أحدهما ،وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء. (۱)

ترجمہ: اوراگر دونوں وصف معدوم ہوں یعنی جنس اور جو معنی اس کے ساتھ ملایا گیا ہے (یعنی قدر) تو کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔۔۔۔۔اور جب دونوں وصف موجود ہوں تو کمی بیشی اور اُدھار دونوں حرام ہیں، کیوں کہ علتِ ربوا موجود ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک وصف موجود ہو اور دوسرا معدوم تو کمی بیشی حلال ہے اور ادھار حرام ہے۔

❁❁❁

زیتون کے پھل کا زیتون کے تیل کے عوض بیچنا

سوال نمبر (97):

زیتون کے پھل کا زیتون کے تیل کے عوض تفاضل (زیادتی) کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام نے زیتون کے پھل کا اس کے تیل کے عوض برابر مقدار میں تبادلہ ناجائز قرار دیا ہے، کیوں کہ زیتون کے پھل میں تیل کے علاوہ اس کا چھلکا بھی ہوتا ہے، ہاں اگر تیل کی مقدار پھل سے نکلنے والے تیل سے زیادہ ہو تو اس صورت میں یہ بیع جائز ہوگی، کیونکہ اضافی مقدار اس چھلکے کے مقابلے میں ہوگی۔

والدلیل علی ذلك:

ولایجوز بیع الزیتون بالزیت.......... حتی یکون الزیت أکثر ممافي الزیتون،فیکون الدهن بمثله والزیادة بالثجیر. (۲)

ترجمہ: اور زیتون کی بیع زیتون کے تیل کے ساتھ جائز نہیں۔۔۔۔۔یہاں تک کہ تیل کی مقدار زیتون کے پھل سے زیادہ ہو تو تیل،تیل کے مقابلہ میں ہوگا اور زیادتی (تیل) چھلکے کے مقابلے میں ہوگی۔

(۱) الهدایة ، کتاب البیوع، باب الربا: ۸۳/۳

(۲) الهدایة، کتاب البیوع، باب الربا : ۸۹/۳

جو چیز وزن کی شرط سے نہ خریدی جائے اس میں تولنے کی ضرورت

سوال نمبر(98):

حدیث میں ہے کہ:''جب مشتری بائع سے کوئی چیز خریدے تو بائع کے تولنے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ خود بھی تولے، الاّ یہ کہ اگر بائع مشتری کے سامنے مبیع کو تولے تو پھر دوبارہ تولنے کی ضرورت نہیں''۔آج کل عام طور پر بیس کلو آٹے کی جو تھیلی بکتی ہے، عموماً اس کو دوبارہ تولا نہیں جاتا تو کیا سب لوگ اس حدیث کی مخالفت کے مرتکب ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیثِ مبارک اور فقہی جزئیات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب مکیلات اور موزونات میں سے کوئی چیز خریدی جائے اور بائع نے مشتری کے سامنے کیل اور وزن نہ کیا ہو تو مشتری کے لیے اسے دوبارہ کیل یا وزن کرنا ضروری ہے، کیوں کہ کیل یا وزن کی شرط کے ساتھ خریدی گئی چیز میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ بائع نے غلطی سے زیادہ دی ہو اور یہ زیادتی بائع کا حق ہو، اس لیے مشتری پر لازم ہے کہ وہ دوبارہ کیل یا وزن کر کے زیادتی کی صورت میں بائع کو اس کا حق واپس کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مشتری اس کو کیل یا وزن کی شرط سے خریدے تو اس کے لیے دوبارہ کیل یا وزن کرنے سے پہلے مبیع میں تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا۔

تاہم جو مکیلات اور موزونات کیل یا وزن کی شرط سے نہ خریدی جائیں، بلکہ اٹکل اور اندازہ سے ان کی خرید وفروخت ہو تو پھر مشتری کے لیے اس کا الگ سے کیل یا وزن کرنا ضروری نہیں ہوتا۔آج کل جتنی پیک شدہ اشیا بازار میں بکتی ہیں، ان کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے، اس لیے ان کا دوبارہ وزن کرانا مشتری پر لازم نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

ومن اشترى مكيلاً مكايلةً ،أو موزوناً موازنةً فاكتاله أو اتزنه ،ثم باعه مكايلةً أو موازنةً ،لم يجز للمشتري منه أن يبيعه ،ولاأن يأكله حتى يعيد الكيل والوزن؛لأن النبيّ ﷺ نهى عن بيع الطعام حتى يجري فيه صاعان، صاع البائع وصاع المشتري ،ولأنه يحتمل أن يزيد على المشروط ،وذلك للبائع، والتصرف في مال الغير حرام ،فيجب التحرز عنه ،بخلاف ما إذا باعه مجازفةً ؛لأن الزيادة له. (۱)

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية ، فصل و من اشترىٰ شيئاً ممايُنقل ويحول : ۷۹/۳

ترجمہ:

اور جس نے مکیلی چیز کیل کے حساب سے یا موزونی چیز وزن کے حساب سے خریدی، پس اس کا کیل یا وزن کرلیا، پھر وہ چیز دوسرے کے ہاتھوں کیل یا وزن کے حساب سے فروخت کی تو دوسرے مشتری کو جائز نہیں کہ اس کو بیچے یا اس سے کھائے، یہاں تک کہ دوبارہ اس کا کیل یا وزن نہ کرے، کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے طعام بیچنے سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ اس میں دو پیمانے جاری ہوجائیں: بائع کا پیمانہ اور مشتری کا پیمانہ اور اس لیے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ شاید مبیع مشروط مقدار سے زائد ہو (ایسی صورت میں) یہ زیادتی بائع کی ہوگی اور دوسرے کے مال میں تصرف کرنا حرام ہے، سو اس سے احتراز واجب ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب (کیلی یا وزنی چیز) تخمینہ سے خریدی جائے، اس لیے کہ اس صورت میں زیادتی مشتری ہی کا حق ہوگا۔

۞۞۞

پیک شدہ اشیا کی خرید وفروخت میں وزن

سوال نمبر (99):

آج کل بازاروں میں اکثر موزونی اشیا پیک شدہ مہیا ہوتی ہیں، مثلاً گھی کے دس کلو، پانچ کلو یا ڈھائی کلو کا ڈبہ ملتا ہے اور اس کی ایک قیمت متعین ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ متعاقدین کے لیے ان اشیا کا تولنا ضروری ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو موزونی اشیا بازار میں مختلف اوزان کے بند ڈبوں یا سلے ہوئے تھیلوں میں بکتی ہیں، ان میں متعاقدین اس پیک کی خرید وفروخت کا قصد کرتے ہیں، وزن کی کمی بیشی کا لحاظ نہیں کرتے، اس لیے شرعاً یہ بیع مجازفۃ (اندازہ سے خرید وفروخت) کے زمرہ میں داخل ہے اور ان کا تولنا لازمی نہیں۔ ان اشیا میں مختلف مقدار محض تعارف کے طور پر ہوتا ہے۔

والدلیل علی ذلک:

ومن اشترى مكيلاً مكايلةً او موزوناً موازنةً......... ثم باعه مكايلةً أو موازنةً لم يجز للمشتري منه أن يبيعهُ ،ولا أن يأكله حتى يعيد الكيل أو الوزن ؛لأن النبي عليه السلام نهى عن بيع الطعام حتى يجري فيه صاعان: صاع البائع و صاع المشتري .... بخلاف ما إذا باعه مجازفةً ؛لأن

الزیادة له. (١)

ترجمہ: اور جس نے کوئی مکیلی چیز کیل کر کے خریدی یا موزونی چیز وزن کر کے خریدی۔۔۔۔ پھر اس کو ماپ کر کے یا وزن کر کے بیچا تو مشتری ثانی کے لیے اس کا بیچنا یا کھانا جائز نہیں، یہاں تک کہ کیل اور وزن کا اعادہ کرے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اناج کی بیع سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ اس میں دو پیمانے جاری ہو جائیں: ایک پیمانہ بائع کا اور دوسرا مشتری کا۔۔۔۔ بخلاف اس کے کہ جب اس کو اندازہ سے بیچے، کیوں کہ اس صورت میں زیادتی مشتری کے لیے ہے۔

موبائل کا موبائل سے تبادلہ

سوال نمبر(100):

ایک موبائل کا دوسرے موبائل سے تبادلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں کن باتوں کی رعایت ضروری ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

موبائل کا موبائل سے تبادلہ کرنا جائز ہے۔ چونکہ یہ مکیلی اور موزونی اشیا میں سے نہیں، اس لیے ان کا آپس میں تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، البتہ اگر ایک کمپنی اور ایک ہی ماڈل کے موبائلوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے تو جنس ایک ہونے کی وجہ سے ادھار جائز نہیں، لہٰذا دونوں طرف سے مجلس عقد ہی میں بدلین پر قبضہ ضروری ہوگا۔

اور کمپنی یا ماڈل میں تبدیلی سے جنس بھی بدل جاتی ہے، اس لیے پھر کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔

والدلیل علی ذلك:

(وإن وجد أحدهما فقط حل التفاضل) كما إذا بيع قفيز حنطة بقفيزي شعير يدا بيد حل الفضل فإن أحد جزأي العلة وهو الكيل موجود هنا دون الجزء الآخر وهو الجنسية وإن بيع خمسة أذرع من الثوب الهروي بستة أذرع منه يدا بيد حل أيضا لأن الجنسية موجودة دون القدر (لا النسأ) أي لا يحل النسأ في هاتين الصورتين ولو بالتساوي. (٢)

ترجمہ: اور اگر دونوں (جنس وقدر) میں سے صرف ایک موجود ہو تو کمی بیشی جائز ہے، جیسے: ایک قفیز گندم دو قفیز جو کے مقابلہ

(١) الهداية ، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل ومن اشترى شيأ مما ينقل ويحول: ٧٩/٣

(٢) مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، علة الربا:

میں ہاتھ در ہاتھ بیچا جائے تو یہ کمی بیشی جائز ہے، کیونکہ علت کا ایک جز'' کیلی ہونا'' یہاں موجود ہے لیکن دوسرا جز یعنی جنسیت موجود نہیں اور اگر پانچ گز ہروی کپڑے کو چھ گز ہروی کپڑے کے بدلے ہاتھ در ہاتھ بیچا جائے تو یہ بھی حلال ہے، کیونکہ اس میں صرف جنسیت موجود ہے قدر نہیں۔ لیکن (صرف ایک علت کی موجودگی کی صورت میں) اُدھار جائز نہیں، چنانچہ اِن مذکورہ دونوں صورتوں میں ادھار برابر سرابر کی صورت میں بھی جائز نہیں۔

❁❁❁

چرچ کے لیے زمین فروخت کرنا

سوال نمبر(101):

میں نے سات سال قبل عیسائیوں کے محلّہ میں ایک پلاٹ خریدا تھا، ابھی تک میں نے اس جگہ کوئی آبادی نہیں کی۔ اب عیسائی مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ پلاٹ ہم پر فروخت کرو، ہم اس جگہ چرچ بنانا چاہتے ہیں۔ کیا میرے لیے چرچ بنانے والوں پر اپنی زمین فروخت کرنا جائز ہے؟　　　　بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر عیسائی کسی مسلمان سے اس کی زمین چرچ بنانے کے لیے خرید رہے ہوں تو ایمانی غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان اس کا مطالبہ رد کرے اور اپنی زمین باطل ادیان کی عبادت خانوں کے لیے فروخت نہ کرے، تاہم اگر کسی نے زمین فروخت کردی تو بیع منعقد ہو جائے گی، اس کے لیے اُس کی رقم لینا جائز ہوگا اور اس پر کوئی وبال نہیں آئے گا۔

والدلیل علی ذلک:

ذمي اشترى أرضاً من مسلم على أن يتخذها بيعة جاز البيع ويبطل الشرط، ويكره للمسلم أن يبيعه بهذا الشرط. (١)

ترجمہ: ایک ذمی نے مسلمان سے اس کی زمین اس شرط پر خریدی کہ وہاں بیعہ (گرجا) تعمیر کرے گا تو یہ بیع جائز ہے، شرط باطل ہو جائے گی اور مسلمان کے لیے اس شرط پر بیع کرنا مکروہ ہے۔

❁❁❁

(١) فخر الدين حسن بن منصور الأوزجندي، الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في شروط المفسدة: ١٦٢/٢، مكتبه رشيديه، كوئٹه

کوئی چیز بیعِ فاسد سے خرید کر بیع صحیح سے فروخت کرنا

سوال نمبر(102):

عمرو نے بکر سے کوئی چیز خرید کر اس پر قبضہ کیا، مگر دونوں نے اس کی قیمت متعین نہیں کی۔ عمرو نے آگے وہ چیز خالد پر فروخت کی اور قیمت بھی متعین کر دی۔ کیا یہ معاملہ جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس بیع میں متعاقدین نے ثمن کی تعیین نہ کی ہو، وہ فاسد ہوتی ہے اور بیعِ فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری دونوں پر لازم ہوتا ہے، تاہم اگر مشتری بیع فاسد کے ذریعہ خریدی ہوئی چیز آگے کسی اور پر بیچ دے اور دوسرے عقد میں فساد کی کوئی وجہ نہ ہو تو وہ جائز، مگر مکروہ ہوتا ہے اور اس کو فسخ کرنا واجب نہیں ہوتا۔

مسئولہ صورت میں عمرو اور بکر کے مابین طے ہونے والے معاملہ میں چونکہ ثمن کی تعیین نہیں کی گئی ہے، اس لیے وہ بیع فاسد کے حکم میں داخل ہے، لیکن بکر اور خالد کے مابین طے ہونے والے معاملہ میں چونکہ ثمن کی تعیین ہوگئی ہے، اس لیے یہ جائز ہے، بشرطیکہ اس کے علاوہ فساد کی کوئی اور وجہ موجود نہ ہو۔

والدلیل علی ذلک:

(وفسد)وبيع (ماسكت)أي وقع السكوت (فيه عن الثمن). (١)

ترجمہ: اور جس بیع میں سکوت ہو، یعنی ثمن سے خاموشی اختیار کی گئی ہو، وہ فاسد ہے۔

المشتري شراء فاسداً إذا باعه من غيره بيعاً صحيحاً ،فإن الثاني لايؤمر بالرد ،وإن كان البائع ماموراً به؛لأن الموجب للرد قد زال ببيعه ،لأن وجوب الردبفساد البيع حكمه مقصور على ملك المشتري ،وقد زال ملكه بالبيع من غيره .... وهذا لا ينا في أن نفس الشراء مكروه لحصوله للبائع بسبب حرام، ولأن فيه إعراضاً عن الفسخ الواجب، هذا ماظهرلي. (٢)

ترجمہ: بیع فاسد کے ذریعہ خریدی گئی چیز جب بیع صحیح کے ساتھ بیچی جائے تو دوسرے مشتری کو مبیع رد کرنے کا حکم نہیں

(١) الحصكفيؒ ، علاء الدين، الدرالمختار على صدر الردالمختار ، كتاب البيوع ، باب البيع الفاسد : ٧/٢٤٧

(٢) ردالمحتار على الدرالمُختار ، كتاب البيوع ، باب البيع الفاسد : ٧/٣٠٠، ٣٠١

دیا جائے گا، اگرچہ پہلے بائع کو اس کے رد کا حکم تھا، اس لیے کہ رد کا موجب زائل ہوا، کیوں کہ بیع کے فساد کی وجہ سے رد کے وجوب کا حکم مشتری کی ملک تک محدود تھا اور اس کی ملک دوسرے پر فروخت کرنے سے زائل ہوگئی۔۔۔۔اور بائع کو حرام سبب سے حاصل ہونے کی وجہ سے یہ اس سے منافی نہیں کہ نفسِ خریدنا بہر حال مکروہ ہے اور اس لیے کہ اس میں واجب حکم فسخِ بیع سے اعراض ہے۔ مجھے یہی ظاہر معلوم ہوتا ہے۔

❁❁❁

قرض دینے والے پر کوئی چیز اُدھار مہنگے داموں بیچنا

سوال نمبر (103):

زید ایک فریج خریدنا چاہتا ہے، جس کی قیمت تیرہ ہزار 13,000 روپے ہے، لیکن اس کے پاس فی الحال صرف دس ہزار 10,000 روپے موجود ہیں۔ اب یہ عمرو سے تین ہزار 3000 روپے قرض لے کر یہ فریج خرید لیتا ہے۔ پھر زید یہ فریج عمرو ہی پر سترہ ہزار 17,000 روپے کے عوض ادھار فروخت کرتا ہے۔ کیا یہ معاملہ درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں اگر زید تیرہ ہزار 13,000 روپے کے عوض فریج خرید کر عمرو کے ہاتھ سترہ ہزار 17,000 روپے کے عوض ادھار فروخت کرتا ہے اور دونوں (بائع و مشتری) اس بیع پر راضی ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ عمرو کا زید کے ذمے قرض ہونا اس بیع کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

والدّلیل علی ذلک:

(ومن باع جاريةً بألف درهم حالة أو نسيئة فقبضها ،ثم باعها من البائع قبل نقد الثمن) بمثل الثمن أو أكثر جاز، وإن باعها من البائع بأقل لا يجوز. (۱)

ترجمہ: اور جس نے باندی ہزار درہم کے عوض نقد یا ادھار خریدی، پھر اس کو قبض کیا، پھر قیمت وصول کرنے سے پہلے بائع پر اسی قیمت یا اس سے زیادہ قیمت کے عوض فروخت کردی، تو یہ جائز ہے، اور اگر بائع پر (پہلی قیمت سے) کم قیمت پر فروخت کیا تو یہ جائز نہیں۔

---

(۱) فتح القدير، كتاب البيوع ، باب البيع الفاسد : ٦٨/٦

پکے من کے حساب سے لکڑیاں خرید کر، کچے من کے حساب سے بیچنا

سوال نمبر(104):

ایک شخص جنگل میں پکے من کے حساب سے لکڑیاں خرید کر شہر لاتا ہے اور وہاں اپنی دکان میں کچے من کے حساب سے فروخت کرتا ہے۔کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ واضح رہے کہ شہر میں لکڑیوں کی خرید وفروخت کچے من ہی کے حساب سے ہوتی ہے اور سب لوگوں کو اس کا علم ہوتا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی چیز پکے من کے حساب سے خرید کر کچے من کے حساب سے فروخت کرنا اس وقت جائز ہوتا ہے، جب گاہک کو معلوم ہو کہ دکان دار مجھے کچے من کے حساب سے دے رہا ہے، کیوں کہ اگر اس کو معلوم نہ ہو اور دکان دار بھی اس کو نہ بتائے تو یہ فریب اور دھوکہ دہی کے مترادف ہو کر ناجائز اور حرام ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر جنگل سے پکے من کے حساب سے لکڑی خرید کر دکان میں کچے من کے حساب سے فروخت کرنے والا گاہک کے سامنے وضاحت کرتا ہو یا حسبِ وضاحت عرف میں کچا من ہی استعمال کیا جاتا ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ویجوز بـاناءٍ بعینهٖ لایعرف مقداره وبوزن حجر بعینه لایعرف مقداره؛ لأن الجهالة لاتفضي إلی المنازعة. (۱)

ترجمہ:

اور ایسے معین برتن کے حساب سے بیع کرنا جائز ہے جس کی مقدار معلوم نہ ہو اور ایسے معین پتھر کے وزن کے حساب سے (بھی بیع جائز ہے) جس کی مقدار معلوم نہ ہو، اس لیے کہ (ان صورتوں میں) جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہیں۔

---

(۱) الهدایة ، کتاب البیوع ، کیفیة انعقاد البیع : ۲۲/۳

غیر مسلم سے زمین خریدنا

سوال نمبر (105):

میرے گھر کے پاس ایک سکھ کا پلاٹ ہے، میں وہ پلاٹ اس سے خرید کر اپنا گھر وسیع کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میرے لیے اس سے پلاٹ خریدنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

غیر مسلم کے ساتھ دنیاوی معاملات کرنا شریعت کی رو سے مرخص ہے، تاہم دلی دوستی اور قلبی روابط قائم کرنا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر سائل کسی سکھ سے پلاٹ خریدنے کا خواہش مند ہو تو شرعاً اُس سے خریدنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

عن عائشةؓ أنّ رسول اللهﷺ اشترى من يهوديّ طعاماًإلىٰ أجل ،ورهنه درعاًله من حديد. (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے اناج مقررہ مدت تک ادھار خریدا اور اس کے پاس اپنا لوہے کا زرہ رہن میں رکھا۔

❁❁❁

ادویات کمپنی کی مقرر کردہ قیمت سے زائد پر فروخت کرنا

سوال نمبر (106):

بندہ ایک میڈیکل سٹور کا مالک ہے۔ اس میں ہم مختلف قسم کی ادویات فروخت کرتے ہیں۔ بسا اوقات یہ مسئلہ درپیش آتا ہے کہ کمپنی ادویات کی قیمت ان پر مندرج قیمت سے کم کر دیتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہم اس کم قیمت کی بجائے اسی زائد مندرج قیمت پر ادویات فروخت کریں تو شرعاً اس کا حکم کیا ہے؟ بیّنوا توجروا

(۱) الصحيح لمسلمؒ ، باب الرهن وجوازه في الحضر والسفر: ۳۱/۲

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں کمپنی کی طرف سے کسی دوائی کی قیمت میں مندرجہ قیمت سے کمی کے باوجود میڈیکل سٹور والوں کا ادویات مندرج قیمت کے مطابق فروخت کرنا شرعاً جائز ہے، تاہم ایسی صورت میں غریب لوگوں کی مجبوری سے غلط فائدہ اُٹھانا خلافِ مروت ضرور ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ادویات کی فروخت کمپنی کی طرف سے مقرر کردہ مناسب قیمت کے مطابق ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

البیع : مبادلة المال بالمال بالتراضي. (١)

ترجمہ: بیع رضامندی کے ساتھ مال کا مال کے ساتھ تبادلے کا نام ہے۔

المرابحة نقل ماملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة ربح ، والتولية نقل ما ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول من غير زيادة ربح ،والبيعان جائزان.(٢)

ترجمہ:

مرابحہ یہ ہے کہ عقدِ اول سے ملکیت میں آنے والی چیز کو ثمنِ اول سے کچھ زائد منافع کے ساتھ فروخت کی جائے۔۔۔۔جب کہ عقدِ تولیہ میں عقدِ اول سے ملکیت میں آنے والی چیز ثمنِ اول ہی کے عوض بغیر منافع کے فروخت کی جاتی ہے۔

❁❁❁

گھر فروخت کرنے کی صورت میں اس میں موجود اشیا

سوال نمبر(107):

اگر کوئی شخص اپنا گھر فروخت کرے تو گھر میں موجود پنکھے، ٹیوب لائٹس، واٹر پمپ وغیرہ اس بیع میں شامل ہوں گے یا نہیں؟ یعنی وہ مشتری کے ہوں گے یا بائع ہی ان چیزوں کا حق دار ہوگا۔

بیّنوا توجروا

---

(١) الكفاية على هامش فتح القدر، كتاب البيوع :٥/٤٥٤

(٢) الهداية ، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية : ٣/٧٤

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب کوئی شخص اپنا گھر فروخت کردے تو جو چیزیں اس کی عمارت کا حصہ ہوں یا اس کے ساتھ دائمی طور پر متصل ہوں، وہ بھی بیع میں داخل ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جو چیزیں گھر کی بنا میں داخل نہ ہوں اور نہ ہی دائمی طور پر متصل ہوں، ان کے بارے میں بائع کی تصریح یا عرف کو اعتبار ہوتا ہے، چنانچہ جن چیزوں کے بارے میں بائع بیع میں داخل ہونے کی تصریح کرے یا عرف میں وہ گھر کی بیع میں داخل سمجھی جاتی ہوں، وہ بیع میں شامل ہوں گی اور جن چیزوں کے بارے میں نہ بائع کی تصریح ہو اور نہ عرف ورواج ہو، وہ بیع میں شامل نہیں ہوں گی۔

مسئولہ صورت میں گھر کے پنکھوں، ٹیوب لائٹس یا واٹر پمپ وغیرہ کا بیع میں داخل ہونا یا نہ ہونا بھی مندرجہ بالا اصول پر مبنی ہے کہ یہ گھر کی بنا میں تو داخل نہیں، البتہ اگر علاقہ کے عرف یا بائع کی تصریح نے ان کو بیع میں داخل کردیا ہو تو یہ چیزیں داخل سمجھی جائیں گی، ورنہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(ومن باع داراً دخل بناؤها في البيع وإن لم يسمه)قال صاحب الكفاية:ومالا يكون متصلاً بالبناء لا يدخل في بيع الداربلاذكر إلاإذا كان شيئاً جرى العرف بين الناس أن البائع يسامح به ،فحينئذٍ يدخل بلا ذكر. (۱)

ترجمہ: اور جس نے گھر فروخت کیا تو اس کی عمارت بھی بیع میں داخل ہوتی ہے، اگرچہ اس کو (الگ سے) نام لے کر متعین نہ کیا ہو۔صاحب کفایہ فرماتے ہیں: ''اور جو چیز عمارت کے ساتھ متصل نہ ہو وہ بغیر ذکر کے گھر کی بیع میں داخل نہیں ہوتی، الّا یہ کہ وہ ایسی چیز ہو جس کے بارے میں لوگوں میں ایسا عرف جاری ہو کہ بائع اس پر تسامح کرتا ہو، تب ذکر کیے بغیر بھی یہ (چیز بیع میں) داخل سمجھی جائے گی''۔

❁❁❁

موروثی جائیداد فروخت کرنا

سوال نمبر(108):

مجھے میرے والد صاحب کی میراث میں کچھ جائیداد ملی ہے جو میں اپنی کسی ضرورت کی بنا پر فروخت کرنا چاہتا

(۱) الكفاية علىٰ هامش فتح القدير، كتاب البيوع ، فصل ومن باع داراً: ٥/٤٨٣-٤٨٥

ہوں، مگر مجھے میرے بھائی کہتے ہیں کہ موروثی چیز کو فروخت کرنا صحیح نہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلے کا شرعی حل واضح فرمائیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت نے ہر شخص کو اپنی مملوکہ چیز میں جائز تصرفات جیسے: ہبہ، وقف، بیع، اجارہ وغیرہ کا حق دیا ہے، لہٰذا جو چیز کسی کو میراث میں مل جائے تو ملک ثابت ہونے کے بعد وہ اس میں ہر طرح کا جائز تصرف کرسکتا ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر سائل اپنی موروثی زمین کسی ضرورت کی بنا پر فروخت کرنا چاہے تو فروخت کرسکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں پائی جاتی۔

والدّلیل علی ذلك:

لا يمنع شخص من التصرف في ملكه. (۱)

ترجمہ: کسی شخص کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔

❁❁❁

کوئی چیز نقد رقم کے عوض خرید کر قسطوں میں زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال نمبر (109):

ایک شخص بازار سے نقد رقم کے عوض کوئی چیز خرید کر قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور فروخت کرنے میں اصل قیمت سے زیادہ بھاؤ مقرر کرتا ہے۔ کیا ازرُوئے شرع یہ معاملہ درست ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب نقد رقم سے کوئی چیز خریدی جائے تو قبضہ کرنے کے بعد اُسے آگے قسطوں کی صورت میں قیمتِ خرید سے زیادہ رقم پر فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ قسطوں کی ادائیگی کی مدت معلوم ہو اور خرید و فروخت کے دوسرے احکام کی بھی رعایت رکھی جائے۔

(۱) سليم رستم باز، شرح المجلة، المادة: ۱۱۹۷، الكتاب العاشر في أنواع الشركات: ص ۶۵۷

والدّلیل علیٰ ذلك:

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح. (۱)

ترجمہ: رقم کو مؤقت کرنے اور قسطوں میں ادا کرنے (کی شرط) کے ساتھ بیع صحیح ہے۔

يلزم أن تكون المدة معلومةً في البيع بالتأجيل، والتقسيط أي أنه يلزم أن يكون الأجل معلوم الوقت عند كلا العاقدين؛ لأن جهالته تفضي إلى النزاع. (۲)

ترجمہ: قسط وار بیع میں مدت کا معلوم ہونا لازمی ہے، یعنی دونوں عاقدین (معاملہ طے کرنے والوں) کے لیے اجل (مدت معین) کا معلوم ہونا لازمی ہے، اس لیے کہ مدت کی جہالت باہمی جھگڑے کا باعث بنتی ہے۔

❁❁❁

ہاؤسنگ اسکیم میں پلاٹوں کی خرید وفروخت کی مختلف صورتیں

سوال نمبر(110):

آج کل بعض سرکاری یا نجی ادارے ہاؤسنگ اسکیم بناتے ہیں۔ابتدا میں ان کے پاس زمین تو موجود ہوتی ہے، لیکن اس میں پلاٹوں کی تعیین نہیں ہوتی۔ادارہ کی طرف سے خریداروں کو غیر متعین پلاٹوں کی الاٹمنٹ ہوتی ہے، پھر رفتہ رفتہ جب اسکیم کا پورا نقشہ تیار ہو جاتا ہے تو لوگوں کو پلاٹ حوالہ کر دیے جاتے ہیں۔ پلاٹ کی حوالگی سے قبل بھی ان کو فروخت کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ایسی صورت میں:

۱......جس کو پلاٹ الاٹ ہوا ہو، مگر تعیین نہ ہوئی ہو وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟

۲......پلاٹ الاٹمنٹ کے بعد نقشہ میں تعیین بھی ہو چکی ہو لیکن، قبضہ نہ ملا ہو تو فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام نے صحت بیع کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ مبیع متعین اور بائع کے قبضہ میں موجود ہو۔چنانچہ اگر کوئی چیز معدوم، غیر متعین یا بائع کے قبضہ میں نہ ہو تو اسے فروخت کرنا جائز نہیں، تاہم قبضہ کی شرط میں زمین اور جائیداد کا

---

(۱) سليم رستم بازاللبناني، شرح المجلة، المادة: ۲٤٥، كتاب البيوع، الباب الثاني في بيان المسائل المتعلقة بالمبيع: ص۱۲٤-(۲) أيضاً: ص۱۲۵

معاملہ دیگر چیزوں سے مختلف ہے، اس میں بیع قبل القبض بھی جائز ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ہاؤسنگ اسکیم کے تحت بننے والی کالونیوں کی خرید وفروخت کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱)......کالونی کے لیے زمین متعین ہو، اس زمین میں پلاٹوں کا نقشہ بھی بنادیا گیا ہو اور ہر خریدار کو پلاٹ نمبر کے حساب سے الاٹمنٹ ہوئی ہو، مگر ابھی تک قبضہ نہ دیا گیا ہو، ایسی صورت میں خریدار کو پلاٹ فروخت کرنے کی اجازت ہے، لہٰذا وہ قبضہ سے پہلے پلاٹ فروخت کرسکتا ہے۔

والدلیل علی ذلک:

للمشتري أن يبيع المبيع لآخر قبل قبضه إن كان عقاراً. (۱)

ترجمہ: اگر مبیع زمین اور جائیداد ہو تو مشتری اسے قبض کرنے سے پہلے بھی بیچ سکتا ہے۔

(۲)......دوسری صورت یہ ہے کہ کالونی کے لیے زمین متعین ہوچکی ہو، لیکن اس میں پلاٹوں کا نقشہ ابھی تک تیار نہ ہوا ہو البتہ ہر خریدار کا حصہ کنال یا مرلہ کے حساب سے معلوم ہو، ایسی صورت میں بھی تقسیم اور قبضہ سے قبل اپنے حصہ کو فروخت کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

بيع حصةٍ شائعةٍ معلومةٍ كالنصف والثلث والعشر من عقارٍ مملوكٍ قبل الإفراز صحيحٌ. (۲)

ترجمہ: مملوک جائیداد میں سے معلوم غیر منقسم حصے، جیسے: آدھے، تہائی یا نصف حصے کی بیع صحیح ہے۔

(۳)......تیسری صورت یہ ہے کہ کالونی صرف کاغذات تک محدود ہو اور اس کے لیے سرے سے کسی زمین کی تعیین بھی نہ ہوئی ہو، اس صورت میں مبیع (زمین) معدوم ہونے کی وجہ سے خود کالونی کے انتظامیہ کے لیے پلاٹ فروخت کرنا جائز نہیں، چہ جائے کہ کوئی ان سے پلاٹ خرید کر آگے فروخت کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالاً متقوّماً. (۳)

ترجمہ: اور معقود علیہ (مبیع) کے لیے یہ شرط ہے کہ یہ موجود ہو اور مال متقوم ہو۔

---

(۱) شرح المجلّة خالد، البیوع، الباب الرابع، الفصل الاول: ۱۷۳/۲

(۲) شرح المجلة، خالد الأتاسي، ایضاً المادة: ۲۱۴، البیوع، الباب الثانی فی بیان المسائل المتعلقة بالمبیع: ۱۰۷/۲

(۳) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، الباب الاوّل، مطلب شرائط البیع: ۱۵/۷

مالِ مضاربت فروخت کر کے مشتری سے دوبارہ خریدنا

سوال نمبر(111):

ایک مضارب (زید) مالِ مضاربت بکر پر فروخت کرتا ہے۔رقم کی وصولی کے بعد زید یہی مال بکر سے مرابحتاً (قیمتِ خرید سے زیادہ قیمت کے ساتھ) اپنے لیے خریدتا ہے۔اس صورت کا شرعی حکم واضح کیجیے۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

- جب ایک شخص کوئی چیز دوسرے کے ہاتھوں نقد یا ادھار فروخت کردے تو رقم وصول کرنے سے پہلے وہی چیز اسی مشتری سے گزشتہ قیمت (قیمتِ فروخت) سے کم پر خریدنا جائز نہیں، البتہ اگر رقم وصول ہونے کے بعد خریدلے یا رقم وصول ہونے سے قبل قیمتِ فروخت سے زیادہ قیمت میں خریدلے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ کم قیمت کی صورت میں بائع کی ضرورت سے غلط فائدہ اُٹھانے کے ساتھ ساتھ اس میں سود کا شبہ بھی پایا جاتا ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر زید مالِ مضاربت بکر پر فروخت کر کے رقم وصول کرلے اور پھر وہی چیز اس سے مرابحتاً (قیمتِ خرید سے زیادہ قیمت پر) خریدلے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(ومن باع جاریةً بألف درهم حالة أو نسيئة فقبضها ،ثم باعها من البائع قبل نقد الثمن) بمثل الثمن أو أكثر جاز، وإن باعها من البائع بأقل لا يجوز. (١)

ترجمہ:

اور جس نے باندی ہزار درہم کے عوض نقد یا ادھار خریدی، پھر اس کو قبض کیا، پھر قیمت وصول کرنے سے پہلے پہلے بائع پر اسی قیمت یا اس سے زیادہ قیمت کے عوض فروخت کردی، تو یہ جائز ہے، اور اگر بائع پر (پہلی قیمت سے) کم قیمت پر فروخت کی تو یہ جائز نہیں۔

(١) فتح القدير، كتاب البيوع ، باب البيع الفاسد : ٦٨/٦

بیع کا نفاذ ثمن کی ادائیگی کے ساتھ مشروط کرنا

سوال نمبر (112):

زید نے ایک کنال زمین 12,50,000 روپے کے عوض عمرو پر اس شرط کے ساتھ فروخت کی کہ وہ فلاں تاریخ تک اس کی پوری قیمت ادا کرے گا، اگر وہ مقررہ تاریخ تک پوری قیمت ادا نہ کر سکا تو بیع فسخ ہو جائے گی۔ عمرو بھی یہ شرط ماننے کے لیے تیار ہوا۔ چنانچہ ان کے مابین مشروط بیع طے ہوگئی اور تحریری دستاویز پر دونوں نے دستخط بھی ثبت کیے۔ اب ایک ہفتہ قبل وہ مقررہ تاریخ آپہنچی، مگر عمرو کسی وجہ سے رقم ادا نہ کر سکا، اس لیے زید کہتا ہے کہ یہ بیع فسخ ہوگئی ہے اور میں دوبارہ اس قیمت پر بیچنے کے لیے تیار نہیں۔

اس معاملہ میں شریعت مطہرہ کا حکم وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیجیے کہ کیا ان کا یہ شرط لگانا صحیح ہے یا نہیں؟ اور شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں یہ بیع فسخ ہوگئی یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی اصطلاح میں نفاذِ بیع کو ادائے ثمن کے ساتھ مشروط کرنا ''خیارِ نقد'' کہلاتا ہے جو مشروع اور جائز ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بائع (زید) کا زمین فروخت کر کے بیع کے نفاذ کو مقررہ وقت تک ثمن کی ادائیگی کے ساتھ مشروط کرنا جائز اور صحیح ہے۔ چنانچہ اگر واقعی عمرو نے مقررہ تاریخ تک قیمت ادا نہ کی ہو تو بیع فسخ شمار ہوگی اور زید کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو دوبارہ زمین کی بیع کرلے یا اس کو اپنی ملکیت میں رہنے دے۔

والدّلیل علی ذلك:

إذا تبايعا على أن يؤدي المشتري الثمن في وقت كذا ،وإن لم يؤده ،فلا بيع بينهما، صح البيع، ويقال لهٰذا خيار النقد .... إذا لم يؤدِ المشتري الثمن في المدة المعينة كان البيع الذي فيه خيار النقد فاسداً. (١)

ترجمہ: جب (بائع اور مشتری) دونوں اس شرط پر بیع کرلیں کہ مشتری فلاں وقت تک ثمن ادا کرے گا اور اگر ادا نہ کیا

(١) سلیم رستم باز اللبناني ، شرح المجلة ،المادة :٣١٣، ٣١٤، كتاب البيوع، الباب السادس في الخيارات :ص١٦٦

توان کے مابین بیع (نافذ) نہ ہوگی تو (اس شرط کے ساتھ) بیع صحیح ہے اور اس کو "خیار النقد" کہتے ہیں۔۔۔۔جب مشتری معین مدت تک ثمن ادا نہ کرے تو خیارِ نقد کے ساتھ منعقد ہونے والی بیع فاسد ہوگی۔

❁❁❁

سمگلنگ کا ضبط شدہ مال خریدنا

سوال نمبر (113):

سمگلنگ کا جو مال پولیس ضبط کر کے متعلقہ محکمہ کے حوالے کردے اور وہ اس پر نیلام لگائے تو ان سے وہ مال خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سمگلنگ چونکہ ملکی معیشت کے لیے نقصان دہ ہے، اس لیے اس کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہے، چنانچہ سمگلنگ نہ کرنا ہر مسلمان کی شرعی اور قانونی ذمہ داری ہے۔اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص سمگلنگ کرے تو حکومت اس سے سمگل شدہ مال ضبط کرنے کا اختیار رکھتی ہے، پھر اگر حکومت چاہے تو کچھ مدت تک وہ مال اپنے قبضہ میں رکھ کر مالک کو واپس کردے اور اس سے آئندہ سمگلنگ نہ کرنے کا حلف لے لے یا اس کے باز نہ آنے کی صورت میں خود اس کو نیلام کردے۔

نیلام ہونے کی صورت میں عام لوگوں کو اس کا خریدنا جائز ہے، البتہ حکومتی کارندے اس کو اپنے لیے استعمال کرنے یا فروخت کرنے کے مجاز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وعن أبي يوسفؒ :يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال.......... وفي المجتبى لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها ،فيمسكها ،فإن أيس من توبته بصرفها إلى مايرى. (۱)

ترجمہ: اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ بادشاہ کو مال لینے کے ساتھ تعزیر دینا جائز ہے۔۔۔۔اور مجتبیٰ میں ہے کہ مال لینے کی کیفیت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ بادشاہ اس کو لے کر روک لے، پھر اگر اس کے توبہ کرنے سے مایوس ہوجائے تو اپنی رائے کے مطابق اس میں تصرف کرے۔

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحدود ، باب التعزير: ۱۰۵/۶،۱۰۶

بوفہ سسٹم کا شرعی حکم

سوال نمبر (114):

آج کل اکثر ہوٹلوں میں بوفہ سسٹم کا رواج چلا ہے، یعنی فی کس کے حساب سے ایک وقت کے کھانے کی قیمت مقرر ہوتی ہے۔ ہوٹل میں ہر قسم کے کھانوں کے برتن پڑے ہوتے ہیں، جو جس قسم کا کھانا جتنی مقدار میں کھانا چاہے، کھالے، سب سے ایک ہی مقدار میں قیمت وصول کی جاتی ہے۔

اس میں مبیع کے مجہول ہونے کی وجہ سے فساد کا شبہ ہوتا ہے۔ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ مبیع کی جہالت بیع کو فاسد کر دیتی ہے، لیکن چونکہ اس کی اصل علت اسباب نزاع کو رفع کرنا ہے، اس لیے فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ جو جہالت باہمی جھگڑے کا باعث نہ ہو اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔

بوفہ سسٹم میں بھی مبیع کی جہالت اسی نوعیت کی ہوتی ہے کہ عرف میں یہ جہالت جھگڑے اور نزاع کا ذریعہ نہیں بنتی، اس لیے یہ بیع درست اور صحیح ہے، اس میں کسی فساد کا شبہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ومنها: أن يكون المبيع معلوماً، وثمنهٔ معلوماً علماًيمنع من المنازعة، فإن كان أحدهما مجهولاً جهالةً مفضيةً إلى المنازعة فسدالبيع، وإن كان مجهولاً جهالةً لاتفضي إلى المنازعة لايفسد. (۱)

ترجمہ:

اوران (شرائط صحت) میں سے مبیع اور ثمن کا اس طرح معلوم ہونا بھی ہے جو نزاع کو منع کرے، سو اگر ان میں سے کوئی ایک اس طرح مجہول ہو کہ وہ جہالت نزاع کے لیے مفضی بنے تو بیع فاسد ہوگی اور اگر جہالت ایسی ہو کہ نزاع کی طرف مفضی نہ بنے تو پھر بیع فاسد نہیں ہوگی۔

❁❁❁❁❁

(۱) الكاسانيؒ، علاء الدين أبوبكربن مسعود، بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل فى شرائط الصحة: ٥٩٢/٦

باب دوم بیعِ فاسد

قسط وار بیع میں رقم کی مکمل ادائیگی تک بائع کو مبیع کے نقصان میں حصہ دار بنانا

سوال نمبر (115):

ایک شخص کے پاس بارہ لاکھ 12,00,000 روپے کی گاڑی تھی، جو میں نے اس سے قسط وار پندرہ لاکھ 15,00,000 میں خریدی۔ ہم نے آپس میں طے کیا کہ خریدار چار لاکھ روپے نقد ادا کرے گا، پھر ہر ماہ تیس ہزار روپے قسط دیا کرے گا، البتہ اگر گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جائے یا انجن خراب ہو تو نقصان میں بائع بھی برابر کا شریک ہوگا، اور جب تک گاڑی ٹھیک نہ ہو، اس وقت تک مشتری قسط بھی روکے گا۔ کیا ہمارا یہ معاملہ شرعاً درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسئولہ معاملہ میں خرید و فروخت کو ایسی شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں مشتری کو نفع ہے، اس لیے یہ بیع فاسد کے حکم میں داخل ہے۔ بائع اور مشتری دونوں کو چاہیے کہ اس عقد کو فسخ کر کے چاہیں تو نیا عقد طے کریں اور اس میں یہ شرط نہ لگائیں کہ خریداری کے بعد بھی گاڑی کے نقصان اور خرابی میں بائع شریک ہوگا۔ ان نقصانات سے بائع بری الذمہ ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن كان الشرط شرطاً لم يعرف ورودالشرع بجوازه في صورة ،وهوليس بمتعارف، إن كان لأحد المتعاقدين فيه منفعة ،أو كان للمعقود عليه منفعة ،و المعقود عليه من أهل أن يستحق حقاً على الغير ،فالعقد فاسدٌ. (١)

ترجمہ:

اور اگر شرط ایسی ہو کہ شریعت میں اس کا جواز کسی صورت میں بھی ثابت نہ ہو اور وہ متعارف بھی نہ ہو تو اگر اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کو منفعت ہو یا معقود علیہ کا فائدہ ہو اور وہ معقود علیہ اہلِ استحقاق میں سے ہو تو عقد فاسد ہوگا۔

---

(١) الفتاوى الهندية : كتاب البيوع ، الباب العاشر ، مطلب في الشروط المفسدة :٣/١٣٤

کمپنی کی پیداوار کسی اور پر نہ بیچنے کا معاہدہ کرنا

سوال نمبر(116):

ہمارا ایک کمپنی سے معاہدہ ہوا ہے کہ وہ اپنی پراڈکٹس (Products) صرف ہمارے ہاتھ فروخت کرے گی، ہمارے علاوہ وہ کسی اور پر اپنی پراڈکٹس نہیں بیچے گی۔ اگر کمپنی اس معاہدے کی خلاف ورزی کر کے کسی اور پر بھی اپنا مال فروخت کردے گی تو وہ ہمیں پانچ فیصد ڈسکاونٹ دے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ

(۱)......اس شرط کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

(۲)......ہمارے لیے خلاف ورزی کی صورت میں ڈسکاونٹ والی رقم لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

(۱)......بیع میں ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں بائع، مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو، عقد کو فاسد کر دیتی ہے، البتہ عقد طے ہونے کے بعد بائع اور مشتری کے مابین طے ہونے والا معاہدہ صحتِ عقد پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر عاقدین نے معاملہ طے کرتے وقت یہ شرط لگائی ہو کہ بائع (کمپنی) اپنی پراڈکٹس مشتری کے علاوہ کسی اور پر فروخت نہیں کرے گی تو یہ شرط چونکہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں مشتری کو فائدہ ہے، اس لیے اس کی وجہ سے یہ عقدِ فاسد متصور ہوگا۔

اور اگر عاقدین نے بوقتِ عقد یہ شرط نہ لگائی ہو، بلکہ عقد طے ہونے کے بعد عرف کے مطابق یہ معاہدہ کرلیا ہو، تب معاملہ صحیح اور جائز ہوگا۔

(۲)......جہاں تک معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں ڈسکاونٹ کا تعلق ہے تو اگر ڈسکاونٹ کی یہ رقم گزشتہ خریدے گئے مال کی ادا کردہ یا واجب الادا رقم میں سے کاٹی جاتی ہو تو درست نہیں، اس لیے کہ یہ ایک قسم کا مالی جرمانہ ہے جو کہ جائز نہیں اور اگر آئندہ خریداری کے دوران کمپنی گاہک کے ساتھ خصوصی ڈسکاونٹ کرتی ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

منها شرط لا يقتضيه العقد ،وفيه منفعةٌ للبائع،أو للمشتري ،أو للمبيع إن كان من بني آدم

کالرقیق ،ولیس بملائم للعقد، ولا مما جری به التعامل بین الناس.(۱)

ترجمہ: اس میں سے وہ شرط بھی ہے جس کا عقد تقاضہ نہ کرے اور اس میں بائع ،مشتری یا مبیع (اگر یہ بنی آدم ہو، جیسے غلام) کا فائدہ ہو اور (یہ شرط) عقد کے مناسب بھی نہ ہو اور نہ ایسی شرط ہو جس پر لوگوں کا تعامل جاری ہو۔

❁❁❁

پندرہ دن بعد بچہ جننے کی شرط پر گائے خریدنا

سوال نمبر(117):

ایک شخص نے بائع کی اس یقین دہانی پر گائے خریدی کہ یہ پندرہ دن بعد بچہ جنے گی، مگر اس نے دو ماہ تک بھی بچہ نہیں جنا۔اب وہ اس بیع کو فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس دوران گائے پر جو خرچہ ہوا ہے، وہ بائع سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو شرائط مقتضائے عقد کے خلاف ہوں اور ان میں متعاقدین (بائع اور مشتری) یا معقود علیہ (مبیع) کو فائدہ ہو وہ بیع کو فاسد کردیتے ہیں، لہٰذا صورتِ مسؤلہ میں گائے کو پندرہ دن کے اندر بچہ جننے کی شرط کے ساتھ خریدنا بیع فاسد ہے، جس کو فسخ کرنا واجب ہے ،البتہ چونکہ بیع فاسد کے بعد قبض کرنے کی وجہ سے مشتری کی ملکیت ثابت ہوچکی ہے، اس لیے اس نے گائے پر جو خرچہ کیا ہے، اس کا مطالبہ بائع سے نہیں کرسکتا۔

والدّلیل علی ذلك:

وكل شرط لايقتضيه العقد ،وفيه منفعة لأحد المتعاقدين،أو للمعقود عليه......يفسده. (۲)

ترجمہ: اور ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضہ نہ کرے اور اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کو یا معقود علیہ کو فائدہ ہو، جب کہ معقود علیہ اہلِ استحقاق میں سے ہو تو وہ بیع کو فاسد کردیتی ہے۔

وكذلك لو اشتراها على أنها تضع بعد شهر فالعقد فاسد .(۳)

ترجمہ: اگر اس شرط پر کوئی جانور خریدا کہ یہ ایک مہینے کے بعد بچہ جنے گا تو یہ عقد فاسد ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب البيوع ، فصل في شرائط الصحة في البيوع :۱۲/۷

(۲) الهداية ، كتاب البيوع ، باب البيع الفاسد :۶۱/۳ (۳) الفتاوى الهندية ، كتاب البيوع:۱۳۷/۳

بیع میں اُدھار رقم کے لیے مجہول مدت مقرر کرنا

سوال نمبر (118):

ہمارے ہاں اکثر کسان بازار سے سودا سلف خرید کر دکان دار سے کہتے ہیں کہ اس کی قیمت فصل کی کٹائی کے بعد ادا کریں گے۔ دکان دار بھی اسی کے تحت ان کو اُدھار دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب خرید وفروخت کے معاملہ میں ثمن کا اُدھار ہونا متعین ہو جائے تو اس کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص مدت متعین کرنا لازمی ہوتا ہے، چنانچہ اگر کوئی سرے سے مدت متعین ہی نہ کرے یا مجہول مدت متعین کرے تو بیع فاسد ہوگی، لیکن یاد رہے کہ جو بیع مطلق ہو اور اس میں مدت کا کوئی ذکر نہ ہو تو اس میں ثمن کی ادائیگی فی الفور واجب ہوتی ہے، البتہ اگر بائع فوراً مطالبہ نہ کرے تو تاخیر جائز ہے اور تعیین مدت ضروری نہیں۔

صورتِ مسؤلہ میں کسان حضرات کا سودا سلف اُدھار خرید کر رقم کی ادائیگی کے لیے فصل کی کٹائی کو بطورِ مدت متعین کرنا درست نہیں۔ ان کو چاہیے کہ بیع کو فساد سے بچانے کے لیے کوئی مخصوص تاریخ متعین کر دیا کریں، البتہ اگر ایک عرف میں یہ طریقہ رائج ہو اور جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہوتی ہو تو اس طرح بیع کرنا صحیح ہے، چونکہ یہ بیع مؤجل نہیں، اس لیے دُکان دار کسی بھی وقت گاہک سے اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

والدلیل علی ذلک:

ولا یجوز البیع إلی قدوم الحاج. وکذلك إلی الحصاد، والدیاس، والقطاف والجزاز؛لأنها تتقدم وتتأخر. (۱)

ترجمہ:

اور حجاج کے آنے (کو بطورِ مدت متعین کر کے اُس) تک بیع جائز نہیں اور اسی طرح فصل کاٹنے تک اور اُگانے کے وقت تک، بچھوں کے چنے جانے کے وقت تک اور فصل کی کٹائی کے وقت تک (مدت متعین کرنا بھی درست نہیں) کیوں کہ یہ مدتیں مقدم اور مؤخر ہوتی رہتی ہیں۔

---

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶۳/۳، ۶۴

(وصح بثمن حال)وهو الأصل(ومؤجل إلى معلوم)لئلا يفضي إلى النزاع.وقال ابن عابدين:قوله:(وهو الأصل)لأن الحلول مقتضى العقد وموجبه ،والأجل لايثبت إلا بالشرط.(١)

ترجمہ: اور یہ بیع نقد ثمن سے جائز ہے،جو کہ اصل ہے اور معلوم مدت تک مؤخر کرنے سے بھی صحیح ہے،تا کہ نزاع کی طرف مفضی نہ ہو۔علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ نقد ثمن عقد کا تقاضا ہے اور تاخیر صرف شرط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

❁❁❁

دریا یا نہر میں موجود مچھلیاں فروخت کرنا

سوال نمبر(119):

بعض خوانین اپنے علاقے میں موجود دریا یا نہر کی مچھلیاں مخصوص مدت تک کسی کو ٹھیکہ پر دے کر اس کے عوض رقم وصول کرتے ہیں۔کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دریا یا نہر میں موجود مچھلیاں شکار کرنے سے قبل چونکہ کسی کی ملک نہیں ہوتیں اور ہر شخص کے لیے اس کا شکار کرنا جائز اور مباح ہوتا ہے،اس لیے کسی شخص کا اپنے علاقے میں موجود دریا یا نہر کی مچھلیاں مخصوص مدت تک کسی کو ٹھیکہ پر دینا جائز نہیں،البتہ اگر کوئی شخص دریا کے کنارے اپنی زمین میں تالاب بنا دے،جس میں پانی اپنے ساتھ مچھلیاں بہا کر لاتا ہو اور پھر تالاب کا راستہ بند کر دیا جاتا ہو تو ایسی صورت میں تالاب میں جو مچھلیاں موجود ہوں،وہ اس شخص کی ملک متصور ہوں گی،لہٰذا پھر اگر اس تالاب سے شکار کے بغیر مچھلیاں پکڑنا ممکن ہو تو تالاب کی مچھلیوں کو فروخت کرنا جائز ہے اور اگر شکار کے بغیر ان کا پکڑنا ممکن نہ ہو تو مقدور التسلیم (حوالگی پر قدرت) نہ ہونے کی وجہ سے ان کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ ایسی صورت میں مچھلیوں کو خود پکڑ کر فروخت کرنے کی اجازت ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

(ولا يجوز بيع السمك في الماء) بيع السمك في البحر أو النهر لا يجوز، فإن كانت له حظيرة فدخلها السمك ،فإما أن يكون أعدها لذلك أو لا، فإن كان أعدها لذلك فما دخلها ملكه، وليس لأحد أن

(١)ردّ المحتار علی الدر المختار، کتاب البیوع:۷/۵۲

يأخذه ،ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة اصطياد جاز بيعه ؛لأنه مملوك مقدور التسليم مثل السمكة في حب، وإن لم يكن يؤخذ إلا بحيلة لا يجوز بيعه لعدم القدرة على التسليم عقيب البيع. (۱)

ترجمہ: اور پانی میں موجود مچھلی کی بیع جائز نہیں، یعنی سمندر اور دریا میں موجود مچھلی کی بیع جائز نہیں، البتہ اگر تالاب ہو اور اس میں مچھلی داخل ہو جائے تو پھر یا تو یہ تالاب کسی نے اسی مقصد کے لیے تیار کیا ہوگا یا نہیں، اگر اسی مقصد کے لیے تیار کیا ہو تو پھر اس میں جو مچھلی داخل ہو، وہ (تالاب تیار کرنے والا) اُس کا مالک بن جاتا ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس (تالاب میں موجود مچھلی) کو پکڑلے۔ پھر اگر وہ مچھلیاں شکار کیے بغیر پکڑی جاسکتی ہوں تو ان کی بیع جائز ہے، اس لیے کہ وہ مملوک، مقدور التسلیم ہیں، جیسے گھڑے میں موجود مچھلیاں ہیں اور اگر شکار کے بغیر پکڑنا ممکن نہ ہو تو پھر بیع کے بعد سپردگی پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز نہیں۔

❁❁❁

بیع میں مبیع کی مقدار اور اس کی قیمت کا تعین

سوال نمبر (120):

ہمارے گاؤں میں ایک مدرسہ ہے جس کے لیے اہلِ علاقہ نے کچھ زرعی زمین وقف کی ہے۔ مدرسے کے مہتمم صاحب اس زمین میں گندم وغیرہ فصل کاشت کرواتے ہیں۔ اس سال حاصل ہونی والی گندم کی پیداوار کو مہتمم صاحب نے ایک معتمد شخص پر اس طرح فروخت کی کہ وہ گندم گھر لے جاکر اسے تولے اور منڈی میں گندم کی قیمت معلوم کر کے اس کے مطابق رقم ادا کردے۔ کیا ان کا یہ معاملہ درست ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بیع میں مبیع کی مقدار اور اس کی قیمت کی تعیین ضروری ہوتی ہے۔

مذکورہ صورت میں مقدارِ مبیع (گندم) اور اس کی قیمت مجہول ہے جس کی وجہ سے بیع فاسد کے حکم میں داخل ہے۔ بیعِ فاسد میں مشتری قبضہ کرنے سے مبیع کا مالک بن جاتا ہے، لیکن اس کو فسخ کرنا واجب ہوتا ہے، لہٰذا طرفین پر لازم ہے کہ اگر مبیع بعینہ موجود ہو تو بیع کو قولاً یا فعلاً فسخ کر کے نئے سرے سے عقد کریں۔ یا اگر مبیع بعینہ موجود نہ ہو، یعنی

(۱) فتح القدير ، كتاب البيوع ، باب البيع الفاسد :٦/٤٩

اس کو پیس کر آٹا بنادیا گیا ہو تو پھر چونکہ بیع فسخ کرنا ممکن نہیں، اس لیے وہی منڈی والی قیمت ادا کردی جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلو جهل الثمن فسد البيع. (١)

ترجمہ: ثمن کا معلوم ہونا لازمی ہے، لہٰذا اگر ثمن مجہول ہو تو بیع فاسد ہوگی۔

قالوا:متى فعل المشتري بالمبيع فعلاً ينقطع به حق المالك في الغصب ينقطع به حق البائع في الاسترداد كماإذاكان حنطة فطحنها.(٢)

ترجمہ: فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ جب مشتری (خریدار) مبیع میں کوئی ایسا تصرف کرے جس کی وجہ سے غصب کے معاملہ میں مالک کا حق منقطع ہوتا ہو تو ایسے کام کی وجہ سے (بیع فاسد کے معاملہ میں) بائع کا حق بھی منقطع ہو جاتا ہے، جیسا کہ اگر گندم ہو اور اس کو پیس دیا جائے۔

❁❁❁

نیارا کی خرید وفروخت

سوال نمبر(121):

ہماری تیزاب کی دکان ہے جس میں ہم ساروں کے لیے سونے کو تیزاب دیتے ہیں اور ان سے اجرت وصول کرتے ہیں۔ اس میں ہمارے پاس سونے چاندی کی جو میل اور مٹی جمع ہوتی ہے، اس کو نیارا کہا جاتا ہے۔ نیارا کی خرید وفروخت کا رائج طریقہ یہ ہے کہ کوئی سنار ہمیں ایڈوانس رقم دے کر کہتا ہے کہ سال یا چھ ماہ بعد ہم جمع شدہ نیارا اس رقم کے عوض خریدیں گے۔ سال یا چھ ماہ بعد ہم اس کو تولتے ہیں، اگر نیارا اس رقم کے برابر ہوتا ہے تو ٹھیک، ورنہ کمی کی صورت میں ہم اضافی رقم واپس کر دیتے ہیں اور زیادتی کی صورت میں وہ مزید رقم دے دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ نیارا کی خرید وفروخت کا یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ایڈوانس رقم دے کر مستقبل میں کسی چیز کو خریدنا بیع سلم کہلاتا ہے۔ فقہ اسلامی کی رو سے اس کی صحت چند شرائط

(١) سليم رستم باز،شرح المجلة، المادة: ٢٣٨: كتاب البيع، الباب الثالث في بيان المسائل المتعلقة بالثمن: ص ١٢٢

(٢) البحر الرائق ، كتاب البيع ، باب البيع الفاسد: ١٥٩/٦

کے ساتھ مشروط ہے، من جملہ ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مبیع کی جنس، مقدار اور ادائیگی کا وقت متعین ہو۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ نیارا کی مقدار اور ادائیگی کا وقت متعین نہیں، اس لیے یہ ''مجہول وقت تک مجہول خرید وفروخت'' کے حکم میں داخل ہو کر ناجائز ہے۔

اس کے متبادل جواز کی یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ سنار کچھ رقم بطور قرض تیزابی کو دے دیا کرے اور پھر کچھ مدت بعد اس سے نیارا خرید کر قیمت کے عوض اتنی مقدار کے بقدر قرض حساب کرلیا کرے۔

والدّلیل علی ذلك :

يشترط أن يكون المبيع معلوماً عند المشتري قال في البحر :إنما اشترط ذلك ؛لأن التسلم والتسليم واجب بالعقد ،وهذه الجهالة يعني الفاحشة مفضيةإلى المنازعة ،فيمتنع معها التسلم والتسليم ، وكل جهالة هذه صفتها ،تمنع الجواز. (١)

ترجمہ: (بیع کی صحت کے لیے) شرط ہے کہ مبیع مشتری کے ہاں معلوم ہو۔ البحر الرائق میں ہے کہ یہ شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ عقد کے ساتھ حوالگی اور وصولی واجب ہوجاتی ہے اور (مبیع میں) جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی ہوتی ہے، اس لیے اس کے ساتھ حوالگی اور وصولی ممکن نہیں رہتی اور جو جہالت اس طرح کی ہو وہ (معاملہ کے) جواز کو منع کرتی ہے۔

❁❁❁

پندرہ فیصد آمدنی کی شرط پر کاروبار کسی کو حوالہ کرنا

سوال نمبر(122):

میرے بھائی کی یونیورسٹی کیمپس میں کتابوں کی دکان ہے جس کو وہ خود کافی عرصہ سے چلا رہا ہے۔ ابھی کچھ ماہ پہلے اس نے ایک آدمی کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ وہ دکان چلائے گا اور کمائی کا %15 حصہ مالک دکان (میرے بھائی) کو دے گا اور نقصان کی صورت میں مالک پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ نیز دکان کا کرایہ، بجلی بل اور ٹیلیفون بل بھی وہ شخص اپنے حصے سے ادا کرے گا۔ کیا ان کا یہ معاملہ درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(١) محمد خالد الأتاسيؒ، شرح المجلة ، المادة : ٢٠٠، كتاب البيوع، الباب الثاني في بيان المسائل المتعلقة بالمبيع : ٨٨/٢

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسئولہ معاملہ میں نہ اجارہ کی شرائط کا لحاظ رکھا گیا ہے، نہ مضاربت کی شرائط کا اور نہ ہی کسی اور جائز معاملہ کے اصول وقواعد کا، اس لیے شریعت مطہرہ کی رو سے یہ معاملہ درست نہیں۔

یہ معاملہ اجارہ تو اس لیے نہیں ہوسکتا کہ یا تو مالک نے اپنی دکان بمع سامان دوسرے شخص کو کرایہ پر دی ہوگی یا اس شخص کو اپنی دکان کے لیے بطور اجیر رکھا ہوگا اور دونوں صورتیں ممکن نہیں، کیوں کہ پہلی صورت میں سامانِ تجارت اجارہ پر دینا لازم ہوگا جو کہ درست نہیں، اسی طرح اُجرت کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے، جب کہ یہاں اُجرت بھی معلوم نہیں۔ اور دوسری صورت میں اجیر کے لیے اُجرت کا تعیین ضروری ہے، جب کہ وہ یہاں غیر متعین ہے۔ اسی طرح اجیر پر دکان کا کرایہ، بجلی بل اور ٹیلی فون بل ادا کرنے کی ذمہ داری عائد کرنا بھی درست نہیں۔ نیز اس کو نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا بھی غلط ہے، لہٰذا اجارہ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی۔

مضاربت بھی نہیں ہوسکتی، کیوں کہ عروض کا مالِ مضاربت ہونا درست نہیں۔ مالِ مضاربت لازماً نقود کی شکل میں ہونا چاہیے۔ نیز مضاربت میں مضارب پر نقصانات کا بوجھ ڈالنا اور اخراجات کا اکیلے ذمہ دار ٹھہرانا بھی جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مذکورہ معاملہ غلط اور قابل اصلاح ہے۔ مالک کو چاہیے کہ وہ اس شخص کے لیے مخصوص مقدار میں تنخواہ متعین کرے اور اخراجات ونقصانات کی ذمہ داری خود اُٹھائے۔ تب یہ معاملہ جائز متصور ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

ويشترط أن تكون الأجرة معلومةً. (۱)

ترجمہ: اور (صحتِ اجارہ کے لیے) اجرت کا معلوم ہونا شرط ہے۔

المضاربة لاتجوز بغير الدراهم والدنانير مكيلاً كان أو موزوناً أو عروضاً في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ، وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: تجوز بالفلوس الرائجة عدداً. (۲)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق دراہم ودنانیر کے علاوہ کسی چیز پر مضاربت جائز نہیں، خواہ وہ چیز مکیلی یا موزونی ہو یا سامان ہو، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ رائج پیسوں پر عدداً جائز ہے۔

❁❁❁

(۱) محمد خالد، شرح المجلة، المادة: ۴۵۰، كتاب الاجارة، الفصل الثالث فی شروط صحة الاجارة: ۲/ ۵۳۲

(۲) الفتاوی الخانية علی هامش الفتاوی الهندية، كتاب المضاربة: ۳/ ۱۶۱

انٹرنیٹ کارڈز کی خرید وفروخت

سوال نمبر(123):

انٹرنیٹ کارڈز کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس چیز کی ساخت کا اصل مقصد حرام اور ناجائز کام میں استعمال نہ ہو، بلکہ جائز اور ناجائز دونوں میں استعمال کیا جاسکتا ہو، اس کی خرید وفروخت بلا کراہت جائز ہے۔

انٹرنیٹ کارڈ بھی اسی قسم کی اشیا میں داخل ہے کہ اس کا اصل مقصد نیٹ کنکٹ کرکے دنیا کے کونے کونے سے اپنی غرض کی معلومات اکٹھی کرنا اور متنوع قسم کے معاملات طے کرنا ہے، لیکن کچھ لوگ اس کو ناجائز اور حرام مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، لہٰذا اصل مقصد کے ناجائز نہ ہونے کی وجہ سے اس کی خرید وفروخت جائز اور مباح ہے، تاہم اگر کسی کے بارے میں قطعی علم ہو کہ یہ اس کو غلط مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے تو اس پر فروخت نہ کرنا بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا یکرہ بیع الجاریة المغنیة .... لأنه لیس عینهامنکراً ،وإنما المنکر في استعمالها المحظور. (۱)

ترجمہ:

اور گانا گانے والی باندی کی بیع مکروہ نہیں۔۔۔۔۔اس لیے کہ اس کا عین ممنوع نہیں، بلکہ اس کو غلط استعمال کرنا ممنوع ہے۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب فی کراهیة مانقوم المعصیة بعینه: ۶/۴۲۰

ٹی، وی کی خرید وفروخت

سوال نمبر(124):

ٹی وی کی خرید وفروخت کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ٹی وی ایک ایسا آلہ ہے جسے جائز کاموں میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور ناجائز میں بھی۔اس کے ذریعے معلوماتی، تعلیمی، مذہبی اور اصلاحی پروگرام نشر ہوں تو یہ تبلیغ اور تعلیم کا ایک جائز اور مؤثر ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے۔کفریہ طاقتوں کے خلاف میڈیا وار لڑنے کے لیے اس کی ضرورت سے انکار مشکل ہے۔اس حیثیت سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محض آلۂ معصیت نہیں، بلکہ اس کا جائز استعمال بھی ممکن ہے، لہٰذا اس کی خرید وفروخت کا کاروبار کرنا شرعاً جائز ہے۔

تاہم ہمارے معاشرہ میں چونکہ اکثر بلکہ تقریباً تمام چینلز پر بے دین لوگوں کا قبضہ ہے، اس لیے معاصی میں اس کا استعمال غالب ہے۔اکثر معاشرتی جرائم اور بے راہ رویاں اسی وجہ سے جنم لے رہی ہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ ٹیلی ویژن کا کاروبار کرنے کی بجائے کوئی اور حلال ذریعہ آمدن اختیار کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

وعرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية.(۱)

ترجمہ: اوراس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی عین کے ساتھ معصیت قائم نہ ہو، اس کی بیع مکروہ نہیں، جیسا کہ گانے والی باندی کا بیچنا۔

بینک کے شیئرز خریدنا

سوال نمبر(125):

کسی کنونشنل بینک کے شیئرز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تؤجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب فی كراهية ماتقوم المعصية بعينه: ٦/٤٢١

الجواب وباللہ التوفیق:

شیئرز کی خرید وفروخت کے جواز کو علماے کرام نے جن شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے، ان میں سے ایک بنیادی شرط یہ بھی ہے کہ جس ادارے کے شیئرز خریدے جارہے ہوں، وہ سود، قمار یا کسی اور حرام کام میں ملوث نہ ہو۔ آج کل کے تمام کنونشنل بینک سود کی لعنت میں صرف ملوث ہی نہیں، بلکہ معاشرہ کو بھی اس دلدل میں پھنسانے میں کلیدی کردار ادا کررہے ہیں، اس لیے ان کے شیئرز خریدنا سودی نظام میں شریک ہوکر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی بے شمار وعیدات کا مستحق بننا ہے۔

لہٰذا کنونشنل بینکوں کے شیئرز خریدنا حرام اور ناجائز ہے اور ان سے احتراز لازمی اور ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

❀❀❀

آثارِ قدیمہ کی بیع

سوال نمبر (126):

حکومتِ پاکستان کو آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ کی تحقیق وریسرچ کے نتیجہ میں بعض کھنڈرات سے پرانے زمانے کے سکے، برتن اور بت وغیرہ مل جاتے ہیں۔ یہ آثارِ قدیمہ جاپان اور چائنا کے میوزیمز میں بہت بڑی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔ کیا حکومت کے لیے شرعاً ان آثارِ قدیمہ کا بیچنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو آثارِ قدیمہ حکومت کو سرکاری ملکیت میں واقع کھنڈرات سے مل جائیں حکومت اس کی مالک ہوجاتی ہے اور اسے اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، اس لیے اگر وہ چاہے تو انہیں اپنے ملک میں موجود میوزیمز میں رکھ کر ان کے دیکھنے پر فیس مقرر کرلے یا چاہے تو کسی دوسرے ملک پر بیچ کر اس کا عوض وصول کرلے۔

---

(۱) البقرۃ/ ۲۷۵

تاہم یہ حکم بتوں کے علاوہ دیگر آثار قدیمہ کا ہے، کیوں کہ بتوں سے ہر قسم کا فائدہ حاصل کرنا شرعاً حرام ہے، اس لیے بتوں کو نہ خریدا جاسکتا ہے اور نہ ہی فروخت کیا جاسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک :

عن جابرؓ: أنه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة :" إنّ الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام." (١)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ: ''انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں فتح مکہ کے سال فرمارہے تھے کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع حرام قرار دی ہے''۔

❁❁❁

کاسمیٹک اشیا کی تجارت

سوال نمبر (127):

میری کاسمیٹک کی دکان ہے جس میں، میں میک اپ کا سامان سرخی، پاؤڈر، نائٹی، پرفیوم، لوشن وغیرہ فروخت کرتا ہوں۔ چونکہ یہ اشیا صحیح مقاصد میں بھی استعمال ہوتی ہیں اور غلط میں بھی، اس لیے مجھے شک ہے کہ یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟ آپ سے گزارش ہے کہ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو اشیا اصل کے اعتبار سے گناہ کے کاموں میں استعمال ہونے کے لیے بنی نہ ہوں، لیکن بعض لوگ انہیں گناہ میں بھی استعمال کرتے ہوں تو ان کی خرید وفروخت شریعت کی رو سے جائز اور مباح ہے۔

کاسمیٹک سامان کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر اسے استعمال کر کے عورت صرف اپنے شوہر کی نظروں تک محدود رہے تو یہ صرف جائز ہی نہیں، بلکہ ذریعہ اجر وثواب بھی ہے، لیکن دوسری طرف اگر کوئی خاتون ان چیزوں کے استعمال سے بازاروں میں بے پردہ پھر کر بے حیائی کی دعوت دے تو پھر ان کا استعمال ناجائز اور حرام ہے، لہٰذا اس طرح سامان کی خرید وفروخت جائز ہے اور اسے گناہ کے کاموں میں استعمال کا وبال استعمال کنندہ ہی پر ہوگا۔

(١) البخاريؒ، محمد بن اسماعيل، الصحيح للبخاريؒ، كتاب البيوع، باب بيع الميتة والأصنام: ١/٢٩٨

والدّلیل علی ذلک:

ولایکرہ بیع ما یتخذ منه المزامیر ،وهو القصب ،والخشب، و کذا بیع الخمر باطل ،ولا یبطل ما یتخذ منه وهو العنب، کذا في البدائع. (۱)

ترجمہ: اور اسی طرح ان چیزوں کی بیع بھی مکروہ نہیں جن سے بانسری بنائی جاتی ہو، مثلاً بانس اور لکڑی اور اسی طرح شراب کی بیع باطل ہے، لیکن جس چیز سے شراب بنائی جاتی ہو یعنی انگور، اس کی بیع باطل نہیں۔ اسی طرح بدائع الصنائع میں بھی ہے۔

❁❁❁

ریزر کی بیع

سوال نمبر(128):

ریزر (جس کے ذریعے بال صاف کیے جاتے ہیں) کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟ وجہ اشکال یہ ہے کہ بعض لوگ اس کو خرید کر اس سے داڑھی منڈواتے ہیں جو کہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ریزر کی بناوٹ بال صاف کرنے کے لیے ہوئی ہے، چاہے اس کا استعمال جائز طریقہ سے ہو، جیسے: مونچھ یا رخسار، بغل اور زیر ناف بال صاف کرنا یا ناجائز طریقے سے جیسے، داڑھی منڈوانا۔

اس لیے اصل ساخت کے جواز کی بنا پر اس کی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عرف بهذا أنه لایکرہ بیع مالم تقم المعصیة به کبیع الجاریة المغنیة. (۲)

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے عین کے ساتھ معصیت قائم نہ ہوتی ہو، اس کی بیع مکروہ نہیں، جیسے: گانا گانے والی باندی کو بیچنا۔

---

(۱) البحرالرائق، کتاب السیر، باب البغاة، بیع السلاح من أهل الفتنة: ۲۴۰/۵

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب فی کراهیة ماتقوم المعصیة بعینه: ۴۲۱/۶

ویزہ کا فروخت کرنا

سوال نمبر (129):

ایک شخص کے پاس سعودی عرب کا ویزہ ہے جو اس نے ایک لاکھ روپے کے عوض خریدا تھا، مگر کچھ اعذار پیش آنے کی وجہ سے وہ اس کو استعمال کرنے سے قاصر ہوگیا، اس لیے اب وہ چاہتا ہے کہ یہ ویزہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے، تاکہ اس کی رقم ضائع ہونے سے بچ جائے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا شریعت مطہرہ کی رو سے ویزہ بیچنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی ملک کا ویزہ اس ملک میں داخل ہونے اور وہاں متعین مدت تک ٹھہرنے کا تحریری اجازت نامہ ہوتا ہے، جو حقوق مجردہ کی فہرست میں داخل ہے اور فقہائے احناف ؒ کے ہاں حقوقِ مجردہ سے کسی چیز کے عوض دست بردار ہونا جائز اور مشروع ہے، لہٰذا ویزہ فروخت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، تاہم یہ اس وقت جب متعلقہ ملک نے ویزہ کو خود استعمال کرنے یا اسے کسی پر فروخت کرنے کا اختیار دیا ہو۔چنانچہ اگر ملکی قانون کی رو سے ویزہ کو کسی اور کے ہاتھ بیچنے کی اجازت نہ ہو اور بوگس طریقہ سے اس کی خرید وفروخت کی جائے تو یہ ناجائز اور حرام ہوگا۔قانونی جرم ہونے کی وجہ سے یہ شرعاً بھی جرم متصور ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک :

فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال. (۱)

ترجمہ:

سو وظائف سے مال کے عوض دست بردار ہونے پر جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی النزول عن الوظائف : ۳۵/۷

طبعی موت مرنے والی مچھلیوں کی خرید وفروخت

سوال نمبر(130):

میرا فش فارم (Fish Form) ہے جس میں بعض اوقات پانی میں آکسیجن (Oxygen) ختم ہونے کی وجہ سے مچھلیاں مرجاتی ہیں۔کیا ہم ان مری ہوئی مچھلیوں کو بیچ سکتے ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

پانی کا فارمولہ ہے "H2O" یعنی پانی ہائیڈروجن (Hyderogen) اور آکسیجن (Oxygen) کے ملنے سے بنتا ہے۔تو گویا آکسیجن پانی کا اساسی مادہ ہے، اس لیے پانی سے آکسیجن کا ختم ہونا ممکن ہی نہیں۔بہر حال پانی میں جو مچھلی کسی ظاہری سبب کے بغیر طبعی موت مرجائے وہ "سمک طافی" کہلاتی ہے جس کا کھانا اور بیچنا جائز نہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق جو مچھلیاں فش فارم میں طبعی موت مرجاتی ہیں، جن کی سوال میں تعبیر آکسیجن ختم ہونے سے کی گئی ہے، یہ مردار کے زمرہ میں داخل ہیں، اس لیے ان کا کھانا اور بیچنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

الطافي :وهو السمك الذي مات في الماء بلا آفة لا يؤ كل. (۱)

ترجمہ:

طافی وہ مچھلی ہے جو پانی میں کسی آفت کے بغیر مرجائے، یہ نہیں کھائی جائے گی۔

❁❁❁

تمباکو کی خرید وفروخت اور اس سے حاصل شدہ کمائی

سوال نمبر(131):

تمباکو کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس سے حاصل شدہ آمدنی حلال ہے یا حرام؟

بینوا توجروا

---

(۱)الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی الهندیة ،کتاب الصید،الرابع فی السمك مایو كل ومالایو كل :۳۰۱/٦

الجواب وباللہ التوفیق:

دورِ حاضر میں تمباکو اگرچہ سگریٹ نسوار وغیرہ جیسی لہو، خلافِ مروت اور مخربِ صحت اشیا میں بکثرت استعمال ہونے لگا ہے، لیکن چونکہ ان اشیا کا استعمال شرعاً حرمت کے حکم میں داخل نہیں، اس لیے تمباکو کی خرید وفروخت جائز ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع حلال ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وفي شرح الوهبانية للشرنبلالي: ويمنع من بيع الدخان وشربه .... وألف في حله أيضا سيدنا العارف عبد الغني النابلسي رسالة سماها الصلح بين الإخوان في إباحة شرب الدخان ،وتعرض له في كثير من تآليفه الحسان وأقام الطامة الكبرى على القائل بالحرمة أو بالكراهة فإنهما حكمان شرعيان لا بد لهما من دليل ولا دليل على ذلك فإنه لم يثبت إسكاره ولا تفتيره ولا إضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة "الأصل في الاشياء الاباحة "وأن فرض إضراره للبعض لا يلزم منه تحريمه على كل أحد.(۱)

ترجمہ: علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں کہ تمباکو کی بیع اور پینا ممنوع ہے۔۔۔۔اور اس کی حلت پر عبدالغنیؒ نے دو فریق کے مابین صلح کرنے کے لیے رسالہ لکھا اور اس کے سامنے اس کی حلت اور حرمت پر بڑی بڑی دلیلیں سامنے آئیں، کیوں کہ یہ دونوں شرعی حکم ہیں جن کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اور اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں، کیوں کہ اس کا نشہ آور ہونا، عقل میں فتور پیدا کرنا اور نقصان پہنچانا بھی ثابت نہیں، بلکہ اس کے بعض منافع بھی سامنے آئے ہیں، پس یہ اس قاعدہ کے حکم میں ہے کہ اشیا میں اصل حلت ہے اور اگر کسی کے لیے نقصان دہ ہونا ثابت بھی ہو جائے، تو اس سے ہر ایک کے لیے حرام ہونا لازم نہ ہوگا۔

ہیروئن اور افیون کی تجارت

سوال نمبر(132):

ہیروئن، افیون، مارفین، چرس اور بھنگ وغیرہ نشہ آور اشیا کی ذخیرہ اندوزی اور کاروبار کے متعلق شریعت کا کیا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الاشربۃ: ۴۲/۱۰

نقطۂ نظر ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ ہیروئن، افیون، مارفین، چرس اور بھنگ وغیرہ نشہ آور اشیا کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی اور اس کی ذخیرہ اندوزی، ترسیل یا کاروبار یا اس معاملے میں کسی درجہ میں معاون کا کردار ادا کرنے یا آلۂ کار بننے سے روکتی ہے، تاہم شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیا میں سے افیون اور بھنگ کے بارے میں چونکہ حرمت کی نص موجود نہیں، اس لیے ان اشیا کی خرید وفروخت میں رخصت پائی جاتی ہے، لیکن معاشرتی حالات کو دیکھتے ہوئے ان اشیا کے نقصانات میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے، اس لیے علامہ ابن عابدینؒ کی رائے کے مطابق ان اشیا کی خرید وفروخت مکروہ ہے۔

والدلیل علی ذلک:

(وصح بيع غير الخمر) مما مر، ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون. قلت: وقد سئل ابن نجيم عن بيع الحشيشة هل يجوز، فكتب لايجوز، فيحمل أن مراده بعدم الجواز عدم الحل. قال ابن عابدين: ثم إن البيع وإن صح لكنه يكره كمافي الغاية (۱)

ترجمہ:

اور شراب کے علاوہ جن چیزوں کا تذکرہ ہوا ان کی بیع صحیح ہے، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ بھنگ اور افیون کی بیع جائز ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ سے حشیش (بھنگ) کی بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا، جائز نہیں ہے، یعنی حلال نہیں ہے۔

جہاں تک ہیروئن اور چرس کا حکم ہے تو چونکہ ان کا صرف نشہ کے لیے استعمال ہونا واضح ہے اور اس سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، اس لیے ان کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں۔

ماأسكر كثيره، فقليله حرام. (۲)

ترجمہ: جس کی زیادہ مقدار میں استعمال نشہ کا سبب ہو تو اس کی کم مقدار میں استعمال بھی حرام ہے۔

(۱) الدرالمختار علی صدرردالمحتار، کتاب الأشربة: ۱۰/۳۵

(۲) جامع الترمذی، ابواب الاشربہ، باب ماجاء ماأسکر کثیرہ فقلیلہ حرام: ۲/۸

غیر مسلم ملک میں شراب کی تجارت

سوال نمبر(133):

امریکہ میں ایک مسلمان کا جنرل سٹور ہے جس میں وہ مختلف اشیا کے علاوہ شراب بھی فروخت کرتا ہے۔اس معاشرہ میں شراب فروخت کرنے کے بغیر تجارت کامیاب نہیں ہوتی،اس لیے مسلمان بھی اپنی دکانوں میں بوجہ ضرورت شراب فروخت کرتے ہیں۔شریعت میں اس کے جواز کی کوئی گنجائش موجود ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت اسلامیہ نے شراب پرحرام اور نجس ہونے کا حکم لگا کر اس کی خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا ہے،اس لیے کوئی مسلمان غیر اسلامی ملک میں اپنے کاروبار کو کامیاب بنانے کے لیے شراب کی تجارت کا سہارا نہیں لے سکتا۔ بحیثیت مسلمان یہ یقین رکھنا چاہیے کہ رزق دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔اسی پر توکل کر کے حرام چیزوں سے اپنی تجارت کو پاک رکھے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ناکامی نہیں ہوگی، لہٰذا بیرون ملک میں بھی حرام کاروبار سے اجتناب کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا يجوز بيعهالأن الله تعالىٰ لما نجسها، فقد أهانها ،والتقوم يشعر بعزتها ،وقال عليه السلام: " إن الذي حرم شربها ،حرم بيعها ،وأكل ثمنها ". (١)

ترجمہ:

اورشراب کی بیع جائز نہیں،اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو نجس قرار دے دیا تو اس کی اہانت کردی اور تقوم معزز ہونے کی علامت ہےاور آپ ﷺ نے فرمایا:" بے شک جس ذات نے اس کا پینا حرام کیا ہے،اس نے اس کی بیع اوراس کی رقم کھانا بھی حرام کیا ہے۔"

❀❀❀

(١) الهداية ، كتاب الأشربة ، باب أنواع الأشربة المحرمة :٤/٤٩٧

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات بیچنا

سوال نمبر(134):

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات کی ایجنسی کھولنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

غیر مسلموں کے ساتھ دنیاوی معاملات اور تجارت کرنا شرعاً جائز ہے، بشرط یہ کہ کسی ممنوع یا حرام چیز کی تجارت نہ ہو، لہٰذا ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ساتھ لین دین کرنا اور ان کی مصنوعات فروخت کرنے کی ایجنسی کھولنا بھی مرخص ہے،، تاہم اگر کسی کمپنی کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کی آمدنی اسلام دشمن عناصر کے لیے وقف ہے تو پھر ایک مسلمان کے لیے اس سے بائیکاٹ کرنا اور اس کی مصنوعاتَ استعمال کرنے سے گریز کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

لابأس بأن یکون بین المسلم والذمي معاملة إذا کان ممّا لا بدّ منه. (۱)

ترجمہ: مسلمان اور ذمی کے درمیان معاملہ جب ضروری نوعیت کا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

❀❀❀

بچوں کے کھلونوں کی خرید وفروخت

سوال نمبر(135):

بچوں کے کھیلنے کے لیے جاندار اشیا کے جو کھلونے بنائے جاتے ہیں، ان کا بنانا، ان کی خرید وفروخت اور استعمال کا کیا حکم ہوگا؟ نیز اگر ان کی شکل وصورت مسخ کی جائے اور بچوں کو کھیلنے کے لیے دی جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح تزئین وآرائش کے طور پر گھروں میں رکھنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) الفتاوی الهندیة ، کتاب الکراهیة ، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة والأحکام التی تعود الیهم : ۳۴۸/۵

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رو سے تصویر حرام ہے اوراس پر شدید وعید وارد ہوئی ہے، البتہ گھروں میں بچیاں جو گڑیا بناتی ہیں اوران کی شکل وصورت نمایاں نہیں ہوتی ان کے ساتھ کھیلنا اوران کا گھر میں رکھنا جائز ہے، کیونکہ ان سے کھیلنا بچوں کا فطری تقاضا ہے۔اس کے علاوہ پلاسٹک کے جو کھلونے بازاروں میں ملتے ہیں اوران کی شکل جاندار کی سی ہوتی ہے تو صرف چھوٹی بچیوں کے لیے،ان کی تدریب کی وجہ سے ان سے کھیلنے کی گنجائش ہے، کیونکہ کھیلنے کی صورت میں تصویر کا احترام نہیں ہوتا،البتہ گھروں میں تزئین وآرائش کے لیے ان کا رکھنا جائز نہیں، کیونکہ اس سے ان کی توقیر لازم آتی ہے،اسی طرح وہ کھلونے جن کی ساخت بے حیائی کا ذریعہ بنتی ہوں،ان سے احتراز ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

لابأس بالصورة اذا کانت توطا. (۱)

ترجمہ: تصویر جب روندی جاتی ہو تو میں کوئی حرج نہیں (یعنی جب اس کی تحقیر ہو)۔

(اشتری ثوراً أوفرساً من خزف)لأحل (استیناس الصبي لایصح)..........وفي آخر حظر المجتبی عن أبي یوسف: یجوز بیع اللعبة ،وإن یلعب بها الصّبیان. (۲)

ترجمہ: اگرکسی نے مٹی سے بنا ہوا گھوڑا یا بیل خریدا، بچوں کی دل جوئی (کھیل وغیرہ) کے لیے تو یہ بیع جائز نہیں...... مجتبی کی کتاب الحظر کے آخر میں امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ ''کھلونے کی بیع اوراس سے بچوں کا کھیلنا جائز ہے۔

کسی حکیم یا دواساز کمپنی پر افیون بیچنا

سوال نمبر(136):

میرے پاس دو کلو افیون ہے۔میں نے کسی عالم سے سنا کہ اس کو بازار میں بیچنا جائز نہیں، کیوں کہ لوگ اس کو بطورِ نشہ استعمال کرتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا بازار کے علاوہ میں کسی حکیم یا ادویات کی کمپنی پر اسے فروخت کرسکتا ہوں

(۱)فتح الباری، کتاب اللباس،باب من کرہ القعود علی الصور:۵۸۹/۱۱

(۲)الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب البیوع،باب المتفرقات:۴۷۸/۷

جواس سے دوائیاں بناتے ہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

موجودہ دور میں چونکہ افیون کا منفی استعمال حددرجہ بڑھ گیا ہے، اس لیے مفتیانِ کرام اس کی کاشت اور خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ تاہم اگر کسی شخص کے پاس پہلے سے افیون موجود ہو اور وہ اسے کسی حکیم یا دواساز کمپنی کے ہاتھوں فروخت کرے، تاکہ اس کا استعمال ادویات میں ہو تو شرعاً اس کی گنجائش موجود ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(وصح بیع غیر الخمر) مما مر، ومفاده صحة بیع الحشیشه والأفیون. (۱)

ترجمہ:

اور شراب کے علاوہ جن چیزوں کا تذکرہ ہوا، ان کی بیع صحیح ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ حشیش اور افیون کی بیع جائز ہے۔

❁❁❁

الکحل ملے آبِ جو کی خرید وفروخت

سوال نمبر (137):

آج کل بازار میں جو'' آبِ جو'' ہوتا ہے، اس میں الکحل کی آمیزش بھی ہوتی ہے، اس لیے اس کے استعمال اور خرید وفروخت کے جواز وعدم جواز میں شک ہے۔ برائے مہربانی شرعی حل بیان کرکے ممنون فرمادیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشربہ اربعہ کے علاوہ جو شراب دیگر اناج وغیرہ سے بنائی جائے، بوقتِ مجبوری اس کا استعمال اور خرید وفروخت دونوں جائز ہیں۔

موجودہ دور میں تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ الکحل پٹرول، جو، گندم اور مکئی وغیرہ سے بنائی جاتی ہے اور اکثر

(۱) الدرالمختار علی صدررد المحتار، کتاب الأشربة: ۳۵/۱۰

ادویات اور کیمیکلز میں استعمال کی جاتی ہے، اس لیے عام ابتلا کی خاطر امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اس کے استعمال اور خرید وفروخت کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك :

وانما نبهت علی هذا لأن "الكحول" المسكرة(Alchoals)اليوم صارت تستعمل في معظم الأدوية ولأغراض كيمياوية أخرى، ولا تستغني عنها كثير من الصناعات الحديثة ،وقد عمت بها البلوى ،واشتدت إليها الحاجة والحكم فيهاعلى قول أبي حنيفة رحمه الله سهل ؛لأنها إن لم تكن مصنوعة من النئي من ماءِ العنب ،فلا يحرم بيعها عنده، والذي ظهر لي أن معظم هذه الكحول لاتصنع من العنب ،بل تصنع من غيرها ،وراجعت له دائرة المعارف البريطانية المطبوعة سنة ١٩٥٠م ج١/ص ٥٤٤ فوجدت فيها جدولاً للمواد اللتي تصنع منها هذه الكحول ،فذكر في جملتها العسل ،والدبس، والحب ،والشعير ،والجو ،وعصير أناناس ،والسلفات ،والكبريتات ،ولم يذكر فيها العنب ،والتمر، فالحاصل أن هذه الكحول لو لم تكن مصنوعة من العنب والتمر ،فبيعها للأغراض الكيمياوية جائز باتفاق بين أبي حنيفة وصاحبيه. (١)

ترجمہ:

اور میں نے اِس پر تنبیہ اس لیے کی کہ نشہ آور الکحل آج کل اکثر ادویات اور دوسرے کیمیاوی مواد میں استعمال ہوتی ہے اور اکثر جدید مصنوعات اس سے مستغنی نہیں اور یقیناً اس میں عموم بلویٰ ہوگیا ہے اور اس کی طرف شدید حاجت پیش آگئی ہے، چونکہ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دینے میں زیادہ سہولت ہے، اس لیے کہ اگر یہ انگور کے کچے شیرہ سے نہ بنا ہو تو ان کے نزدیک اس کی بیع حرام نہیں اور جو مجھے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اکثر الکحل انگور سے نہیں بنتی بلکہ اس کے علاوہ دیگر چیزوں سے بنتی ہیں اس کے لیے میں نے دائرہ معارف برطانیہ مطبوعہ ۱۹۵۰: ج۱/ص۵۴۴ کی طرف مراجعہ کیا تو اس میں میں نے ایک فہرست پائی، جن مواد سے یہ الکحل بنتی ہیں، اس میں ان کی تفصیل ہے، ان میں سے شہد، کھجور کا شیرہ، دانہ، جو، زعفران، اناناس کا شیرہ، وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اور انگور و کھجور کا ذکر نہیں کیا ہے۔ سو حاصل یہ ہے کہ یہ الکحل اگر انگور اور کھجور سے نہ بنائی جائیں تو کیمیائی اغراض کے لیے اس کی بیع امام صاحبؒ وصاحبینؒ کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔

(١) محمد تقي العثمانيؒ، تكملة فتح الملهم ، المساقاة: باب تحريم بيع الخمر، حكم الكحول المسكرة: ١/٥٥١

ناجائز کاموں میں استعمال ہونے والی دوائی کی خرید وفروخت

سوال نمبر (138):

ہم چائنہ سے مختلف قسم کے میڈیسن جاپان لے جاکر فروخت کرتے ہیں۔ان میں بعض ایسی ٹیبلٹس بھی ہوتی ہیں کہ لوگ انہیں استعمال کرکے گناہ کے کام سرانجام دیتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس میں ہمیں گناہ ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سوال میں مذکور ٹیبلٹس اگر اصل وضع کے اعتبار سے کسی گناہ کے کام کے لیے تیار نہ ہوتی ہوں، لیکن بعض لوگ انہیں گناہ میں بھی استعمال کرتے ہوں تو ان کی تجارت جائز ہے، البتہ جس کے بارے میں یقین یا ظنِ غالب ہو کہ وہ اسے گناہ میں ہی استعمال کرے گا، اس پر فروخت نہ کرنا بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية. (١)

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے عین کے ساتھ معصیت قائم نہ ہوتی ہو اس کی بیع مکروہ نہیں، جیسے: گانا گانے والی باندی کو بیچنا۔

موبائل فون کی خرید وفروخت

سوال نمبر (139):

میں موبائل فون کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہوں۔ موبائل فون میں بعض سیٹ ایسے ہوتے ہیں جن میں کیمرہ بھی ہوتا ہے اور ان میں میموری کارڈ لگا ہوتا ہے جس کا استعمال اکثر لوگ منفی طور پر کرتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ اس طرح کے سیٹ فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب فی كراهية ماتقوم المعصية بعينه: ٤٢١/٦

الجواب وباللہ التوفیق:

جو چیز بالذات معصیت کا آلہ نہ ہو، لیکن لوگ اس کا استعمال ناجائز طریقہ سے بھی کرتے ہوں، اس کی خرید وفروخت میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

موبائل فون کی ایجاد بھی دراصل سہولت کے ساتھ رابطہ کرنے کے لیے کی گئی ہے جو ایک جائز اور مباح کام ہے، لیکن بعض لوگ اضافی سہولیات کو استعمال کر کے معصیت کے مرتکب ہوتے ہیں، جس کا موبائل کے اصل مقصد سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا اس کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الحارية المغنية. (١)

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے عین کے ساتھ معصیت قائم نہ ہوتی ہو اس کی بیع مکروہ نہیں، جیسے: گانا گانے والی باندی کو بیچنا۔

❁❁❁

سونے کے ذرات ملی مٹی کی بیع

سوال نمبر(140):

جس مٹی میں سونے کے ذرات ملے ہوئے ہوں، اس کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس مٹی میں سونے کے ذرات مل جائیں، وہ مال متقوم بن جاتی ہے، اس لیے اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قال الزيلعيؒ: بخلاف ما إذا باع تراب الذهب.......... حيث يجوز. (٢)

ترجمہ: زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''بخلاف اس کے کہ جب سونے کی مٹی بیچی جائے۔۔۔کیوں کہ یہ جائز ہے''۔

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في كراهية ماتقوم المعصية بعينه: ٦/ ٤٢١

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب استثناء الحمل في العقود على ثلاث مراتب: ٧/ ٢٥٢

تصاویر والے اخبار فروخت کرنا

سوال نمبر(141):

جیسا کہ معلوم ہے کہ آج کل تقریباً سب اخباروں میں جان دار اشیا کی تصاویر ضرور ہوتی ہیں، بلکہ اکثر میں تو عورتوں کی فحش تصاویر بھی ہوتی ہیں تو ایسی صورت میں اخبار فروشی کا کام کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اخبارات میں عام طور پر ملکی اور غیر ملکی حالات کے بارے میں اطلاعات، ان پر تبصرے یا دیگر مفید معلومات اور مضامین ہوتے ہیں، تصاویر ضمناً پائی جاتی ہیں، اس لیے اخبارات کی خرید وفروخت میں کوئی قباحت نہیں، البتہ جو اخبارات اور رسالے محض فحش تصاویر پر مشتمل ہوں اور جن کا مقصد فحاشی پھیلانا ہو ان کا کاروبار جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک :

السؤال عن الأخبار المحدثة في البلدة ،وغير ذلك، المختار أنه لا بأس بالاستخبار والأخبار(١)

ترجمہ: شہر وغیرہ کی نئی خبروں کے بارے میں سوال ہے (کہ اس کا کیا حکم ہے) مختار یہ ہے کہ خبر پوچھنے یا خبر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

"الأمور بمقاصدها" يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر.(٢)

ترجمہ: تمام کاموں کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہے، یعنی اس کام سے جو مقصود ہو، حکم اسی مقصود کے مقتضی کے مطابق مرتب ہوگا۔

سہرے اور ہار کی بیع

سوال نمبر(142):

شادی کے موقعوں پر جو سہرے اور ہار استعمال کیے جاتے ہیں، ان کا بنانا اور فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(١) طاهربن عبدالرشيدالبخاريؒ، خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية : ٣٧٨/٤ ، مكتبه رشيديه كوئٹه

(٢)شرح المجلة لخالد الأتاسى ،المادة :٢،المقالة الثانية فى بيان القواعد الفقهية :١/ ١٣

الجواب وباللہ التوفیق:

سہرے اور ہار کا استعمال چونکہ ثواب سمجھ کر نہیں کیا جاتا، اس لیے ان کا استعمال بدعت کے دائرہ میں داخل نہیں، لہذا شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کو زیب وزینت کی نیت سے پہننا جائز ہے، البتہ یہ پُرتکلف چیزیں اسراف کے زمرہ میں آتی ہیں، اس لیے ان سے احتراز بہتر ہے۔ تاہم ان کو خرید کر استعمال کرنے والا چونکہ فاعل مختار ہوتا ہے، اس لیے ان کو بنانا یا ان کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔

والدلیل علی ذلک:

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ط إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾. (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اسراف نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

۞۞۞

حکومت کا ایکسپورٹ کردہ مال پاکستان ہی میں خریدنا

سوال نمبر (143):

حکومت کے ایک سینئر وفاقی سیکرٹری کے پاس افغانستان کے لیے ایکسپورٹ شدہ چینی ہے جو وہ ہم پر پاکستان میں فروخت کرنا چاہتا ہے۔ کیا ہمارے لیے اس سے یہ چینی خریدنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں اگر حکومت کی طرف سے متعلقہ افسران کو یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ چاہیں تو مال ایکسپورٹ کریں یا ملک ہی میں فروخت کردیں اور وہ افسران رقم حاصل کرکے قومی خزانہ کو پہنچاتے ہوں تو ایسی صورت میں ان سے خریداری کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

تاہم اگر خریدنے والے کو معلوم ہو کہ متعلقہ اشخاص خیانت اور بددیانتی سے یہ مال فروخت کررہے ہیں اور اس کی رقم قومی خزانہ میں نہیں پہنچاتے تو پھر علم ہونے کے باوجود ان سے یہ مال خریدنا جائز نہیں۔

(۱) الانعام/۱٤۲

والدّلیل علی ذلك :

الحرام ينتقل أي تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدی وتبدلت الأملاك ومانقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لايتعدى ذمتين سئلت عنه الشهاب بن الشبليؒ فقال هومحمول على ماإذالم يعلم بذلك (١)

ترجمہ: حرام منتقل ہوتا ہے، یعنی اس کی حرمت منتقل ہوتی ہے، اگرچہ ہاتھ بدل جائیں اور ملکیت تبدیل ہوجائے اور یہ جو بعض احناف ؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ حرام دوذموں یعنی ایک شخص کے ذمے سے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتا، اس بارے میں شیخ شہاب بن شبلیؒ سے سوال کیا گیا تو آپ ؒ نے فرمایا: "یہ علم نہ ہونے کی صورت پر محمول ہے"۔

❁❁❁

عورتوں کا باریک لباس فروخت کرنا

سوال نمبر (144):

میں صدر بازار پشاور میں زنانہ و مردانہ کپڑوں کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہوں۔ گرمیوں کے موسم میں عورتوں کے بعض ایسے لباس بھی فروخت کرتا ہوں جو نہایت باریک اور چست قسم کے ہوتے ہیں۔ کیا ان کی خرید وفروخت میرے لیے جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو چیز بلا تغییر وتبدیل بالذات معصیت کا آلہ ہو، اس کی خرید وفروخت سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ خواتین کے باریک لباس چونکہ بے حیائی اور عریانی کے لیے پیش خیمہ بنتے ہیں اور ان سے معاشرہ میں کئی قسم کی برائیاں جنم لیتی ہیں، اس لیے ان کی خرید وفروخت معصیت کے ساتھ تعاون کے مترادف ہے، البتہ اگر اس لباس کے ساتھ دوسرا کپڑا بھی استعمال ہو، جس میں پردے کی رعایت ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اور بیع بہر صورت منعقد ہوتی ہے۔

والدّلیل علی ذلك :

ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً ،وإلّا فتنزيهاً. و قال ابن عابدينؒ: وبيع المكعب المفضض للرجل ليلبسهُ يكره ؛لأنه إعانة على لبس الحرام. (٢)

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع ، باب البیع الفاسد، مطلب الحرمة تتعدد :۳۰۰/۷، ۳۰۱

(٢) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة ، فصل فی البیع: ۵۶۱/۹-۵۶۲

ترجمہ: جس چیز کی ذات سے معصیت قائم ہوتی ہو اس کی بیع مکروہ تحریمی ہے۔ ورنہ (اگر اس کی ذات سے معصیت قائم نہ ہو، بلکہ تغییر و تبدیل کے بعد معصیت کے لیے استعمال ہو تو پھر اس کی بیع) مکروہ تنزیہی ہے، اور وہ کپڑا جس پر چاندی کے بیل بوٹے بنائے گئے ہوں، اُس کو مرد پر فروخت کرنا اگر اس مقصد کے لیے ہو کہ وہ خود اس کو پہنے گا تو مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ حرام چیز کے پہننے میں تعاون کرنا ہے۔

۞۞۞

SAMPLE (نمونہ والی) دوائیوں کی خرید و فروخت

سوال نمبر (145):

میڈیسن (دوائیاں) بنانے والی کمپنیاں جو بطورِ نمونہ (SAMPLE) مفت ڈاکٹر حضرات کو دیتی ہیں، ڈاکٹرز کے لیے ان کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میڈیسن کمپنیاں ڈاکٹر حضرات کو جو نمونہ (SAMPLE) مفت دیتی ہیں، اگر یہ ان کو تملیکاً دیتی ہوں تو وہ قبضہ کرنے کے بعد ان کو فروخت کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، البتہ چونکہ ان پر "قابل فروخت نہیں (Not For Sale)" لکھا ہوتا ہے، اس لیے ان کو فروخت کرنا مروّت کے خلاف ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یہ دوائی مستحقین کو مفت دے کر اپنے لیے آخرت کا ذخیرہ بنا دیا جائے۔

اور اگر کمپنی وہ نمونہ تملیکاً نہ دیتی ہو، بلکہ وہ ڈاکٹر کو صرف مستحقین میں مفت تقسیم کرنے کے لیے وکیل بناتی ہو، تو پھر اس کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

اس بارے میں کمپنی پالیسی، کمپنی کے باخبر ذمہ دار افراد سے دریافت کر کے اس کے مطابق حکم پر عمل کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

الأمر بالتصرف في ملك الغير باطل.(۱)

---

(۱) شرح المجلة، لخالد الأتاسي، المادة/۹۵: ۱/ ۲۶۰

ترجمہ: کسی غیر کی ملک میں تصرف کرنا باطل ہے۔

وأما ركنها فقول الواهب "وهبت" لأنه تمليك.......... ومنها:أن يكون الموهوب مقبوضا،حتى لايثبت الملك للموهوب له قبل القبض.(١)

ترجمہ:

ہبہ کا رکن واہب کا یہ قول ہے کہ:''میں نے تم کو ھبہ کردیا'' کیونکہ یہ تملیک ہے۔۔۔۔۔اوران ہی ارکان میں سے موہوب شے کا مقبوض ہونا بھی ہے۔یہاں تک کہ قبضہ سے پہلے موہوب لہ کی ملک ثابت نہیں ہوتی۔

❀❀❀

ان اشیا کی خرید وفروخت جن پر کلماتِ مقدسہ لکھے ہوں

سوال نمبر(146):

کیا ایسے گل دان یا چارٹ کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے جس پر قرآنی آیت، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا حضور ﷺ کا اسمِ گرامی لکھا ہوا ہو؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جن اشیا کا استعمال جائز ہو، ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہوتی ہے، اس لیے ایسے گل دان یا چارٹ وغیرہ جن پر کوئی قرآنی آیت، اسمائے حسنیٰ یا حضور ﷺ کا اسم گرامی لکھا ہوا ہو، ان کو لوگ گھروں میں زینت اور تبرک کے طور پر رکھتے ہیں، لہٰذا ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا بأس بكتابة اسم الله تعالىٰ على الدراهم ؛لأن قصد صاحبه العلامة لا التهاون ،كذا في جواهر الأخلاطي.(٢)

---

(١) الفتاوى الهندية ، كتاب الهبة، الباب الاوّل فى تفسيرالهبة وركنها :٣٧٤/٤

(٢) الفتاوى الهندية ، كتاب الكراهية ، الباب الخامس فى اداب المسجد والمصحف : ٣٢٣/٥

ترجمہ: دراہم پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ دراہم پر ان کے لکھنے سے مقصود علامت اور نشانی ہوتی ہے، نہ کہ اہانت، اسی طرح ''جواہر الاخلاطی'' میں بھی ہے۔

❁❁❁

مسجد کی نیت سے خریدی گئی زمین فروخت کرنا

سوال نمبر (147):

ایک شخص نے مسجد بنانے کی نیت سے زمین خریدی۔ خریدنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ زمین مسجد کے لیے ناکافی ہے، چنانچہ اس نے وہ زمین فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری جگہ زمین خریدی جو مسجد کے لیے مناسب اور کافی ہے۔ کیا اس کا یہ معاملہ جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے مسجد کے لیے وقفِ تام ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس زمین یا عمارت کے لیے گزرگاہ کی تعیین کر دی جائے اور اذان و اقامت کر کے اس میں ایک نماز بھی ادا کی جائے۔ جب تک یہ شرط پوری نہ ہو، تب تک وقف تام نہیں ہوتا اور وقفِ تام نہ ہونے کی صورت میں مالک کو اس کے اندر ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل رہے گا۔

مسئولہ صورت میں چونکہ زمین مسجد کی نیت سے خریدنے کے بعد اس میں وقفِ تام ہونے کی شرط نہیں پائی گئی، اس لیے مالک کا اس میں ہر قسم کا تصرف کرنا جائز ہے، چاہے رجوع کر کے اس کو اپنے کسی استعمال میں لائے یا اس کو بیچ کر مسجد کے لیے دوسری جگہ زمین خریدے۔

والدّلیل علی ذلک:

من بنی مسجداً لم یزل ملکه ،حتیٰ یفرز عن ملکهٖ بطریقه ،ویأذن بالصلوٰة فیه.(۱)

ترجمہ: جس نے مسجد بنائی وہ اس وقت تک اس کی ملک میں رہتی ہے، جب تک وہ اس کو راستہ دے کر (صحیح طور سے) اپنی ملکیت سے الگ نہ کرے اور اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة ،کتاب الوقف الباب الحادی عشرفی وقف المریض ، الفصل الأوّل فیمایصیربه مسجداً:۴۵۴/۱

بتوں کی خرید وفروخت

سوال نمبر(148):

بتوں کی خرید وفروخت کا شریعت کی رُو سے کیا حکم ہے؟ اگر کسی مسلمان کے پاس بت ہو تو وہ اگر اس ارادے سے اُسے فروخت کرے کہ اس کی قیمت بغیر نیتِ ثواب کے غربا اور فقرا میں تقسیم کروں گا تو کیا یہ جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے جس طرح شرک ومعصیت کے ارتکاب کو ممنوع قرار دیا ہے، اسی طرح ہر وہ چیز جو دوسروں کے لیے شرک یا معصیت میں مبتلا ہونے کا سبب بنتی ہو، اس کی خرید وفروخت کی بھی ممانعت فرمائی ہے، چنانچہ بتوں کی خرید وفروخت کو بھی ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

لہٰذا اگر کسی مسلمان کے پاس بت ہو اور وہ اس ارادے سے اُسے فروخت کرنا چاہے کہ اس کی قیمت بغیر نیت ثواب کے غربا اور فقرا میں تقسیم کروں گا تو چونکہ شریعت میں اس کی خرید وفروخت حرام ہے، اس لیے باوجود اس اچھی نیت کے اس کی فروختگی حرام اور ناجائز ہی رہے گی، کیوں کہ حرام مال کا تصدق مقصود بالذات نہیں کہ اس نیت سے حرام کا ارتکاب ہو، بلکہ یہ حرام مال کے حصول کے بعد جان چھڑانے کا ایک ذریعہ ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن جابر بن عبداللّٰہؓ :أنه سمع رسول اللّٰه ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة "إن اللّٰه ورسوله حرم بيع الخمر ،والميتة ،والخنزير ،والأصنام. (۱)

ترجمہ:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال جب آپ ﷺ مکہ میں تھے، میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کے فروخت کرنے کو حرام قرار دیا ہے''۔

❁❁❁

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب البيوع ،باب بيع الميتة والأصنام: ۱/۲۹۸

انسانی خون کی خرید وفروخت

سوال نمبر (149):

انسانی خون کی خرید وفروخت کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خرید وفروخت کے معاملات میں مبیع کا مالِ متقوم ہونا ضروری ہے، لہٰذا جو چیز مالِ متقوم نہ ہو، اس کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

انسانی خون بھی شرافت کی وجہ سے مالِ متقوم میں شمار نہیں ہوتا، اس لیے اس کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں، تاہم اگر کسی مریض کو خون کی اشد ضرورت ہو اور بلا معاوضہ خون میسر نہ ہو تو اُسے قیمت دے کر خون خریدنے کی اجازت ہے، لیکن ایسی صورت میں بھی خون بیچنے والے کے لیے اس کی قیمت وصول کرنا حرام رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

بطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیتة. (۱)

ترجمہ:

جو چیز مال نہ ہو اس کی بیع باطل ہے، جیسے خون اور مردار جانور۔

الضرورات تبیح المحظورات. (۲)

ترجمہ: ضرورت ممنوع چیز کو بھی مباح کر دیتی ہے۔

❀❀❀

انسانی اعضا کی بیع

سوال نمبر (150):

اگر کوئی شخص دنیاوی مشکلات اور مصائب میں اس حد تک پھنس جائے کہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہ آئے

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۲۳۵/۷

(۲) محمد خالد الأتاسیؒ، شرح المجلة، المادة: ۲۱، المقدمه، المقالة الأولیٰ: ۵۵/۱

تو وہ اپنی آنکھ، گردہ یا کوئی اور عضو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مقدسہ کی پاکیزہ تعلیمات کی رُو سے انسان اپنے تمام اعضا کے ساتھ مکرم اور محترم ہے، اس لیے اس کا کوئی عضو مال کے مقابلہ میں مبیع بنا کر بیچنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ اس عضو کو ذلیل اور حقیر بنانے کے مترادف ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص مصائب کا شکار ہو تو اُسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنی گناہوں سے سچی توبہ کرکے دنیا اور آخرت کے مسائل اور الجھنوں کا حل اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگے، اِنشاءاللہ اس کے ساتھ رحم اور کرم کا معاملہ ہوگا۔ ایسے حالات میں اپنے بدن کا کوئی عضو فروخت کرنا حرام ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو مسائل کے دلدل میں مزید پھنسانے کا ذریعہ ہے، اس لیے اس سے احتراز لازمی اور ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا یجوز بیع شعور الإنسان ،ولا الانتفاع به ؛لأن الآدمي مکرم لا مبتذل ، فلا یجوزأن یکون شيء من أجزائه مهاناً مبتذلاً . (۱)

ترجمہ: اورانسان کے بالوں کی بیع اور اس سے انتفاع جائز نہیں، اس لیے [illegible] [illegible] کا کوئی [illegible] حقیر [illegible] ذلیل بنانا جائز نہیں۔

۞۞۞

خنزیر کے چمڑے کی بیع

سوال نمبر (151):

خنزیر کے چمڑے کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

خنزیر چونکہ نجس العین (یعنی اس کی ذات نجس) ہے، اس لیے اس کا چمڑا دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتا اور نہ

(۱) الهدایة ، کتاب البیوع ، باب البیع الفاسد :۳/۵۷

ہی مالِ متقوم ہے، لہٰذا اس کی خرید وفروخت یا اس سے کسی قسم کا فائدہ لینا ناجائز اور حرام ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما جلود السباع ،والحمر ،والبغال فما كانت مذبوحةً ،أو مدبوغةً جاز بيعها، ومالا فلا، وهذا بناءٌ على أن الجلود كلها تطهر بالذكاة ،أو بالدباغ إلّا جلد الإنسان والخنزير. (١)

ترجمہ:

اور بہرحال درندوں، گدھوں اور خچروں کے جو چمڑے ہوتے ہیں، ان میں سے جو ذبح کیے گئے ہوں یا دباغت دیے گئے ہوں، ان کی بیع جائز ہے اور جو اس طرح نہ ہوں تو ان کی بیع بھی جائز نہیں اور یہ اس لیے کہ تمام چمڑے ذبح یا دباغت سے پاک ہوجاتے ہیں، سوائے انسان اور خنزیر کے چمڑے کے۔

❁❁❁

کچھوے کی خرید وفروخت

سوال نمبر(152):

ایک شخص کچھوے پکڑ کر چین اور کوریا کے لوگوں پر بیچتا ہے اور ان سے رقم وصول کرتا ہے۔ کیا یہ رقم اس کے لیے حلال ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھوا اور دیگر کیڑے مکوڑے (حشرات الأرض) منتفع بہ نہ ہونے کی وجہ سے مالِ متقوم نہیں، اس لیے ان کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے۔

مسئولہ صورت میں جو شخص کچھوے پکڑ کر چین اور کوریا کے لوگوں پر بیچتا ہے، اس کا یہ کاروبار درست نہیں۔ اسے چاہیے کہ کوئی دوسرا حلال ذریعہ معاش اپنا کر اس کو چھوڑ دے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا ينعقد بيع الحية ،والعقرب ،وجميع هوام الأرض ، كالوزغة ،والضب ،والسلحفاة ،والقنفذ

(١) الفتاوى الهندية ، كتاب البيوع ، الباب التاسع في ما يجوز بيعه ومالايجوز ، الفصل الخامس : ١١٥/٣

ونحو ذلك ؛لأنها محرمة الانتفاع بها شرعاً ؛لكونها من الخبائث ،فلم تكن أموالاً ،فلم يجز بيعها. (۱)

ترجمہ:

سانپ، بچھو، اور تمام خشکی کے حشرات، جیسے چھپکلی، بجو، کچھوے، سیہی وغیرہ کی بیع منعقد نہیں ہوتی، اس لیے کہ شرعاً ان سے نفع حاصل کرنا حرام ہے، کیوں کہ یہ خبائث میں سے ہیں، پس یہ مال نہیں، لہٰذا ان کی بیع بھی جائز نہیں۔

❁❁❁

فارمی مرغیوں کے فیڈ کی بیع

سوال نمبر(153):

فارمی مرغیوں کے لیے جو فیڈ تیار کیا جاتا ہے، اس میں مختلف اجزا شامل ہوتے ہیں، مثلاً گندم، خون، مچھلیوں کے پیٹ کا کچرہ وغیرہ۔ ان کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی چیز کی خرید وفروخت کا جواز وعدم جواز اس کے استعمال کے حکم پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ جن چیزوں کا استعمال جائز ہوتا ہے، ان کی بیع بھی جائز اور جن کا استعمال ناجائز ہوتا ہے ان کی بیع بھی ناجائز۔

صورتِ مسئولہ میں خون اور مچھلیوں کا کچرہ چونکہ مرغیوں کے لیے بطورِ خوراک استعمال کرنا جائز ہے، اس لیے اس کی خرید وفروخت میں بھی کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا بأس ببيع السرقين .... ولنا أنه منتفع به ؛لأنه يلقى في الأرضي لاستكثار الريع، فكان مالا ،والمال محل للبيع. (۲)

ترجمہ: اور گوبر کی بیع میں کوئی حرج نہیں۔۔۔۔۔۔اور ہمارے لیے دلیل یہ ہے کہ یہ گوبر منتفع بہ ہے (یعنی اس سے فائدہ لیا جاتا ہے) کیوں کہ اس کو پیداوار بڑھانے کی غرض سے زمین میں ڈالا جاتا ہے، سو یہ مال ہے اور مال بیع کے لیے محل ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ، کتاب البیوع ، فصل فیما یرجع الی المعقود علیه : ۵۵۷/۶

(۲) الهدایة ، کتاب الکراهیة ، فصل فی البیع : ۴۷۲،۴۷۱/۴

چوری کی چیز خریدنا

سوال نمبر(154):

چوری کی گئی چیز کے بارے میں اگر علم نہ ہوتو اسے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر علم ہوتو پھر کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے چوری کی گئی چیز مال حرام کے حکم میں داخل ہے اور مالِ حرام خریدنے کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ جس کو اس کے حرام ہونے کا علم ہوتو اسے خریدنا اور استعمال کرنا جائز نہیں اور جس کو اس کے حرام ہونے کا علم نہ ہو،اس کے لیے خریدنا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب ابن الشبليؒ فقال: ".. محمول على ما إذا لم يعلم بذلك. (۱)

ترجمہ:

اور بعض احنافؒ سے جو یہ منقول ہے کہ:"حرام مال (کی حرمت) دوسرے کی طرف متعدی نہیں ہوتی"اس کے بارے میں، میں نے شہاب بن شبلیؒ سے پوچھا تو آپؒ نے فرمایا: یہ اس صورت پر محمول ہے جب اس (خریدار) کو اس (کے حرام ہونے) کا علم نہ ہو۔

❁❁❁

ذبح سے پہلے جانور کے اعضا فروخت کرنا

سوال نمبر(155):

زید قصائی ہے، جب وہ کوئی جانور ذبح کرنے کے لیے دکان لاتا ہے تو چمڑا خریدنے والے آکر اس کا چمڑا ذبح سے پہلے خرید لیتے ہیں، اسی طرح سری پائے فروخت کرنے والے اس جانور کے سری پائے خرید لیتے ہیں۔ کیا اس

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد :۷/۳۰۱

طرح کا معاملہ شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام نے جانور کے اعضا کو ذبح سے قبل فروخت کرنا ناجائز قرار دیا ہے، اس لیے مذکورہ بالا معاملہ شرعاً جائز نہیں۔ خریداروں کو چاہیے کہ وہ ذبح تک انتظار کریں اور ذبح کے بعد جب تمام اعضا الگ الگ کردیے جائیں تو پھر جو چیز چاہیں خریدلیں۔

البتہ قصائی کے ساتھ پہلے سے رابطہ کرنا اور مطلوبہ عضو خریدنے سے خبردار کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک :

ولو باع الجلد ،والکرش قبل الذبح لایجوز. (۱)

ترجمہ:

اور اگر چمڑا اور اوجڑی ذبح سے پہلے فروخت کرے تو یہ ناجائز ہے۔

❁❁❁

فصل پکنے سے پہلے فروخت کرنا

سوال نمبر(156):

ہمارے ہاں اکثر کاشت کار اپنے کھیتوں میں آلو یا مکئی وغیرہ کی فصل کاشت کرکے پکنے سے پہلے پہلے (کچی فصل) فروخت کردیتے ہیں۔ پھر جب دو، تین ماہ بعد وہ فصل خوب پک جاتی ہے تو خریدار اُس کو کاٹ لیتا ہے۔ کیا شرعاً فصل فروخت کرنے کی یہ صورت جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فصل خواہ جس چیز کی بھی ہو، جب تک اُگی نہ ہو، اس کا بیچنا جائز نہیں، البتہ اُگنے کے بعد پکنے سے قبل اس کی

---

(۱) الفتاوی الهندیة ، کتاب البیوع ، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل التاسع فی بیع الأشیاء المتصلة بغیرها : ۱۲۹/۳

بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ بیع میں ''پکنے تک اس فصل کے نہ کاٹنے کی شرط'' نہیں لگائی گئی ہو۔ چنانچہ جہاں کہیں کچی فصل اس شرط کے ساتھ فروخت کی جائے کہ ''وہ پکنے تک نہیں کاٹی جائے گی'' تو اس طرح بیع فاسد ہوگی۔

مسئولہ صورت کے مطابق اگر کاشت کار مذکورہ بالا شرط کے بغیر کچی فصل فروخت کرتے ہوں تو یہ بیع جائز ہے۔ خواہ پھر زمین دار کی اجازت اور رضامندی سے وہ فصل پکنے تک نہ بھی کاٹی جائے۔

اور اگر عقد کو اس شرط کے ساتھ مشروط کرتے ہوں کہ پکنے تک یہ فصل زمین ہی میں رہے گی تو پھر اس طرح یہ معاملہ فاسد رہے گا۔

والدّلیل علی ذلك :

وفي التجريد : بيع جميع الثمار والزروع إذا كان موجوداًجائزٌ ،وإن كان قبل بدو الصلاح إذا لم يشترط الترك ،وفسر بدوّالصلاح بكونه منتفعاً به، ولو شرط في العقد تركها فالعقد فاسد .... ولو اشترىٰ مطلقاً ،وتركه فإن لم يتناه عظمه ،والترك بإذن البائع جاز ،فطاب له الفضل. (١)

ترجمہ:

اور تجرید میں ہے کہ تمام پھلوں اور فصلوں کی بیع جائز ہے، جب کہ وہ موجود ہوں، اگر چہ پختہ ہونے سے پہلے پہلے (ان کی بیع) ہو (لیکن یہ اس وقت) جب (درخت پر) چھوڑنے کی شرط نہ لگائی ہو اور پختہ ہونے کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اس سے فائدہ لیا جا سکے اور اگر عقد میں (درخت پر) چھوڑنے کی شرط لگائی ہو تو عقد فاسد ہوگا۔۔۔۔۔اور اگر مطلقاً (بلا شرط ترک) خرید لیا اور پھر درختوں پر چھوڑ دیا تو اگر (پہلے سے) اس کا حجم برابر نہ ہوا تھا اور یہ ترک فروخت کنندہ کی اجازت پر ہو تو یہ جائز ہے۔ سو اس کے لیے اضافہ (یعنی پھل یا فصل کو چھوڑنے کی وجہ سے جو اضافہ ہوا ہو) حلال ہے۔

گاہک کی خواہش کے مطابق چائے میں رنگ ڈالنا

سوال نمبر(157):

میں چائے کا کاروبار کرتا ہوں۔ عموماً ہمارے ہاں دو قسم کی چائے ہوتی ہے: رنگ دار اور بغیر رنگ والی۔ چونکہ

(١) خلاصة الفتاوى ، كتاب البيوع الفصل الثالث فيما يجوز بيعه و فيمالايجوز: ٣/ ٣٠

اکثر گاہک رنگ دار چائے پسند کرتے ہیں، اس لیے ہم چائے میں ایسا رنگ استعمال کرتے ہیں جو صحت کے لیے مضر نہیں ہوتا اور عام طور پر کھانے کی دیگر اشیا چاول، مصالحہ جات وغیرہ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی ملاوٹ جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مبیع میں ملاوٹ کرنے کے جواز وعدمِ جواز کا دارومدار بائع کی نیت پر ہے۔ اگر بائع کسی ادنیٰ چیز کو اعلیٰ ظاہر کر کے مشتری کو دھوکہ دینے اور اُس سے زیادہ قیمت وصول کرنے کی نیت سے مبیع میں ملاوٹ کرتا ہے تو شرعاً یہ ناجائز اور حرام ہے۔ حضور پاک ﷺ نے سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے اور اگر بائع گاہک کی خواہش کے مطابق کوئی غیر مضر چیز مبیع میں ملا دے اور اس کی نیت دھوکہ دہی نہ ہو اور پھر مشتری بھی اپنی خوشی سے اُسے خرید لے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم یہ ضروری ہے کہ بلا نیت بھی کسی کو دھوکہ دینے کا ذریعہ نہ بنے کہ بسا اوقات اچھی نیت کے باوجود بھی دھوکہ کا سبب بنتا ہے، اس سے بھی احتراز ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی چائے فروش گاہک کی خواہش کے مطابق کوئی غیر مضرِ صحت رنگ چائے میں ملاتا ہو اور اس کی وجہ سے گاہک کو دھوکہ دینا مقصود نہ ہو اور نہ اس سے دھوکہ کا موقع ملتا ہو تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم پھر بھی گاہک کو اس کا بتانا ضروری ہے۔

والدلیل علی ذلک :

لابأس ببیع المغشوش إذا کان الغش ظاهراً کالحنطة بالتراب ،وإن طحنه لم یجز بیعه ،حتی یبیّنه. (۱)

ترجمہ:

ملاوٹ شدہ چیز کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، جب کہ وہ ملاوٹ ظاہر ہو، جیسے وہ گندم جس کے ساتھ مٹی خلط ہوئی ہو، البتہ اگر اس گندم کو پیس کر آٹا بنا دیا گیا تو پھر اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، یہاں تک کہ اس ملاوٹ کو بیان نہ کرے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة ، کتاب البیوع ، فصل فی الاحتکار : ۳/۲۱۵

گاہک کوفرق سمجھائے بغیراس کی مطلوبہ چیز سے ادنیٰ چیز دینا

سوال نمبر(158):

ہمارا لاثانی فروخت کرنے کا کاروبار ہے۔اس میں ہمیں یہ مسئلہ درپیش ہے کہ گاہک ہم سے پون انچ ۴/۳ لاثانی مانگتے ہیں،مگر چونکہ اب مارکیٹ میں پون انچ لاثانی دستیاب نہیں،اس لیے کہ پونے انچ 18 ملی میٹر ہوا کرتا ہے، جب کہ آج کل مارکیٹ میں 16 ملی میٹر کی لاثانی ملتی ہے،اس لیے ہم گاہک کو پون انچ کی بجائے 16 ملی میٹر والی لاثانی دے دیتے ہیں۔گاہک یہ فرق نہیں سمجھتا کہ یہ پون انچ ہے یا اس سے کم اور ہم بھی اس کو یہ فرق سمجھائے بغیر بیچ دیتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنا دھوکہ میں تو شمار نہیں ہوتا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کی رو سے خریدار کو فرق سمجھائے بغیر اس کی مطلوبہ چیز کی بجائے کوئی کم تر چیز دینا دھوکہ دہی کے مترادف ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر آپ گاہک کو پون انچ اور سولہ ملی میٹر کا فرق سمجھائے بغیر سولہ ملی میٹر کی لاثانی پون انچ کے مطالبہ پر دیتے ہوں تو یہ دھوکہ شمار ہوگا جس سے اجتناب ہر مسلمان کا مذہبی اور اخلاقی فریضہ ہے،لہٰذا اگر واقعی بازار میں 18 ملی میٹر کی لاثانی مہیا نہ ہو تو دکان دار گاہک کو یہ بات سمجھا دیا کرے کہ اب پون انچ کی لاثانی کی جگہ مارکیٹ میں 16 ملی میٹر کی لاثانی بکتی ہے،اگر آپ چاہیں تو خرید لیں۔پھر اگر وہ اپنی رضامندی سے اس کو خرید لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

قال النّبيّ ﷺ "من غشّ فلیس منّا."(۱)

ترجمہ:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔''

(۱)جامع الترمذي،البیوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع :۱/۳۷۸

ادنیٰ قسم کی چیز اعلیٰ قسم کے ساتھ ملا کر فروخت کرنا

سوال نمبر(159):

ایک دکان دار کے پاس مختلف قسم کے چاول ہیں جن کی قیمتوں میں فرق ہے۔ وہ ادنیٰ قسم کے چاول کو اعلیٰ قسم میں اس طرح ملا کر فروخت کرتا ہے کہ ہر کوئی اس کو نہیں سمجھتا کہ اس میں ملاوٹ کی گئی ہے یا نہیں۔ یہ کام شریعت کی رو سے کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے دھوکہ اور فریب کو زندگی کے ہر شعبہ میں ناجائز قرار دیا ہے، لہٰذا ایسی ملاوٹ کہ ادنیٰ قسم کی چیز کو اعلیٰ قسم کے ساتھ ملا کر اعلیٰ قسم کی قیمت پر فروخت کیا جائے یا ادنیٰ چیز کا عیب چھپانے کی غرض سے ملاوٹ کیا جائے، تو یہ کام ناجائز اور حرام ہے اور احادیث میں اس قسم کے دھوکہ اور فریب پر وعید آئی ہے، لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبي هريرةؓ :أن رسول الله ﷺ مرّ علی صبرة طعام فأدخل يده فيها ،فنالت أصابعه بللاً، فقال : "ماهذا يا صاحب الطعام؟" قال أصابته السماء يا رسول الله قال:" أفلا جعلته فوق الطعام كي يراه الناس، من غش فليس مني." (١)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر پر گزرے تو آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا جس سے آپ ﷺ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اے غلہ (بیچنے) والے! یہ کیا ہے''؟ اس شخص نے جواب میں کہا کہ: ''اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! اسے بارش کا پانی پہنچا ہے''۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ: ''آپ نے اُسے (گیلے گندم کو) غلہ کے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ اسے دیکھتے'' اور فرمایا: ''جس نے دھوکہ دیا، وہ مجھ سے نہیں''۔

❁❁❁

(١) الصحیح لمسلمؒ، کتاب الإیمان، باب قول النبي ﷺ من غش فلیس منا : ٧٠/١

اسپرٹ میں ملاوٹ کرنا

سوال نمبر(160):

اگر کوئی شخص خالص اسپرٹ خرید کر اس میں پانی ملا کر فروخت کرتا ہے اور ملاوٹ کی وجہ سے قیمت کم رکھے۔ نیز گاہک کو بھی اس سے آگاہ کرے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ واضح رہے کہ اکثر گاہک ملاوٹ شدہ اسپرٹ خالص اسپرٹ سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے دھوکہ دہی کی نیت سے کسی چیز کے اندر ملاوٹ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔اس کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کو دعوت دینے کے مترادف ہے،البتہ اگر کوئی شخص کسی ضرورت کی بنیاد پر ملاوٹ کرتا ہے اور گاہک کو اس عیب پر مطلع کرتا ہے اور قیمت بھی کم رکھتا ہے تو پھر اگر ظاہر یہ ہو کہ گاہک یہ چیز اپنی استعمال میں لائے گا یا بیچے گا، مگر دھوکہ نہیں دے گا تو یہ بیع جائز ہوگی ،لیکن اگر معلوم ہو کہ گاہک آگے دھوکہ کے ساتھ فروخت کرے گا تو پھر گناہ میں معاون بننے کی وجہ سے اس کی بیع درست نہ ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک :

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (۱)

ترجمہ:

اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں (کسی کے ساتھ) تعاون نہ کرو۔

وفي الحديث: "من غشّ فليس مِنّي." (۲)

ترجمہ:

جس نے دھوکہ دیا، وہ مجھ سے نہیں۔

❁❁❁

(۱) المائدة : ۲

(۲) الصحيح لمسلمؒ ، كتاب الايمان: ۱/ ۷۰

دودھ میں برف ڈال کر فروخت کرنا

سوال نمبر (161):

میں دودھ بیچنے کا کاروبار کرتا ہوں۔گرمی کے موسم میں دودھ کے خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے،اس لیے میں اس میں برف ڈالتا ہوں جو اس میں پگھل جاتی ہے۔کیا یہ ملاوٹ کے حکم میں شامل ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

دکان دار کا گرمی کی وجہ سے دودھ خراب ہونے کے اندیشہ کا تدارک اس میں برف ڈالنے سے کرنا درست نہیں، چونکہ برف جب دودھ میں پگھل کر پانی بن جاتی ہے تو پھر اس کا دودھ سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں رہتا، اس لیے دودھ میں برف ڈالنا ملاوٹ کے حکم میں داخل ہے۔

دودھ کا کاروبار کرنے والوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گرمی کے موسم میں دودھ کو خراب ہونے سے بچانے کے لیے کئی ایسی تدابیر موجود ہیں جن کو اختیار کرنے سے دودھ خراب بھی نہیں ہوتا اور اس میں ملاوٹ کی صورت بھی نہیں آتی ،مثلاً دودھ کو فریزر میں رکھنا یا فریزر کی عدم موجودگی کے وقت پلاسٹک کی تھیلی میں برف ڈال کر اس کو مضبوطی سے باندھ کر دودھ میں ڈالنا۔اس طرح سے دودھ کو برف کی ٹھنڈک پہنچے گی اور پگھلا ہوا برف دودھ میں حل نہیں ہوگا۔ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کہ جس بڑے برتن میں دودھ رکھا ہو اس کے اندر چھوٹا برتن برف سے بھر کر رکھ دیا جائے۔یوں دودھ بھی خراب ہونے سے محفوظ رہے گا اور اس میں ملاوٹ بھی نہ ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

قال النبی ﷺ: "من غش فلیس منّا". (۱)

ترجمہ:

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں‘‘۔

❁❁❁

(۱) جامع الترمذي،البیوع، باب ماجاء فی کراھیة الغش فی البیوع: ۳۷۸/۱

شیل آئل کے ڈبوں میں ایرانی تیل ڈال کر بیچنا

سوال نمبر (162):

اگر کوئی شخص شیل کے ڈبوں میں ایرانی تیل پیک کر کے اسے شیل سے کم قیمت میں فروخت کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ایرانی تیل بھی تقریباً شیل جیسا کام کرتا ہے، مگر یہ سستا ملتا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ملاوٹ اور دھوکہ دہی ایسے قبیح جرائم ہیں جو شرعاً بھی حرام ہیں اور اخلاقاً بھی، مگر بدقسمتی سے یہ ہمارے معاشرہ کے رگ و پے میں رچ بس گئے ہیں، اس لیے شاید ہی کوئی ایسی چیز ہو جس کی نقل تیار نہ کی جاتی ہو۔ حالانکہ حضور پاک ﷺ نے ملاوٹ اور دھوکہ بازی جیسے قبیح اور مضر جرائم کے بارے میں سخت وعید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''ملاوٹ کرنے والا ہم میں سے نہیں''۔

صورتِ مسؤلہ کے مطابق شیل کمپنی کے آئل ڈبوں میں ایرانی تیل پیک کر کے سستے داموں فروخت کرنا دھوکہ دہی کی مذموم کوشش ہے، اس لیے اس سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ اگر حسبِ وضاحت واقعی ایرانی تیل بھی شیل کی طرح کام کرتا ہے تو پھر شیل کے ڈبوں میں بند کرنے کی کیا ضرورت؟ اس کو کوئی اور نام دے کر لیبل لگوایا جائے اور مارکیٹ میں متعارف کیا جائے۔

والدلیل علی ذلک:

قال النبی ﷺ: "من غش فلیس منّا". (۱)

ترجمہ:

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں''۔

❁❁❁

---

(۱) جامع الترمذي، البیوع، باب ماجاء في کراھیة الغش في البیوع: ۳۷۸/۱

خریدی گئی زمین میں مستحق نکل آئے تو اس کی واپسی

سوال نمبر (163):

ایک شخص نے کسی سے پلاٹ خرید کر اس کے اردگرد چار دیواری کی۔ کچھ عرصہ بعد ایک اور شخص نے دعوی کیا کہ اس پلاٹ میں بائع کے ساتھ میں بھی شریک تھا، اس نے یہ پلاٹ میری اجازت کے بغیر آپ پر فروخت کیا ہے، اس لیے میں اس میں سے اپنا حصہ واپس لیتا ہوں۔

مدعی کا یہ بیان مشتری نے بائع کو پہنچایا تو اس نے بھی تسلیم کیا کہ واقعی یہ شخص بھی میرے ساتھ اس پلاٹ میں شریک تھا اور میں نے اس کی اجازت کے بغیر اسے فروخت کیا ہے۔ اب مشتری چاہتا ہے کہ یہ پلاٹ بائع کو واپس کردے، لیکن سوال یہ ہے کہ مشتری بائع سے قیمتِ خرید کے برابر رقم وصول کرے گا یا مارکیٹ ویلیو کے مطابق؟ اور چار دیواری کی تعمیر پر جو خرچ ہو چکا ہے، اس کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

نیز اگر مشتری چاہے کہ صرف اس مستحق شخص کے حصے کے برابر پلاٹ واپس کرے اور باقی کو اپنی ملک میں رہنے دے تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مشترکہ جائیداد میں اگر کوئی ایک شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر پوری جائیداد فروخت کردے تو یہ بیع اس کے اپنے حصے میں نافذ رہتی ہے، دوسرے کے حصے میں نہیں۔ دوسرے کے حصہ میں بیع کی حیثیت فضولی کی بیع والی رہتی ہے، یعنی یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی اس پلاٹ میں مدعی شخص کا بھی حصہ ہو اور اس نے اپنے حصے کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی ہو تو بائع کی بیع صرف اس کے حصے تک محدود رہے گی اور مشتری کو یہ اختیار حاصل رہے گا کہ وہ چاہے تو پورا پلاٹ بائع کو واپس کر کے اس سے قیمتِ خرید کے برابر رقم وصول کرے یا شریک کا حصہ واپس کرے اور بقیہ حصہ اپنی ملک میں رہنے دے۔ واپسی کی صورت میں چار دیواری کی تعمیر کا خرچہ بھی لے سکتا ہے۔

والدّليل على ذلك :

فشركة الإملاك : العين يرثها رجلان و يشتريانها، فلا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بإذنه ،و كل واحد منهما في نصيب صاحبه كالأجنبي. (۱)

ترجمہ:

سو شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز جو دو (یا اس سے زائد) آدمیوں کو میراث میں ملی ہو یا وہ اسے خریدلیں، پس اس میں کسی ایک شریک کا دوسرے کے حصے میں بلا اجازت تصرف کرنا جائز نہیں۔ ان دونوں شرکا میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی مانند ہوتا ہے۔

قبض كل المبيع فاستحق بعضه، بطل البيع في قدره، أي قدر ذلك البعض .... ينظر: إن كان استحقاق ما استحق يورث العيب في الباقي، كماإذا كان المعقود عليه شيأ واحداً مما في تبعيضه ضرر، كالدار والأرض .... فالمشتري بالخيار في الباقي إن شاء رضي بحصته من الثمن، وإن شاء رد. (۲)

ترجمہ:

کل مبیع کو قبضہ کرلیا پھر اس میں سے بعض کا مستحق نکل آیا تو اس کے بقدر بیع باطل ہوگئی، یعنی اس بعض کے بقدر۔۔۔۔۔ پھر دیکھا جائے گا کہ اگر اس بعض حصے کے استحقاق سے باقی مبیع میں عیب پیدا ہوتا ہو، کہ اگر معقود علیہ ایسی چیز ہو جس کے حصے بنانے میں ضرر ہو، جیسے گھر اور زمین۔۔۔۔۔ تو مشتری کو باقی چیز میں یہ اختیار ہے کہ چاہے تو اس کے بقدر قیمت پر راضی ہوجائے یا چاہے تو اس کو بھی واپس کردے۔

❁❁❁❁❁

❁❁❁

---

(۱) الهداية ، كتاب الشركة، : ۶۰۵/۲

(۲) شرح المحلة ، الكتاب الاول البيوع، الباب السابع فى بيان البيع وأحكامه،أحكام الاستحقاق:۴۶۳/۲

گارنٹی/ وارنٹی کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(164):

آج کل اکثر معیاری کمپنیوں کی مصنوعات کے ساتھ گارنٹی دی جاتی ہے، شرعاً اس کی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا خریدار اس سے فائدہ اُٹھاسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی کمپنی یا ادارے کا اپنی مصنوعات کی مانگ بڑھانے یا اپنی کمپنی کو با اعتماد ادارہ ثابت کرنے کے لیے خریداروں کو گارنٹی دینا شریعت کی رو سے "کفالۃ بالدرک" کی ایک صورت ہے جو باتفاق فقہا جائز ہے۔ اس میں کمپنی اپنی مصنوعات کی خرابی اور عیب کا ذمہ لیتی ہے، کبھی یہ مخصوص مدت کے لیے ہوتا ہے اور کبھی عمر بھر کے لیے؛ شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں اور خریدار اس سے فائدہ اُٹھانے کا مجاز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وأما الكفالة بالمال فجائزةٌ معلوماً كان المكفول به .... أو بما يدركك في هذا البيع؛ لأن مبنى الكفالة على التوسع، فيتحمل فيه الجهالة ،وعلى الكفالة بالدرك إجماعٌ. (١)

ترجمہ:

اور بہرحال کفالت بالمال جائز ہے، خواہ معلوم ہو، جیسے مکفول بہ کی تعیین کی صورت میں۔۔۔۔۔ یا ایسا ہو کہ اس مبیع میں جو نقص بھی پاؤ (میں ذمہ دار ہوں گا) اس لیے کہ کفالت کا دارومدار وسعت پر ہے، لہٰذا اس میں جہالت بھی قابلِ برداشت ہے اور کفالۃ بالدرك (کے جواز) پر اجماع ہے۔

❁❁❁

(١) الهداية ، كتاب الكفالة ، باب ضروب الكفالة : ١٢٢/٣

تجارت کے بعض اہم اُصول

سوال نمبر(165):

میں تجارت کے ساتھ منسلک ہوں۔ پوچھنا یہ ہے کہ تجارت میں کن کن باتوں کو مدِ نظر رکھوں، تاکہ تجارت اللہ کی رضا کا ذریعہ بنے اور عبادت شمار ہو۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام ایک ایسا کامل ومکمل دین ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر پہلو سے متعلق احکامات اور ہدایات مہیا کی ہیں۔ یہ احکامات اور اُصول وضوابط فقہائے کرام کی کاوشوں کی بدولت ہمارے سامنے مرتب طریقہ سے کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔

تجارت ایک ایسا معاملہ ہے کہ اگر اس کو اسلامی رُخ پر چلایا جائے تو حدیث میں ایسے تاجر کے لیے قیامت کے دن انبیائے کرام، شہدا اور صدیقین کی معیت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اسی طرح دوسری طرف خرید وفروخت میں احکامِ خداوندی کی رعایت نہ کرنے والوں کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''جو آدمی جھوٹی قسمیں اُٹھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اُسے پاک کرے گا نہ اس سے کلام کرے گا، نہ ہی اُسے رحمت کی نظر سے دیکھے گا اور ایسے شخص کے لیے سخت عذاب ہے''۔ اس لیے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت سے متعلق شرعی احکام سے واقفیت حاصل کر کے ان پر عمل پیرا ہو۔

تاہم مجموعی طور پر غرر (دھوکہ)، سود، جوا، خیانت، جھوٹ وفریب، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، بیوعاتِ باطلہ، اور بیوعاتِ فاسدہ سے کنارہ کش رہنا لازمی ہے اور بہتر یہ ہے کہ آپ جس تجارت کے ساتھ وابستہ ہیں، اس کا تفصیلی طریقہ کار کسی مفتی صاحب کے سامنے تحریری یا زبانی پیش کردیں، تاکہ وہ اُس کا فقہی جائزہ لے کر آپ کو اس کے شرعی حکم سے آگاہ کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

وقال علیه السلام: " التاجر الصدوق الأمین مع النبیین والصدیقین والشهداء." (۱)

---

(۱) جامع الترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی التجار وتسمیة النبی ﷺ ایاهم: ۱/ ۳۱۰

ترجمہ:

آپ ﷺ نے فرمایا: ''سچا، امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا''۔

۞۞۞

سفرِ حج میں تجارت

سوال نمبر(166):

سفرِ حج میں تجارت کرنے کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے گھر میں حاضری کی توفیق نصیب فرمائے اور وہ سفرِ حج پر روانہ ہوتو اسے چاہیے کہ حتی الوسع اپنے اوقات مالک حقیقی کی عبادت کے لیے فارغ کرے اور لایعنی چیزوں اور دنیاوی خواہشات کی تکمیل سے احتراز کرے۔تجارت کرنے سے چونکہ دل دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس لیے اس مبارک سفر کے دوران تجارت سے اجتناب کرنا بہتر ہے، تاہم اگر کوئی خرید وفروخت کا معاملہ کر ہی لے تو وہ جائز ہوگا اور اس سے حج کے ثواب میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

وتجريد السفر من التجارة أحسن، ولو اتجر لا ينقص ثوابه. (١)

ترجمہ: اور سفرِ حج کو تجارت سے خالی رکھنا بہت بہتر ہے، لیکن اگر کسی نے تجارت کر لی تو اس کا ثواب کم نہیں ہوگا۔

۞۞۞

مسجد میں خرید وفروخت

سوال نمبر(167):

مسجد میں خرید وفروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا تؤجروا

(١) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الأوّل في تفسير الحج: ١/ ٢٢٠

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ میں مسجد کے اندر خرید وفروخت کے معاملات کرنے سے ممانعت وارد ہوئی ہے، اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔اس کے علاوہ اگر خرید وفروخت مسجد کے کسی ایسے حصے میں کی جائے جو اس کی حدود میں داخل نہ ہو، جیسے وضو کی جگہ یا امامِ مسجد کا کمرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

حرمة المسجد خمسة عشر.......... الثالث أن لا يبيع ولا يشتري. (۱)

ترجمہ: احترامِ مسجد کی پندرہ باتیں ہیں۔۔۔۔۔تیسری یہ کہ مسجد میں خرید وفروخت نہ کی جائے۔

❁❁❁

متعین چیز خریدنے کے لیے مقرر وکیل کا وہی چیز اپنے لیے خریدنا

سوال نمبر(168):

پشاور کے مضافات میں ''ریگی للمہ ٹاؤن شپ'' کا منصوبہ جب شروع ہوا تو حکومت کی طرف سے اس اسکیم میں پلاٹ خریدنے کا طریقہ کار یہ تھا کہ صرف صوبائی ملازمین اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔زید اس اسکیم میں اپنے لیے پلاٹ خریدنے کا خواہش مند تھا، لیکن چونکہ وہ کسی صوبائی محکمہ میں ملازم نہیں تھا، اس لیے اس نے اپنے دوست بکر (جو صوبائی ملازم ہے) سے کہا کہ تم اپنے نام ایک فارم نکال کر میرے لیے پلاٹ نمبر 1016 خرید لو۔ میں مقررہ طریقہ کار کے مطابق اس کی قیمت ادا کردوں گا۔پھر جب حکومت اس کے انتقال کرانے کی اجازت دے دے تو تم میرے نام منتقل کردو گے۔بکر بلا چون وچرا اس کے لیے تیار ہوگیا اور فارم داخل کردیا، زید نے بھی حسبِ وعدہ پلاٹ کی قیمت ادا کردی۔اب مسئلہ یہ ہے کہ حکومت نے ملکیت ٹرانسفر کرنے کی اجازت دے دی ہے، مگر بکر پلاٹ زید کے نام منتقل کرنے کے لیے تیار نہیں۔وہ زید سے کہتا ہے کہ تم نے جو رقم ادا کی ہے، وہ میں تمہیں دے دوں گا، مگر پلاٹ نہیں دیتا۔

براہِ کرم مذکورہ مسئلہ میں شریعت کی رو سے رہنمائی فرمائیں کہ زید کا بکر سے پلاٹ منتقل کرانے کا مطالبہ درست ہے یا نہیں؟ اور بکر کو پلاٹ دبانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کسی کو متعین چیز خریدنے کے لیے وکیل مقرر کردیا جائے تو وکیل کو وہی چیز اپنے لیے خریدنے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں زید نے بکر کو ایک معین پلاٹ خریدنے کے لیے وکیل مقرر کیا ہے، اس لیے بکر کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ پلاٹ اپنے لیے خریدے۔ چنانچہ جب زید کے کہنے پر بکر نے اپنے نام وہ پلاٹ خریدلیا اور زید نے قیمت ادا کردی تو زید ہی اس کا مالک بنا، لہٰذا حکومت کی طرف سے ٹرانسفر کرنے کی اجازت ملنے کے بعد بکر پر لازم ہے کہ وہ زید ہی کو ملکیت منتقل کردے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو وكله بشراء شيء بعينه ،فليس له أن يشتريه لنفسه ؛لأنه يؤدي إلى تغرير الآمر. (۱)

ترجمہ:

اور اگر (کسی کو) معین چیز خریدنے کے لیے وکیل بنایا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ چیز اپنے لیے خریدلے، اس لیے کہ یہ (معاملہ میں) دھوکہ دہی کی طرف لے جاتا ہے۔

❁❁❁

مجبوری کی حالت میں جائیداد فروخت کرنا

سوال نمبر (169):

زید اپنی زندگی کے آخری ایام میں بالکل کمزور اور ناتواں ہوا۔ اس نے شادی کی تھی مگر کوئی اولاد نہ تھی اور بیوی پہلے ہی فوت ہو چکی تھی۔ کمزور ہو کر اس نے اپنے رشتہ داروں سے علاج معالجہ اور خدمت میں مدد طلب کی، مگر وہ تیار نہ ہوئے۔ پھر اس نے ان پر اپنی جائیداد کو فروخت کرنا چاہا، تاکہ وہ رقم حاصل کرکے ملازمین کے ذریعہ خدمت اور علاج کرواسکے، مگر وہ اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے۔ مجبوراً اس نے اپنے علاتی بھائی پر اپنی زمین اور مارکیٹ فروخت کردی، اس نے زید کی زندگی ہی میں اس پر قبضہ کرلیا۔

زید نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی رقم بچ چکی ہو تو وہ ساری میرے ایصالِ ثواب میں خرچ

(۱) الهداية ، كتاب الوكالة ، باب الوكالة بالبيع والشراء : ۱۹۱/۳، ۱۹۲

کی جائے۔اب سوال یہ ہے کہ زندگی کی آخری عمر میں اس نے مجبوراً جو جائیداد فروخت کی، اس کی بیع درست ہے یا نہیں؟ نیز اس کے باقی ماندہ مال کا کیا ہوگا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر متوفی نے اپنی حیات میں بہ بقائے ہوش وحواس بلا جبر واکراہ اپنی رضامندی سے زمین اور مارکیٹ فروخت کی ہو اور اسے مشتری کے قبضہ میں بھی دے چکا ہو تو مشتری اس کا مالک متصور ہوگا۔

البتہ اس کی قیمت سے جو رقم بچ چکی ہے، اس سے متوفی کے ذمہ واجب قرض ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم کا تیسرا حصہ ایصال ثواب کے لیے خرچ کیا جائے اور باقی دو حصے ورثا میں تقسیم کیے جائیں۔

والدّلیل علی ذلك :

تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتّبة : الأول يبدأ بتكفينه و تجهيزه .... ثم تقضى ديونهُ من جميع ما بقي من ماله ،ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين ،ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة. (۱)

ترجمہ: میت کے ترکہ کے ساتھ چار مرتب حقوق متعلق ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ اس کی تکفین وتجہیز سے ابتدا کی جائے۔۔۔۔پھر باقی مال میں سے اس کے ذمہ لازم قرضے ادا کیے جائیں، پھر باقی مال کے تیسرے حصہ سے اس کی وصیت پوری کی جائے، پھر باقی مال اس کے ورثا کے مابین کتاب، سنت اور اجماع اُمت کے موافق تقسیم کیا جائے۔

❁❁❁

دکان دار کا مشتری کے وکیل کے لیے کچھ معاف کرنے کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(170):

ایک شخص کسی کمپنی یا ادارہ کے لیے بازار سے خریداری کرتا ہے۔خریداری کے بعد دکان والا بل بنا کر مجموعہ رقم میں سے کچھ حصہ بطور رعایت معاف کر دیتا ہے اور خریدار سے کہہ دیتا ہے کہ: ''یہ رقم تم لے لو'' کیا اس شخص کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

(۱) السجاوندیؒ، محمد بن عبدالرشید ، السراجی فی المیراث :ص ۲-۳ ، المیزان لاهور

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی کمپنی یا ادارہ کے لیے بازار سے خریداری کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ یہ شخص کمپنی کا باقاعدہ ملازم ہو اور کمپنی اُس کو خریداری کے لیے بھیج دے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ شخص کمپنی کا مستقل ملازم نہ ہو، بلکہ کمپنی اس کو بطورِ وکیل خریداری کے لیے بھیج دے۔

پہلی صورت میں ملازم کے لیے خریداری کے دوران کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول کرنا جائز نہیں۔ اگر دکان دار مجموعہ رقم میں سے کچھ معاف کرلے تو ملازم کمپنی سے صرف ادا کردہ رقم وصول کر سکتا ہے، اس سے زیادہ رقم لینا جائز نہیں۔ یا اگر کمپنی نے پہلے سے رقم حوالہ کی ہو تو باقی ماندہ رقم کمپنی کو لوٹانا لازمی ہوگا۔

دوسری صورت میں وکیل کے لیے خریداری کے دوران کسی سے ہدیہ قبول کرنے کی گنجائش ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں وہ کسی قسم کی دھوکہ دہی یا کذب بیانی سے کام نہ لے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عبد للّٰہ بن بریدة عن أبیه عن النبي ﷺ قال: من استعملناه علی عمل فر زقناهُ رزقاً، فما أخذ بعد ذلك، فهو غلولٌ. (۱)

ترجمہ: حضرت بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کو ہم کسی کام پر لگا دیں اور پھر اُس کو (اُس کام کے بدلے) رزق (اُجرت) بھی دے دیں تو اس کے بعد اس کا کسی چیز کو لینا خیانت ہوگا۔

❁❁❁

کمپنیوں کی طرف سے ملنے والے انعامات وصول کرنا

سوال نمبر (171):

آج کل بعض کمپنیاں اپنی مصنوعات کے خریداروں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیتی ہیں۔ خریداروں کے لیے ان انعامات کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(۱) سنن أبي داؤد، کتاب الخراج والفيء والإمارة، باب في إرزاق العمال: ۲/ ۶۰

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر بائع مجلسِ عقد میں مبیع کے ساتھ کوئی زائد چیز دینے کا بھی کہہ دے تو یہ اس کی طرف سے تبرع اور احسان ہوتا ہے۔ مشتری کے لیے اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

آج کل جو کمپنیاں اپنے کسٹمرز کو مختلف قسم کے انعامات دیتی ہیں، یہ درحقیقت ترغیبی ہدایا ہوتے ہیں جن کے وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وفي الأقضية قسم الهدية،وجعل هذا من أقسامها،فقال :حلال من الجانبين كالإهداء للتودد.(١)

ترجمہ: اور قضایا کے مباحث میں سے ہدیہ بھی ہے اور اس کو ان کے اقسام میں سے ٹھہرایا ہے۔ فرمایا کہ یہ جانبین سے جائز ہے، جس طرح کہ محبت کے لیے ہدایا دیے جاتے ہیں۔

❁❁❁

مبیع حوالہ کرنے سے پہلے راستے میں نقصان پہنچنا

سوال نمبر(172):

میں نے کراچی کی ایک فیکٹری سے 35 ٹن مال خریدا۔ رقم بینک ڈرافٹ کے ذریعے فیکٹری کو بھجوائی اور یہ معاہدہ کیا کہ فیکٹری مجھے پشاور میں پورا کا پورا مال حوالہ کرے گی۔ فیکٹری والوں نے معاہدہ قبول کیا کہ ہم پشاور میں موجود اپنے ایجنٹ کے ذریعے آپ تک مال پہنچادیں گے۔ فیکٹری نے حسبِ معاہدہ ایجنٹ کے نام مال روانہ کیا، مگر بدقسمتی سے راستے میں ایکسیڈنٹ ہوا جس میں سارا مال تہس نہس ہوگیا۔ ایجنٹ نے سوزوکی کے ذریعے بچا کچا مال جمع کرکے ہم تک پہنچایا اور کہا کہ آپ یہ مال وصول کرلیں، آپ کا باقی مال ہلاک ہوگیا ہے، اس لیے وہ آپ کو نہیں ملے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ چونکہ ہم نے مکمل پے منٹ (Payment) کی ہے، اس لیے ہم پوری مقدار میں مال کا مطالبہ فیکٹری سے کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور فیکٹری ہمیں پشاور میں پورا مال حوالہ کرنے کی ذمہ دار ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب القضاء ،مطلب في الكلام على الرشوة والهدية:٣٥/٨

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے بائع کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مشتری کو مبیع اسی جگہ حوالہ کرے، جہاں پر حوالہ کرنا عقد کے وقت طے ہوا ہو، لہٰذا اگر بائع مکمل مبیع اس جگہ حوالہ نہ کرے تو وہ نقصان کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی کمپنی نے رقم وصول کرکے ایجنٹ کے ذریعے جو مال بھجوایا، وہ راستے میں ہلاک ہونے کی وجہ سے پورا نہ پہنچ سکا ہو تو فیکٹری پر لازم ہے کہ کمی کو پورا کردے اور بقیہ مال بھی خریدار کو بھجوادے۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا بیع مال علی أن یسلم في محل کذا لزم تسلیمه في المحل المذکور............ وبهذا ظهر أن قول المجلة "لزم تسلیمه في المحل المذکور" محمولٌ علی ما إذا کان ذلك المحل المشروط فیه التسلیم في المصر الذي فیه المبیع .... اللّٰهم إلاّ أن یکون هذا الشرط قد صار متعارفاً عند أهل بلدة أو أکثر، فإنه یکون حینئذ معتبراً، والبیع به صحیحاً في جمیع الصور. (۱)

ترجمہ: جب مال خریدا جائے اس شرط پر کہ بائع فلاں جگہ اس کو (مشتری کے) سپرد کرے گا تو اسی جگہ سپرد کرنا لازم ہے۔۔۔۔اور اس سے معلوم ہوا کہ مجلّہ کا قول "لزم تسلیمه فی المحل المذکور" اس وقت معتبر ہے، جس جگہ میں سپردگی مشروط ہوئی ہے، یہ اسی شہر میں ہو جہاں مبیع موجود ہے۔۔۔۔۔ہاں البتہ اگر ایسی شرط ہو کہ وہ اہل علاقہ میں متعارف ہو چکی ہو تو پھر وہ شرط بھی معتبر ہوگی اور اس کے ساتھ منعقد بیع تمام صورتوں میں صحیح ہوگی۔

❁❁❁

سمگلنگ میں ضبط شدہ مال خریدنا

سوال نمبر(173):

افغانستان سے جو مال مثلاً ٹائر، سپیئر پارٹس، کپڑا، چائے وغیرہ غیر قانونی طور پر پاکستان سمگل ہوتا ہے، بعض اوقات کسٹم والے اس کو پکڑ لیتے ہیں، کچھ عرصہ بعد اس مال کو وہ نیلام کرتے ہیں، کیا شریعت میں ایسا مال خریدنے کی گنجائش ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۲۸۷، کتاب البیوع، الباب الخامس فی بیان المسائل المتعلقة بالتسلیم والتسلم: ۲/۲۱۸، ۲۱۹

الجواب وباللہ التوفیق:

چونکہ حکومت پاکستان کی طرف سے سمگلنگ پر پابندی ہے اور خلاف ورزی کرنے والے کے لیے یہ سزا مقرر ہے کہ اس کا مال ضبط کیا جائے گا، لہٰذا مال ضبط کرنے کی صورت میں حکومت اس مال کی مالک بن جاتی ہے۔ مالک بننے کے بعد حکومت کو یہ مال فروخت کرنے کا اختیار ہوتا ہے، لہٰذا حکومت سے یہ مال خریدنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وعن أبي يوسفؒ: أن التعزير بأخذ الأموال جائز للإمام.(۱)

ترجمہ: اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاکم وقت کے لیے تعزیر بالمال جائز ہے۔

لا يكره بيع مالم تقم المعصية بعينه، كبيع الجارية المغنية، والكبش النطوح.(۲)

ترجمہ:

جس چیز کی ذات کے ساتھ معصیت متعلق نہ ہو اس کی بیع مکروہ نہیں، جیسے گانے والی باندی اور ٹکر مارنے والا مینڈھا۔

❁❁❁

پگڑی کی شرعی حیثیت

سوال نمبر (174):

آج کل لوگ دکان کرایہ پر دیتے وقت کچھ رقم لیتے ہیں جس کو پگڑی کہا جاتا ہے، واضح رہے کہ یہ رقم کرایہ کے علاوہ ہوتی ہے، شرعی نقطہ نظر سے اس معاملہ کا حکم کیا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

موجودہ دور میں مکان یا دکان کے مستقل سالانہ یا ماہانہ کرایہ کے علاوہ جو پگڑی کی رقم وصول کی جاتی ہے، چونکہ

(۱) تبيين الحقائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير، ۶۳۴/۳، دار الكتب العلميه بيروت

(۲) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في كراهة بيع ماتقوم المعصية بعينه: ۴۲۱/۶

یہ کسی خاص مادی چیز کا عوض نہیں، بلکہ ایک حق مجرد، یعنی حق قبضہ کے عوض لی جاتی ہے، حالانکہ شریعت میں حقوق مجردہ کی خرید وفروخت جائز نہیں، اس لیے پگڑی کی رقم رشوت کے زمرے میں داخل ہوگی جس کا وصول کرنا شرعاً جائز نہیں۔

البتہ جواز کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پگڑی کی رقم کو کسی مادی چیز، یعنی دکان میں رکھے ہوئے فرنیچر وغیرہ کا عوض قرار دیا جائے، اگرچہ مذکورہ سامان کی قیمت کے مقابلہ میں پگڑی کی رقم بہت زیادہ ہو، لیکن متعاقدین کی رضامندی سے زیادہ قیمت مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة، کحق الشفعة.(۱)

ترجمہ:

حقوق مجردہ کے بدلے میں کوئی چیز وصول کرنا جائز نہیں، جیسا کہ شفعہ کا حق (ساقط کرنے کے عوض خریدنے والے سے کچھ وصول کرنا جائز نہیں)۔

❁❁❁

خاصہ داری کے نظام کے تحت نوکری کرنا

سوال نمبر(175):

تقریباً تیس سال قبل خاصہ داری نظام کے تحت حکومت قبائلی عوام کو کچھ نوکریاں دے رہی تھی، میرے والد صاحب کو جو نوکری ملی، اس میں تین بھتیجے بھی شریک تھے، ان ہی میں میرے والد صاحب کا بھانجا بھی تھا، اس کی غربت وافلاس کے پیش نظر والد صاحب نے یہ نوکری اسے دے دی، اس وقت تو دوسرے حصہ دار والد صاحب کے احترام میں چپ رہے اور کچھ نہ کہا، لیکن حال ہی میں جب کہ نہ میرے والد صاحب زندہ ہیں اور نہ ان کا بھانجا اور نوکری بھی اس کے بیٹوں کے پاس ہے، باقی شرکا مجھ سمیت ان سے لینے پر مصر ہیں، دوسری طرف وہ لوگ یہ کہہ کر انکار پر تلے ہوئے ہیں کہ یہ نوکری ان کو سب کی رضامندی سے ملی ہے اور تیس سال سے ان کے قبضہ میں ہے، جب کہ ان کے والد یا میرے والد زندہ تھے اس وقت یہ مسئلہ نہیں اٹھایا گیا، لہٰذا اب یہ نوکری ان سے واپس لینے کا ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا؟

---

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة: ۳۴،۳۳/۷

براہ کرام شریعت کی روشنی میں واضح کریں کہ واقعی ہمارا ان کے ساتھ کوئی حق نہیں یا وہ لوگ ناجائز طریقے پر نوکری کر رہے ہیں، واضح رہے کہ اس بات کا نہ کوئی گواہ ہے اور نہ تحریری ثبوت۔ اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خاصہ داری نظام کے تحت حکومت قبائلی عوام کو جو نوکری دیتی ہے، اگر یہ لوگ شریک ہو کر اپنا حق ایک حصہ دار کو دے کر اس کو باقاعدہ نوکری کے لیے متعین کرتے ہیں تو دوسرے شرکا کا استحقاق باقی نہیں رہتا اور نہ حقوق مجردہ کے عوض کوئی رقم بطور معاوضہ وصول کی جاسکتی ہے، حق ساقط ہونے کی وجہ سے دوبارہ رجوع کا حق بھی حاصل نہیں۔

لہٰذا محررہ بیان کے پیش نظر دوسرے شرکا کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوبارہ ان لوگوں کے ساتھ نوکری میں حصہ دار بنیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة.(۱)

ترجمہ:

حقوق مجردہ کے بدلے میں کوئی چیز وصول کرنا جائز نہیں، جیسا کہ شفعہ کا حق (ساقط کرنے کے عوض خریدنے والے سے کچھ وصول کرنا)

❁❁❁

غیر ملکی ادویات کی خرید وفروخت

سوال نمبر(176):

ہم میڈیسن کا کاروبار کرتے ہیں، بعض اوقات ہم انڈیا اور چائنہ سے بھی دوائیں منگواتے ہیں، جو عموماً غیر قانونی طریقہ سے پاکستان آتی ہیں، لیکن دوسری کمپنیوں کے برعکس ان کی قیمت کم ہوتی ہے، کیا ہمارے لیے ان سمگل شدہ ادویات کی خرید وفروخت جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

(۱) الدر المختار علی تنویر الابصار، کتاب البیوع، لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة: ۳۳/۷

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رُو سے کسی ملک کا قانون جب تک شریعت سے متصادم نہ ہوتو اس پر کار بند رہنا ضروری ہے۔چائنہ اور انڈیا کی دوائیوں کا بیچنا اگر حکومت کی اجازت سے ہوتو پھر فروخت کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

البتہ اگر حکومت نے منع کیا ہوتو ایسی صورت میں ان دوائیوں کا بیچنا ملک کے اقتصادی پہیہ کو جام کرنے کا ذریعہ ہے، لہٰذا مفادِ عامہ کے پیش نظر اس خلافِ قانون کام سے بچنا ضروری ہوگا، کیوں کہ حکومت کا جو حکم شرعی اصولوں سے متصادم نہ ہوتو اس کا ماننا واجب ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

أمر السلطان إنما ینفذ إذا وافق الشرع ،وإلافلا. قال ابن عابدین:أي یتبع ،ولاتجوز مخالفته .(۱)

ترجمہ: بادشاہ (حکومت) کا حکم تب نافذ ہوگا، جب شریعت کے موافق ہو، ورنہ نہیں۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں،یعنی اس کا حکم مانا جائے گا اور اس کی مخالفت جائز نہیں ہوگی۔

❁❁❁

شیئرز کی خرید وفروخت

سوال نمبر(177):

آج کل کمپنیاں بینک سے سود پر قرضہ لے کر کاروبار کرتی ہیں، مختلف لوگ ان ہی کمپنیوں کے شیئرز خریدتے ہیں،شرعی نقطہ نظر سے ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا اور ان کے ساتھ تجارتی لین دین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے شیئرز کا کاروبار مندرجہ ذیل شرائط کی رعایت کے ساتھ جائز ہے:

(۱)......کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو اور اگر اصل کاروبار حرام ہوتو اس کے شیئرز خریدنا بھی حرام ہوگا۔

(۲)......کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں، اگر اثاثے صرف نقد کی شکل میں موجود ہوں تو پھر خریدے ہوئے شیئرز فروخت کرنے کی صورت میں اس پر منافع لینا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں یہ سود ہے۔

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ، کتاب القضاء ،مطلب طاعة الامام واجبة : ۱۱۷/۸

(۳)...... کمپنی کا اصل کاروبار تو حلال ہو، لیکن سودی لین دین بھی کرتی ہو، مثلاً بینک سے سودی قرضہ حاصل کرتی ہو یا اضافی رقم سودی کھاتے میں جمع کرتی ہو تو ایسی صورت میں اس کمپنی کے شیئرز دو شرطوں کے ساتھ خریدنا جائز ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کمپنی کے پلیٹ فارم سے سود کے خلاف مہم چلائے اور سالانہ میٹنگ میں یہ آواز اٹھائے کہ ہم سودی لین دین پر راضی نہیں ہیں، لہٰذا اس کو بند کیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے آمدنی کا جو حصہ سودی کھاتے میں رقم جمع کر کے حاصل کیا گیا ہو، وہ بلانیتِ ثواب صدقہ کرے۔

(۴)...... نفع کی طرح نقصان میں بھی خریدار شریک ہو اور اس کے ساتھ نفع فیصدی اعتبار سے ہو، یعنی ماہانہ یا سالانہ کوئی خاص رقم یقینی طور پر مقرر نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

وبطل بيع مال غير متقوم ، كخمر وخنزير ،فإن المتقوم هو المال المباح الانتفاع به شرعاً.(١)

ترجمہ: مال غیر متقوم کی خرید وفروخت باطل ہے، جیسا کہ شراب اور خنزیر کی بیع، کیوں کہ متقوم وہ مباح مال ہے جس سے شرعاً فائدہ حاصل کرنا صحیح ہو۔

إذا دفع المسلم إلى النصراني مالاً مضاربةً بالنصف ،فهو جائز إلا أنه مكروه ،فإن اتجر في الخمر والخنزير ،فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفةؒ،وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح.(٢)

ترجمہ: جب کوئی مسلمان کسی عیسائی کو مضاربت پر مال دے دے تو یہ جائز ہے، البتہ مکروہ ضرور ہے، (وہ عیسائی) اگر اس مال پر شراب اور خنزیر کی تجارت کرے اور اس میں نفع حاصل کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق جائز ہے اور مسلمان پر لازم ہے کہ وہ (حرام کاروبار سے حاصل شدہ) اپنے حصے کا نفع (بلانیتِ ثواب) صدقہ کرے۔

ولا يجوز الشركة إذا شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح.(٣)

ترجمہ: ایسی شرکت جائز نہیں، جس میں کسی ایک شریک کے لیے نفع سے متعین دراہم (پیسے) مخصوص کیے جائیں۔

(١) رد المحتار على الدر المختار ،كتاب البيوع ،باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال:٧/٢٣٥

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب المضاربة ،الباب الثاني والعشرون في المضاربة بين اهل الاسلام واهل الكفر:٤/٣٣٣

(٣) الهداية، كتاب الشركة:٢/٦١١

کمپنی کے شیئرز کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا

سوال نمبر(178):

آج کل شیئرز کا کاروبار عام ہے۔عموماً جب کوئی شخص کمپنی کے شیئرز خریدتا ہے تو وہ کراچی اسٹاک ایکسچینج سے رابطہ کرتا ہے،رقم کی ادائیگی ہوتے ہی شیئرز خریدنے والے کے نام ہوجاتے ہیں،لیکن مستقل انتقال تین دن بعد ہوتا ہے،اگرکوئی شخص رقم کی ادائیگی کے بعد تین دن سے پہلے ان شیئرز کوفروخت کرنا چاہے تو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے خرید وفروخت کے بعد اگر کسی چیز کو بیچنا ہو تو اس پر خریدار کا قبضہ کرنا ضروری ہے،تاہم جہاں کہیں حسی قبضہ نہ پایا جائے تو قبضہ کے تحقق کے لیے تخلیہ قائم مقام بنایا جاتا ہے،یعنی بائع اپنے تصرفات سے مبیع کو بالکل فارغ کردے۔

صورتِ مسئولہ میں شیئرز کے خریدنے کے بعد گویا خریدنے والے نے ایک مشاع حصہ خریدا،لہٰذا حسی قبضہ کی بجائے تخلیہ کا پایا جانا ضروری ہے،اس وجہ سے خریدتے وقت صرف عارضی طور پر ریکارڈ میں خریدار کے نام منتقلی کو دیکھا جائے گا،کہ یہ تخلیہ ہے یا نہیں؟اسٹاک ایکسچینج کے قواعد وضوابط سے پتہ چلتا ہے کہ اصل تخلیہ تب ممکن ہے،جب خریدار کو ڈیلیوری لیٹر آجاتا ہے اور ڈیلیوری اسٹاک ایکسچینج میں قبضہ ہی سے عبارت ہے اور اس کا تقریباً تین دن بعد خریدار کو موصول ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس لیٹر سے پہلے تخلیہ نہیں ہوا تھا،لہٰذا ڈیلیوری لیٹر سے پہلے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

منها:القبض في بیع المشتري المنقول ،فلایصح بیعه قبل القبض ؛لماروي أن النبي ﷺ :نهی عن بیع مالم یقبض .(۱)

ترجمہ:

(بیع کی صحت کی شرائط) میں سے (ایک یہ بھی) ہے کہ خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کیا جائے،اگروہ منقولی (اشیا

(۱)بدائع الصنائع ،کتاب البیوع، شرائط الصحة : ۳۶/۷

میں سے) ہو، پس قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ نے ایسی چیز بیچنے سے منع فرمایا ہے، جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔

ولأبي حنيفة أنه آجر ما لا يقدر على تسليمه، فلا يجوز، وهذا لأن تسليم المشاع وحده لا يتصور، والتخلية اعتبرت تسليما لوقوعه تمكينا.......... ولا تمكن في المشاع، بخلاف البيع لحصول التمكن فيه. (۱)

ترجمہ:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس شخص نے ایسی چیز اجارہ پر دی جس کو حوالہ کرنے پر قادر نہیں، لہٰذا یہ اجارہ جائز نہیں، کیوں کہ مشاع چیز حوالہ نہیں کی جاسکتی (ہاں) تخلیہ اس صورت میں حوالہ (کرنے کا قائم مقام) ہوتا ہے، جب اس پر قدرت حاصل ہو جائے ---- اور مشاع چیز پر کوئی قدرت حاصل نہیں ہوتی، بخلاف بیع کے کہ اس میں (صرف تخلیہ کی صورت میں بھی) قدرت حاصل ہوتی ہے۔

کسی چیز کی صرف تصویر دکھا کر بیچنا

سوال نمبر (179):

اسٹاک ایکسچینج میں جو خرید و فروخت ہوتی ہے، اس میں مبیع کی صرف تصویر اسکرین پر دکھائی جاتی ہے، پھر اس کی بولی لگتی ہے اور وہ چیز فروخت ہوتی ہے، یعنی مبیع کو بعینہٖ دیکھے بغیر اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے، کیا اس طرح کی خرید و فروخت جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہی ذخیرہ پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی چیز کو دیکھے بغیر بھی خریدنا جائز ہے، تاہم دھوکہ سے بچنے کے لیے شریعت نے خریدنے والے کو اختیار دیا ہے کہ خرید و فروخت کا یہ معاملہ تام تب ہوگا، جب وہ خریدی ہوئی چیز کو دیکھ لے، لہٰذا اگر خریدنے والے کو وہ چیز پسند نہ آئے تو اسے معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہے۔

(۱) الهداية، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة: ۳/۳۰۶

چونکہ خیار رؤیت (خریدنے والی چیز دیکھنے کا اختیار) کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مبیع (خرید یا فروخت ہونے والی چیز) پر وہ علم جو مقصود تک پہنچاتا ہے، ابھی تک حاصل نہیں، اس لیے جہاں کہیں مبیع کے بارے میں مقصودی علم حاصل ہو، وہاں خیار رؤیت نہیں دی جاتی۔ مقصودی علم کے ذرائع مختلف ہوسکتے ہیں، مثلاً کسی چیز کو دیکھنا، اس کا چھونا وغیرہ، اس لحاظ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے مقصودی علم کے ذرائع میں تغیر آنا ایک فطری بات ہے۔ آپ نے جو اسٹاک ایکسچینج میں مبیع کی تصویر دکھانے کا ذکر کیا ہے تو یہ درحقیقت اس مقصودی علم کے ذرائع میں ایک جدید ذریعہ ہے، اس لیے اگر اس سے مقصودی علم حاصل ہوتا ہو اور واقعی مبیع جس طرح تصویر میں دکھایا جاتا ہے، اپنے مقام پر اسی طرح موجود ہو، یعنی مبیع کے جو اوصاف بیان کیے جاتے ہوں، وہ واقعتاً اس میں موجود ہوں تو اس صورت میں اس بیع کے جواز میں کوئی شک نہیں اور مشتری کو خیار رؤیت بھی حاصل نہیں، تاہم دھوکہ کی صورت میں مشتری (خریدنے والا) بیع کو فسخ کرسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

(وکفی رؤیة مایؤذن بالمقصود) لأن رؤیة جمیع المبیع غیر مشروط لتعذره، فیکتفي برؤیة مایدل علی العلم بالمقصود. (۱)

ترجمہ:

جس چیز سے مقصود پر اطلاع ہوجائے، اس کا دیکھنا کافی ہے، کیوں کہ سارے مبیع کا دیکھنا متعذر رہونے کی وجہ سے شرط نہیں، پس جو چیز مقصودی علم پر دلالت کرے اس کا دیکھنا کافی ہے۔

وإن کان قد تغیر عن حاله، فله الخیار؛ لأنه إذا تغیر عن حاله، فقد صار شیئا آخر، فکان مشتریا شیئا لم یره، فله الخیار إذا رآه. (۲)

ترجمہ:

اور اگر خریدی گئی چیز اپنی حالت پر نہ ہو تو خریدنے والے کو اختیار ہے، کیوں کہ جب وہ چیز اپنی حالت پر نہ رہی تو (گویا) دوسری چیز ہوگئی، پس وہ ایسی چیز خریدنے والا ہوگیا جو اس نے نہیں دیکھی، لہٰذا جب اسے دیکھے گا تو اسے اختیار حاصل ہوگا۔

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب البیوع، باب خیار الرؤیة: ۱۵۵/۷

(۲) بدائع الصنائع، کتاب البیوع، فصل فی حکم البیع: ۳۵۰/۷

بینک سے نکالی گئی گاڑی خریدنا

سوال نمبر(180):

اگر کوئی شخص بینک سے نکالی گئی ایسی گاڑی خریدنا چاہے جس کی اقساط ابھی مکمل نہ ہوئی ہوں تو خرید سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ باقی اقساط خریدنے والا ادا کرے گا۔

نیز اس بات کی وضاحت بھی فرمائیں کہ اس معاملہ میں کنونشنل بینکوں اور اسلامی بینکوں کے درمیان فرق ہے یا سب کا حکم یکساں ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بینک سے نکالی گئی گاڑی خریدنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ گاڑی کنونشنل بینک سے نکالی گئی ہو تو چونکہ کنونشنل بینک میں گاڑی کی ملکیت گاہک (کلائنٹ) کے پاس ہوتی ہے، لہٰذا اقساط مکمل ہونے سے پہلے بھی اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔اسی طرح اسلامی بینک سے نکالی گئی گاڑی اگر عقدِ مرابحہ کے ذریعہ خریدی گئی ہو تو پھر بھی اس کی خرید وفروخت قسطوں کی ادائیگی سے قبل جائز ہوگی۔

تاہم اگر گاہک نے عقدِ اجارہ کے ذریعہ گاڑی لی ہو تو چونکہ اسلامک بینکنگ میں اجارہ کی صورت میں تمام قسطوں کی ادائیگی تک گاڑی بینک کی ملکیت میں ہوتی ہے، گاہک محض بینک کا کرایہ دار ہوتا ہے، لہٰذا تمام قسطوں کے ختم ہونے سے پہلے اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

المأجور أمانة في يد المستاجر سواء كان عقد الإجارة صحيحا،أولم يكن .(١)

ترجمہ:

کرایہ پر لی گئی چیز لینے والے کے پاس امانت ہوتی ہے، چاہے عقد اجارہ صحیح ہو یا غلط۔

❁❁❁

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب الثاني في الاجارة ،الباب الثامن في الضمانات، الفصل الثاني في ضمان المستاجر ،المادة:٦٠٠، ص٣٢٢

گھر کی خرید وفروخت میں بجلی کا میٹر شامل ہے یا نہیں؟

سوال نمبر (181):

اگر کوئی شخص اپنا گھر فروخت کرے تو گھر کا میٹر جو بائع نے خریدا تھا، خریدنے والے کو دے گا یا نہیں؟ یعنی گھر کی فروخت میں بجلی کا میٹر شامل ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو چیزیں گھر کے ساتھ دائمی اتصال کے ساتھ متصل ہوں تو گھر کی خرید وفروخت میں وہ بلا بیان داخل ہوتی ہیں، لیکن جو چیزیں دائمی طور پر متصل نہ ہوں، ان چیزوں کا داخل ہونا یا تو عرف پر مبنی ہوگا یا بائع کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ مسئولہ صورت میں گھر فروخت کرتے ہوئے چونکہ عرفاً بجلی اور گیس کے میٹر بھی گھر کی خرید وفروخت میں شامل ہوتے ہیں، لہٰذا گھر فروخت ہونے کی صورت میں خریدنے والا مذکورہ اشیا کا مالک ہوگا، اگرچہ خرید وفروخت میں ان کا الگ بیان نہ ہوا ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

ومن باع دارا دخل بناؤها في البيع ،وإن لم يسمه .قال صاحب الكفاية:ومالايكون متصلا بالبناء لايدخل في بيع الداربلاذكر إلاإذاكان شيئا جرى العرف بين الناس أن البائع يسامح به ،فحينئذ يدخل بلاذكر.(۱)

ترجمہ:

اور جس نے گھر فروخت کیا تو اس کی عمارت بھی بیع میں داخل ہوتی ہے، اگرچہ اس کو (الگ) نام لے کر متعین نہ کیا ہو۔ ہدایہ کے شارح صاحب کفایہ فرماتے ہیں: ''اور جو چیز عمارت کے ساتھ متصل نہ ہو، وہ گھر کی بیع میں ذکر کیے بغیر داخل نہیں ہوتی، الا یہ کہ وہ ایسی چیز ہو جس پر لوگوں کے درمیان ایسا عرف جاری ہو کہ بائع اس پر چشم پوشی کرتا ہو، تب ذکر کیے بغیر بھی یہ (چیز بیع میں) داخل سمجھی جائے گی''۔

❁❁❁

(۱) الكفاية على هامش فتح القدير، كتاب البيوع :۵/۴۸۳-۴۸۵

ایزی لوڈ اور سکریچ کارڈ کا کاروبار کرنا

سوال نمبر (182):

زید ایزی لوڈ اور اسکریچ کارڈ کا کاروبار کرتا ہے، جب کوئی شخص سو روپے کا بیلنس لوڈ کرواتا ہے یا اسکریچ کارڈ خریدتا ہے تو خریدنے والے کو نوے روپے موصول ہوتے ہیں، کیا اس معاملہ میں سود کا عنصر شامل نہیں؟ براہ کرام اس مسئلہ کا شرعی حل بتائیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے مالک اپنی مملوکہ چیز کو خریدار پر اس کی رضامندی کے ساتھ کم یا زیادہ قیمت پر فروخت کرسکتا ہے، بشرط یہ کہ مبیع کے اوصاف معلوم ہوں۔ فروخت کی جانے والی چیز جس طرح عین ہوسکتی ہے، اسی طرح نفع اور حق کو بھی فروخت کیا جاسکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں موبائل بیلنس خواہ ایزی لوڈ کی صورت میں ہو یا اسکریچ کارڈ کی صورت میں، کمپنی کا حق ہے جس کو وہ کم یا زیادہ قیمت پر فروخت کرسکتی ہے، لہٰذا اس کے لیے سو روپے کے عوض نوے روپے کا بیلنس فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس میں سود کا شبہ نہیں، اس لیے کہ بیلنس کرنسی نہیں، بلکہ بات چیت کرنے کی سہولت ہے جو کمپنی صارف کو مہیا کرتی ہے، صرف تعبیر اور عنوان کے طور پر اس سہولت کے لیے بیلنس کا لفظ استعمال ہوتا ہے، نیز بیلنس کوئی ایسا سکہ نہیں جس سے اشیا کی خرید وفروخت ہوسکے، لہٰذا جب دونوں کے جنس مختلف ہوئے تو ان کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا جاسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ثم اعلم أن البیع وإن کان مبناه علی البدلین ،لکن الأصل فیه المبیع دون الثمن ،ولذا تشترط القدرة علی المبیع دون الثمن ....والتحقیق أن المنفعة ملك لامال ؛لأن الملك مامن شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص.(۱)

ترجمہ: پھر جان لے کہ بیع کی بنیاد اگرچہ بدلین (مبیع ،ثمن) پر ہے، لیکن اصل اس میں مبیع ہے، نہ کہ ثمن، اسی وجہ سے

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ، کتاب البیوع ،مطلب فی تعریف المال : ۱۰/۷

بیع پر قبضہ شرط ہے نہ کہ ثمن پر اور تحقیق یہ ہے کہ منفعت ملک ہے مال نہیں، کیوں کہ ملک کی شان یہ ہے کہ اس میں اختصاص کے ساتھ تصرف کیا جا سکے (یعنی اس میں ہر کوئی تصرف نہ کر سکے)۔

ثم اختلاف الجنس يعرف باختلاف الإسم الخاص ،واختلاف المقصود.(۱)

ترجمہ: اختلافِ جنس مخصوص نام اور مقصود کے اختلاف سے پہچانا جاتا ہے۔

❁❁❁

کُتے کی خرید وفروخت

سوال نمبر(183):

آج کل لوگ مختلف قسم کے کتے پالتے ہیں، پھر انہیں کافی مہنگی قیمت کے ساتھ فروخت کرتے ہیں، شرعی نقطۂ نظر سے کتے کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے چند امور کے لیے کتا پالنا مرخص ہے مثلاً: شکار کے لیے، کھیت اور جانوروں کی حفاظت کے لیے۔ اسی طرح کتا پالنا اور اس سے نفع اٹھانا، مثلاً اس کا شکار کیا ہوا گوشت کھانا نصوصِ قرآنیہ سے ثابت ہے۔ چونکہ اس کی خرید وفروخت بھی ایک قسم کا نفع ہے، لہٰذا اس کی خرید وفروخت میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

(وصح بيع الكلب) ولو عقورا (والفهد) والفيل .(۲)

ترجمہ: چیتے، ہاتھی اور کتے کی بیع صحیح ہے، اگرچہ کتا باؤلا کیوں نہ ہو۔

إن الشرع أباح الانتفاع به حراسة ،واصطيادا ، فكذا بيعا.(۳)

ترجمہ: شریعت نے جس طرح اس (کتے) سے چوکیداری اور شکار کا فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح خرید وفروخت کے ذریعہ بھی فائدہ حاصل کرنا صحیح ہے۔

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار ،کتاب البیوع ،باب الربوا: ۷/۴۰۶ (۲) الدر المختار علی صدر رد المحتار ،کتاب البیوع ،باب المتفرقات :۷/۴۷۸ (۳) تبیین الحقائق ،کتاب البیوع ،باب المتفرقات :۴/۵۳۰، ۵۳۱

غیر مسلم ممالک میں شراب کی خرید وفروخت

سوال نمبر(184):

غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے لیے کافروں کے ساتھ شراب کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شراب کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔شریعتِ مطہرہ نے شراب پر حرام اور نجس کا حکم لگا کر اس کی خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا ہے،جس سے کوئی صورت مستثنیٰ نہیں۔

نیز اس کی حرمت میں کسی زمان ومکان کی قید بھی نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ مسلمان کے لیے اس کی خرید وفروخت حرام اور ناجائز ہے۔

لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر مسلم ممالک میں کسی غیر مسلم کے ساتھ شراب کی خرید وفروخت میں ملوث ہو، بلکہ اس کی خرید وفروخت مطلقاً باطل ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولم ينعقد بيع الخمر ،والخنزير في حق المسلم .(١)

ترجمہ:

اور مسلمان کے حق میں (غیر مسلم کے ساتھ) شراب اور خنزیر کی بیع منعقد نہیں ہوتی۔

والحاصل أن بيع الخمر باطل مطلقا.(٢)

ترجمہ:

اور خلاصہ یہ ہے کہ شراب کی بیع مطلقاً باطل ہے۔

❁❁❁

(١)البحرالرائق،کتاب البیع،باب شرط العقد: ٥/٤٣٤

(٢) رد المحتار على الدر المختار ،كتاب البيوع ،باب البيع الفاسد،مطلب فيما اذااجتمعت الأشاره : ٧/٢٤٢

پراپرٹی ڈیلر کا بیع ختم کرنے میں بیعانہ ضبط کرنا

سوال نمبر (185):

رئیل اسٹیٹ کے کاروبار میں ایک شخص زمین خریدتے وقت ایڈوانس رقم ادا کرتا ہے، یعنی اگر دس لاکھ کی زمین ہے تو ایک لاکھ ایڈوانس ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ باقی رقم مقررہ مدت میں ادا کرنے کا معاہدہ ہوتا ہے۔ اگر مقررہ مدت میں مطلوبہ رقم ادا نہ کی گئی تو ایڈوانس رقم بالاتفاق بائع کو مفت میں مل جاتی ہے، اسی طرح اگر مالک زمین (بائع) کو دوسری پارٹی سے زیادہ رقم کی آفر ہوتی ہے تو وہ پہلی بیع کو ختم کرنے کی صورت میں دوسری پارٹی سے دوگنا ایڈوانس وصول کرکے مشتری اول کو رقم واپس کرنے کا پابند ہوتا ہے، شرعاً یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگر عقدِ بیع میں ایسی شرط لگائی جائے جو بیع کے مقتضی کے خلاف ہو اور اس میں بائع یا مشتری کا فائدہ ہو تو اس شرط کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہوتا ہے، تاہم اگر یہ شرطِ فاسد بیع کے تام ہونے کے بعد لگائی جائے تو یہ بیع صحیح ہوگی اور وہ شرط فاسد ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائے گی۔

صورتِ مسئولہ میں بیعانہ کی رقم ضبط کرنے یا بائع کی طرف سے بیع سے انکار کی صورت میں خریدار کو ایڈوانس رقم دگنی ادا کرنے کی شرط اگر زمین کی خرید و فروخت کے دوران لگائی گئی ہو تو یہ بیع فاسد ہوگی، لیکن اگر بیع تام ہونے کے بعد مذکورہ شرائط کا ذکر ہو کر اس پر اتفاق ہو جاتا ہو تو اس صورت میں خرید و فروخت کا یہ معاملہ صحیح ہوگا، البتہ ان شرائط کے فاسد ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

واضح رہے کہ حدیث شریف میں ایسی بیع سے صراحتاً ممانعت بھی وارد ہے جس میں مبیع نہ خریدنے کی صورت میں بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی شرط لگائی گئی ہو۔

والدلیل علی ذلک:

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أنه قال: نهی رسول اللّٰه ﷺ عن بیع العربان

قال مالك: وذلك فیما نری، واللّٰه أعلم، أن یشتري الرجل العبد، أو یتكاری الدابة، ثم یقول

أعطيك دينارا على أني إن تركت السلعة ،أو الكراء ،فما أعطيتك لك.(١)

ترجمہ:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ (عمرو بن شعیب کے والد) اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہماری نظر میں بیعانہ کی بیع یہ ہے کہ کوئی آدمی غلام خریدے یا کوئی سواری کرایہ پر حاصل کرے، پھر (بائع یا سواری کے مالک سے) کہے کہ میں تجھے اس شرط پر ایک دینار دیتا ہوں کہ اگر میں نے مبیع (خریدی گئی چیز) یا کرایہ چھوڑ دیا (یعنی سفر نہ کیا) تو یہ دینار تمہارا ہوگا۔

وإن كان الشرط شرطا لم يعرف ورود الشرع بجوازه في صورة ،وهوليس بمتعارف إن كان لأحدالمتعاقدين فيه منفعة..........فالعقد فاسد.(٢)

ترجمہ:

اور اگر شرط ایسی ہو جو نہ تو متعارف ہو اور نہ شریعت نے کسی صورت میں اس کے جواز کا حکم لگایا ہو تو اگر اس شرط میں عقد کرنے والوں (بائع یا مشتری) میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو۔۔۔۔۔تو اس صورت میں یہ عقد فاسد ہے۔

وكذلك في البيع إذاذكر فيه شرطا فاسدا بعد العقد عندأبي حنيفةؒ يلتحق ذلك بأصل العقد، حتى يفسدالعقد،وعندهما يبطل هذاالشرط.(٣)

ترجمہ:

اسی طرح اگر بیع میں عقد (تام) ہونے کے بعد شرط فاسد لگائی گئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ (شرط فاسد) اصل عقد کے ساتھ ملحق ہو کر اس عقد کو فاسد کر دیتی ہے (جب کہ) صاحبین کے نزدیک یہ شرط باطل ہے (لہٰذا عقد صحیح ہوگا)۔

(١) سنن ابی داؤد، كتاب الاجارة ،باب فی العربان:٢/١٣٨، ١٣٩

(٢) الفتاوی الهندية، كتاب البيوع،الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البيع والتی لاتفسده :٣/١٣٤

(٣) السرخسی، كتاب المبسوط، كتاب الصرف، باب الاجارة فی عمل المتوية :١٤/٨٢

ایک ہی چیز کو مختلف ریٹ (قیمت) پر بیچنا

سوال نمبر(186):

بعض دکان دار ایک چیز ایک گاہک کو ایک دام پر فروخت کرتا ہے، جب کہ دوسرے گاہک کو وہی چیز دوسرے دام پر فروخت کرتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے شریعت مطہرہ کی رُو سے بیع نام ہے: ایک مال کو دوسرے مال سے باہمی رضامندی کے ساتھ تبدیل کرنے کا، لہٰذا جہاں پر اس تعریف کی رُو سے تمام شرائط پوری ہوں تو وہ معاملہ درست ہوتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دکان دار کا ایک گاہک کو کوئی چیز ایک قیمت سے اور وہی چیز دوسرے گاہک پر دوسری قیمت کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، کیوں کہ دونوں کے ساتھ دُکان دار کا معاملہ الگ الگ ہے اور عقد کے وقت دونوں اس قیمت پر راضی ہیں، تاہم اس میں حد سے زیادہ منافع خوری سے پرہیز کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

أماتعريفه فمبادلة المال بالمال بالتراضي ....وأمار كنه فنوعان :أحدهماالإيجاب والقبول،والثاني التعاطي.(١)

ترجمہ: پس بیع کی تعریف یہ ہے (ایک) مال کو (دوسرے) مال سے رضامندی کے ساتھ تبدیل کرنا۔۔۔۔ اور اس کے ارکان دو ہیں۔ایک ایجاب وقبول اور دوسرا تعاطي (یعنی باہمی رضامندی)۔

❁❁❁

سپورٹس گارمنٹس کی خرید وفروخت

سوال نمبر(187):

سپورٹس گارمنٹس مثلاً پینٹ، ٹراؤزر، نیکر، بنیان وغیرہ کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

---

(١)الفتاوی الهندية، كتاب البيوع،الباب الأول:٣/٢

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی آرا کے مطابق جو چیز بالذات معصیت کا آلہ ہو، اس کی بیع حرام ہے اور جو چیز بالذات معصیت کا آلہ نہ ہو، بلکہ اس کا استعمال دونوں (جائز اور ناجائز) طرح ممکن ہو، صرف عام استعمال معصیت میں ہوتا ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔

مذکورہ وضاحت کے پیش نظر کھیل کے لباس کی خرید وفروخت کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، لہٰذا پینٹ، ٹراوزر وغیرہ اگر اس طرح ہوں جن میں انسانی اعضا کے نشیب وفراز کا اندازہ ہوتا ہو تو چونکہ ایسے لباس کا استعمال ممنوع ہے، لہٰذا اس کی خرید وفروخت بھی درست نہیں، اس کی بیع سے اجتناب کرنا چاہیے، البتہ کھلے اور ڈھیلے ڈھالے ہونے کی صورت میں اس کی بیع صحیح ہوگی۔ بنیان کی خرید وفروخت جائز ہے اور نیکر (وہ لباس جس میں ستر بھی ڈھکی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ گھٹنے نظر آتے ہیں) کی خرید وفروخت سے اجتناب ضروری ہے، تاہم اگر نیکر اتنا بڑا ہو جو انسان کے گھٹنوں سے تجاوز کرے تو پھر اس کی خرید وفروخت مرخص ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ماقامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما.(۱)

ترجمہ:

جس چیز کی ذات کے ساتھ معصیت متعلق ہو اس کی بیع مکروہ تحریمی ہے۔

وبيع المكعب المفضض للرجل أن يلبسه يكره؛لأنه إعانة على لبس الحرام .(۲)

ترجمہ:

کسی آدمی کو چاندی کی پالش کی ہوئی پھول دار چادر اوڑھنے کے لیے بیچنا مکروہ (تحریمی) ہے، کیوں کہ یہ حرام لباس پہننے میں اس کی اعانت کرنے کے مترادف ہے۔

❁❁❁

(۱) الدر المختار على تنوير الابصار، كتاب الجهاد،باب البغاة : ٤٢١/٦

(۲) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة،باب الاستبراء وغيره: ٥٦٢/٩

اُدھار گاڑی خرید کر بائع پر کم قیمت نقد پر فروخت کرنا

سوال نمبر(188):

احمد ایک موٹر کار خالد سے پانچ لاکھ روپے کے عوض خریدتا ہے۔ بعد میں احمد وہی گاڑی کچھ عرصہ بعد تین لاکھ میں فروخت کرتا ہے۔ تو خالد یہ گاڑی اس قیمت (تین لاکھ) پر خرید سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رُو سے جب ایک شخص کوئی چیز دوسرے شخص پر فروخت کرلے اور قیمت وصول کرنے سے پہلے اسی چیز کو دوبارہ گزشتہ قیمت سے کم پر خرید لے تو یہ جائز نہیں، البتہ اگر قیمت وصول کرنے کے بعد فروخت کردہ چیز کو اس شخص سے کم قیمت پر خریدے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح قیمت کی وصولی سے قبل گزشتہ قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ قیمت پر خریدنا بھی جائز ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر خالد نے احمد پر فروخت کی ہوئی گاڑی کی قیمت وصول کرلی ہو تو اس کے لیے اب اس گاڑی کو احمد سے تین لاکھ روپے میں خریدنا جائز ہوگا اور اگر قیمت وصول نہیں کی ہو تو پھر دین پر نفع حاصل کرنے کی وجہ سے جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

(و)فسد (شراء ماباع بنفسه ،أو بو كيله) من الذي اشتراه ....(بالأقل)من قدرالثمن الأول (قبل نقد) كل (الثمن)الأول.(١)

ترجمہ:

بذاتِ خود یا اپنے وکیل کے ذریعے بیچی ہوئی چیز کو اپنے خریدار سے (دوبارہ) پہلی قیمت سے کم پر خریدنا فاسد ہے۔۔۔۔(یعنی جائز نہیں جب تک) اس کی پہلی قیمت مکمل وصول نہ ہوئی ہو۔

قوله (قبل نقد كل الثمن الاول)قيدبه ؛لأن بعده لافساد،ولايجوزقبل النقد ،وإن بقي درهم.(٢)

(١) الدر المختار على صدر ردالمحتار ،كتاب البيوع ،باب البيع الفاسد : ٢٦٧/٧

(٢) رد المحتار على الدر المختار ،كتاب البيوع ،البيع الفاسد،مطلب فى التداوى ---: ٢٦٧/٧

ترجمہ:

پہلی قیمت مکمل وصول کرنے کی قید اس لیے لگائی کہ (قیمت وصول کرنے کے) بعد (خریدنے) میں کوئی فساد نہیں اور پہلی (قیمت) وصول کرنے سے پہلے جائز نہیں، اگر چہ ایک درہم ہی کیوں نہ باقی ہو۔

۞۞۞

قیمت مجہول ہونے کی صورت میں بیع

سوال نمبر (189):

میں نے ایک شخص کے لیے پانچ لاکھ روپے میں گاڑی خریدی، کچھ عرصہ بعد میں نے اس سے وہ گاڑی اپنے لیے خریدنے کا کہا تو اس نے کہا تم گاڑی لے جاؤ اور ہر مہینہ کچھ رقم مجھے دیا کرو، گاڑی کی قیمت ہم بعد میں متعین کریں گے، تقریبا دولاکھ روپے میں نے اسے قسط وار ادا کیے، لیکن تا حال گاڑی کی قیمت متعین نہیں، شرعا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

گاڑی کی خریداری کے موقع پر گاڑی کی قیمت متعین نہ کرنے کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے، جس کی بنا پر خریدنے اور فروخت کرنے والے دونوں حضرات پر لازم ہے کہ اس طے شدہ بیع کو فسخ کر کے از سر نو نئے عقد کے ذریعے گاڑی کی قیمت متعین کریں اور خریدار نے جو دولاکھ روپے فروخت کنندہ کو قسطوں میں ادا کیے ہیں وہ یا تو اس سے واپس وصول کرے اور یا فروخت کرنے والا اس نئے عقد کے ذریعہ متعین کردہ قیمت میں شمار کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

لو باع مالامتقوما مقدور التسلیم موجودا لکنھما سکتا عن الثمن ،فالبیع فاسد، لا باطل .(۱)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے ایسا مال فروخت کیا جو موجود تھا اور اس کا حوالہ کرنا بھی ممکن تھا لیکن دونوں (بائع اور مشتری) قیمت متعین کرنے سے خاموش رہے تو یہ بیع فاسد ہے، باطل نہیں۔

(۱) شرح المجلۃ لرستم باز، کتاب البیوع، الباب السابع فی بیان انواع البیع واحکامہ ،الفصل الاول فی انواع البیع، مادۃ: ۳٦٤، ص ۲۰۳

لكل من المتعاقدين فسخ البيع الفاسد.(۱)

ترجمہ:

دونوں عقد کرنے والوں (بائع اور مشتری) پر لازم ہے کہ وہ بیع فاسد کو فسخ کریں۔

❁❁❁

پیپسی کی بوتل میں سوڈا واٹر فروخت کرنا

سوال نمبر(190):

آج کل بعض فیکٹریاں پیپسی اور ڈیو کی بوتلوں میں سوڈا واٹر ڈال کر ڈیو اور پیپسی کے نام پر فروخت کرتے ہیں اور چار پانچ روپے کی بجائے دس روپے کماتے ہیں، ایسا معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

پیپسی اور ڈیو کی بوتلوں میں سوڈا واٹر ڈال کر اصلی پیپسی اور ڈیو کے نام پر فروخت کرنا دھوکہ دہی کے زمرے میں آتا ہے، جو از روئے شریعت ناجائز اور حرام ہے، لہٰذا اس طریقہ پر حاصل کی گئی آمدنی حرام متصور ہوگی۔

والدّليل على ذلك:

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا.(۲)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس نے ہم پر اسلحہ (تلوار وغیرہ) سونت لی، وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

❁❁❁

(۱)شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب البيوع،الباب السابع في بيان انواع البيع واحكامه،الفصل الاول في انواع البيع،تحت مادة:۳۷۲،ص۲۰۸

(۲) الصحيح المسلم،كتاب الايمان،باب قول النبي ﷺ من غش فليس منا،۷۰/۱

مالِ حرام سے تجارت اور حاصل شدہ نفع

سوال نمبر(191):

ایک شخص کا کاروبار سودی مال سے چلتا ہے۔کیااس کے لیے مذکورہ کاروبار سے حاصل شدہ آمدنی کا استعمال جائز ہے؟

بیّنواتؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سودی مال سے تجارت کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کا مالک کو واپس لوٹانا واجب ہے،البتہ اگر کوئی شخص مال حرام سے تجارت کرے اوراس پر نفع حاصل کرے تو فقہاے کرام چند صورتوں میں جواز کے قائل ہیں:

(۱)......پہلی صورت یہ ہے کہ مالِ تجارت خریدتے وقت پیسے (رقم) متعین نہ کرے اور ادائیگی مالِ حرام سے کرے۔

(۲)......دوسری صورت یہ ہے کہ مالِ تجارت خریدتے وقت حلال مال (رقم) متعین کرے اور ادائیگی مالِ حرام سے کرے۔

(۳)......تیسری صورت یہ ہے کہ خریداری کرتے وقت مالِ حرام کی تعیین کرے،لیکن ادائیگی حلال مال میں سے کرے۔

ان تین صورتوں کے علاوہ اگر کسی شخص نے مالِ تجارت خریدتے وقت بطورِ قیمت سودی مال متعین کیا اور ادائیگی بھی سود کے پیسوں سے کی یا مالِ تجارت خریدنے سے قبل ہی بائع کو سود کی رقم بطورِ قیمت ادا کی تو دونوں صورتوں میں حاصل شدہ آمدنی حرام متصور ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

توضیح المسألة مافي التاتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالامن حرام ،ثم اشترى ، فهذاعلى خمسة أوجه:أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع ،أولا، ثم اشترى منه بها،أواشترى قبل الدفع بهاودفعها،أواشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها،أواشترى مطلقاودفع تلك الدراهم ،أواشترى بدراهم آخر ودفع تلك الدراهم..........و قال الكرخيّ في الوجه الأول والثاني :لايطيب ،وفي الثلاث الأخيرة يطيب ،وقال ابوبكر : لايطيب في الكل ،لكن الفتوى الأن على قول الكرخي دفعاللحرج عن الناس.(۱)

(۱) رد المحتار على الدر المختار ،كتاب البيوع،باب المتفرقات،مطلب اذااكتسب مالا حراما: ۴۹۰/۷

ترجمہ:

(علامہ حصکفیؒ کا یہ قول کہ کسی شخص نے حرام مال کھایا) اس مسئلہ کی وضاحت فتاوی تاتارخانیہ میں مذکور ہے صاحب تاتارخانیہؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حرام مال کمایا پھر اس مال حرام کے ذریعہ خریداری کی تو یہ پانچ قسم پر ہے:

(۱)...... پہلے مال حرام بائع کو دے گا پھر اس کے ذریعہ اس سے خریداری کرے گا۔

(۲)...... یا ان حرام پیسوں کو متعین کر کے پہلے خریداری کرے گا اور پھر یہی مال حرام (بطور ثمن) دے گا۔

(۳)...... یا مال حرام کی تعیین کر کے پہلے خریداری کرے گا، لیکن پھر اس کے علاوہ کوئی دوسرا مال (حلال بطور ثمن) دے گا

(۴)...... یا پیسوں کے ذکر کے بغیر خریداری کرے اور ادائیگی مال حرام میں سے کرے۔

(۵)...... یا خریداری کے لیے دوسرے دراہم (حلال) متعین کرے، لیکن ادائیگی اسی مال حرام سے کرے۔

امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی اور دوسری قسم میں اس کے لیے اس کمائی کا نفع جائز نہیں، جب کہ آخری تین اقسام میں جائز ہے اور امام ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں اس کے لیے نفع جائز نہیں، لیکن لوگوں سے حرج دفع کرنے کے لیے آج کل فتوی امام کرخیؒ کے قول پر ہے۔

❁❁❁

مشترک گاڑی میں اپنا حصہ دوسرے شریک پر قسط وار فروخت کرنا

سوال نمبر (192):

زید اور بکر نے مشترکہ گاڑی خریدی، اب زید اپنا حصہ بکر پر قسط وار فروخت کرنا چاہتا ہے، لیکن اصل قیمت سے زائد پر، شرعاً یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے اگر دو آدمیوں کے درمیان ابتدا ہی سے خریداری کے ذریعہ کسی چیز میں شرکت ثابت ہو جائے تو ان میں سے ہر شریک اپنا حصہ دوسرے شریک پر یا کسی اجنبی پر نقد یا قسط وار فروخت کرسکتا ہے۔ نیز نقد فروخت کرنے کی صورت میں مبیع کی ایک قیمت، جب کہ قسط وار فروخت کرنے کی صورت میں اس کی قیمت میں اضافہ کرنا بھی درست اور جائز ہے، لہٰذا زید اپنا حصہ بکر پر قسط وار اصل قیمت سے زائد رقم کے عوض فروخت کرسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

إن الشركة إذاكانت بينهما من الابتداء بأن اشتريا حنطة .... فبيع كل منهما نصيبه شائعا جائزمن الشريك والأجنبي .(١)

ترجمہ:

اگر دوشرکا کے مابین ابتداء شرکت ثابت ہو جائے ،مثلا دونوں اکٹھے گندم خریدیں۔۔۔۔۔تو ہرایک کا اپنا حصہ مشترکہ دوسرے شریک پر یا کسی اجنبی پر فروخت کرنا جائز ہے۔

لأن للأجل شبهابالمبيع ألايرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل .(٢)

ترجمہ: کیوں کہ میعاد مبیع کے مشابہ ہے، کیانہیں دیکھتے کہ میعاد کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

❁❁❁

صدر روزگار اسکیم کے تحت رکشہ خریدنا

سوال نمبر(193):

آج کل صدر روزگار اسکیم کے تحت بینکوں سے رکشے نکالے جاتے ہیں جن کی قیمت قسطوں کے ذریعے زیادہ وصول کی جاتی ہے۔شرعا یہ معاملہ جائز ہے یانہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کوئی شخص یاادارہ جب کسی چیز کا مالک بن جاتا ہےتو اسے فروخت کرنے کا اسے مکمل طور پر اختیار حاصل ہوتا ہے،لہٰذا نقد کی صورت میں کم قیمت اوراُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت وصول کرنے میں شرعا کوئی قباحت نہیں،بشرط یہ کہ کسی ناجائزفعل کاارتکاب لازم نہ آئے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر رکشہ بینک کی ملکیت ہواور گاہک سے ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت وصول کرے تو یہ معاملہ شرعا جائز ہے،تاہم اگر بینک گاہک کورکشہ کی قیمت قرض کی صورت میں ادا کرے اور پھر گاہک خود اپنے لیے

---

(١) رد المحتار على الدر المختار ،مطلب الحق ان الدين يملك،كتاب الشركة : ٤٦٧/٦

(٢) الهداية،كتاب البيوع،باب المرابحة والتولية :٧٨/٣

رکشہ خریدے اور بینک کو اقساط کی صورت میں زیادہ قیمت ادا کرے تو اس صورت میں یہ معاملہ سود کے زمرے میں داخل ہوکر ناجائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

لأن للأجل شبهابالمبيع ،ألايرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل.(١)

ترجمہ:

کیوں کہ میعاد مبیع کے مشابہ ہے، کیا یہ بات واضح نہیں کہ میعاد کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے (اور وہ جائز ہے)۔

كل قرض جر منفعةً،فهو ربا.()

ترجمہ:

ہر قرض جو (اپنے ساتھ) نفع کھینچے تو وہ (نفع) سود (کے حکم میں) ہے۔

❁❁❁

پیپسی میں چینی کی بجائے شکرین ملا کر بیچنا

سوال نمبر(194):

میری ایک فیکٹری ہے جس میں پیپسی وغیرہ کے مشروبات تیار کی جاتے ہیں، پہلے میں اس میں چینی استعمال کیا کرتا تھا،لیکن چونکہ اس کے استعمال کی وجہ سے شربت میں پائیداری نہیں رہتی، بلکہ جلدی خراب ہوجاتا،اب ہم چینی کی بجائے شکرین استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے شربت خراب نہیں ہوتا،لیکن شکرین میں بقولِ اطبا نقصانات زیادہ ہیں،شرعی نقطۂ نظر سے اس بات کی وضاحت کریں کہ ہمارے لیے شربت میں شکرین استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

پیپسی یا اس جیسی دیگر مشروبات میں چینی کی بجائے شکرین ملانا دھوکہ دہی کے زمرے میں آتا ہے جو

(١) الهداية،كتاب البيوع،باب المرابحة والتولية :٣/٧٨

(٢) السنن الكبرى للبيهقي:٨/٢٧٤

ازروئے شریعت جائز نہیں، کیوں کہ مشروب کے بوتل پرشکرین کی بجائے چینی کا نام لکھا ہوتا ہے اور لوگ بھی اس بناپر خریدتے ہیں کہ اس میں چینی ملی ہوئی ہے، لہٰذا شکرین کا استعمال ان مشروبات میں جائز نہیں، تاہم اتنی مقدار ملانا جس سے شربت خراب ہونے سے محفوظ ہوجائے اور خریدنے والے کے لیے نقصان کا باعث نہ بنے، جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أبي هريرة: أن رسول الله ﷺ مر علی صبرة من طعام ،فأدخل يده فيها ،فنالت أصابعه بللا فقال:يا صاحب الطعام ماهذا ؟قال أصابته السماء يارسول الله ،قال أفلاجعلته فوق الطعام حتی يراه الناس،ثم قال : من غش فليس منا.(۱)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ:''آپ ﷺ گندم کے ڈھیر کے پاس سے گزرے، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں داخل کیا تو آپ ﷺ کو اپنے ہاتھ پر تری محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا:''اے گندم کے مالک یہ کیا ہے''؟ اس نے کہا:''کہ یہ بارش کی وجہ سے تر ہوگئے ہیں''، آپ ﷺ نے فرمایا:''پھر تم اس کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھتے تاکہ لوگ اس (تر گندم) کو دیکھیں''، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں''۔

❁❁❁

Drugs(دوائی)فروخت کرنے کالائسنس فروخت کرنا

سوال نمبر(195):

آج کل میڈیسن کا کاروبار کرنے کے لیے ایک لائسنس کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے بغیر دوائیاں فروخت کرنا قانوناً جرم ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس مطلوبہ لائسنس ہو اور وہ اسے کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرے جو دوائیوں کا کاروبار کرتا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تجارتی لائسنس کوئی مادی چیز نہیں جس کی قیمت ادا کر کے خریدی جائے، بلکہ ایک حق کا نام ہے جس کے

(۱) جامع الترمذي ،ابواب البيوع،باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع :۳۷۸/۱

ذریعے مارکیٹ میں تجارت کی اجازت ملتی ہے۔لہذا ضرورت کی بنا پر تاجروں کے عرف میں اس کی قیمت مقرر کی جاتی ہے،لہذا مال کے عوض اس سے دست برداری بھی جائز ہے،اگر مذکورہ لائسنس کسی شخص کی قابلیت اور اہلیت کی بنا پر جاری ہوتا ہے اور حکومت یہ لائسنس فروخت کرنے اور دوسرے کے نام منتقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہو تو اسے کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں جھوٹ اور دھوکہ دہی لازم آتی ہے۔

البتہ بہتر یہ ہے کہ لائسنس یافتہ شخص اس دوسرے شخص کے ساتھ شرکت کی بنیاد پر کاروبار کرے یا اس کے کام کی نگرانی کرے تو اس صورت میں وہ اپنے عمل کی مخصوص اجرت لے سکتا ہے۔

والدّليل على ذلك:

لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة ،كحق الشفعة ،وعلى هذا لايجوز الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف ،وفيها في آخر بحث تعارض العرف مع اللغة ،المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، لكن أفتى كثير باعتباره وعليه ،فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال.(١)

ترجمہ:

حقوق مجردہ کے بدلے میں کوئی چیز وصول کرنا جائز نہیں، جیسا کہ شفعہ کا حق (ساقط کرنے کے عوض خریدنے والے سے کچھ وصول کرنا) اسی طرح اوقاف کے وظائف (اسناد) کے بدلے میں کوئی چیز وصول کرنا جائز نہیں اور اس کے بارے میں ہے، جب عرف خاص کے ساتھ اس کا تعارض ہو تو راجح مذہب کے مطابق عرف خاص کی رعایت نہیں ہوگی، لیکن زیادہ علمائے کرام نے اس پر فتوی دیا ہے، اس لیے ان (وظائف) سے مال کے عوض دست برداری جائز ہے۔

❀❀❀

سمگلنگ کے منافع کا استعمال

سوال نمبر (196):

اگر کوئی شخص غیر ملکی کپڑے کی سمگلنگ کرتا ہو تو اس کی کمائی جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایسے مال کو مسجد میں لگانے کا حکم بھی واضح فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

(١) الدر المختار على صدر رد المحتار ،كتاب البيوع ،لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة : ٧/٣٥

الجواب وباللہ التوفیق:

غیر ملکی اشیا کی خرید وفروخت بذاتِ خود جائز ہے، تاہم جہاں کہیں حکومت ملک کے اقتصادیات کو کنٹرول کرنے کے لیے غیر ملکی اشیا کی خرید وفروخت پر پابندی لگاتی ہے تو ایسی صورت میں رعیت کے لیے اس کی پابندی لازمی ہے، کیوں کہ جو قانون شرعی احکام سے متصادم نہ ہو، اس کی پاس داری مذہبی ذمہ داری بن جاتی ہے، تاہم اس کے ذریعے حاصل کی گئی آمدنی محض سمگلنگ کی وجہ سے حرام نہیں ہوتی، لہذا اس کمائی کا مسجد میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾.(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا اور رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں، حکم مانو۔

❁❁❁

کمپنی کی شہرت کے عوض زیادہ رقم لینا

سوال نمبر(197):

ہماری میڈیسن کمپنی ہے، ہم اس کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، لیکن خریدنے والے سے پانچ لاکھ روپے اصل قیمت سے زیادہ وصول کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ہماری کمپنی کی مارکیٹ میں شہرت ہے جس کی بنا پر اس میں بننے والی دوائیاں دوسری کمپنیوں کی بنسبت زیادہ فروخت ہوتی ہیں، کیا ہمارے لیے خریدار سے اصل قیمت کے علاوہ مزید پانچ لاکھ روپے وصول کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جن اشیا کا ظاہری وجود ہو اور محسوس کی جاتی ہوں، ان کی خرید وفروخت شریعت کی رُو سے بالاتفاق جائز ہے، لیکن جو چیزیں ظاہرا موجود نہ ہوں، بلکہ کسی دوسری چیز کے ضمن میں موجود ہوں جیسے، کسی کمپنی کا ٹریڈ مارک یا گڈول تو فقہا کی اصطلاح میں اس کو حقوق مجردہ کہتے ہیں۔

---

(۱) النساء/۵۹

عموماً حقوق مجردہ ظاہری وجود نہیں رکھتے، اس لیے ان میں عوض بننے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی، لہٰذا مالیت متحقق نہ ہونے کی بنا پر ان کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

تاہم ٹریڈ مارک اور نام کی شہرت کی نوعیت حقوق مجردہ سے ذرا مختلف ہے، کیوں کہ اس کی باقاعدہ رجسٹریشن ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی ملکیت مستحکم ہوتی ہے، دوسرا شخص اس نام کو استعمال کرنے کا مجاز نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی اس کو فروخت کردے تو اس کی ملکیت ختم ہو کر خریدنے والا اس کا مالک بن جاتا ہے۔ بیع کی صورت میں پہلے شخص سے ملکیت منتقل ہو کر دوسرے شخص کا مالک بننا اس کے مبیع ہونے کے آثار ہیں، جو تاجروں کے ہاں مالیت متحقق ہونے کی بنا پر عوض بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، لہٰذا اس مالیت کی بنا پر اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔

مذکورہ تفصیل کے پیش نظر صورتِ مسئولہ میں خریدنے والے سے شہرت کے مزید پانچ لاکھ روپے وصول کرنا درست ہے، تاہم فروخت کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کا اعلان کرے کہ ہم نے کمپنی بیچ دی اور اب اس کمپنی کے مالک ہم نہیں رہے، تاکہ لوگ اور گاہک دھوکہ سے محفوظ رہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

المراد بالمال مايميل إليه الطبع ،ويمكن إدخاره لوقت الحاجة ،والمالية تثبت بتمول الناس كافة ،أوبعضهم والتقوم يثبت بها وبإباحة الانتفاع به شرعا.(١)

ترجمہ:

مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور بوقتِ ضرورت اس کو ذخیرہ کرنا ممکن ہو اور مالیت تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے اور ''تقوم'' مالیت بنانے کے ذریعہ بھی ثابت ہوتا ہے اور شرعاً اس سے انتفاع جائز ہونے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

چوری کی گاڑی بیچنا

سوال نمبر(198):

زید نے بکر سے چار سال پہلے گاڑی خریدی، خریدتے وقت گاڑی کے کاغذات موجود تھے، اب چار سال بعد

(١) رد المحتار على الدر المختار ، كتاب البيوع ،مطلب في تعريف المال : ١٠/٧

وہ گاڑی ایکسائز والوں نے پکڑ لی، کیوں کہ اس کے کاغذات جعلی تھے، اب زید بکر سے اپنی رقم کا مطالبہ کرتا ہے، جب کہ بکر کا بیان ہے کہ چونکہ تم نے خریدتے وقت مکمل تسلی کی تھی، لہٰذا تم رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ واضح رہے کہ یہ گاڑی چوری کی تھی اور اس کے اصلی کاغذات اس کے اصل مالک کے پاس بمع ثبوت موجود ہیں، کیا اس صورت میں زید بکر سے اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسروقہ مال کی خرید وفروخت شریعت میں بیعِ موقوف کے نام سے متعارف ہے، جس میں نہ تو خریدنے والا خریدی ہوئی چیز کا مالک بن سکتا ہے اور نہ ہی فروخت کرنے والا قیمت کی ملکیت حاصل کر سکتا ہے، البتہ اگر اصل مالک اس لین دین کی اجازت دے تو بائع رقم اور مشتری خریدی ہوئی چیز کی ملکیت کے حق دار بنیں گے۔

صورتِ مسئولہ میں جب تک گاڑی کے اصلی مالک کی اجازت دینے کی معلومات نہ ہوئی ہوں، اس وقت تک یہ لین دین نامکمل ہے، لہٰذا مشتری، یعنی زید اپنی رقم کے مطالبہ کرنے کا حق دار ہے، تاہم اگر اس دوران گاڑی کے اصل مالک کی اجازتِ بیع معلوم ہو جائے تو اس صورت میں بیع مکمل ہونے کی صورت میں زید مطالبہ کا حق دار نہیں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

إذا باع المغصوب من غير الغاصب ،فهو موقوف هو الصحيح ،فإن أقر الغاصب تم البيع ولزمه ، وإن جحد ....انتقض البيع..........الغاصب إذا باع المغصوب من رجل ،ثم باعه المشتري من الاخر ،حتى تداولته الأيدي ،ثم إن المالك أجاز عقدا من العقود ،جاز ذلك العقد .(۱)

ترجمہ: جب مغصوبہ مال بیچے تو وہ (مغصوب منہ کی اجازت پر) موقوف رہے گی، اگر وہ نافذ کر دے تو بیع مکمل اور لازم ہو جائے گی اور اگر وہ انکار کرے تو بیع ٹوٹ (باطل) ہو جائے گی۔۔۔۔۔۔ (جیسے اس صورت میں) غصب کرنے والا شخص جب غصب شدہ چیز کو کسی شخص پر فروخت کرے، پھر خریدنے والا اس کو آگے بیچ دے، یہاں تک کہ وہ چیز ہاتھ در ہاتھ فروخت ہو جائے تو اگر اصلی مالک نے کسی ایک معاملہ (خرید وفروخت) کی اجازت دے دی تو وہ معاملہ جائز ہوگا۔

وحقوق العقد من قبض الثمن وغيره عندالإجازة ترجع إلى العاقد...........وإذا هلك المبيع

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز وما لا يجوز، الفصل الثالث في بيع المرهون: ۱۱۱/۳

عندالمشتري کان للمالك الخیار،إن شاء ضمن البائع قیمته..........وإن ضمن المشتري قیمته ،بطل البیع،و کان للمشتري أن یستردالثمن من البائع إن کان نقده.(۱)

ترجمہ: اورعقد کے حقوق میں سے ثمن وغیرہ پر قبضہ کرنے کا حق اجازت کے بعد عاقد کی طرف لوٹتا ہے۔۔۔۔۔اور جب مبیع ہلاک ہوجائے تو مالک کو اختیار ہے، چاہے تو بائع کو اس کا ضامن ٹھہرائے۔۔۔۔۔اگر مشتری کو ضامن ٹھہرائے تو وہ بیع باطل ہوجائے گی اور اس صورت میں مشتری نے قیمت ادا کی ہو تو وہ اس (بائع) سے واپس لے لے۔

❁❁❁

PSO کی انعامی سکیم

سوال نمبر(199):

PSO پاکستان سٹیٹ آئل یا بعض دوسرے کاروباری ادارے گاہک کو راغب کرنے کے لیے انعامی سکیمیں جاری کرتے ہیں جس کی ایک صورت یہ ہے کہ جو شخص ۲۰ لیٹر پٹرول ڈلوائے گا، اس کو ایک کوپن دیا جاتا ہے، قرعہ اندازی کی صورت میں اس کوپن کے ذریعہ کسی شخص کا انعام نکلتا ہے۔ کیا اس کوپن کے ذریعے انعام حاصل کرنا جائز ہے؟ اسی طرح اگر کوئی گاہک یہ کوپن نہ لے تو کیا ڈیلر خود استعمال کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

PSO کی مروجہ انعامی سکیم کمپنی اپنی شہرت اور گاہک کو راغب کرنے کے لیے جاری کرتی ہے، اس کو سود یا جوا سے تعبیر کرنا مشکل ہے، تاہم جو شخص انعام کی غرض سے کوپن لیتا ہے تو بظاہر جوا کی شکل بن جاتی ہے، لیکن جس کے پیش نظر صرف پٹرول ڈلوانا ہو اور اتفاقاً انعام بھی مل جائے تو جواز کی گنجائش ہے۔

البتہ ڈیلر کے لیے گاہک کا کوپن خود لینا اور استعمال کرنا جائز نہیں، کیوں کہ بغیر پٹرول بیچے کوپن خود استعمال کرنا کمپنی کے ساتھ دھوکہ ہے اور پٹرول بیچ کر گاہک کو کوپن نہ دینا گاہک کے ساتھ دھوکہ ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

یجوز للمشتري أن یزید للبائع في الثمن ،ویجوز للبائع أن یزید للمشتري المبیع .(۲)

---

(۱) الفتاوی الخانیة، کتاب البیوع،فصل في البیع الموقوف:۲/۱۸۲، ۱۷۳

(۲) الهدایة ،کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة : ۳/۵۲

ترجمہ: خریدنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ بیچنے والے کو زیادہ قیمت ادا کرے۔۔۔۔۔اسی طرح بیچنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ خریدنے والے کے لیے مبیع (بیچی جانے والی چیز) میں زیادتی کرے۔

مختلف جانوروں کا دودھ ملا کر بیچنا

سوال نمبر (200):

زید دودھ کا کاروبار کرتا ہے، بعض اوقات زید بھینس کے دودھ میں گائے کا دودھ ملا کر لوگوں کو فروخت کرتا ہے اور قیمت بھینس کے دودھ کی وصول کرتا ہے، از روئے شرع زید کا یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حدیثِ نبوی ﷺ میں ملاوٹ کرنے والے شخص کے بارے میں سخت وعید آئی ہے، اس کی شناعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے شخص کو سرکارِ دوجہان نے اپنی جماعت کی فہرست سے خارج کیا ہے۔ صورتِ مسئولہ میں زید کا بھینس کے دودھ میں گائے کا دودھ ملانا گاہک کو دھوکہ دینے کی مذموم کوشش ہے، کیوں کہ دونوں میں نمایاں فرق ہے؛ لہٰذا اگر گاہک کو معلوم نہ ہو تو زید کے لیے جائز نہیں کہ وہ ملاوٹ کے ذریعہ بھینس کے دودھ کی قیمت وصول کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبي هريرةؓ: أن رسول الله ﷺ مر على صبرة من طعام فأدخل يده فيها فنالت أصابعه بللا فقال: يا صاحب الطعام ماهذا ؟قال أصابته السماء يارسول الله قال أفلاجعلته فوق الطعام حتى يراه الناس،ثم قال : من غش فليس منا.(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ گندم کے ڈھیر کے پاس سے گزرے، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں داخل کیا تو آپ ﷺ کو اپنے ہاتھ پر تری محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے گندم کے مالک یہ کیا ہے''؟ اس نے کہا کہ: ''یہ بارش کی وجہ سے تر ہو گئے ہیں''، آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تم اس کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھتے تاکہ لوگ اس (تر گندم) کو دیکھیں''۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں''۔

(۱) جامع الترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیة الغش فی البیوع :۱/۳۷۸

کتاب الصرف

(مباحث ابتدائیہ)

لغوی تحقیق:

لفظِ صرف لغت میں کئی معانی میں مستعمل ہے، مثلاً: کسی شے کو ایک صورت سے دوسری صورت میں منتقل کرنا، خرچ کرنا، فضل اور زیادتی وغیرہ۔ صرف بیع کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ صیرفی، صیرف اور صراف اسی سے اسم فاعل ہیں بیع الصرف کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ اس میں بھی دولت اور ثمن مسلسل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتا ہے (۱)

اصطلاحی تحقیق:

اصطلاح میں ''بیع الثمن بالثمن'' کا نام صرف ہے، یعنی سونے چاندی یا اس کے سکوں کی ایک دوسرے کے عوض خرید وفروخت۔ ثمن سے مراد ثمن خلقی ہے، یعنی وہ چیز جس کی تخلیق ہی بطورِ ثمن ہوئی ہو، جیسے: سونا، چاندی یا اس کے سکے، یعنی دراہم ودنانیر۔ (۲)

بیع صرف کی مشروعیت:

بیع الصرف عام بیوعات کی طرح ایک بیع ہے، جو قرآنی آیت ﴿احل اللہ البیع﴾ (۳) کے ضمن میں داخل ہے۔ البتہ احادیث مبارکہ میں اس کی مشروعیت اور بعض احکامات کی تفصیل وارد ہے، مثلاً:

" الذهب بالذهب و الفضة بالفضة ....إذا كان يدابيد". (٤)

اور "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل .... ولاتبيعوا منها غائبا بناجز". (٥)

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصرف: ٢٥٨/٦، لسان العرب، مادة صرف: ٣٢٨/٧، الموسوعة الفقهية، مادة صرف: ٣٤٨/٢٦، وزارة الأوقاف، كويت

(۲) الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ٥٢٠/٧، فتح القدير، كتاب الصرف: ٢٥٨/٦

(۳) البقرة: ٢٧٥ (٤) الصحيح للمسلم، باب الربا: ٢٥/٢

(٥) الصحيح للمسلم، باب الربا: ٢٣/٢

بیع صرف کارکن اور حکم:

چونکہ بیع صرف بیع کی ایک قسم ہے، اس لیے اس کارکن اور حکم بھی بیع کی طرح ہے، یعنی ایجاب وقبول ہی اس کارکن ہوگا، البتہ دونوں طرف سے ثمن ہونے کی وجہ سے چونکہ اس بیع میں سود کا زیادہ احتمال ہوتا ہے، اس لیے فقہائے کرام نے اس کو سود سے پاک رکھنے کے لیے چند مخصوص شرائط کی رعایت رکھنے کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ بلاقصد وارادہ سود جیسی لعنت میں نہ پڑ جائے۔(۱)

بیعِ صرف کی شرائط:

(۱)......فریقین کی جدائی سے پہلے بدلین پر قبضہ کرنا۔ جدائی سے مراد ''افتراق بالابدان'' ہے، لہٰذا اگر مجلس بدل جائے، لیکن دونوں باہم جدا نہ ہوں تو بھی قبضہ درست ہے۔ اگر بعض ثمن پر مجلسِ عقد میں قبضہ ہوجائے اور بعض پر نہیں تو مقبوضہ ثمن کے بقدر عقد درست ہے، باقی میں باطل ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔(۲)

(۲)......فریقین میں سے کسی کے لئے بھی خیارِ شرط نہ ہو، اس لیے کہ بیع صرف میں بدلین پر قبضہ کرنا شرط ہے، لہٰذا فریقین میں سے کوئی اپنے لیے ایسا اختیار حاصل نہیں کرسکتا جس سے قبضہ اور تملیک متاثر ہوجائے۔ البتہ اگر بدلین میں سے کسی کے اندر بعد میں عیب نظر آجائے اور اس کا تذکرہ عقد کے وقت نہ ہوا ہو تو خیارِ عیب کی وجہ سے فریقِ آخر کو وہ چیز واپس کرنے کا اختیار ہے، تاہم خیار رؤیت کے متعلق یہ وضاحت ضروری ہے کہ دراہم ودنانیر میں خیار رؤیت متصور نہیں، اس لیے کہ نقود میں بیع خاص دراہم ودنانیر سے متعلق نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مثل اور بدل دینا بھی جائز ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بیعِ صرف میں خیار رؤیت اس وقت آسکتی ہے جب بیع زیورات یا سونے چاندی کے برتنوں سے متعلق ہو۔(۳)

(۳)......عاقدین میں سے کسی ایک یا دونوں کا معاوضہ کی ادائیگی میں کوئی خاص مدت مقرر نہ کرنا۔(۴)

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصرف، الباب الأول :۲۱۷/۳

(۲) فتح القدير، كتاب الصرف :۲۶۷/۶

(۳) فتح القدير، كتاب الصرف:۲۵۸/۶، بدائع الصنائع : ۱۷۰/۷

(٤) خلاصة الفتاوى:۱۰۱/۳، الفتاوى الهندية ، كتاب الصرف، الباب الأول في تعريفه وركنه وحكمه وشرائطه: ۲۱۷/۳، بدائع الصنائع: ۱۷۱/۷

(۴) اگر بدلین ایک جنس کے ہوں تو دونوں کا برابر ہونا، اگر چہ ایک بدل دوسرے سے اعلیٰ ہو۔ (۱)

(۵) اگر بدلین ایک جنس کے ہوں تو فریقین کا بدلین کی مقدار اور ان کی برابری سے آگاہ ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی کے عوض انکل بیچا گیا تو یہ معاملہ ناجائز ہے، اگر چہ اتفاقاً وہ دونوں برابر بھی ہوں، تاہم حنفیہ کے ہاں اگر انکل معاملہ کرنے کے بعد مجلسِ عقد ہی میں دونوں عوضوں کو وزن کیا گیا اور وہ برابر نکلے تو پھر یہ معاملہ جائز ہو جائے گا، لیکن اگر عاقدین کی جدائی کے بعد برابری ظاہر ہو جائے تو پھر معاملہ ناجائز ہی رہے گا۔ (۲)

بیعِ صرف کی مختلف صورتیں:

فقہائے کرام کے ذکر کردہ احکامات اور صورتوں کا استقصاء کرنے سے بیع الصرف کی چند قسمیں بنتی ہیں جن میں سے ہر قسم کا حکم مختلف ہے۔ ذیل میں ان کا مختصراً تذکرہ کیا جارہا ہے۔ (۳)

(۱)...... بیع احد النقدین بجنسہ، یعنی سونے کا سونے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ:

مذکورہ بیع میں بدلین کا مقدار اور وزن میں برابر ہونا ضروری ہے اور مجلسِ عقد ہی میں بدلین پر قبضہ بھی ضروری ہے۔ اس صورت میں تفاضل اور نساء دونوں حرام ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ عوضین میں سے کسی ایک کا اعلیٰ اور دوسرے کا ادنیٰ ہونا ایک کا خالص سونا یا چاندی ہونا اور دوسرے کا سکے کی صورت میں ہونا کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔ (۴)

(۲)...... بیع احد النقدین بالاخر، یعنی سونے کا چاندی یا چاندی کا سونے سے تبادلہ:

فقہائے کرام کے ہاں مذکورہ بیع میں ایک جنس کا دوسرے جنس سے زیادہ ہونا (تفاضل) اور برابر ہونا دونوں جائز ہیں۔ اسی طرح مذکورہ بیع میں عوضین کا محض اندازے سے تبادلہ کرنا بھی جائز ہے، تاہم اس میں شرط یہ ہے کہ دونوں عوضوں پر مجلسِ عقد کے اندر ہی قبضہ کیا جائے، اس لیے کہ ربا النساء (ادھار سود) بیع صرف کی تمام اقسام میں ناجائز اور حرام ہے۔ (۵)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۴۶/۷، الموسوعۃ الفقہیۃ، مادۃ صر: ۲۶/۳۵۰-۳۵۵

(۲) فتح القدیر مع الہدایۃ، کتاب الصرف: ۶/۲۵۹، ۲۶۰

(۳) الموسوعۃ الفقہیۃ، مادۃ صرف: ۲۶/۳۵۵-۳۷۰

(۴) فتح القدیر مع الہدایۃ، کتاب الصرف: ۶/۲۵۹

(۵) فتح القدیر مع الہدایۃ، کتاب الصرف: ۶/۲۶۲، ۲۶۳

(۳)……بیع النقد بالنقد و مع أحدهما أو كليهما شيء آخر:

یعنی سونے چاندی کا سونے چاندی سے تبادلہ اس حال میں کہ ایک طرف یا دونوں طرف اس کے ساتھ کوئی اور چیز بھی ہو۔

مذکورہ بیع کی دو صورتیں ہیں: اگر نقدین باہم مخالف الجنس ہوں، یعنی سونا چاندی یا چاندی سونے کے عوض ہو اور ساتھ دوسری چیز بھی ہو تو اس میں تفاضل، تساوی اور اٹکل بیع ہر صورت جائز ہے، لیکن مجلسِ عقد میں دونوں پر قبضہ ضروری ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سونے کا سونے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ ہو اور ساتھ دوسری چیز بھی ہو، جیسے: دو درہم کا ایک درہم اور ایک صاع گندم سے تبادلہ یا خالص سونے چاندی کا ایسی تلوار یا برتن سے تبادلہ جس پر سونا یا چاندی چڑھایا گیا ہو۔ ان صورتوں میں ثمن (بغیر سامان کے سونا چاندی یا دراہم ودنانیر) کا زیادہ ہونا ضروری ہے، تاکہ زیادتی اس زائد چیز کے بدلے میں آجائے اور سونے چاندی کا باہم برابر سرابر تبادلہ ممکن ہو سکے۔ اگر ثمن برابر ہو یا کم ہو یا نامعلوم ہو تو معاملہ سود یا احتمالِ سود پر مبنی ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔(۱)

(٤)……بيع جملة من الدراهم والدنانير بجملة منها:

یعنی دراہم اور دنانیر دونوں کا دراہم اور دنانیر سے تبادلہ

جیسے دو درہم اور ایک دینار کا ایک درہم اور دو دینار سے تبادلہ۔ مذکورہ بیع صرف حنفیہ کے ہاں جائز ہے۔ حنفیہ انسانی ضروریات اور احتیاج کو دیکھتے ہوئے اس بیع کو صحیح کرنے کے لیے دراہم کو دنانیر اور دنانیر کو دراہم کے بدلے میں لاکر توجیہ کرتے ہیں۔ مذکورہ بیع میں بھی مجلسِ عقد کے اندر عوضین پر قبضہ شرط ہے۔(۲)

(٥)…… الصرف على الذمة أو في الذمة:

اس کی تین صورتیں ہیں، مثلاً:

(۱) زید نے عمرو سے ۱۰ درہم ایک دینار کے عوض خریدے، لیکن نہ تو زید کے پاس دراہم ہیں اور نہ عمرو کے پاس دینار، پس زید نے ایک دوسرے شخص سے دراہم قرض لیے اور عمرو نے دینار، اور اسی مجلس میں ایک دوسرے کو قبضہ

(۱) فتح القدير، مع الهداية، كتاب الصرف: ٦/ ٢٦٦

(۲) فتح القدير على الهداية، كتاب الصرف: ٦/ ٢٦٨، ٢٦٩، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف: ٧/ ٥٨٠

اور تملیک کروالیا۔حنفیہ،شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں بیع صرف کی یہ صورت جائز ہے،اس لیے کہ مجلسِ عقد میں قبضہ کرنا ایسا ہے گویا عقد کے وقت قبضہ کرلیا ہو۔(۱)

(۲) حنفیہ کے ہاں اگر ایک شخص کا دوسرے شخص پر مثلاً ۱۰ دراہم قرض ہو اور وہ اس کے بدلے اس کو ایک دینار فروخت کردے اور وہ اس پر قبضہ کرلے تو جائز ہے۔اس صورت میں اگر وہ یہ کہے کہ یہ دینار ان دس دراہم کے بدلے ہے جو آپ کے میرے ذمے تھے تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر یہ نہ کہے، بلکہ مطلقاً ۱۰ دراہم کے بدلے فروخت کردے اور فروخت کرنے کے بعد دونوں دس دس دراہم کا مقاصہ (ادلا بدلا) کریں تو بھی حنفیہ کے ہاں استحساناً جائز ہے۔(۲)

(۳) حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اگر دائن مدیون سے دراہم کے بدلے دینار لینا چاہے یا دینار کے بدلے دراہم لینا چاہے تو اس دن کی قیمت کے لحاظ سے وہ ایسا کرسکتا ہے ''لحدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ''.(۳)

(٦)......صرف الدراهم والدنانير المغشوشه :

یعنی ملاوٹ شدہ دراہم اور دنانیر کا باہم تبادلہ

حنفیہ کے ہاں اگر ملاوٹ کم مقدار میں ہو تو ایسے دراہم اور دنانیر کا حکم بالکل خالص سونے چاندی کا ہے،لہٰذا اگر ایک جنس کا تبادلہ ہو تو برابری ضروری ہے،ساتھ ساتھ مجلسِ عقد میں دونوں کا قبض کرنا بھی۔

اور اگر ملاوٹ زیادہ ہو تو پھر اس کا حکم سامان کی طرح ہے،لہٰذا اگر خالص ہم جنس (سونے چاندی) سے تبادلہ ہو تو ثمن کا زیادہ ہونا ضروری ہے،تاکہ جنس جنس کے بدلے میں آجائے اور زیادتی اس ملاوٹ کے بدلے میں۔(۴)

(۷) الصرف بالفلوس:

یعنی سونے چاندی کے علاوہ اشیا کے سکوں اور کرنسیوں کا باہمی تبادلہ (۵)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب الصرف: ۵۲۳/۷

(۲) فتح القدیر علی الهداية ، کتاب الصرف: ۲۷۲/٦، ۲۷۳، الموسوعة الفقهية ، مادة صرف: ۳٦٤/۲٦، الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۵۳۱/۷

(۳) سنن أبي داؤد، كتاب البيوع: ۱۲۰/۲

(٤) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۵۳۲/۷

(۵) الموسوعة الفقهية، مادة صرف: ۲٦/ ۳۷۰-۳۵۵

کرنسی کا کرنسی اور سونے چاندی سے تبادلہ:

موجودہ دور میں مروجہ کرنسی نوٹ ثمن، یعنی زر کا درجہ رکھتے ہیں۔ سونا چاندی تو خلقی طور پر ثمن ہیں، البتہ نوٹ اور سکے ثمن عرفی ہیں، یعنی لوگوں کے رواج اور تعامل کی وجہ سے ثمن کے درجہ میں آگئے ہیں۔ کرنسی کے تبادلہ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) کرنسی کا تبادلہ سونے چاندی سے

(۲) ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے

(۳) ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے

(۱) اگر کرنسی کا تبادلہ سونے چاندی سے ہو تو کرنسی کی حیثیت سامان کی ہوگی اور سونا چاندی اصل زر متصور ہوگا، لہٰذا کرنسی اور سونے چاندی کے تبادلہ کی صورت میں نہ مجلسِ عقد میں قبضہ ضروری ہوگا اور نہ مقدار میں مماثلت، لہٰذا نقد اور ادھار ہر قسم کی خرید وفروخت جائز ہوگی، تاہم ادھار کی صورت میں احد البدلین پر قبضہ ضروری ہوگا۔(۱)

(۲) ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر کر کے بالاتفاق جائز ہے۔ مذکورہ تبادلے میں اگر چہ کمی زیادتی تو جائز نہیں، لیکن یہ بیع صرف بھی نہیں، کیوں کہ کرنسی نوٹ ثمنِ خلقی نہیں ہیں، بلکہ یہ ثمنِ عرفی یا اصطلاحی ہیں اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونے چاندی) میں جاری ہوتے ہیں، اس لیے مجلسِ عقد میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں، البتہ امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک کم از کم ایک طرف سے قبضہ پایا جانا ضروری ہے، تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے، یعنی ادھار کے بدلے ادھار کی بیع۔(۲)

ائمہ ثلاثہ کے ہاں چونکہ اثمان متعین کرنے سے متعین ہوجاتے ہیں، اس لیے ان حضرات کے ہاں اگر ایک فریق نے بھی نوٹ متعین کر دیے کہ معاملہ خاص ان ہی نوٹوں پر ہوگا تو پھر صحتِ عقد کے لیے قبضہ شرط نہیں ہوگا۔ (۳)

فلوس کی بیع سے ان کی ذات یا دھات مقصود نہیں ہوتی، بلکہ وہ قیمت مقصود ہوتی ہے جس کی وہ نمائندگی کرتے ہیں، لہٰذا دس فلوس کا ایک سکہ اگر چہ بظاہر ایک ہے لیکن وہ حکماً ایک ایک فلس کے دس سکوں کے برابر ہے، لہٰذا آج کل

---

(۱) المبسوط للسرخسي، كتاب الصرف، باب البيع بالفلوس: ٢٤/١٤٧

(٢) الدرالمختار مع رد المختار، كتاب البيوع، باب الربا: ٧/٤١٤

(٣) المغني لابن قدامة، كتاب الرباوالصرف، تحت مسئلة (٢٨٥٦، ٢٨٥٧): ٤/١٩٠

خراب نوٹ یا پرانے نوٹ زیادہ مقدار میں لے کر نئے نوٹ کم مقدار میں دینا اور کسی قدر زیادہ پیسے دے کر ریزگاری لینے کا جو رواج ہے، وہ جائز نہیں اور سود میں داخل ہے۔(۱)

☆ **نوٹ:**

ایک ہی کرنسی میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے ہاں ثمنیت باطل کر کے تفاضل کے جواز کا جو قول تھا وہ اس زمانے سے متعلق تھا، جب سونے چاندی کو تمام اثمان کا معیار قرار دیا ہوا تھا اور تمام معاملات میں پوری آزادی کے ساتھ سونے کے سکوں کے ذریعے لین دین ہوا کرتا تھا اور دوسری دھات کے سکے معمولی قسم کے تبادلے میں استعمال ہوتے تھے۔ موجودہ دور میں دنیا کے کسی بھی شہر میں سونے چاندی کے سکوں کا رواج نہیں، بلکہ ہر طرف کرنسی نوٹ رائج ہیں، لہٰذا موجودہ دور میں ہمارے اکابر علمائے کرام کے ہاں امام محمدؒ اور امام مالکؒ کے قول پر عمل کرنا متعین ہے۔ سودی لین دین کی ترویج اور سود کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو کنٹرول کرنے کے لیے یہی قول زیادہ مناسب ہے۔(۲)

(۳) مختلف ملکوں کی کرنسیاں فقہائے کرام کے ہاں الگ الگ جنس شمار کیے جاتے ہیں، لہٰذا تبادلہ کی صورت میں جنس وقدر کے اختلاف کی وجہ سے تفاضل اور ادھار دونوں جائز ہیں، تاہم احد البدلین پر مجلسِ عقد میں قبضہ کرنا ضروری ہوگا، اس لیے کہ کرنسیاں ثمنِ عرفی ہونے کی وجہ سے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتیں، البتہ صرف قبضہ ہی اس کے تعین کا ذریعہ ہے۔(۳)

(۱) فقہی مقالات ، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ: ۱/۳۷، قاموس الفقہ ، مادۃ صرف: ۴/۲۲۵، ۲۲۶

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے فقہی مقالات، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ: ۱/۳۱، ۴۵

(۳) فقہی مقالات ، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ: ۱/۳۱، ۴۵

باب السلم

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمت مشروعیت:

اقتصادیات اور معاشیات کی اہمیت کسی ذی شعور سے مخفی نہیں۔ اسلام نے انسانی زندگی کے اس شعبے کی اہمیت اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کامیاب تجارت اور مضبوط اقتصادی نظام کی طرف رہنمائی کی ہے اور مختلف قسم کے معاملات، جیسے: بیع مطلق، مشارکہ، مضاربہ اور اجارہ وغیرہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ان ہی عقود میں سے ایک عقد ''عقدِ سلم'' ہے جس کو موجودہ معاشی نظام میں سود کے متبادل اور خالص اسلامی تمویل کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ عقدِ سلم کا عام فہم معنی اور حیثیت یہی ہے کہ بیع کرتے وقت مکمل قیمت پیشگی ادا کرکے مستقبل کی کسی تاریخ میں متعین چیز خریدار کو فراہم کردی جائے جس کی وجہ سے تمویل کار (خریدار) اشیا کو نقد سودے کی بنسبت کم قیمت پر خرید کر نفع کماسکتا ہے اور بائع کو پیشگی قیمت ملنے کی وجہ سے سودی قرضے سے نجات، نقد قیمت وصول کرنے کی بدولت آسانی کے ساتھ کاروبار چلانے کی سہولت اور اس رقم سے دوسرے اخراجات وضروریات پورا کرنے کا موقع مل جاتا ہے، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے اس کو بیع المفالیس (فقیروں کی بیع) کے نام سے بھی ذکر کیا ہے۔(۱)

سلم کی لغوی تحقیق:

لغت میں سلم مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے: اعطاء، یعنی دینے اور قرض کے معنی میں اس کا استعمال زیادہ ہے۔(۲)

(۳) علامہ عبدالحیؒ لکھنوی فرماتے ہیں کہ: ''لغوی اعتبار سے سلم کا اطلاق بیع کی ایک قسم پر ہوتا ہے، جس میں ثمن پیشگی ادا کرکے مبیع مؤخر اور مؤجل لی جاتی ہے''۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۱۲۶/۷

(۲) الموسوعۃ الفقھیۃ، مادۃ سلم: ۱۹۱/۲۵، لسان العرب، مادۃ سلم: ۳۴۶/۶

(۳) حاشیہ الھدایۃ، کتاب البیوع، باب السلم: ۹۶/۳

سلم کی اصطلاحی تحقیق:

چونکہ عقدِ سلم کی شرائط میں فقہاے کرام کے مابین اختلاف ہے، اس لیے لازماً تعریف میں بھی اختلاف کا ہونا ضروری ہے، تاہم حنفیہ کے ہاں بیع سلم کی تعریف کچھ یوں ہے:

"بیع اجل بعاجل" یا "بیع مؤجل بمعجل".

نقد چیز کا ادھار چیز کے بدلے خرید وفروخت کا نام عقدِ سلم ہے۔ (۱)

صاحب شرح الوقایۃ نے اس کو مزید واضح کر کے یوں ذکر کیا ہے:

"السلم بیع الشیئ علیٰ أن یکون المبیع دینا علی البائع بالشرائط المعتبرة شرعاً". (۲)

بیعِ سلم کی مشروعیت:

☆......قرآن کریم سے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ﴾ (۳)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

"أشهد أن الله تعالیٰ أحل السلف المضمون".

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیع سلم کو حلال (جائز) قرار دیا ہے۔ (۴)

☆......احادیث مبارکہ سے:

"روي أنه علیه السلام نهی عن بیع مالیس عند الإنسان ورخص في السلم".

رسول اللہ ﷺ نے معدوم شے کی بیع سے منع فرمایا اور سلم کی اجازت دے دی۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ اور دوسرے اہل علم کا عقدِ سلم کے جواز پر اجماع اور عمل ہے۔ (۵)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب السلم: ۴۵۴/۷، شرح المجلة، مادة (۱۳۶۹): ص ۱۲۳

(۲) شرح الوقایة، کتاب البیوع، باب السلم: ۷۵/۳

(۳) البقرة: ۲۸۲ (۴) الهدایة، کتاب البیوع، باب السلم: ۹۶/۳، الجامع لأحکام القرآن للقرطبي، البقرة (۲۸۲): ۳۷۷/۳

(۵) الترمذي: ۴۴۹/۴، مکتبه حقانیه پشاور

☆......اجماعِ امت سے:

علامہ ابن منذر اور امام نوویؒ نے عقد سلم کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔(۱)

فلسفہ مشروعیت:

جمہور فقہائے کرام کے ہاں عقدِ سلم کی مشروعیت اگرچہ خلاف القیاس ہے، تاہم اس کی مشروعیت میں شریعت کا عظیم فلسفہ کارفرما ہے۔اس کی مشروعیت کی بنیادی حکمت ضرورت مند اور حاجت مند افراد کی حاجت پورا کرنا ہے، مثلاً: ایک زمین دار کے پاس اپنی زمین کی اصلاح کے لیے رقم نہیں ہے اور کوئی اس کو قرض دینے کو بھی تیار نہیں تو اب یہ زمین دار عقدِ سلم کا معاملہ کر کے مال حاصل کرلے گا اور فصل آنے پر آسانی سے اس رقم کے عوض مبیع حوالہ کردے گا۔اس معاملے میں ظاہری طور پر اس کو مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) ضرورت کی آسان اور بروقت برآوری (۲)

(۲) سودی لین دین سے نجات، یعنی سود کا جائز متبادل ذریعہ (۳)

(۳) آسان سرمایہ کاری، جس میں ربا کا شبہ تک نہیں (۴)

(۴) کرنسی کی قیمت میں کمی کے اثرات سے حفاظت

عقدِ سلم اور استصناع:

علامہ ابن ہمامؒ اور علامہ طحطاویؒ کے ہاں استصناع کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی موچی سے کہے کہ میرے لیے جوتا بناؤ جو اس قدر لمبا اور چوڑا ہو یا برتن ساز سے کہے کہ ہانڈی بناؤ جو اس قدر کشادہ اور اتنے وزن کی ہو، اور اس ہیئت کی ہو، اتنی رقم کے بدلے میں، چاہے رقم دے دے یا نہ دے، اور دوسرا اس کو قبول کرلے۔(۵)

علامہ کاسانیؒ کے ہاں استصناع میں طلبِ صنعت شرط ہے، اگر عمل کی شرط نہ ہو وہ استصناع نہیں ہوگا۔(۶)

(۱) المغني والشرح الكبير، باب السلم: ٣٣٨/٤، شرح صحيح مسلم: ٤٣٥٧/٧

(۲) المغني والشرح الكبير، باب السلم: ٣٣٨/٤، حاشية الهداية، باب السلم: ٩٩/٣، مكتبة رحمانية

(۳) تكملة عمدة الرعاية على شرح الوقاية، كتاب البيوع، باب السلم: ٧٥/٣

(٤) تكملة عمدة الرعاية على شرح الوقاية، كتاب البيوع، باب السلم: ٧٥/٣، المغني، باب السلم: ٣٣٨/٤

(٥) حاشيه الطحطاوي على الدر المختار: ١٢٦/٣، فتح القدير مع الهداية، باب السلم: ٢٤١/٦

(٦) بدائع الصنائع: ١٣٦/٧

عقدِ سلم اور استصناع کے مابین کئی وجوہ سے مشابہت پائی جاتی ہے۔اسی شدتِ مشابہت کی بناپر ائمہ ثلاثہ نے سلم اور استصناع دونوں کو ایک عقد شمار کیا ہے۔حنفیہ کے ہاں مشابہت کے باوجود یہ دونوں الگ الگ عقد ہیں، اگرچہ عموماً ان کا تذکرہ ایک ہی باب میں ہوتا ہے۔

استصناع اور سلم میں مشترک امور:

(۱) استصناع بھی سلم کی طرح بیع معدوم کی ایک قسم ہے۔

(۲) دونوں عقود میں مبیع کو اس طرح بیان کرنا ضروری ہے جس میں جھگڑے کا اندیشہ نہ رہے، بایں طور کہ ان اوصاف کو واضح کیا جائے جن کی وجہ سے قیمت اور معیار میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

(۳) سلم اور استصناع دونوں میں یہ درست نہیں کہ قیمت ایسی چیز ہو کہ اس کے اور مبیع کے درمیان زیادتی حرام ہو، یعنی دونوں اموال ربویہ میں سے نہ ہوں۔

(۴) دونوں عقود میں مبیع کو محل عقد میں حوالہ کیا جائے گا، یعنی محل عقد کا تذکرہ دونوں عقود میں ضروری ہے۔(۱)

استصناع اور عقدِ سلم میں فرق:

(۱) استصناع کا معاملہ صرف ان چیزوں میں جائز ہے جن کا تعلق صنعت سے ہو۔جن چیزوں میں صنعت کا عمل دخل نہ ہو، مثلاً: گندم، جو اور پھل وغیرہ تو ان میں استصناع درست نہیں ہوسکتا، جب کہ سلم کا معاملہ ہر چیز میں ہوسکتا ہے۔(۲)

(۲) سلم میں پوری قیمت کی پیشگی ادائیگی ضروری ہے، لیکن استصناع میں قیمت کی ادائیگی کسی مخصوص طریقے سے مشروط نہیں۔فریقین کی باہمی رضامندی سے قیمت کی ادائیگی پیشگی بھی ہوسکتی ہے اور بعد میں بھی ہوسکتی ہے۔(۳)

(۳) سلم فقط مثلی اشیا میں ہوسکتا ہے، جب کہ استصناع مثلی اور غیر مثلی ہر قسم کی اشیا میں ہوسکتا ہے۔(۴)

(۴) عقدِ سلم طے ہوجانے کے بعد اسے یک طرفہ طور پر منسوخ نہیں کیا جاسکتا، جب کہ عقدِ استصناع کو سامان کی تیاری شروع ہونے سے پہلے منسوخ کیا جاسکتا ہے۔(۵)

---

(۱) محمد البشيتي، الاستصناع: ص ۸۰

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة استصناع: ۳۲۶/۳

(۳) الموسوعة الفقهية، مادة استصناع: ۳۲۶/۳

(٤) محمد البشيتي، الاستصناع: ص ۸۱ (٥) محمد تقي عثماني، اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص ۲۰٦

عقدِ سلم کا رکن:

عقدِ سلم چونکہ بیع کی ایک قسم ہے،اس لیے حنفیہ کے ہاں دوسری بیوعات کی طرح سلم کا رکن بھی''ایجاب وقبول'' ہے،یعنی ایک کی طرف سے پیش کش اور دوسرے کی طرف سے قبولیت کا اظہار۔حنفیہ کے ہاں لفظ سلم،سلف اور بیع تینوں سے عقدِ سلم منعقد ہو جاتا ہے۔(۱)

جمہور فقہا کے ہاں صیغہ (ایجاب وقبول) عاقدین (رب السلم اور مسلم الیہ) اور محل (رأس المال اور مسلم فیہ) تینوں مل کر عقدِ سلم کے ارکان ہیں۔(۲)

عقدِ سلم کی اصطلاحات:

(۱) رب السلم: خریدار کو رب السلم یا مسلّم کہتے ہیں۔

(۲) مسلّم الیہ: فروخت کنندہ کو مسلّم الیہ کہا جاتا ہے۔

(۳) راس المال: خریدار جو قیمت نقد ادا کرتا ہے،اس کو راس المال کہتے ہیں۔

(۴) مسلّم فیہ: وہ سامان جو مسلّم الیہ کے ذمہ ادھار ہو، مسلم فیہ کہلاتا ہے۔

(۵) عقد سلم: اس معاملے کا مجموعہ عقد سلم کہلاتا ہے۔(۳)

عقدِ سلم کے احکام وآثار:

بیع سلم پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں:

(۱) رأس المال پر قبضہ کرنے کے بعد فروخت کنندہ کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔(۴)

(۲) مسلم فیہ، یعنی طے شدہ سامان میں قبضہ کرنے سے پہلے تبادلہ کا عمل اور تصرف درست نہیں، اس طور پر کہ خریدار طے شدہ سامان کی بجائے کوئی دوسری چیز لینے پر آمادہ ہو جائے۔(۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب البيوع، عقدسلم، شرائط الركن:۷/ ۱۰۰،الفتاوی الهندية، کتاب البيوع، الباب الثامن عشرفي السلم،الفصل الأول:۳/ ۱۷۸

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة سلم، أركان السلم وشروط صحته: ۲۵/ ۱۹۶

(۳) قاموس الفقه، مادة سلم:٤/ ۱۷۲

(٤) الفتاوى الهندية، کتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم ،مطلب في شرائط السلم :۳/ ۱۸۱

(٥) بدائع الصنائع:۷/ ۱۱۸

اسی طرح مسلم فیہ میں قبضہ کرنے سے پہلے شرکت اور تولیہ بھی جائز نہیں۔(۱)

(۳) بیچنے والے کی طرف سے حوالہ اور کفالہ درست ہے۔

(۴) مسلم فیہ کے حصول کے لیے رہن رکھنا جائز ہے۔

(۵) فریقین دوسری بیوعات کی طرح باہمی رضامندی سے عقدِ سلم کو ختم کرسکتے ہیں۔(۲)

عقدِ سلم کی شرائط:

عقدِ سلم سے متعلق شرطیں دو قسم کی ہیں۔ایک وہ جو نفسِ معاملہ سے متعلق ہوں اور دوسری وہ جو بدل سے متعلق ہوں۔پھر بدل سے متعلقہ شرائط کی الگ تین قسمیں ہیں۔(۳)

نفسِ عقد سے متعلق شرط:

نفسِ عقد سے متعلق شرط یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی نے بھی اپنے لیے خیارِ شرط حاصل نہ کیا ہو، یعنی عقد مکمل طور پر خیارِ شرط سے خالی ہو۔(۴)

بدل سے متعلق شرائط:

بدل سے متعلق شرائط تین قسم پر ہیں۔

(۱) خاص رأس المال سے متعلق (۲) خاص مسلم فیہ سے متعلق (۳) دونوں سے متعلق

(۱) رأس المال سے متعلقہ شرائط:

(۱) جنس بیان کردی گئی ہو، جیسے: دراہم، دنانیر، گندم، کھجور وغیرہ

(۲) نوع بیان کردی گئی ہو (اگر شہر میں مختلف نقود رائج ہوں)۔

(۳) صفت بیان کردی گئی ہو کہ اعلیٰ درجہ کی ہوگی یا ادنیٰ کی یا متوسط

(۴) ان اشیا میں مقدار بیان کردی گئی ہو جن کی مقدار سے عقد متعلق ہو، جیسے: ناپی تولی جانے والی چیزیں یا شمار کی

---

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب السلم: ۱۰۲/۳

(۲) قاموس الفقه، مادة سلم: ۱۷۵/۴،۱۷۶

(۳) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، عقد سلم، شرائط الركن: ۱۰۲/۷-۱۰۷

(۴) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، عقدالسلم، شرائط الركن: ۱۰۲/۷، الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، مطلب في بيع القاضي وشراء مال اليتيم: ۱۷۸/۳

جانے والی چیزیں۔ دیگر اشیا میں فقہائے کرام نے اشارہ کو کافی قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے ہاں ناپی تولی اور شمار کی جانے والی چیزوں میں بھی اشارہ کافی ہوسکتا ہے، کیوں کہ اشارہ کرنے سے بھی کسی چیز کی پہچان ہوجاتی ہے اور اس سے نزاع اور جھگڑے کا سد باب ہوسکتا ہے۔

(۵) رأس المال پر مجلسِ عقد ہی میں قبضہ ہوجانا ضروری ہے، ورنہ دونوں اشیا (قیمت اور سامان) دین اور قرض بن جائیں گے جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے۔

"نهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالي بالكالي".(۱)

(۶) رأس المال اگر دراہم اور دنانیر ہوں تو اس کا پرکھنا بھی ضروری ہے، تاکہ اس کا جید اور ردی ہونا معلوم ہوجائے، کیوں کہ ایسا نہ کرنے سے ثمن میں جہالت آسکتی ہے جو بعد میں نزاع کا سبب بن سکتی ہے۔(۲)

(۲) مسلم فیہ سے متعلق شرائط:

(۱) جنس معلوم ہو، جیسے: گندم جو وغیرہ

(۲) نوع معلوم ہو، جیسے: بارانی گندم یا سیراب شدہ گندم

(۳) صفت معلوم ہو، جیسے: جید اور ردی وغیرہ

(۴) مقدار معلوم ہو۔

(۵) مقدار معلوم کرنے کا آلہ ایسا ہو جس کا عقد کے ختم ہونے تک ضائع اور ناپید ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۶) مسلم فیہ ادھار ہو اور ایسی چیز ہو جو کسی کے ذمے دین اور قرض بننے کے لائق ہو۔(۳)

حنفیہ کے ہاں چونکہ عقدِ سلم سہولت اور آسانی کے لیے مشروع ہوئی ہے، اس لیے مسلم فیہ کا ادھار ہونا شرط ہے۔ سلمِ حال حنفیہ کے ہاں جائز نہیں۔

(۷) سامان ادا کرنے کی مدت متعین ہو۔ امام محمدؒ کے نزدیک کم سے کم مدت ایک ماہ ہونی چاہیے۔ بعض فقہائے حنفیہ نے کم سے کم مدت تین دن اور بعض نے کم سے کم مدت کو عرف پر موقوف رکھا ہے۔(۴)

(۱) سنن الدارقطني، كتاب البيوع: ۳/ ۶۰، بدائع الصنائع، كتاب البيوع، عقدالسلم، باب من شروط الركن أن يكون مقبوضا: ۷/ ۱۰۸

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الباب الأول: ۳/ ۱۷۹

(۳) الموسوعة الفقهية، مادة سلم، شروط مسلم فيه: ۲۵/ ۲۰۶، ۲۱۲ (۴) بدائع الصنائع: ۷/ ۱۴۵، ۱۴۶

(۸) اگر سامان ایسا ہو کہ اس کو حوالہ کرنے میں حمالی اور اُٹھانے کے اخراجات آتے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقام حوالگی کی تعیین بھی ضروری ہے، البتہ صاحبین کے ہاں مقام کی تعیین شرط نہیں، بلکہ جہاں معاملہ طے ہوا ہے، وہاں حوالہ کرے۔

(۹) وہ سامان (مسلم فیہ) اپنی نوع وصفت کے ساتھ عقد سے لے کر حلولِ اجل تک بازاروں میں دستیاب ہو سکے اور لوگوں کے ہاتھوں سے اس کے منقطع ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

(۱۰) مسلم فیہ ایسی چیز ہو جو متعین کرنے سے متعین ہو سکے، لہٰذا دراہم ودنانیر میں عقدِ سلم درست نہیں، کیوں کہ یہ اثمان ہیں اور مسلم فیہ کا مثمن ہونا ضروری ہے، تاکہ اس کی تعیین ہو سکے۔(۱)

(۱۱) مسلم فیہ، یعنی سامان ایسی چیز ہو کہ جس کی مقدار اور صفات کی ایسی تعیین کی جا سکے جس سے ادائیگی کے وقت فریقین میں نزاع کا اندیشہ نہ ہو اور یہ چار قسم کی چیزوں میں ہو سکتی ہے: کیلی، وزنی، مذروعی اور عددی متقارب، ان کے علاوہ چیزوں، مثلاً: جانوروں، غلام اور باندیوں وغیرہ میں سلم درست نہیں۔(۲)

(۱۲) کسی معین چیز کو مسلم فیہ بنانا جائز نہیں، اس لیے کہ ایسی چیز کو حوالہ کرنے سے مسلم الیہ عموماً عاجز ہوتا ہے۔ مثلاً مخصوص کھیت یا گاؤں کا فصل یا مخصوص درخت کا پھل۔(۳)

رأس المال اور مسلم فیہ (بدلین) سے متعلق شرائط:

عقدِ سلم کی صحت کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلم فیہ اور رأس المال جنس اور قدر میں سے کسی بھی ایک میں متحد نہ ہوں۔ اگر دونوں کی جنس ایک ہو جائے یا قدر ایک ہو جائے تو ایسی صورت میں یہ ادھار معاملہ سلم کی بجائے ربا النسیہ بن جائے گا جو کہ بالاتفاق حرام ہے، البتہ یہ شرط اثمان، یعنی دراہم اور دنانیر میں لوگوں کی حاجت اور تعامل الناس (اجماع) کی وجہ سے چھوڑ دی گئی ہے، لہٰذا دراہم اور دنانیر اگر چہ وزنی ہیں، لیکن ان کے بدلے کوئی وزنی چیز،

---

(۱) بدائع الصنائع ۷/۱۲۵۔۱۵۰، الفتاوی الهندية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الفصل الأول، مطلب في تفسير السلم وحكمه: ۳/۱۷۹، ۱۸۰، الموسوعة الفقهية، مادة سلم: ۲۵/۲۰۸

(۲) بدائع الصنائع ۷/۱۲۵۔۱۵۰، الفتاوی الهندية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الفصل الأول، مطلب في تفسير السلم وحكمه: ۳/۱۷۹، ۱۸۰، الموسوعة الفقهية، مادة سلم: ۲۵/۲۰۸

(۳) تكملة عمدة الرعاية على شرح الوقاية، باب السلم: ۳/۷۶، مكتبه رحمانيه

مثلاً لونا، تانبا وغیرہ (سوائے دراہم ودنانیر) عقدِ سلم کے طور پر خریدنا جائز ہے۔(۱)

(۲) رأس المال اور مسلم فیہ دونوں مالِ متقوم ہوں، لہٰذا خمر، خنزیر اور مردار وغیرہ میں سلم درست نہیں۔

(۳) بدلین میں سے کوئی بھی منافع کی قبیل سے نہ ہو اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں منافع اموال میں سے نہیں۔(۲)

عاقدین (رب السلم اور مسلم الیہ) سے متعلق شرائط:

(۱) عاقدین میں اہلیت موجود ہو، یعنی دونوں عقل وتمیز کے مالک ہوں اور کسی بھی شرعی یا قانونی پابندی کے زیر اثر نہ ہوں۔

(۲) اگر کسی اور کے لیے معاملہ کر رہے ہوں تو ان کو ولایت حاصل ہو، چاہے وکالت کے ذریعے سے ہو، یا ولایتِ اجبار کے ذریعے (مثلاً: بچے، مجنون، مجور علیہ پر ولایتِ شرعیہ)

(۳) عاقدین میں سے کوئی بھی مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ حنفیہ کے ہاں مریض الموت کے عقد سلم کے لیے جو احکامات ہیں، وہ عام احکامات سے الگ ہیں۔ ان میں ورثہ اور دائنین وغیرہ کی رعایت رکھی گئی ہے۔(۳)

❁❁❁❁❁

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب البیوع، الباب الثامن عشر فی السلم، مطلب فی شرائط السلم:۳/۱۸۰، ۱۸۱، بدائع الصنائع، کتاب البیوع:۷/۱۵۱

(۲) الموسوعة الفقهیة، مادة سلم:۲۵/۱۹۹، ۲۰۰

(۳) الموسوعة الفقهیة، مادة سلم:۲۵/۱۹۹

باب المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

بیع مرابحہ کی تعریف:

"نقل ماملكه بالعقدالأول بالثمن الأول مع زيادة ربح".

یعنی عقدِ اول کی وجہ سے جس چیز کا مالک ہوا ہے، اسی چیز کو اسی ثمن اول اور کچھ نفع کے ساتھ دوسرے کو منتقل کرنا مرابحہ ہے۔(۱)

مرابحہ ہمارے معاشرے کی عام بیع ہے اور تمام بیوعات میں تقریباً آسان بھی یہی ہے، کیوں کہ اس میں ثمن اول کو دیکھ کر بیع کی جاتی ہے۔ مذکورہ بیع کو فقہا بیع الامانہ بھی کہتے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس میں بائع مشتری کو قیمتِ خرید بتا کر نفع بھی بتا دیتا ہے، جس کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے مشتری اپنی خوشی سے ثمن ادا کر لیتا ہے، یعنی مذکورہ بیع میں سچائی اور امانت کا عمل دخل دوسری بیوعات کی نسبت زیادہ ہے۔(۲)

جوازِ مرابحہ کی شرائط:

مرابحہ قرآن وحدیث اور تعامل الناس ہر ایک کی رو سے مشروع ہے۔ اس کے جواز کی کچھ شرائط تو وہی ہیں جو دیگر بیوعات کی ہیں، تاہم اس کی چند مخصوص شرائط بھی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) عقدِ مرابحہ سے قبل جو عقد ہوا ہو وہ صحیح ہو۔ اگر عقدِ اول فاسد ہو تو اس پر ثانیاً مرابحہ کرنا درست نہیں۔(۳)

(۲) مشتری ثانی کو ثمن اول کا علم ہو۔(۴)

(۳) رأس المال ذوات الامثال میں سے ہو، یعنی ایسی چیز ہو جس سے عقدِ اول کا موازنہ کیا جا سکے کہ ثمنِ اول

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية:٣/٧٤

(۲) الهداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية:٣/٧٤، بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في بيان مايجب في المرابحة:٧/١٨٠

(۳) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في الشرائط، ثم الكلام في المرابحة:٧/١٧٧

(۴) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في الشرائط، ثم الكلام في المرابحة:٧/١٧٤

پر کتنی زیادت (نفع) کے ساتھ بیع ہو رہی ہے۔(۱)

(۴) عقدِ اول میں ثمن اور مبیع دونوں اموالِ ربویہ میں سے نہ ہوں۔ بالفرض اگر عقدِ اول میں مکیلی یا موزونی چیز کو دوسری مکیلی یا موزونی چیز کے بدلے خریدا تو اب عقدِ ثانی میں اس پر زیادتی ممکن نہیں ہوگی ورنہ ربوا بن جائے گا۔

(۵) نفع معلوم ہو، اس لیے کہ یہاں پر نفع ثمن کا حصہ بن گیا اور ثمن کا معلوم ہونا صحتِ بیع کے لیے شرط ہے۔

یادرہے کہ مذکورہ شرائط میں سے اکثر شرائطِ بیع تولیہ، وضیعہ اور اشتراک کے لیے بھی ہیں۔(۲)

مرابحہ کے چند ضروری مسائل:

(۱)......حنفیہ کے ہاں بیع تام ہونے کے بعد اگر مشتری بائع کو اپنی طرف سے ثمن میں کچھ زیادہ دے یا بائع مشتری سے کچھ کم وصول کرے تو اس کمی یا زیادتی کو اصل ثمن میں داخل سمجھا جائے گا اور مرابحہ، تولیہ یا وضیعہ میں اس کا اعتبار ہوگا۔(۳)

(۲)......دھوبی، درزی، مزدور، دلّال وغیرہ کی اجرت اور کرایہ جات کو ثمن اول کے ساتھ جمع کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر وہ خرچہ جو عرف میں تجار کے ہاں ثمن کا حصہ سمجھا جاتا ہو، ثمنِ اول میں داخل سمجھا جائے گا۔(۴)

(۳)......مرابحہ، تولیہ وغیرہ میں بائع مشتری کو ثمنِ اول اور عقدِ اول کے متعلق سب کچھ صاف صاف بتائے کہ یہ چیز مجھے اتنے کی پڑی ہے، اتنا خرچہ ہوا ہے، میں اتنا نفع کماؤں گا، میں نے خود نقد یا ادھار خریدی تھی وغیرہ۔ اگر اس نے کوئی بات چھپادی اور بعد میں اس خیانت کا علم مشتری کو ہوگیا تو وہ (مرابحہ میں) اس کو فسخ بھی کرسکتا ہے یا (تولیہ میں) بقدرِ خیانت قیمت میں کمی بھی کرسکتا ہے، اس لیے کہ مذکورہ بیوعات کی صحت کا تمام تر دارومدار بائع کے قول پر ہوتا ہے جس میں خیانت سے ان بیوعات پر براہِ راست اثر پڑتا ہے۔(۵)

❁❁❁

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية:۳/۷۵، بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في الشرائط، ثم الكلام في المرابحة:۷/۱۷۶

(۲) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في الشرائط، ثم الكلام في المرابحة:۷/۱۷۶

(۳) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في بيان رأس المال:۷/۱۷۸

(٤) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في بيان مايلحق برأس المال:۷/۱۷۹

(٥) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في المرابحة وفصل في حكم الخيانة:۷/۱۸۰-۱۸۵

مسائل متعلقہ باب المرابحہ

سونے کی اُدھار بیع

سوال نمبر(201):

اگر کوئی شخص پانچ تولہ سونا اُدھار خرید کر اس کی قیمت ایک ماہ بعد ادا کرے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ سود تو نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

موجودہ دور میں کرنسی نوٹ کی حیثیت ثمن عرفی کی ہے، سونا چاندی اس دور میں ثمن عرفی نہیں، اس لیے اب کرنسی اور سونا چاندی الگ الگ جنس شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا تبادلہ نقد ہو یا اُدھار بہر صورت جائز ہے۔ اس میں سود کا کوئی شائبہ نہیں۔

والدلیل علی ذلك:

وإذاعدم الوصفان الجنس، والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة. (۱)

ترجمہ: اور اگر دونوں وصف معدوم ہوں، یعنی جنس اور جو معنی اس کے ساتھ ملایا گیا ہے (یعنی قدر) تو حرمت کی علت نہ ہونے کی وجہ سے کمی بیشی اور اُدھار دونوں جائز ہیں۔

❁❁❁

خالص سونے کا ملاوٹی سونے کے ساتھ تبادلہ میں کمی بیشی

سوال نمبر(202):

دس تولے خالص سونا، نو تولے ملاوٹی سونے کے زیور کے بدلے بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رو سے جب سونا، چاندی کا تبادلہ ہم جنس سے ہو تو اس میں دونوں جانب سے برابری

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب الربوا: ۸۳/۳

ضروری ہے، اگر چہ ایک طرف سے سونا خالص اور دوسری طرف سے ملاوٹ شدہ یا ایک طرف سے محض سونا اور دوسری طرف سے سونے کا زیور ہو، بہر حال طرفین کا ایک مقدار میں برابر ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح دونوں جانب سے مجلس عقد ہی میں بدلین پر قبضہ بھی ضروری ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دس تولے خالص سونے کے عوض نو تولے سونے کا زیور خریدنا درست نہیں۔ یہ ربوا الفضل (زیادتی) کے حکم میں داخل ہو کر حرام ہے۔

والدليل على ذلك:

فإن باع فضة بفضة ،أو ذهباً بذهب لايجوز إلا مثلاً بمثل ،وإن اختلفت في الجودة والصياغة .... وقال عليه السلام: "جيدها ورديها سواءٌ". (١)

ترجمہ:

پس اگر چاندی کو چاندی کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض بیچے تو یہ جائز نہیں، مگر اس طرح کہ مثلاً بمثل ہو (یعنی دونوں جانب برابر ہوں) اگر چہ خالص ہونے اور ڈھلنے میں دونوں مختلف ہوں۔۔۔۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں خالص اور ردی دونوں برابر ہیں''۔

❁❁❁

سونے کے زیور بنانے اور فروخت کرنے کا کاروبار

سوال نمبر (203):

سونے کی خرید و فروخت اور اس سے زیور بنانے کا کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ کاروبار آپ ﷺ کے عہد مبارک میں کسی صحابیؓ نے کیا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سونے کی خرید و فروخت اور اس سے زیور بنانا کسبِ معاش کا ایک جائز ذریعہ ہے، جو حضور ﷺ کے زمانے میں بھی رائج تھا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ اور براء بن عازبؓ سونے چاندی کی تجارت کرتے تھے۔

(١) الهداية، كتاب الصرف : ٣/١١١

انہوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اگر نقد سودا ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر ادھار ہو تو اس سے احتراز کیا جائے“۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب یہ کاروبار وسعت اختیار کر گیا تو آپؓ نے بازار کا ایک نگران مقرر کیا، تاکہ وہ میزان اور مثقال پر صحیح طریقہ سے کار بندر ہنے کی نگرانی کرے۔

تاہم سونا اور چاندی چونکہ اموالِ ربویہ میں سے ہیں، اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس کی خرید وفروخت میں احتیاط سے کام لینے کی تاکید فرمائی ہے، لہٰذا جو حضرات اس کاروبار سے وابستہ ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ قدم بہ قدم علمائے کرام سے راہنمائی حاصل کرتے رہیں اور اپنے معاملات جید مفتیانِ کرام کی خدمت میں پیش کر کے ان کا شرعی حکم دریافت کیا کریں، تاکہ کہیں نادانستہ طور پر سود میں مبتلا نہ ہوں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عمرو عن أبي المنهال......فأتيت البراء بن عازب فسألته ،فقال:قدم النبي ﷺ المدينة، ونحن نبيع هذا البيع فقال:ما كان يداً بيدٍ،فلا بأس به،وما كان نسيئة،فهو ربا.(۱)

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ: ”جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے، اس وقت تک ہم اس طرح بیع (سونا، چاندی) کرتے تھے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”جب اس کی بیع نقد ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور جو ادھار ہو تو وہ سود ہے“ (لہٰذا حرام ہے)۔

❁❁❁

سونا اُدھار خرید کر نقد فروخت کرنا

سوال نمبر (204):

مجھے کاروبار کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ میرا ایک دوست میری ضرورت کو اس طرح پوری کرنا چاہتا ہے کہ اس کے پاس چار لاکھ روپے کا سونا ہے۔ وہ یہ سونا مجھ پر ادھار چار لاکھ اڑتالیس ہزار (4,48,000) روپے میں فروخت کرے گا۔ میں یہ رقم ایک سال میں ادا کرنے کا پابند ہوں گا اور سونا لے کر بازار میں نقد چار لاکھ روپے کے عوض فروخت کر دوں گا۔ نقد رقم اپنے کاروبار میں صرف کروں گا۔ کیا ہمارا یہ معاملہ درست ہوگا؟ بیّنوا توجروا

(۱) مسلم بن الحجاج القشیریؒ،الصحیح لمسلمؒ ،کتاب الربا:۲/۲۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی چیز ادھار مہنگے داموں خرید کر، نقد کم قیمت میں بائع کے علاوہ کسی اور پر بیچنا فقہا کے نزدیک جائز ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر سائل چار لاکھ روپے کا سونا، ادھار چار لاکھ اڑتالیس ہزار میں خرید کر بیچنے والے کے علاوہ کسی اور شخص پر نقد چار لاکھ میں فروخت کرے تو یہ معاملہ جائز ہے۔ شریعت کی رو سے اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس قسم کے معاملات میں چونکہ دیوالیہ ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

(ومن اشتری جاریةً بألف درهم حالةً أو نسيئةً ،فقبضها، ثم باعها من البائع بخمسمائة قبل أن ينقد الثمن الأول لايجوز البيع الثاني) .... بخلاف ما إذا باعه من غيره ؛لأن الربح لا يحصل للبائع. (۱)

ترجمہ: اور جس نے ہزار درہم کے عوض نقد یا ادھار باندی خریدی، پھر اُس کو قبض کیا، پھر پہلی رقم ادا کرنے سے پہلے پانچ سو درہم کے عوض بائع پر واپس فروخت کیا تو دوسری بیع جائز نہیں ۔۔۔۔۔ بخلاف اس کے کہ جب بائع کے علاوہ کسی اور پر بیچے، اس لیے کہ (اس صورت میں) نفع بائع کو حاصل نہیں ہوتا۔

❁❁❁

بیج کی بیع کو فصل کی بیع کے ساتھ مشروط کرنا

سوال نمبر (205):

ہم زمین دار جب کسی ڈیلر سے بیج خریدتے ہیں تو وہ اسے ہمارے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ ہم ساری فصل اس کے ہاتھ بیچیں گے۔ کیا یہ مشروط بیع کے حکم میں داخل نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں ڈیلرز کا بیج کی بیع "فصل بیچنے" کی شرط کے ساتھ مشروط کرنا درست نہیں، کیوں کہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں بائع کو فائدہ بھی ہے، لہٰذا اس قسم کی بیع بیع فاسد کے حکم میں داخل ہو کر واجب الفسخ ہوگی۔

---

(۱) العناية على هامش فتح القدير ، كتاب البيوع ، فصل في أحكامه :٦/٦٨،٦٩

والدّلیل علی ذلك :

وإن كان الشرط شرطاً لم يعرف ورودالشرع بجوازه في صورة ،وهوليس بمتعارف، إن كان لأحد المتعاقدين فيه منفعة ،أو كان للمعقود عليه منفعة ،و المعقود عليه من أهل أن يستحق حقاً على الغير ،فالعقد فاسدٌ. (۱)

ترجمہ: اوراگرشرط ایسی ہوکہ شریعت میں اس کا جواز کسی صورت میں بھی ثابت نہ ہواوروہ متعارف بھی نہ ہوتواگراس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کومنفعت ہویامعقودعلیہ کافائدہ ہواوروہ معقودعلیہ اہلِ استحقاق میں سے ہوتوعقدفاسدہوگا۔

❀❀❀

اُدھار کی مختلف مدتوں کے لیے مختلف قیمتیں متعین کرنا

سوال نمبر (206):

بعض دکان دار اُدھار سودا فروخت کرنے کی صورت میں گاہک سے کہتے ہیں کہ اگر تم نے ایک ماہ کے اندر اندر رقم ادا کر دی تو قیمت 1000 روپے ہوگی، اگر دو ماہ کے اندر ادا کر دی تو 1250 روپے ہوگی اور دو ماہ سے تاخیر کرنے کے صورت میں قیمت 1500 روپے ہوگی۔ پھر گاہک حالات کے مطابق جس مدت کے دوران ادائیگی کرتا ہے، دکان دار اُسی کے مطابق قیمت وصول کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ طریقہ اختیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

خرید وفروخت کے معاملات میں مجلس عقد کے دوران ہی مبیع اور ثمن کو متعین کرنا لازمی اور ضروری ہے، لہٰذا اگر مجلس عقد میں مبیع یا ثمن کی مکمل تعیین نہ کی جائے تو اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

مسئولہ صورت کے مطابق جب دکان دار گاہک کو مختلف مدتوں تک اُدھار دینے کی مختلف قیمتیں بیان کرے تو اس کے بعد مجلس عقد ہی میں گاہک کے لیے ان میں سے کسی ایک قیمت کو قبول کرنا ضروری ہے، ورنہ اگر معاملہ طے کرتے وقت کوئی صورت متعین نہ کی گئی اور اس کو گاہک کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا تو ثمن میں جہالت کی وجہ سے یہ بیع فاسد رہے گی۔

(۱) الفتاوی الهندية : كتاب البيوع ، الباب العاشر ، مطلب في الشروط المفسدة :۳/۱۳٤

والدّلیل علی ذلك:

وإذا عقد العقد علی أنه إلی أجل كذا بكذا ،وبالنقد بكذا أو قال إلی شهر بكذا ،أو إلی شهرین بكذا ،فهو فاسدٌ ؛لأنه لم یعاطه علی ثمن معلوم. (١)

ترجمہ:

اور جب عقداس بات پر منعقد کیا کہ یہ فلاں مدت تک اتنی رقم کے عوض ہے اور نقد پر اتنی رقم کے عوض یا کہا کہ ایک ماہ تک اس قیمت پر ہے یا یہ کہ دو ماہ تک اس قیمت پر ہے تو یہ عقد فاسد ہے، کیوں کہ وہ کسی معلوم قیمت پر راضی نہ ہوئے۔

❁❁❁

سونا خرید کر قبضہ سے پہلے بائع پر بیچنا

سوال نمبر(207):

ہمارے ہاں سونے کی خرید وفروخت پر نفع کمانے کا ایک طریقہ رائج ہے،اس کی حلت وحرمت کے بارے میں آپ سے استفسار کیا جاتا ہے۔ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

طریقہ کار کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص سنار کو، مثلاً: دس لاکھ روپے دے کر اس سے سونے کی دس اینٹیں خریدتا ہے۔ یہ اینٹیں سُنار ہی کے پاس پڑی رہتی ہیں۔عموماً خریدار اسے دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔سُنار اور خریدار یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ ایک ماہ بعد فلاں تاریخ کو حساب کریں گے،اگر سونے کی قیمت بڑھ گئی ہو تو سنار یہ اینٹیں نئی قیمت کے ساتھ واپس خریدے گا اور پوری قیمت اُسی وقت ادا کرے گا۔اگر سونے کی قیمت کم ہوگئی ہو تو خریدار آدھی اینٹیں آدھی قیمت کے عوض وصول کرے گا اور بقیہ اینٹیں واپس سنار پر بیچ کر ان کی قیمت وصول کرے گا۔اس کاروبار کا حکم بیان فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سونے کی خرید وفروخت کے مسئولہ بالا معاملہ میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں شرعی نقطۂ نظر سے دو قباحتیں موجود ہیں:

---

(١) السرخسیؒ، شمس الدین محمد بن أحمد، المبسوط ، كتاب البیوع، باب البیوع الفاسدة : ١٣/٨٠٧

(۱)......خریدار مبیع پر قبضہ کیے بغیر ایک ماہ بعد (قیمت زیادہ ہونے کی صورت میں) اس کو واپس بائع پر بیچتا ہے۔شریعت میں بیع قبل القبض کا یہ طریقہ ناجائز ہے۔

(۲)......دوسرا نقصان یہ ہے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں پرانی قیمت پر نئی قیمت کے اضافہ کی شرط لگانا سود کے لیے راستہ ہموار کرانے کے مترادف ہے۔نیز شرط فاسد کی وجہ سے معاملہ بھی فاسد ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

من حكم المبيع إذا كان منقولاً أن لا يجوز بيعه قبل القبض. (۱)

ترجمہ: جب مبیع منقولی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے اسے بیچنا جائز نہیں۔

❁❁❁

یونڈ (ایک قسم کا زیور) کی خرید وفروخت

سوال نمبر(208):

یونڈ ایک زیور ہے جو عورتیں کان میں لٹکاتی ہیں اور اس پر جان دار کی چھوٹی سی تصویر بنی ہوتی ہے۔شریعت میں اس کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں کسی جان دار کی تصویر بنانا، خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، جائز نہیں، البتہ تصویر کے استعمال اور خرید وفروخت کے جواز اور عدمِ جواز میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ وہ زمین پر پڑی ہو اور کھڑے آدمی کو اس کے اعضا واضح طور پر نظر نہ آئیں تو وہ چھوٹی تصویر ہے، اس کا استعمال اور خرید وفروخت جائز ہے، ورنہ بصورتِ دیگر اگر اعضا واضح طور پر نظر آتے ہوں تو وہ بڑی تصویر کہلائے گی اور اس کی خرید وفروخت جائز نہ ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ زیور "یونڈ" پر نقش تصاویر مندرجہ بالا تفصیل کی رو سے چھوٹی ہوں تو اس کی خرید وفروخت جائز ہوگی، ورنہ نہیں۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الباب الثاني فيما يرجع الى انعقاد البيع، الفصل الثالث في معرفة المبيع والثمن والتصرف فيهما قبل القبض: ۱۳/۳

والدّلیل علی ذلک :

أو علی خاتمه بنقش غیر مستبین .... أو کانت صغیرة لا تتبین تفاصیل اعضائها للناظر قائما ،وهی علی الارض.قال الطحطاوی تحت قوله :" أوعلی خاتمه" دلیل عدم الکراهة ماورد أنه کان علی خاتم أبی هریرةؓ ذبابتان. (۱)

ترجمہ: یا اگر اس کی انگوٹھی پر غیر واضح تصویر ہو۔۔۔۔۔۔یا واضح،لیکن اتنی چھوٹی ہو کہ کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو اس کے اعضا کی تفصیل واضح طور پر دکھائی نہ دے،جب کہ یہ زمین پر پڑی ہو (تو اس سے نماز مکروہ نہیں ہوتی)۔

طحطاوی "او علیٰ خاتمہ" کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس کے مکروہ نہ ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی انگوٹھی پر دو مکھیوں کی تصویر تھی۔

❁❁❁

بیع سلم کی کم از کم مدت

سوال نمبر(209):

بیع سلم کم از کم کتنی مدت تک کے لیے جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہاے احنافؒ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق بیع سلم کی کم از کم مدت ایک ماہ ہے،اس لیے اس سے کم مدت تک کے لیے بیع سلم کرنا ناجائز اور اس سے زیادہ مدت تک کے لیے کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

واختلف في أدنی الأجل الذي لایجوز السلم بدونه، عن محمد أنه قدر أدناه بشهر، وعلیه الفتوی. (۲)

(۱) سید أحمد الطحطاويؒ ، حاشیة الطحطاوی علی الد رالمختار: کتاب الصلوٰة ، باب ما یفسد الصلوٰة ومایکره فیها: ۲۷۴،۲۷۳/۱ المکتبة العربیة، کوئٹه

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب البیوع،الباب الثامن عشرفي السلم:۱۸۰/۳

ترجمہ:

اور (بیع سلم) کی کم از کم مدت جس کے بغیر سلم جائز نہیں، اس کے بارے میں اختلاف ہے، امام محمدؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس کی کم از کم مدت ایک ماہ مقرر کی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

❁❁❁

بیعِ مرابحہ میں غلط بیانی سے زیادہ نفع کمانا

سوال نمبر(210):

ایک شخص تجارت کرتا ہے۔ وہ مختلف شہروں سے کم قیمت پر اشیا خرید کر لاتا ہے اور زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ اکثر فروخت کرتے وقت وہ گاہک کو بتاتا ہے کہ یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی ہے اور اس قیمت پر بیچ رہا ہوں۔ قیمتِ خرید بتاتے وقت وہ غلط بیانی سے کام لیتا ہے جس کی وجہ سے گاہک دھوکہ میں پڑ کر مہنگے داموں خریدنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح سے حاصل کیا گیا نفع اس کے لیے حلال ہے یا حرام؟ نیز اگر خریدار کو بعد میں اصل قیمتِ خرید کا علم ہوجائے تو وہ فروخت کنندہ سے کچھ رقم واپس لینے کا حق دار ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عقدِ مرابحہ کرتے وقت اگر بائع اصل قیمت کے بیان کرنے میں غلط بیانی سے کام لے کر کسی چیز کو مہنگا فروخت کرے تو اس کے لیے نفع حلال ہے، البتہ جھوٹ اور فریب کا گناہ لازم ہوگا، اس لیے اس طرح کرنا ناجائز اور ممنوع ہے۔

ایسی صورت میں اگر مشتری کو اس فریب کا علم ہوجائے تو اس کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو بیع فسخ کر کے مبیع لوٹا دے اور بائع سے پوری کی پوری قیمت واپس لے لے یا چاہے تو کل قیمت کے بدلے سابقہ بیع اپنی حالت پر چھوڑ دے۔ بیع کو اپنی حالت پر برقرار رکھتے ہوئے بائع سے قیمت کے کسی حصے کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(فإن ظهر خيانتهٗ في مرابحة بإقراره، أو برهانٍ) علىٰ ذلك (أو بنكوله) عن اليمين (أخذه) المشتري (بكل ثمنه، أو رده) لفوات الرضا. (١)

---

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ٣٥٥/٧

ترجمہ:

پس اگر عقدِ مرابحہ میں (بائع کی) خیانت اس کے اقرار سے یا دلیل سے یا اُس (بائع) کے قسم سے منکر ہوجانے سے ظاہر ہو تو رضامندی فوت ہونے کی وجہ سے مشتری (مبیع کو) کل ثمن کے عوض لے لے گا یا اسے واپس کرے گا۔

❁❁❁

قرض پر نفع حاصل کرنے کی ایک صورت

سوال نمبر (211):

میں تجارت کے سلسلے میں ایک دوست کے ساتھ لاہور گیا۔ اس نے مجھے کہا کہ تم میرے لیے دولاکھ روپے کا سامان خریدو میں تمہیں چار ماہ بعد دولاکھ پچاس ہزار روپے دے دوں گا۔ سوال یہ ہے کہ شرعاً میرے لیے یہ اضافی رقم وصول کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر یہ معاملہ درست نہیں تو اس میں جواز کی کوئی صورت بن سکتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں اگر سائل قرض کی نیت سے اپنے دوست کے لیے سامانِ تجارت خریدتا ہے تو پھر اس سے اضافی رقم لینا سود کے حکم میں داخل ہو کر حرام ہوگا، لیکن اگر وہ سامانِ تجارت اپنے لیے خرید کر کچھ نفع کے ساتھ دوست پر بیچتا ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

كل قرض جرَّ نفعا حرام. (۱)

ترجمہ: ہر وہ قرض جو نفع کھینچ کر لائے، وہ حرام ہے۔

المرابحة نقل ماملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة ربح (۲)

ترجمہ: مرابحہ، عقدِ اول کے ساتھ جس چیز کا مالک بنا ہو، اُسے ثمنِ اول اور کچھ اضافی نفع کے ساتھ منتقل کرنے کا نام ہے۔

❁❁❁

(۱) الدرالمختار علی صدرردالمحتار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولية: ۷/۳۹۵

(۲) الهداية، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولية: ۳/۷٤

قسط وار بیع میں زیادہ قیمت مقرر کرنا

سوال نمبر(212):

چراٹ سیمنٹ فیکٹری کے آفیسرز نے ''آفیسرز ویلفیئر فنڈ'' کے نام سے کچھ رقم جمع کی ہے۔ یہ رقم بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں پڑی ہے۔ ہم اس سے ضرورت مند اسٹاف ممبران کی امداد کرتے ہیں۔ اب ہماری خواہش ہے کہ ہم اس رقم کو انویسٹ کریں، تاکہ اس کے ذریعے مزید منافع بھی کمائیں۔ اس سلسلے میں ہمارا ارادہ ہے کہ ہم گھریلو اشیا خرید کر اپنے ممبران پر قسط وار بیع میں زیادہ قیمت کے عوض فروخت کریں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ قسطوں کی صورت میں زیادہ قیمت میں فروخت کرنے کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قسط وار بیع میں زیادہ قیمت کے عوض اشیا فروخت کرنے کا کاروبار شریعت کی رو سے جائز ہے، بشرطیکہ اس میں تجارت کے دوسرے شرعی اصول اور قواعد کی مکمل رعایت ہو۔

مسئولہ صورت میں ''آفیسرز ویلفیئر فنڈ'' کی رقم سے گھریلو اشیا خرید کر ممبران پر قسطوں کے حساب سے زیادہ قیمت کے عوض بیچنا شرعاً جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألايرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (۱)

ترجمہ: اس لیے کہ مدت کو مبیع سے مشابہت ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں کہ اس کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے؟

❁❁❁

نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق رکھنا

سوال نمبر(213):

اگر دکان دار کوئی چیز نقد ایک دام پر بیچے اور ادھار اس سے زائد دام پر تو یہ سود ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۷۸/۳

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی چیز اودھار نقد سے زائد قیمت پر بیچنا شرعاً جائز ہے، یہ سود کے زمرہ میں داخل نہیں، البتہ اس طرح کی بیع میں متعاقدین پر لازم ہے کہ وہ مجلسِ عقد ہی میں مبیع کی قیمت اور ادائیگی کی مدت متعین کرلیں، تاکہ بعد میں نزاع پیدا ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

والدّلیل علی ذلک:

لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألايرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (١)

ترجمہ:

اس لیے کہ مدت کو مبیع سے مشابہت ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں کہ اس (مدت) کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے؟

يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل ،والتقسيط أي أنه يلزم أن يكون الأجل معلوم الوقت عند كلا العاقدين ؛لأن جهالته تفضي إلى النزاع ،فيفسد البيع به. (٢)

ترجمہ:

میعاد اور قسطوں کی بیع میں مدت کا معلوم ہونا لازمی ہے، یعنی دونوں عاقدین کے نزدیک مدت کا معلوم الوقت ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ مدت کی جہالت نزاع کا پیش خیمہ ہوتی ہے جس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے۔

❁❁❁

دکان پر خریدی ہوئی چیز کے واپس نہ ہونے کا اعلان لکھنا

سوال نمبر (214):

آج کل اکثر دکان دار اپنی دکانوں میں یہ عبارت نقش کرتے ہیں اور اکثر رسید پر بھی لکھا ہوتا ہے کہ "خریدا ہوا مال واپس یا تبدیل نہیں ہوگا" از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

(١) الهداية ،كتاب البيوع ، باب المرابحة والتولية : ٧٨/٣

(٢) سليم رستم باز اللبنانيؒ ، شرح المجلة ، المادة : ٢٤٦، كتاب البيوع ، الباب الثالث في بيان المسائل المتعلقة بالثمن : ص ١٢٥

الجواب وباللہ التوفیق:

بائع اور مشتری جب باہمی رضامندی سے بیع کا معاملہ طے کرلیں اور ثمن اور مبیع پر قبضہ ہوجائے تو یہ بیع تام ہوجاتی ہے، اس کے بعد کسی ایک فریق کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی عیب کے بغیر محض اپنی خواہش یا ضرورت کی بناپر بیع کو توڑدے، اس لیے کہ بیع کا توڑنا بائع اور مشتری دونوں کی رضامندی پر موقوف ہے، لہٰذا دکان دار کا دکان یا رسید پر یہ عبارت لکھنا کہ ''خریدا ہوا مال واپس یا تبدیل نہیں ہوگا'' اپنی طرف سے اقالہ پر راضی نہ ہونے کا پیشگی اعلان ہے جو ازروئے شرع ممنوع نہیں، ہاں البتہ اگر کوئی گاہک پشیمان ہوکر مبیع واپس کرنا چاہے تو اخلاقی طور پر دکاندار کو چاہیے کہ اقالہ کرکے اس کو پوری قیمت واپس کردے، کیوں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی مبارک تعلیمات میں اقالہ کرنے کو موجب اجروثواب قرار دیا ہے۔

والدلیل علی ذلک:

وأما صفتها فهي مندوب إليها للحديث :" من أقال نادماً بيعته أقال الله عثراته يوم القيامة" (١)

ترجمہ: اقالہ کی صفت یہ ہے کہ اس حدیث کی وجہ سے یہ مستحب ہے ''کہ جس نے بیع پر پشیمان ہونے والے کے ساتھ اقالہ کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائیں گے۔

بیعانہ کی رقم کاٹنا

سوال نمبر (215):

آج کل اکثر معاملات میں فروخت کنندہ خریدار سے بیعانہ کی رقم رکھواتا ہے اور پھر خریدار کی پشیمانی کی صورت میں وہ رقم ضبط کرلیتا ہے۔کیا شریعت میں اس طرح کرنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بیع تام ہونے کے بعد اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بیع پر پشیمان ہوکر اس کو فسخ کرنا چاہیں تو باہمی رضامندی سے گزشتہ قیمت کے برابر رقم پر فسخ کرسکتے ہیں۔اس سے زیادتی یا کمی کی شرط لگانا جائز نہیں۔

(١) البحرالرائق، كتاب البيوع، باب الاقالة ، الفصل صفة الاقالة : ١٦٨/٦

صورتِ مسئولہ کے مطابق آج کل جو رقم بیعانہ کے نام سے رکھی جاتی ہے اور خریدار کی پشیمانی کی صورت میں واپس نہیں کی جاتی، اس طرح کرنا شرعاً جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الأول، فإن شرط أكثر منه، أو أقل، فالشرط باطل، ويرد مثل الثمن الأوّل. (۱)

ترجمہ: بیع میں اقالہ اصل ثمن کے برابر رقم پر جائز ہے۔ سو اگر اس سے زیادہ یا کم رقم کی شرط لگائی گئی تو شرط باطل ہوگی اور اصل ثمن کے برابر رقم لوٹائی جائے گی۔

❁❁❁

آرڈر پر چیز بنوانا

سوال نمبر (216):

آج کل رواج ہے کہ بڑے دکاندار اشیا مثلاً: فرنیچر، بوٹ وغیرہ کے Sample رکھتے ہیں، چھوٹے دکاندار Sample دیکھ کر پسند کرتے ہیں اور آرڈر دیتے ہیں۔ قیمت طے کرتے ہیں اور خریدار بیعانہ دیتا ہے۔ کیا شرعاً یہ بیع جائز ہے؟ کیا یہ "لاتبع مالیس عندك" کے زمرے میں نہیں آتا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے معدوم چیز کی بیع ممنوع ہے البتہ عقدِ استصناع جائز ہے، جس کا طریقہ کار یوں ہوتا ہے کہ گاہک صنعت کار یا کاریگر کو کسی خاص چیز کے تیار کرنے کا آرڈر دیتا ہے، اور وہ مطلوبہ چیز بنوا کر فروخت کرتا ہے۔ اس عقد میں درج ذیل شرائط کی رعایت ضروری ہے:

۱- جو چیز بنوانی ہے اُس کی جنس معلوم ہو، مثلاً: جوتا، کپڑا، کرسی وغیرہ، ۲- اس کی نوع بھی معلوم ہو، ۳- اس کی صفت بھی معلوم ہو، ۴- اس کی مقدار بھی معلوم ہو، ۵- اس پر لوگوں کا تعامل جاری ہو، ۶- اس میں اجل (مدت) مقرر نہ ہو۔

(۱) الهداية ، كتاب البيوع ، باب الاقالة : ۷۲/۳

صورتِ مسئولہ میں جب کسی چیز کا وجود نہ ہو اور Sample دیکھ کر اس کے بنوانے کا آرڈر دیا جائے تو یہ درحقیقت عقدِ استصناع ہے جو مذکورہ بالا شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما شرائط جوازه فمنها: بيان جنس المصنوع، ونوعه وقدره وصفته....ومنها أن يكون ممّا يجري فيه التعامل بين النّاس... ومنها ألّا يكون فيه أجل. (۱)

ترجمہ:

استصناع کے جواز کی شرائط میں سے یہ ہے کہ بنوائی جانے والی چیز کی جنس، نوع، مقدار اور صفت کو بیان کیا جائے....شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ یہ چیز اُن اشیا میں سے ہو جس کے استصناع پر لوگوں کا عرف اور رواج ہو.... اور یہ بھی شرائط میں سے ہے کہ اُس میں ادھار نہ ہو۔

❁❁❁

منافع کمانے کے اصول

سوال نمبر(217):

دینِ اسلام نے تجار کو نفع کمانے کے لیے کسی خاص حد تک محدود رکھا ہے یا ان کو کھلا اختیار دیا ہے کہ جتنا کمانا چاہیں، کمائیں؟ نیز حکومت کسی چیز کے لیے ریٹ لسٹ بنا سکتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت نے نفع کمانے کے لیے کوئی خاص حد متعین نہیں کی ہے، لیکن تجار کو حکم دیا ہے کہ وہ معروضی حالات کی مناسبت سے اشیا کی ایسی قیمتیں متعین کیا کریں جن میں نہ خریداروں پر ناقابلِ تحمل بوجھ پڑے اور نہ ہی خود ان کو نقصان پہنچے۔ کسی کی مجبوری سے غلط فائدہ نہ اُٹھائیں اور ظلم زیادتی کی تجارت سے گریز کریں۔ جب تک تجار ان زریں اصولوں پر عمل پیرا رہیں تو حکومت کو یہ اختیار نہیں کہ اشیا کی ریٹ لسٹ متعین کرے، البتہ جب تاجر برادری عوام کی

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الاستصناع: ۸٦/٦

معاشی حالت، قوتِ خرید اور مجبوریوں کو نظر انداز کر کے اشیائے ضرورت پر حد سے زیادہ نفع کمانے لگیں تو پھر حکومت عوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے اصحاب الرائے کی مشاورت سے منصفانہ قیمتوں کا تعین کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں تجار پر ملکی قانون کی پاس داری شرعاً بھی لازمی اور ضروری ہوگی۔

والدّليل على ذلك:

عن أنسؓ قال: غلاالسعر على عهد رسول اللهﷺ فقالوا: يارسول الله! لو سعرت، فقال "إن الله هو القابض، الباسط، الرازق، المسعر وإني لأرجو أن ألقى الله عزوجل لا يطلبني احدٌ بمظلمه ظلمتهاإياه في دم ولا مالٍ."

قال الشيخ ظفر احمد العثمانيؒ في شرح هذا الحديث: ولوأفضى ترك التسعير إلى تلف العوام من المفلسين لتعدى أرباب الأموال في غلاءِ السعر، فلا بأس بتسعير الإمام بمشورة أهل الرأي؛ لأن ضرر ترك التسعير حينئذٍ كضرر الاحتكارِ سواء. (۱)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں قیمتیں بڑھ گئیں تو صحابہؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ قیمتیں متعین فرمائیں" (تو بہتر ہوگا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ ہی تنگی لانے والا، کشادگی لانے والا، رزق دینے والا، قیمتیں متعین کرنے والا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت میں ملاقات کروں کہ کوئی مجھ سے اس ظلم کا مطالبہ نہ کرے جو میں نے اس کے جان یا مال پر کیا ہو"۔ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: "اگر مال والوں کا قیمتوں میں زیادتی کی وجہ سے قیمت متعین نہ کرنا غریب عوام (کے حقوق) کے ضائع ہونے کا باعث ہو تو پھر حاکم کے لیے اہل رائے کے مشورہ سے قیمتیں متعین کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ ایسے وقت میں قیمت متعین نہ کرنے کا ضرر ذخیرہ اندوزی کے ضرر کے برابر ہو جاتا ہے"۔

❁❁❁

وکیل کا مؤکل کی بیان کردہ قیمت سے کم قیمت میں مبیع بیچنا

سوال نمبر (218):

ایک شخص نے اپنے دوست کو اسلحہ فروخت کرنے کے لیے دے دیا اور اسے کہا کہ اسے ایک لاکھ روپے میں

(۱) ظفر أحمد العثمانيؒ، اعلاء السنن، الحظر والاباحة، باب كراهة التسعير: ۴۷۲/۱۷، دارالكتب العلمية، بيروت

فروخت کرو۔اس نے وہ اسلحہ اسی ہزار 80,000 میں فروخت کیا۔اب اسلحے کا مالک اس سے ایک لاکھ مانگ رہا ہے اور یہ اس کو اسی ہزار دے رہا ہے۔ برائے مہربانی اس مسئلے کی وضاحت کیجیے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ معاملہ میں اسلحے کا مالک مؤکل ہے اور فروخت کے لیے مقرر کیا ہوا شخص وکیل ہے۔وکیل پر لازم ہوتا ہے کہ جب مؤکل اسے کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے دے دے اور قیمت بھی بتا دے تو وہ اس سے کم قیمت میں فروخت نہ کرے۔ یہاں چونکہ وکیل نے اسلحہ ایک لاکھ کی بجائے اسی ہزار میں فروخت کر دیا جس پر مالک (مؤکل) راضی نہیں، اس لیے وہ یا تو اسلحہ واپس لے کر مؤکل کو اپنا اسلحہ دے دے یا بیس ہزار اپنی طرف سے ملا کر اسے پورے ایک لاکھ روپے حوالہ کردے۔

والدّلیل علی ذلک:

أما إذا قال المؤكل بعه بألف أو بمائة ،لا يجوز أن ينقص بالإجماع. (١)

ترجمہ:

اگر مؤکل وکیل سے کہے کہ: ’’یہ مبیع ہزار پر یا سو پر بیچ دو‘‘ تو وکیل کے لیے اس سے کم قیمت میں بیچنا بالاتفاقِ (فقہا) جائز نہیں۔

غلط بیانی سے حاصل کردہ رقم

سوال نمبر (219):

حکومت کی طرف سے بعض محکموں کے ملازمین کو ’’ہاؤسنگ سبسڈی‘‘ ملتی ہے۔گریڈ کے اعتبار سے اس رقم کا تعین ہوتا ہے۔ بندہ بھی ایک سرکاری محکمہ میں ملازم ہے۔اس محکمہ میں گھر کی قیمت کے اعتبار سے ملازمین کو رقم ملتی ہے۔بندہ نے اپنے گھر کی قیمت ظاہر کرنے میں غلط بیانی سے کام لیا اور اصل قیمت سے زیادہ قیمت بتادی جس کی بنا پر مجھے انیس سو روپے (1900) کی بجائے بائیس سو پچاس (2250) روپے ملتے رہے۔اب مجھے اس غلطی کا احساس

(١) الفتاوى الهندية ،كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع : ٣/٥٨٨

ہوا۔ پوچھنا یہ ہے کہ میں نے ابھی تک اس طرح جو اضافی رقم حاصل کی ہے، وہ میرے لیے حلال ہے یا حرام؟ نیز آئندہ کے لیے میں یہ اضافی رقم لے سکتا ہوں یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں چونکہ سائل گھر کی صحیح قیمت کے اعتبار سے انیس سو روپے (1900) کا مستحق تھا، جب کہ کذب بیانی کی وجہ سے اس کو بائیس سو پچاس روپے (2250) ملتے رہے، اس لیے اب تک جو زائد رقم اس نے حاصل کی ہے، وہ کسی طرح سے اس ادارہ یا محکمہ کو واپس لوٹا دے۔ اگر یہ محکمہ سرکاری ہو اور اس میں لوٹانا ممکن نہ ہو تو کسی اور سرکاری محکمہ میں جمع کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ادارہ کے ذمہ اس کی کوئی رقم واجب الادا ہو تو وہ وصول نہ کرے، تا کہ اس رقم کی رسائی حاصل ہو۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسے فقراء پر بلا نیتِ ثواب صدقہ کردے اور آئندہ زائد رقم لینے سے مکمل اجتناب کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

ويجب رد عين المغصوب في مكان غصبه ،ويبرأ بردها ،ولو بغير علم المالك. (۱)

ترجمہ: اور جس جگہ سے مال غصب کیا ہو، اسی جگہ میں عین مغصوب واپس کرنا واجب ہے اور اس کو واپس لوٹانے سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اگر چہ (لوٹانا) مالک کے علم میں نہ ہو۔

❀❀❀

کُل نفع سرمایہ دار کے لیے مقرر کرنا

سوال نمبر (220):

زید تاجر ہے۔ وہ اپنے لیے مختلف قسم کی تجارتیں کرتا ہے۔ اس کا دوست عمرو بے روزگار اور تنگ دست ہے، اس کے پاس ڈیڑھ دو لاکھ روپے موجود ہیں، مگر وہ انہیں صحیح طرح تجارت میں لگانے سے قاصر ہے۔ زید چاہتا ہے کہ اُس سے ایک لاکھ روپے لے کر اس پر تجارت کرے اور نفع پورا کا پورا عمرو کو دیا کرے۔ شرعاً اس طرح کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الغصب: ۹/ ۲۶۶

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص کسی کے مال سے تجارت کرے اور نفع پورا کا پورا رب المال کو دے تو یہ فقہا کی اصطلاح میں ''عقدِ بضاعت'' کہلاتا ہے۔ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے اور اس میں نفع، نقصان سب رب المال کا ہوتا ہے۔ عامل صرف خیر خواہی اور احسان کے طور پر عمل کرتا ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر زید، عمرو سے کچھ رقم لے کر اس کے لیے تجارت کرے اور نفع سارا کا سارا عمرو کو دے تو یہ معاملہ جائز ہے، البتہ اس میں اگر زید نقصان کرلے تو وہ بھی پورا کا پورا عمرو ہی کو برداشت کرنا پڑے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

وإذا شرط كله لصاحب رأس المال كان رأس المال في يد العامل بضاعةً ،والعامل مستبضعاً ولما كان المستبضع في حكم الوكيل المتبرع كان الربح كله لصاحب المال ،والخسارة كلها عليه. (۱)

ترجمہ: اور جب کل نفع سرمایہ دار کے لیے مقرر کیا جائے تو رأس المال (سرمایہ) عامل کے ہاتھ میں بضاعت ہوگا اور عامل (کام کرنے والا) مستبضع کہلائے گا اور چونکہ مستبضع، متبرع وکیل کے حکم میں ہے، اس لیے نفع سارا کا سارا سرمایہ دار کا ہوگا اور نقصان بھی اسی پر ہوگا۔

❁❁❁

اصل قیمت سے زائد رقم کا بل بنانا

سوال نمبر (221):

ہم گاڑیوں کی الیکٹریشن کا کام کرتے ہیں۔ اکثر سرکاری یا پرائیویٹ اداروں کے ڈرائیور ہم سے گاڑیوں کی مرمت کروا کے کہتے ہیں کہ: ''ہمارے لیے اصل خرچ اور مزدوری سے زیادہ رقم کا بل (Bill) بنا دو''۔ کبھی ہم ان کی مرضی سے ان کے لیے بل میں زیادہ رقم لکھ دیتے ہیں۔ کیا یہ عمل شریعت کی رو سے جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خریداری کے بعد دکان دار کا گاہک کے لیے بل بنانا اس بات کا اقرار اور گواہی ہے کہ ''مذکورہ گاہک نے مجھ

(۱) سلیم رستم باز اللبنانيؒ ، شرح المجلة ، المادة : ۱۳۵۱ ،كتاب الشركة، الباب السادس فی شركة العقد:ص ۷۲۰

سے فلاں چیز اتنی قیمت میں خریدلی یا فلاں کام اتنی رقم میں کروایا"۔اب اگر دکان داراس گواہی میں جھوٹ اور کذب بیانی سے کام لے کر اصل قیمت سے زائد رقم درج کرلے تو یہ شہادۃ الزور (جھوٹی گواہی) کے زمرہ میں داخل ہو کر ناجائز اور حرام ہوگا۔

حضور پاک ﷺ نے جھوٹی گواہی کو حرام قرار دے کر اس کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے،لہٰذا اس سلسلہ میں دکان داروں اور کاریگروں کو دوسروں کے دنیاوی فائدہ کے لیے اپنی آخرت کا نقصان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

والدّليل على ذلك:

عن حبيب بن نعمان الأسدي قال: صلى النبيّ ﷺ الصُّبح ،فلمّا انصرف قام قائماً فقال: "عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله " ثلاث مرات ،ثم تلا هذه الآية ﴿ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾ ﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ﴾. (۱)

ترجمہ: حضرت حبیب بن نعمان الاسدیؓ فرماتے ہیں کہ:"آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی (نماز سے فارغ ہوکر) جب رُخ مبارک پھیرا تو کھڑے ہوگئے اور تین مرتبہ فرمایا:"جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کے برابر کی گئی ہے"۔پھر یہ آیت تلاوت کی (جس کا ترجمہ یہ ہے):"اور جھوٹی بات سے بچتے رہو کہ تم یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رُخ کیے ہوئے ہو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانتے ہو"۔

❁❁❁

غیر ملکی کرنسی کی اُدھار خرید وفروخت

سوال نمبر(222):

ڈالر کے مقابلہ میں پاکستانی کرنسی کی اُدھار خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

واضح رہے کہ ہر ملک کی کرنسی قوتِ خرید کے اعتبار سے دوسرے ملک کی کرنسی سے مختلف ہوتی ہے،اسی وجہ سے ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے الگ جنس شمار کیا جاتا ہے۔

چونکہ ڈالر اور پاکستانی کرنسی مختلف الاجناس ہیں،لہٰذا ان کا آپس میں اُدھار تبادلہ جائز ہے،البتہ مجلس عقد میں

(۱) ابو عبداللہ محمد بن یزیدؒ، سنن ابن ماجه، ابواب الأحكام، باب شهادة الزور: ۲/ ۷۹٤، داراحياء التراث العربي

احد البدلین (ڈالر یا پاکستانی کرنسی) پر قبضہ ضروری ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

باع فلوسا بمثلها،أو بدراهم ،أو بدنانير ،فإن نقد أحدهما جاز، وإن تفرقا بلاقبض أحدهما لم يجز.(١)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے پیسے پیسوں کے بدلے یا دراہم یا دنانیر کے بدلے میں فروخت کیے، اگر (بائع یا مشتری میں کسی) ایک نے نقد ادائیگی کی تو جائز ہے اور اگر دونوں کسی ایک (پیسے یا دراہم و دنانیر) پر قبضہ کرنے سے پہلے جدا ہو گئے تو یہ معاملہ جائز نہیں ہوگا۔

وإذاعدم الوصفان الجنس،والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة.(٢)

ترجمہ: اور جب دونوں اوصاف نہ ہوں (یعنی) جنس اور وہ صفت جو اس کے ساتھ ضم کی گئی ہے (یعنی قدر) تو حرمت کی علت نہ ہونے کی وجہ سے زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔

❁❁❁

غیر ملکی کرنسی زیادتی کے ساتھ بیچنا

سوال نمبر (223):

سعودی ریال اور پاکستانی روپے کو آپس میں زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی کے ساتھ جنس اور قدر کے اختلاف کی وجہ سے زیادتی کے ساتھ جائز ہے اور اس زیادتی کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ فریقین (بائع اور مشتری) کی آپس میں رضامندی پر موقوف ہے اور کرنسی چونکہ دراہم و دنانیر کی طرح ثمن خلقی اور حقیقی نہیں، لہٰذا یہ تبادلہ بیع صرف (ثمن کا ثمن کے مقابلے میں بیچنا) بھی شمار نہ ہوگی، اسی وجہ سے دونوں کرنسیوں (ریال، پاکستانی روپے) پر مجلس عقد میں قبضہ ضروری نہیں ہوگا۔ صرف ایک کرنسی (ریال یا پاکستانی روپے) پر مجلس عقد میں قبضہ ضروری ہوگا۔

---

(١) الدرالمختار على صدر ردالمحتار ، كتاب البيوع ،مطلب في استقراض الدراهم:٤١٤/٧

(١) الهداية، كتاب البيوع،باب الربوا : ٨٣/٣

والدلیل علی ذلک:

لو اشتری فلوسا،أو طعاما بدراهم ،حتی لم یکن العقد صرفا ،وتفرقا بعد قبض أحد البدلین حقیقة یجوز.(۱)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے دراہم کے بدلے پیسے یا کھانا خریدا اور (فریقین) احد البدلین (ثمن اور مبیع) پر قبضہ کرنے کے بعد جدا ہوئے تو یہ جائز ہے، کیوں کہ یہ عقدِ صرف نہیں ہے (جس میں دونوں پر قبضہ ضروری ہوتا ہے)۔

وإذا عدم الوصفان الجنس،والمعنی المضموم إلیه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة.(۲)

ترجمہ: اور جب دونوں اوصاف نہ ہوں (یعنی) جنس اور وہ صفت جو اس کے ساتھ ضم کی گئی ہے (یعنی قدر) تو حرمت کی علت نہ ہونے کی وجہ سے زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔

❁❁❁

کرنسی نوٹ دے کر کم پیسے وصول کرنا

سوال نمبر (224):

آج کل کنڈیکٹر حضرات دس روپے کا نوٹ دے کر نو روپے کی ریزگاری وصول کرتے ہیں، شرعاً یہ معاملہ کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ایک ملک کی کرنسی نوٹوں یا سکّوں کا آپس میں تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ کرنا سود کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں، چاہے ان نوٹوں کے بدلے نوٹ وصول کیے جائیں یا اسی ملک کے سکے۔

صورتِ مسئولہ میں کنڈیکٹر حضرات کا دس روپے دے کر نو روپے کے سکے وصول کرنا جائز نہیں، البتہ اگر سکّوں کے ساتھ کوئی معمولی چیز مثلاً ٹافی وغیرہ کنڈیکٹر کو دی جائے تو اس میں جواز کی صورت نکل سکتی ہے۔

والدلیل علی ذلک:

ویجوز بیع الفلس بالفلسین بأعیانهما عند أبي حنیفةؒ وأبي یوسفؒ ،وقال محمدؒ :لایجوز؛لأن

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب البیوع،الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالا یجوز:۳/۱۰۲

(۲) الهدایة، کتاب البیوع،باب الربوا :۳/۸۳

الثمنية ثبتت باصطلاح الكل ،فلا تبطل باصطلاحهما ،وإذا بقيت أثمانا لاتتعين ،فصار كما إذا كانا بغير أعيانهما ،و كبيع الدرهم بالدرهمين.(١)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک معین پیسہ کو دو معین پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں، کیوں کہ (فلوس کا) ثمن ہونا تمام لوگوں کے اتفاق سے ثابت ہے، اس لیے بائع اور مشتری کے اتفاق سے ثمنیت باطل نہ ہوگی اور جب فلوس ثمن باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے، پس یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ جب دونوں غیر معین ہوں اور جیسے ایک درہم کا دو درہم کے عوض بیچنا۔

❁❁❁

ٹیلی فون کے ذریعے سونے کی خرید وفروخت

سوال نمبر (225):

کیا ٹیلی فون کے ذریعے سونے کی خرید وفروخت جائز ہے؟　　　بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہاے کرام کی اصطلاح میں سونے کو ''ثمن خلقی'' کہا جاتا ہے جب کہ کرنسی نوٹ ثمن عرفی ہیں، ثمن عرفی کے عوض سونے، چاندی کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، تاہم مجلس عقد میں کسی ایک بدل (سونا یا پیسہ) پر قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا فون پر سونے کی خرید وفروخت درست نہیں، کیوں کہ نہ تو گاہک سونے پر قبضہ کر سکتا ہے اور نہ دکان دار اسی مجلس میں پیسے وصول کر سکتا ہے، اس کی صحیح صورت اس طرح ہو سکتی ہے کہ دکان دار فون کے ذریعہ گاہک کو متعین قیمت پر سونا فروخت کرنے کا وعدہ کرے اور پھر جس وقت گاہک آجائے تو اس وقت باقاعدہ ایجاب وقبول کر کے اسی موعود قیمت پر فروخت کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن لم يتجانسا يشترط التقابض قبل الافتراق دون التماثل.(٢)

ترجمہ: اگر دونوں (ثمن) ہم جنس نہ ہوں تو پھر جدا ہونے سے پہلے (کسی ایک جنس پر) قبضہ کرنا ضروری ہے، دونوں میں برابری ضروری نہیں۔

---

(١) الهداية، كتاب البيوع، باب الربوا: ٣/٨٥　(٢) البحر الرائق، كتاب الصرف تحت قوله: ٦/٣٢٤

کتاب الرّبوا

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

شریعتِ اسلامیہ ہراس قدام کی حوصلہ شکنی کرتی ہے، جس سے معاشرے میں طبقاتی اور سرمایہ دارارنہ نظام کی ترویج ہو اور معاشرے کی اقتصادی لگا میں مخصوص ہاتھوں میں آکر دولت کی گردش ان ہی محدود ہاتھوں تک سمٹ کررہ جائے۔ شریعت مطہرہ کا اصول یہ ہے کہ غریب لوگوں کا استیصال کرنے کی بجائے ان کو آزادانہ مسابقت اور منصفانہ معاشی ماحول فراہم کیا جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ لوگوں کو اپنی مرضی پر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعے دوسرے بعض لوگوں کو رزق فراہم کرتا ہے۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سود جیسی لعنت کو حرام فرما کر اس کے متبادل کے طور پر قرض حسنہ اور بیع سلم کی ترغیب دی ہے۔ دراصل سود کے مفاسد اتنے زیادہ ہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی بھی معاشی نظام پنپ نہیں سکتا، مثلاً:

(۱) سود سے بلاعوض دوسرے انسان کا مال لیا جاتا ہے جس میں سراسر اس کا نقصان اور استیصال ہے۔

(۲) سود سے معاشرے میں کسب معاش کے لیے محنت کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

(۳) سود سے معاشرے میں انسانی ہمدردی اور قرضِ حسنہ کے رجحانات ختم ہو کر لوگوں میں خود غرضی اور مال کی حرص کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۴) معاشی عدم توازن اور من حیث القوم احتیاج الی الاغیار کا سبب ہے۔(۱)

ربوا کی لغوی تحقیق:

ربا بکسر الراء لغت میں زیادتی اور بڑھوتری کے معنی میں ہے۔ قرآن کریم میں بھی اسی معنی میں مستعمل ہے:

﴿وما آتیتم من ربا لیربو في أموال الناس﴾(۳)

---

(۱) الصحیح للمسلم، باب تحریم بیع الحاضر للبادي: ۲/۴

(۲) التفسیر الکبیر للرازي: ۳/۷۴، إعلام الموقعین: ۲/۱۳۵، حاشیه بدائع الصنائع: ۷/۴۸، ۴۹

(۳) الروم: ۳۹

"ربا الشئی" اس وقت کہا جاتا ہے، جب کوئی چیز بڑھ کر زیادہ ہو جائے۔اونچی جگہ کو بھی اسی وجہ سے ربوۃ کہا جاتا ہے کہ وہ دوسرے اماکن پر بلند اور ان سے بڑھ کر ہوتی ہے۔(۱)

ربوا کی اصطلاحی تحقیق:

فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال.(۲)

مالی لین دین کے معاملہ میں ایسا مالی اضافہ جس کے لیے دوسرے فریق کی طرف سے کوئی عوض نہ ہو۔

علامہ ابن نجیمؒ کے ہاں ''دو ہم جنس اشیا میں سے کسی ایک کی دوسرے پر معیار شرعی (کیل یا وزن) میں زیادتی کا نام ربوا ہے''۔(۳)

سود کی حرمت:

سود کی حرمت قرآن کریم سے:

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتوں سے سود کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہے۔

﴿يَـاأَيُّهَـا الَّـذِيـنَ امَـنُـوا اتَّـقُـوا اللهَ وَذَرُوا مَـا بَـقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ. فَإِنْ لَمْ تَـفْـعَـلُوْا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾(٤)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُضٰعَفَةً﴾(٥)

احادیث مبارکہ سے:

نبی کریم ﷺ نے سود کو گناہِ کبیرہ اور سات ہلاکت میں ڈالنے والی چیزوں میں سے شمار کیا ہے۔(٦)

(۲) اور اس کے کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والے سب پر لعنت فرمائی ہے، اور ان

(۱) لسان العرب،مادة ربو:٥/١٢٦، المبسوط، كتاب البيوع : ١٢/١٠٩،بدائع الصنائع مع الحاشية: ٧/٤٦

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب البيوع،الباب التاسع فيمايجوزبيعه ومالايجوز، الفصل السادس في تفسيرالربا: ٢/١١٧

(٣) البحرالرائق ،كتاب البيوع ،باب الربا:٦/٢٠٧

(٤) البقرة : ٢٧٥-٢٧٩

(٥) آل عمران:١٣

(٦) السنن الكبرى للنسائي، رقم (٦٤٦٥):٦/١٦٩

سب کو برابر قرار دیا ہے۔(۱)

سود کی حرمت کے منصوص اور قطعی ہونے کی وجہ سے اس حرمت پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔(۲)

قرآنی آیات میں سود کھانے والے کی سزائیں:

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سود کھانے والے کے لیے پانچ قسم کی سزائیں مقرر کی ہیں۔

(۱) تخبط، یعنی پاگل پن اور بدحواسی:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَایَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَایَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ یعنی قیامت میں سود خور کھڑے نہیں ہوں گے، مگر اس آدمی کی طرح، جس کو شیطان پاگل اور بدحواس کردے۔ اس کی یہ حالت دنیا میں بھی ہوسکتی ہے۔ بعض مفسرین کے ہاں آخرت میں اس کا پیٹ اتنا پھول جائے گا کہ اس کے پاؤں اس کا وزن برداشت نہیں کرسکیں گے اور وہ پاگلوں کی طرح گرتا پڑتا، دھکے کھاتا ہوا چلے گا۔

(۲) محق، یعنی بے برکتی اور ہلاکت:

﴿یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ﴾ اللہ پاک سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ سود خور کے مال سے برکت اور خوشی ختم کردی جاتی ہے اور بادی النظر میں بڑھنے والا یہ مال کسی بھی وقت اس کے دیوالیہ ہونے کا سبب بنے گا اور اس کا اثر اس کی اولاد اور خاندان پر بھی پڑے گا۔

(۳) الحرب، یعنی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں برے اعمال میں سے سوائے سود کے اور کسی بھی نافرمانی کے بارے میں اعلان جنگ نہیں فرمایا ہے۔

(۴) الکفر:

﴿وَذَرُوْا مَابَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ ﴿وَاللّٰهُ لَایُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ﴾ (۳)

(۱) الصحیح للمسلم، باب الربا: ۲/۲۷

(۲) المغني والشرح الكبير، باب الرباو الصرف: ۴/۱۳۳

(۳) البقرة: ۲۷۶، ۲۷۸

یعنی سود پر مواظبت سے ممکن ہے کہ اس کا دل ایمان سے بھی بے زار ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفر سے مراد سود کو حلال سمجھنا ہو، ورنہ حرام سمجھ کر سود کا ارتکاب کرنے والا صرف فاسق ہے، کافر نہیں۔

(۵) خلود فی النار، یعنی ہمیشہ جہنم میں رہنا:

﴿ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ سود اگرچہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن خلود فی النار کا سبب نہیں، اس لیے یہ آیت تہویل اور تہدید پر مشتمل ہے اور ممکن ہے کہ اس سے سود کو حلال سمجھنے والا مراد ہو۔ (۱)

معاملات میں سود سے بچنے کی تاکید اور اس کا طریقہ:

اپنے معاملات کو شرعی خطوط پر استوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان کے بارے میں شرعی احکام معلوم کیے جائیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

لايتّجرفي سوقنا إلا من فقه، وإلا أكل الربا.

اسی طرح حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"من اتجر قبل أن يتفقه،ارتطم في الربا، ثم ارتطم، ثم ارتطم".

جو شخص ضروری شرعی احکامات کا علم حاصل کیے بغیر تجارت کرے گا، وہ سود میں واقع ہو جائے گا۔ (۲)

پرانے زمانے میں تاجر اپنے ساتھ تجارتی قافلے میں ایک فقیہ بھی ضرور لے جاتے تھے، تاکہ سفر میں بھی وہ بوقتِ ضرورت احکامِ فقہ سے بسہولت آگاہ ہو سکیں اور کسی ناجائز معاملے کے ارتکاب سے بچے رہیں۔ فقہاے کرام فرماتے ہیں "لابدللتاجرمن فقیہ صدیق" تاجر کے لیے ایک فقیہ دوست کا ہونا ضروری ہے۔ (۳)

اس لیے قرض لیتے دیتے یا بیع وشرا کرتے وقت کسی ماہر عالم اور فقیہ سے رائے طلب کرنا ضروری ہے، تاکہ ابتدا ہی سے سود کا راستہ روکا جا سکے۔ (۴)

ربا کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا اصولی ارشاد:

"الذهب بالذهب ،والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح،

(۱) المبسوط، كتاب البيوع: ١٢/١٠٩، ١١٠، حاشية بدائع الصنائع: ٤٧/٧

(۲) تفسير قرطبي:٣/٣٥٢، مغني المحتاج:٢/٢٢

(۳) البحرالرائق، كتاب البيع :٤٣٨/٥

(۴) الموسوعة الفقهية ، مادة ربا:٥٣/٢٢

مثلاً بمثل، یداًبید،فمن زاد،أو استزاد، فقد أربی".(۱)

سوناسونے کے بدلے،چاندی چاندی کے بدلے،گیہوں گیہوں کے بدلے،جوجو کے بدلے، کھجورکھجوراور نمک نمک کے بدلے برابر سرابراور نقد بیچا جائے۔جس نے زیادہ دیایازیادہ کا مطالبہ کیاتووہ سود کا مرتکب ہوا۔

مذکورہ چھ اشیا کو خاص طور پر حدیث میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں زیادہ تر معاملات کا دارومدار ان ہی اشیاپر تھا،لہٰذاان کواصل بنا کر پیش کردیا گیا۔(۲)

حدیثِ مذکور سے فقہا کا طرزِ استدلال:

اصحابِ ظواہر جو کہ حدیث کے ظاہری مفہوم پر جمود کا عقیدہ رکھتے ہیں،ان حضرات کے ہاں سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، اور نمک ان ہی چھ اشیامیں سود ہے،باقی چیزوں میں نہیں۔(۳)

لیکن فقہاے امت نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور ان چھ چیزوں کو ایک علامتی تعبیر مان کر ایسی علل دریافت کی ہیں کہ جہاں جہاں وہ علل پائی جائیں،وہاں وہاں سود حرام ہوگا،تاہم سود کی علت متعین کرنے میں بھی خاصا اختلاف ہے۔

(۱)امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک علت جنس ہے اور دوسری علت قدر۔جن چیزوں کی اصل جدا جدا ہو،جیسے: گائے کا گوشت اور بکرے کا گوشت،ان کی جنس علیحدہ متصور ہوگی۔اسی طرح دوایسی چیزیں جن کا مقصود الگ الگ ہوچکا ہے ان کی اصل ایک ہی ہو،علیحدہ علیحدہ جنس سمجھی جائے گی،جیسے: گیہوں کا دانہ اوراس کا آٹا یا زیتون کا پھل اوراس کا تیل(۴)

قدر سے مراد یہ ہے کہ وہ کیل (پیمانہ) کے ذریعے ماپی جاتی ہو یاوزن کے بٹوں کے ساتھ تولی جاتی ہو۔جو چیزیں کیل کی ادنی مقدار سے بھی کم ہوں،ان میں ہم جنس ہونے کے باوجود کمی زیادتی ہوسکتی ہے۔کیل کی ادنی مقدار نصف صاع،یعنی (پونے دوکلو) ہے۔(۵)

---

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب الربا،عن أبي سعید الخدري :۲/۲۵

(۲) المبسوط للسرخسي، کتاب البیوع :۱۲/۱۱۳

(۳) إعلام الموقعین:۲/۱۳۶

(٤) رد المحتارعلی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب الربا:۷/٤۱۵ ،قاموس الفقه، مادة ربا:۳/٤٦۸

(٥) الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الربا: ۷/٤۰۷ ،الهدایة،باب الربا: ۳/۸۳

باہم تبادلے کی تین صورتیں:

(۱) اگر کوئی دو چیزیں باہم جنس میں بھی متحد ہوں اور قدر میں بھی تو خرید وفروخت میں ان دونوں کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور ہر دو جانب سے نقد ادائیگی بھی ضروری ہے۔ اگر کسی طرف سے بھی زیادہ ہو تو یہ سود ہے، جس کو" ربا تفاضل" یا" ربا الفضل" کہا جاتا ہے۔ اور اگر ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو تو یہ بھی سود ہے جس کو اصطلاح میں ربا النسیئہ کہتے ہیں۔

(۲) اگر جنس بھی مختلف ہو اور قدر بھی تو کمی بیشی اور نقد وادھار دونوں صورتیں جائز ہیں، جیسے سونا، چاندی یا اس کے قائم مقام روپے پیسے کے عوض تیل خریدنا۔

(۳) اگر جنس ایک ہو مگر قدر جدا ہو یا قدر ایک ہو اور جنس جدا ہو تو ان کی نقد باہم خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ ہو سکتی ہے، یعنی تفاضل جائز ہے، مگر ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار کی گنجائش نہیں، یعنی نساء حرام ہے۔ (۱)

☆...... شافعیہ کے ہاں سونے چاندی میں ربا کی علت اس کا ثمن (زر) ہونا ہے۔ باقی چار اشیا میں علت مطعوم، یعنی خوردنی ہونا ہے، جس قبیل سے بھی ہو، چاہے سالن، ترکاری، میوہ اور دوائی ہی کیوں نہ ہو۔ (۲)

☆...... امام احمد سے اگر چہ دو تین اقوال مروی ہیں، تاہم ان کے ہاں راجح قول بھی وہی ہے جو حنفیہ کا ہے۔ (۳)

☆...... مالکیہ کے ہاں سونے چاندی میں ربا کی علت ثمنیت ہے اور باقی چیزوں میں" قوت" یعنی خوردنی ہونا ہے۔ پھر جو چیزیں ایسی ہیں جو انسانی خوراک کے کام نہ آتی ہوں یا آتی ہوں، لیکن جلد خراب ہونے والی ہوں، جیسے: سبزیاں اور تازہ میوہ جات تو ان میں تفاضل ہو سکتا ہے، یعنی ہاتھ در ہاتھ لین دین میں کمی زیادتی کر سکتے ہیں، لیکن باہم ادھار (نساء) معاملہ نہیں کر سکتے اور جو چیزیں خوراک کے قابل ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ ذخیرہ بھی ہوں، ان میں ہم جنس چیزوں کے تبادلہ کی صورت میں تفاضل اور نساء دونوں حرام ہوں گے۔ (۴)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب البیوع، باب الربا: ۷/۴۰۳، ۴۰۴، خلاصۃ الفتاوی: ۳/۱۰۲

(۲) المجموع شرح المھذب: ۱۰/۴۲۵۔۴۲۹

(۳) المغنی والشرح الکبیر، باب الرباوالصرف: ۴/۱۳۵، ۱۳۶، إعلام الموقعین: ۲/۱۳۶

(۴) قاموس الفقہ أز الشرح الصغیر: ۳/۶۹، ۴، إعلام الموقعین: ۲/۱۳۷

ربا کی اقسام:

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ربا کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ربا الفضل:

دو ہم جنس چیزوں کے باہمی تبادلے میں کیل یا وزن کرتے وقت کسی ایک ایسی زیادتی کی شرط لگانا جس کے مقابلے میں دوسری طرف کوئی عوض نہ ہو۔(۱)

اس کو ربوا الحدیث بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس کی حرمت احادیث سے ثابت ہوئی ہے۔ اس کو ربا الفضل بھی کہتے ہیں، کیوں کہ اس میں ایک طرف بلاعوض زیادتی ہوتی ہے۔ ربا النسیئہ کے مقابلے میں اس کو ربا النقد بھی کہتے ہیں۔(۲) علامہ ابن القیمؒ نے اس کو ربا الخفی کہا ہے، اس لیے کہ ربا النسیئہ کے مقابلے میں اس کا ضرر کم ہے اور اس میں درستگی کا احتمال بھی فی الجملہ ممکن ہے، لیکن یہ ربا النسیئہ کے لیے بمنزلہ وسیلہ اور ذریعہ ہونے کے حرام ہے۔(۳)

(۲) ربا النسیئہ:

”هو القرض المشروط فيه الأجل، وزيادة مال على المستقرض“ یا ”فضل الحلول على الأجل“.

ایسا قرض جس میں معین مدت میں مقروض کو دیے گئے قرض سے زیادہ کی وصولی کی شرط لگائی جائے۔ قرض عام ہے، چاہے مبیع کے بدلے میں ہو یا اصطلاحی قرض۔ دونوں کے بدلے میں اگر اجل کے ساتھ زیادتی کی شرط ہو تو ربا النسیئہ ہے۔(۴)

اس کو ربوا القرآن بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ بعینہ اس کی حرمت قرآن پاک میں آئی ہے۔ اس کو ربا الجاہلیہ بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کو دراہم و دنانیر قرض دے کر بقدر تاخیر (مہلت) اس میں زیادتی

---

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب الربا: ۸۲/۳، الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه و ما لا يجوز، الفصل السادس في تفسير الربا: ۱۱۷/۲

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة ربا: ۵۸/۲۲

(۳) إعلام الموقعين: ۱۳۵/۲

(۴) بدائع الصنائع: ۵۵/۷، تقرير ترمذي: ۴۰/۱

کرتے تھے، یہاں تک کہ سینکڑوں روپے ہزاروں میں بدل جاتے تھے۔(۱)

علامہ ابن القیمؒ نے اس کو ربا الجلی کے نام سے ذکر کیا ہے۔(۲)

ربا کن دو چیزوں میں جاری ہوسکتا ہے؟

فقہائے کرام کے ہاں ربا(سود) ان دو اموال کے مابین جاری ہوسکتا ہے جن میں مندرجہ ذیل شرائط موجود ہوں۔

(۱) امام ابوحنیفہ وامام محمدؒ کے ہاں وہ دونوں مال معصوم ہوں، یعنی شرعاً قابل احترام ہوں۔

(۲) دونوں مال ایسے ہوں کہ شریعت میں ان کی قیمت ہو۔(مالِ متقوم ہوں)

(۳) دونوں مال عاقدین میں سے ایک کی ملک نہ ہو، مثلاً: غلام اگر اپنے آقا کے ساتھ ایک درہم کا تبادلہ دو درہم کے ساتھ کرلے تو یہ سود نہیں، بلکہ جائز ہے، بشرطیکہ غلام پر کسی اور کا قرض نہ ہو، اس لیے کہ یہاں بدلین درحقیقت آقا کی ملک ہے۔

(۴) عاقدین کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، لہذا مسلمان اور کافر کے درمیان بھی سود متحقق ہوسکتا ہے۔

(۵) دونوں اموال میں ربا کا احتمال نہ ہو، اگر ربا کا احتمال ہو، جیسے: اندازے سے خرید وفروخت، تو وہ ربا کے بغیر بھی حرام ہے، اس لیے کہ اس میں احتمال ربوا ہے اور احتمالِ ربا بالکل اسی طرح ناجائز ہے جس طرح خود ربا ناجائز ہے۔(۳)

شبہ سود سے بچنے کی تلقین وتاکید:

سود کی مذمت میں سینکڑوں احادیث وارد ہیں۔حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''اللہ پر حق ہے کہ وہ چار اشخاص کو جنت میں داخل نہ کرے اور جنت کی نعمت چکھائے تک نہیں: ہمیشہ شراب پینے والے، سود کھانے والے، ناحق یتیم کا مال کھانے والے اور والدین کے نافرمانوں کو۔(۴)

---

(۱) الموسوعة الفقهية، مادة ربا: ۲۲/۵۷، ۵۸، التفسير الكبير للرازي: ۳/۷۲

(۲) إعلام الموقعين: ۲/۱۳۵

(۳) بدائع الصنائع: ۷/۸۰-۸۳

(٤) المستدرك على الصحيحين، كتاب البيوع، رقم (۲۲٦۰): ۲/٤۳، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ سود کے گناہ کے ستر درجات ہیں اور ان میں کم تر درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرلے۔(۱)

سود کی نحوست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے مرتکبین پر دنیا ہی میں قحط کا عذاب آجاتا ہے۔(۲)

سود کی حرمت میں شدت کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ اس باب میں حد درجہ محتاط تھے کہ مقروض کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کی سواری سے وقتی استفادہ کرنے سے بھی اجتناب کرتے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قرض دے اور مقروض اسے کوئی ہدیہ بھیجے یا اپنی سواری پر سوار کرے تو اسے قبول نہ کرے اور سوار نہ ہو، سوائے اس کے کہ پہلے بھی ان میں ایسا لین دین رہا ہو۔(۳)

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ: ''آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ ﷺ نے سود کی مکمل وضاحت نہیں فرمائی، لہٰذا سود اور شبہ سود دونوں سے بچو''۔(۴)

سود کے بارے میں چند گزارشات:

☆...... شریعتِ اسلامی نے سود کی حرمت میں تجارتی اور غیر تجارتی، ترقیاتی اور حاجاتی قرضوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے، اس لیے تجارتی مقصد سے دیے جانے والے قرض، جیسا کہ آج کل بینک اور سرکاری مالیاتی ادارے دیا کرتے ہیں، ان پر لیا جانے والا سود بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح دوسرے سود حرام ہیں۔

☆......آپ ﷺ نے کسی تفریق کے بغیر ہر طرح کے قرض پر نفع کے حصول کو ناجائز قرار دیا ہے۔

"كل قرض جر منفعة فهو ربا".(٥)

☆......شریعت نے سرمایہ کار کے لیے نفع اُٹھانے کی وہی صورت متعین کی ہے، جس میں وہ نقصان کا خطرہ بھی برداشت

---

(١) مجمع الزوائد:٤/١٤٨

(٢) مسند أحمد ،رقم (١٧٣٦٧):٥/٢٣٣

(٣) سنن ابن ماجه، باب القرض:١٧٧

(٤) سنن ابن ماجه،أبواب التجارات،التغليظ في الربا: ١٦٥ ،تفسير ابن كثير: ١/٤٢٧،٤٢٨

(٥) السنن الكبرىٰ للبيهقي:٨/٢٧٤

کر سکے۔ایسے تمام معاملات جن میں نفع متعین کر دیا گیا ہو اور نقصان کا خطرہ قبول نہ کیا گیا ہو، سودی معاملہ ہے اور قطعاً ناجائز ہے۔

☆...... امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے ہاں سود وہ مال ہوتا ہے جو معصوم ہو، یعنی شرعاً قابلِ احترام ہو اور مسلمان کے لیے اس کا لینا مباح نہ ہو، اس لیے دارالحرب میں مسلمانوں کا سود لینا جائز ہے، تاہم مالکیہ، شوافع، حنابلہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں، اس لیے کہ قرآن وحدیث میں سود کی حرمت کا حکم مطلق ہے اور اس میں دارالاسلام اور دارالحرب کی کوئی قید نہیں تو جس طرح دوسری منہیات ومحرمات کسی خاص خطہ وعلاقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، اسی طرح سود کے لیے بھی کسی خاص علاقہ کے ساتھ تخصیص کی کوئی معقول وجہ نہیں۔(۱)

☆......ایسی دو چیزیں جو ایک جنس کی ہوں اور اموالِ ربویہ میں سے ہوں، ان میں اگر ایک عمدہ اور ایک معمولی ہو تو بھی ان کے تبادلہ میں برابری ضروری ہے، کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت سود میں داخل اور ناجائز ہے۔جس طرح کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

جيدها ورديها سواء.(۲)

ان اموال کا عمدہ اور ردی ہونا برابر ہے۔

☆......رہن کے سامان سے استفادہ کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ سود میں داخل ہے۔

☆......اموالِ ربویہ کی باہم اندازے سے خرید وفروخت احتمالِ ربا کی وجہ سے حرام ہے۔(۳)

بینک، آڈٹ اور اکاؤنٹس کی ملازمت کا حکم:

حضور اکرم ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملہ میں گواہ بننے والے اور سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔اس حدیث سے پتہ چلا کہ جس طرح سود کا معاملہ کرنا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح سود کے معاملہ میں دلالی کرنا یا سود کا حساب کتاب لکھنا بھی ناجائز ہے۔اس حدیث کی بنیاد پر آج کل کنونشنل بینکوں کی ملازمت جائز نہیں، کیوں کہ اس کی وجہ سے آدمی کسی نہ کسی درجہ میں سودی معاملات میں ملوث ہو جاتا ہے۔

---

(۱) المجموع شرح المهذب: ۱۰/۴۲۳، بدائع الصنائع: ۷/۸۰

(۲) الهداية، باب الربا: ۳/۸۳

(۳) بدائع الصنائع: ۷/۸۳، قاموس الفقه، مادة ربا: ۷/۴۷۰-۴۷۲

حافظ ابنِ حجرؒ کے نزدیک کاتب سے مراد وہ شخص ہے جو عقد سود کے وقت سود وغیرہ کا حساب لکھ کر عاقدین کے اس عقد کی معاونت کرتا ہے وہ اس وعید میں داخل ہے لیکن اگر کوئی شخص عقد سود کے الفاظ کے وقت یہ حساب کتاب نہیں لکھتا، بلکہ عقد کے بعد جب وہ پچھلے عرصہ کے تمام حسابات، کارگزاری اور رپورٹیں وغیرہ لکھتا ہے تو اس کے ذیل میں سود کے حسابات بھی اسے لکھنے پڑتے ہیں۔ (غرض یہ کہ اس حساب وکتاب سے عقد سود میں معاونت نہیں ہوتی) تو وہ شخص اس وعید میں داخل نہیں۔

اگر اس تفصیل کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس سے ان حضرات کی الجھن دور ہوسکتی ہے جن کا کام اکاؤنٹس اور آڈٹ وغیرہ کا ہے۔ ان لوگوں کو مختلف فرموں، اداروں اور کمپنیوں کے پورے سال کے حسابات لکھنے پڑتے ہیں اور اس کی چیکنگ کرنی پڑتی ہے۔ اس میں انہیں سود وغیرہ جس کا کمپنی نے عقد کیا ہوتا ہے، اسے بھی لکھنا پڑتا ہے، لیکن ان کا یہ لکھنا محض ایک سالانہ رپورٹ اور کارگزاری کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے کمپنی کے سودی لین دین میں کوئی معاونت نہیں ہوتی، لہذا یہ حضرات اس وعید میں داخل نہیں ہوں گے۔ (۱)

بینک میں بعض شعبے ایسے ہیں جو سود میں بالواسطہ شامل نہیں ہوتے جس کی بنا پر وہ مذکورہ وعید میں شامل نہیں۔ من جملہ ان شعبوں کے چوکیداری کا شعبہ بھی ہے، اگر کوئی شخص صرف چوکیداری کر رہا ہو تو اس سے اس کی تنخواہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اسی طرح شریعتِ مطہرہ نے مالک کو مملوکہ چیز اجارہ پر دینے کا حق دے رکھا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس سے شرعی حدود پائے مال نہ ہوں۔ موجودہ دور میں بینکوں کے تمام معاملات سود پر مبنی ہیں، اس لیے ان کو مکان کرایہ پر دینا سود کو ترویج دینے کے مترادف ہے، لہذا "اعانت علی المعصیة" (برائی میں تعاون) کے زمرہ میں داخل ہو کر عمارت اور مکان بینک کے لیے کرایہ پر دینا جائز نہیں۔

❁❁❁

(۱) تقي عثماني، مفتي محمدتقي، تقرير ترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في أكل الربا: ۱/۳۸،۳۹، میمن اسلامك پبلشرز، كراجي

مسائل متعلقہ باب الربوا

بینک (Bank) میں نفع کے لیے اکاؤنٹ کھولنا

سوال نمبر (226):

بینک میں نفع کے لیے اکاؤنٹ (Account) کھول کر اس میں رقم جمع کرنے پر جو منافع حاصل ہوتا ہے، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے معاملات میں جن امور سے منع کیا ہے، ان میں سود کے ذریعے نفع کمانا سرفہرست ہے، جس کے بارے میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں سخت الفاظ میں وعیدات بیان کی گئی ہیں کہ سود اور اس کے ذریعے کمائی حرام ہے۔ چونکہ کنونشنل بینک سے جس طریقہ سے نفع حاصل ہوتا ہے، وہ تمام سودی نظامِ معیشت پر مبنی ہے، اس لیے کنونشنل بینک سے ہر قسم کا نفع حاصل کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں حرام اور ناجائز ہے، لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾.(١)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ ﷺ آکل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء.(٢)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ”حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے“ اور فرمایا: ”یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں“۔

❁❁❁

(١) البقرة: ٢٧٥

(٢) الصحيح للمسلم، كتاب البيوع، باب الربوا: ٢/ ٢٧

والدہ مرحومہ کا بینک میں جمع کردہ رقم کے منافع

سوال نمبر(227):

ہماری والدہ مرحومہ نے اپنی حیات میں مبلغ ایک لاکھ روپے بینک (Bank) میں جمع کروائے تھے۔ جس سے باقاعدہ دوماہ تک منافع بھی حاصل کرتی رہی۔ اب چونکہ وہ وفات پا چکی ہے تو اس منافع کے ساتھ کیا کیا جائے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ بینک کے ذریعہ جس طریقہ سے بھی نفع حاصل ہوتا ہے، وہ سود سے خالی نہیں، اس لیے بینک سے رقم کے عوض نفع حاصل کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ اگر کسی مجبوری کے تحت بینک میں رقم رکھی گئی ہو اور اس سے نفع ملتا رہتا ہو تو ورثا کو چاہیے کہ بینک سے مرحومہ کی جمع کردہ رقم فوری طور پر نکالیں اور اس پر جتنا نفع ملا ہے، وہ ذاتی استعمال کی بجائے کسی مستحق زکوٰۃ، غریب اور نادار آدمی کو بلانیتِ ثواب صدقہ کردیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم ، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه.(١)

ترجمہ: اورحاصل یہ کہ اگر اس (مال حرام) کے مالک معلوم ہوں تو ان کو واپس لوٹانا واجب ہے ،البتہ اگر (مالک معلوم نہ ہوں) اور پتہ چلا کہ یہ مال عین حرام ہے تو اس کے لیے حلال نہیں اور اس کو اس مالک کی نیت سے صدقہ کردیا جائے گا۔

عن جابرؓ قال : لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال:هم سواء.(٢)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: حضورﷺ نے سود کھانے ،کھلانے ،لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں''۔

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع ،مطلب فيمن ورث مالاً حراماً:٣٠١/٧

(٢) الصحيح للمسلم ،كتاب البيوع ،باب الربوا :٢٧/٢

قرضہ پر سود وصول کرنا

سوال نمبر(228):

زید کا عمرو پر پانچ ہزار 5000 روپے قرضہ ہے۔ عمرو مقررہ مدت پر قرض ادا نہیں کر سکتا، اگر زید عمرو کو مزید قرض دے کر اس پر سود مقرر کرے تو سود کے ذریعے قرض وصول کرنے کا معاملہ شرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں فریقین کے درمیان معاملہ سودی ہے، جس کا حرام ہونا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے، بلکہ سود لینے والا اور دینے والا دونوں عذابِ الٰہی کے مستحق ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا، وموکله، وکاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء.(۱)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں۔

لما روی عن رسول اللہ ﷺ: أنه نهى عن قرض جر نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا(۲)

ترجمہ:

جیسا کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اس قرض سے جو کسی قسم کی منفعت کھینچے اور وجہ یہ ہے کہ ہر وہ زیادت جو مشروط ہو ربا (سود) کے مشابہ ہے۔

❁❁❁

---

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲/۲۷

(۲) بدائع الصنائع، کتاب القرض، فصل فی الشروط: ۱۰/۵۹۸

بیمہ کمپنی (Insurance Co) سے ملنے والی رقم

سوال نمبر (229):

اگر کوئی شخص اسٹیٹ لائف (Estate Life) میں بیمہ پالیسی (Insurence Policy) کے تحت اپنا بیمہ کرائے اور اس کے لیے دس ہزار روپے ادارہ کے پاس جمع کردے۔ دس سال بعد ادارہ اسے بیس ہزار روپے دے دیتا ہے۔ بعد میں اسے پتہ چلا کہ یہ رقم حرام ہے۔ جس کو وہ اب بلانیتِ ثواب کے صدقہ کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر وہ شخص یہ ساری رقم کسی ایسے طالبِ علم کو دیدے، جو مدرسہ میں پڑھتا ہے، خود غریب ہے مگر باپ مالدار ہے۔ تو کیا اس کے لیے کوئی نصاب مقرر ہے؟ آیا ساری رقم ایک شخص کو دی جاسکتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ سودی معاملات اور سودی لین دین نصوصِ قطعیہ سے حرام ہے اور بیمہ کا رائج الوقت نظام بھی سود پر مبنی ہے، اس لیے اپنا بیمہ کرانے سے احتراز ضروری ہے، تاہم اگر کسی نے لاعلمی کی بنا پر اپنے آپ کو بیمہ کرالیا ہو تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اس رقم میں سے اس نے جتنی اقساط جمع کی تھیں، اس کے بقدر لینا صحیح ہے اور اس سے زائد لینا جائز نہیں، لہٰذا مذکورہ زائد رقم بلانیتِ ثواب فقراء پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ مذکورہ طالبِ علم اگر بالغ ہو تو اس کو پوری رقم یا اس سے کم دونوں طرح دے سکتے ہیں۔ اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں، البتہ نابالغ غیر عاقل کو دینا صحیح نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم ،وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه.(۱)

ترجمہ: اور حاصل یہ کہ اگر اس (مالِ حرام) کے مالک معلوم ہوں تو ان کو واپس لوٹانا واجب ہے، البتہ اگر (مالک معلوم نہ ہوں) اور ان کو پتہ چلا کہ یہ مال عین حرام ہے تو اس کے لیے حلال نہیں اور اس کو اس مالک کی نیت سے صدقہ کردیا جائے گا۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع ،مطلب فیمن ورث مالاً حراماً:۳۰۱/۷

والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله. (۱)

ترجمہ:

حرام مال سے جان چھڑانے کا طریقہ اس کو واپس کرنا ہے، اگر مالک معلوم ہو اور صدقہ کرنا ہے اگر مالک معلوم نہ ہو، تاکہ مالک کو اس کے مال کا نفع حاصل ہو جائے۔

❁❁❁

پرائز بانڈز (Prize Bonds) سے حاصل شدہ نفع

سوال نمبر (230):

پرائز بانڈز کی حرمت کی کیا وجہ ہے، جب کہ اصل رأس المال اس میں محفوظ ہوتا ہے۔ اگر نفع ملا تو صحیح، ورنہ رأس المال واپس کیا جاسکتا ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ وہ لوگوں سے وصول شدہ رقم کاروبار میں صرف کرتی ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ پرائز بانڈ درجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ناجائز ہے۔

☆......بینک جو رقم انعامی بانڈز کی صورت میں لوگوں پر بیچ کر وصول کرتا ہے، اسے سودی قرضہ پر دیتا ہے اور سود کی وصولی کے بعد اس سودی رقم میں سے کچھ حصہ اپنے پاس رکھ کر بقیہ کو قرعہ اندازی کے ذریعے لوگوں میں تقسیم کرتا ہے۔

☆......اگر حکومت اس کو سود پر نہ بھی دے، بلکہ کاروبار میں لگاتا ہو اور نفع کو قرعہ اندازی کے ذریعہ لوگوں میں تقسیم کرتا ہو پھر بھی جائز نہیں، اس لیے کہ تجارت میں شرکت کی صورت میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال لازمی طور پر پایا جاتا ہے، جب کہ بینک کے حق میں کوئی نقصان نہیں ہوتا اور نہ معاہدہ کے وقت اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔

☆......شرعی اصولوں کے مطابق شراکت میں نفع (روپیہ) فی صدی کے لحاظ سے تمام شرکا میں تقسیم ہوتا ہے، جب کہ قرعہ اندازی میں چند افراد کو انعام کے نام سے کچھ دے کر باقی سارے لوگوں کی حق تلفی ہوتی ہے، اس لیے ہر لحاظ سے یہ معاملہ جائز نہیں۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵

والدّلیل علی ذلک:

الضرر أو الخسار الواقع بلا تعد ولا تقصير ينقسم في كل حال على قدر رأس المال هوإذا شرط على وجه آخر ،فلا يعتبر الشرط (١)

ترجمہ: جب نفع ونقصان بغیر کمی بیشی کے واقع ہوجائے تو ہر حال میں رأس المال کے برابر تقسیم کیا جائے گا۔اگر کسی دوسرے طریقہ سے شرط قرار دیا گیا تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

❀❀❀

حلال اور حرام کے مخلوط مال سے حاصل شدہ آمدنی

سوال نمبر (231):

زید نے سعودی عرب جانے کے لیے ساٹھ ہزار روپے پر ویزا (Visa) خرید ا،مگر اس میں بیس ہزار روپے کم پڑنے پر اس نے مجبوری کے تحت کسی سے بیس ہزار 20,000 روپے سود پر لے لیے اور ساٹھ ہزار 60,000 روپے پورے کر کے ایجنٹ (Agent) کو ادا کیے۔اب زید نے سعودی عرب پہنچ کر مزدوری کر کے بیس ہزار روپے کا سودی قرضہ ادا کیا۔چند سالوں میں کمائی کر کے اس پر یہاں کاروبار شروع کیا۔اب اس کا یہ کاروبار حلال ہوگا یا حرام؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سودی لین دین اور سودی کاروبار کرنا بلاشبہ ایک اخلاقی اور شرعی جرم ہے۔جس کے بارے میں قرآنِ پاک اور احادیث میں بہت وعیدات آئی ہیں اور فقہائے کرام نے تفصیل سے اس کے احکام کی نشان دہی کی ہے۔اگر خلوص دل سے توبہ کر کے آئندہ کے لیے اس کے نہ کرنے کا پکا عزم کرے تو اللہ جل شانہ سے امید ہے کہ اسے معاف کردے۔

جہاں تک بقیہ آمدنی پر سود کے اثر کا سوال ہے تو اگر کوئی شخص سود پر قرضہ لیتا ہے اور پھر بقیہ آمدنی کے ساتھ اس سودی مال کو ملاتا ہے اور ضرورت پوری ہونے کے بعد اس قرضہ کو سود کے ساتھ واپس کرے تو حرمت کا اثر بقیہ آمدنی پر نہیں پڑے گا۔

مسئولہ صورت میں ذکر کردہ بیان کے مطابق وقتی ضرورت کے پیش نظر اس نے قرض لے کر پھر اسے سود سمیت واپس کیا ہے،اس لیے بقیہ آمدنی تو اس کی حلال ہے،مگر آئندہ نہ کرنے کا پکا عزم کرے اور کیے ہوئے پر استغفار کرے۔

(١) سلیم رستم باز، شرح المجلة، المادة: ١٣٦٩، ص ٧٢٧

والدّلیل علی ذلک:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ﴾(۱)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو معاف نہیں کرے گا اور شرک کے علاوہ (ہر گناہ صغیرہ یا کبیرہ) جس کو معاف کرنا چاہے معاف کردے گا۔

❁❁❁

سودی ادارے کے ملازم کے ساتھ مشترکہ کاروبار کرنا

سوال نمبر(232):

ہم دو ساتھی اپنی دکان میں شراکت پر دوائیوں کا کاروبار تھوک کے طور پر کر رہے ہیں، ہمارا ایک تیسرا ساتھی جو اسٹیٹ بینک(Estate Bank) کا ملازم ہے۔بینک سے بلاسود قرضہ لے چکا ہے (جس کی کٹوتی اس کی ماہ وار تنخواہ سے بینک کر رہا ہے) کیا اس کے ساتھ ہم دونوں کی شرکت یا مضاربت جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سود کی حرمت نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔قرآن وحدیث میں سودی معاملہ کرنے والوں کے متعلق سخت وعیدیں مذکور ہیں، اس لیے بذاتِ خود سودی کاروبار کرنا یا اس کے لیے معاون بننا سب کو حدیث شریف کی رو سے موجب لعنت قرار دیا گیا ہے، لہٰذا جو شخص کسی سودی ادارے میں ملازمت کر رہا ہو اور سودی کھاتوں کے لکھنے وغیرہ کے عوض بطورِ اجرت رقم حاصل کر رہا ہو تو شرعاً یہ ناجائز ہے، تاہم اگر فوری طور پر کاروبار ترک کرنا اس کے لیے معاشی بدحالی کا سبب بنتا ہو تو متبادل کاروبار اختیار کرنے تک اضطراری حالت میں اس رقم کو استعمال میں لاسکتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص متبادل راستہ اختیار کرنے کے لیے سودی ادارہ سے بطورِ قرض کچھ رقم وصول کرے تو چونکہ وہ رقم سودی رقم کے ساتھ خلط نہیں ہوئی، اس لیے فی نفسہ اس رقم میں کوئی قباحت نہیں، جبکہ عام حالات میں فقہائے کرام نے براہِ راست سودی رقم کو استعمال میں لانے سے بچنے کے لیے تدبیر بیان کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے قرض وصول کرے اور پھر اپنا حرام مال قرض کے بدلے دے دے تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔چنانچہ اس تدبیر کے تحت مسئولہ صورت میں جب یہ شخص بینک سے

(۱) النساء/۴۸

قرض لے رہا ہے اور اس سے کاروبار چلا رہا ہے، پھر اپنی تنخواہ قرض میں دے رہا ہے تو اس رقم کا استعمال اس کے لیے جائز ہے، خصوصاً ایسی صورت میں، جب کہ وہ حرام مال سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے، اس لیے اگر دوسرے شرکا ایسے شخص کو اپنے کاروبار میں شامل کریں تو اس سے ان کے کاروبار پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

والدّلیل علی ذلک:

والحیلة في هذه المسائل أن یشتري نسیئة ،ثم ینقد ثمنه من أيّ مال شاء ،وقال أبو یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ: سألت أباحنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ عن الحیلة في مثل هذا ،فأجابني بما ذکرنا کذا في الخلاصة .(۱)

ترجمہ:

اور ان مسائل (کی صحت) کے لیے حیلہ یہ ہے کہ ادھار خرید لے، پھر جس مال سے چاہے ثمن مقرر کر لے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے امام ابو حنیفہؒ سے اس طرح کے معاملہ میں حیلہ کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے بھی یہی جواب دیا جو ہم نے ذکر کیا، اسی طرح خلاصہ میں مذکور ہے۔

❁❁❁

غریب آدمی کے لیے سودی رقم قبول کرنا

سوال نمبر (233):

اگر کوئی شخص سودی رقم بلا نیتِ ثواب غریب شخص کو دیتا ہے اور اس کو یہ معلوم ہے کہ یہ سودی رقم ہے، باوجود اس کے اس رقم کو قبول کرنا شرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے مطلق مالِ حرام کا حکم یہ ہے کہ جس طرح مالک (کمانے والے) کے لیے اس کا استعمال حرام ہے، ویسے ہی یہ مال اس شخص کے لیے بھی حرام ہے، جس کو مالک یہ مال ہدیہ کے طور پر دے دے یا کسی اور طریقہ سے یہ مال مالک سے اس کے پاس منتقل ہو جائے، بشرطیکہ اس کے لینے والے کو اس کی حرمت کا علم ہو، تاہم

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة،الباب الثاني عشر:۵/۳۴۲

سود کا حکم اس سے مختلف ہے کہ اس میں علم کے باوجود بھی حرمت کا حکم نہیں لگے گا، اس لیے کہ جب کوئی شخص کسی فقیر کو سود کا مال بطورِ صدقہ دیتا ہے تو یہ مال چونکہ بلانیت ثواب صدقہ کرتا ہے، لہٰذا یہ مال اول اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں پہنچتا ہے، پھر وہاں سے فقیر کی ملکیت میں آجاتا ہے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے ملک میں جانے کی وجہ سے اس مال کی حرمت والی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور اس مال کا لینا اور قبول کرنا غربا اور فقرا کے لیے جائز ہوتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وكان العلامة بخوارزم لا يأكل من طعامهم ،ويأخذ جوائزهم ،فقيل له فيه ،فقال : تقديم الطعام يكون إباحة ،والمباح له يتلفه على ملك المبيح ،فيكون آكلاً طعام الظالم ،والجائزة تمليك ، فيتصرف في ملك نفسه .(١)

ترجمہ:

اور خوارزم میں علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان (بادشاہوں) کا کھانا نہیں کھاتے تھے اور ان کے جوائز (بطور ہدیہ اور انعام دی ہوئی چیز) قبول کرتے تھے تو اس طرح کے طرزِ عمل کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ: ان کی طرف سے پیش کیا گیا کھانا اباحت کے زمرے میں آتا ہے اور مباح لہٗ (یعنی جس کے لیے کھانا بطور اباحت پیش کیا گیا ہو) وہ اس کو دینے والے کی ملکیت میں ہو کر کھاتا ہے۔ پس گویا کہ وہ ظالم کا کھانا کھانے والا ہو گیا۔ اور وہ ہدیہ اور انعام تملیک ہوتی ہیں تو (جس کو بطور تملیک دی گئی ہو) وہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے (اس وجہ سے ان کا کھانا نہیں کھاتے اور ان کا ہدیہ اور انعام قبول کرتے تھے)۔

سودی معاملہ کا متبادل حل

سوال نمبر (234):

میں سوئی گیس (Sui Gas) ادارہ میں ملازم ہوں۔ محکمہ کی جانب سے ہمیں موٹر سائیکل کے لیے مبلغ پچاس ہزار بطور قرض ملتا ہے۔ جس کی ادائیگی میں حکومت کو تین سال تک ہر ماہ میں سولہ سو بیس روپیہ جمع کرانا ہوتا ہے اور مجموعی طور پر اس سے تین سال میں اٹھاون ہزار تین سو بیس روپے بنتے ہیں، جبکہ کل قرض پچاس ہزار 50,000 روپے

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم: ٢١٩/٣

ہے۔اب اس اضافی رقم (آٹھ ہزار تین سو بیس) روپے کے بارے میں محکمہ والوں کا کہنا ہے کہ یہ رقم معمولی ہے جو لوگ اس سیکشن (Section) میں اس کے لیے کام کرتے ہیں، ان ہی پر خرچ ہو۔کیا شریعت کی رو سے اس طرح کا معاملہ جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو اس کا متبادل حل کیا ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی ملازم اپنی ضروریات کے لیے کسی محکمہ سے قرض لے سکتا ہے، لیکن اس طرح نقد رقم بطور قرض لینا جس پر محکمہ کی طرف سے زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو، لینا جائز نہیں۔یہ سود ہے، اس لیے بلا ضرورتِ شدیدہ ایسے معاملات سے احتراز ضروری ہے۔

مسؤلہ صورت میں سود سے بچنے کے لیے متبادل صورت یہ ہوگی کہ محکمہ والے خود موٹر سائیکل وغیرہ خریدیں اور پھر اسے قسطوں پر زیادہ قیمت کے عوض مدت معینہ تک ملازمین کے ہاتھ بیچیں تو یہ جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(كل قرض جر نفعا حرام) أي إذا كان مشروطاً.(۱)

ترجمہ:

ہر قرض جو (اپنے ساتھ) نفع کھینچے (اس سے نفع حاصل ہو) تو وہ حرام ہے، جب اس کی شرط لگائی جائے۔

ولأن للأجل شبها بالمبيع ،ألاترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل.(۲)

ترجمہ:

کیوں کہ میعاد مبیع کے مشابہ ہے، کیا یہ بات واضح نہیں کہ میعاد کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے (اور وہ جائز ہے)۔

⊛⊛⊛

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع،باب المرابحة والتولية،مطلب كل قرض جر نفعا حرام:۳۹۵/۷

(۲) الهداية، كتاب البيوع،باب المرابحة والتولية :۷۸/۳

سودی معاملہ کا اعمال پر اثر

سوال نمبر(235):

میں نے کاروبار کے لیے بینک سے کچھ قرضہ لیا تھا، مگر کاروبار میں نقصان ہی نقصان ہوا، کاروبار کے دوران معلوم ہوا کہ یہ ناجائز ہے۔ اس کے ساتھ میری ذاتی رقم بھی تھی، وہ بھی ضائع ہوگئی۔ اب سخت مالی بحران میں مبتلا ہوں۔ بینک کے اقساط کو ابھی تک ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ گھر اور بچوں کا خرچہ بھی نہیں مل رہا۔ ذاتی ایک مکان ہے جسے بیچنے کی کوشش کرتا ہوں، مگر وہ بھی نہیں بک رہا۔ قرضے کو جلد از جلد ادا کرنے کی کوشش میں ہوں، مگر بے سود۔

پوچھنا یہ ہے کہ میرے اور میرے بچوں کی نمازوں اور دوسرے اعمال کا کیا ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قرآن وحدیث میں سود لینے اور دینے والوں پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ سود خور سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔

آج کل سود کی وبا نے عوام میں اپنی جڑیں مضبوط کرلی ہیں کہ ہر کوئی اس کو منافع سمجھ کر تجارت کرتا ہے اور بطورِ قرض لیتا دیتا ہے۔ بعض اوقات سودی معاملات کا نام تبدیل کرکے استعمال کیا جاتا ہے جس سے ذہنی دھوکہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مسئولہ صورت میں خسارہ کی بنا پر مال ضائع ہونے کی صورت میں بینک کا قرضہ تو بہر حال ادا کرنا ہی پڑے گا اور ادائیگی قرض کے بعد جس طرح بھی ممکن ہو، اس طرح کے معاملات سے احتراز ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے کاموں پر پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے کیے پر نادم ہو تو اس سے اُس کے اور اس کے بچوں کی نمازوں اور دوسرے احکامات وغیرہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ بینک کے اس قرضہ کو ادا کرکے ہر وقت توبہ واستغفار کرنا چاہیے اور آئندہ کے لیے اس سے اجتناب کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا

رحیمًا﴾. (۱)

ترجمہ:

مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل ڈالے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾. (۲)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کردیا ہے۔

❁❁❁

وزن اور پیمائش میں عرف کا اعتبار

سوال نمبر(236):

سود میں وزن اور پیمائش کس دور کا معتبر ہوگا۔عہد نبوی ﷺ کا یا آج کل کے دور کا؟ اور مختلف شہروں میں بھی بعض چیزیں ایک جگہ پر وزنی جب کہ دوسری جگہ مکیلی ہوتی ہیں تو کیا ہر جگہ کا اپنا اعتبار ہوگا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے شارع کی طرف سے جو چیزیں مکیلی ہیں، وہ ہمیشہ مکیلی رہیں گی اور جو چیزیں موزونی ہیں وہ ہمیشہ موزونی رہیں گی۔اس میں عرف معتبر نہیں ہوگا، بلکہ اس میں نص عرف سے قوی ہے، اس لیے اگر موزونی چیزوں کی کیل سے یا مکیلی چیزوں کی وزن سے خرید وفروخت ہوجائے تو اگرچہ مساوی ہو، لیکن یہ بیع صحیح نہیں رہے گی اور جن چیزوں میں شارع کی طرف سے نص نہیں ہے، ان میں عرف کا اعتبار ہے، تاہم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر حالت میں عرف کا اعتبار ہوگا اور فرماتے ہیں کہ نص حضور ﷺ کے زمانے تک خاص تھا اور نص کی وجہ سے ایک عرف بنا تھا۔جب عرف بدل گیا تو اس کی وجہ سے حکم بھی بدل جاتا ہے، تاہم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عرف سے طاری مراد ہے جو کہ معارض نص نہیں ہے۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نص عرف کے لیے معلول ہے، لہٰذا ہر زمانے میں معتبر ہوگا۔

---

(۱) الفرقان / ۷۰۔(۲) البقرۃ / ۲۷۵

والدّلیل علی ذلک:

(وما نص) الشارع (علی کونه کیلیا) کبر وشعیر وتمر وملح (أووزنیاً) کذهب وفضة (فهو کذلك) لایتغیر (أبداً، فلم یصح بیع حنطة بحنطة وزنا کما لو باع ذهباً بذهب أو فضة بفضة کیلاً) ولو (مع التساوي) ؛لأن النص أقوی من العرف ،فلا یترك الأقوی بالأدنی .قال ابن عابدینؒ:ولا یخفی أن هذا لا یلزم أبا یوسف ؛لأن قُصاراه أنه کنصه علی ذلك ،وهو یقول : یصار إلی العرف الطاري بعد النص بناء علی أن تغیر العادة یستلزم تغیر النص ،حتی لو کان صلی اللّٰه علیه وسلم حیاً نص علیه.(۱)

ترجمہ: اور جس کے کیلی ہونے پر شارع علیہ السلام سے نص موجود ہو، جیسے: گندم، جو، کھجور اور نمک یا وزنی ہونے پر (شارع علیہ السلام) سے نص وارد ہو، جیسے: سونا اور چاندی تو یہ ہمیشہ کے لیے اسی طرح رہیں گے، تبدیل نہیں ہوں گے۔ سوگندم کی گندم کے عوض وزن کے ساتھ بیع جائز نہیں۔ جیسا کہ اگر سونے کی سونے کے عوض یا چاندی کی چاندی کے عوض کیلاً بیع کیجائے (تو وہ بھی صحیح نہیں) اگرچہ برابری کے ساتھ ہو۔ یہ اس لیے کہ نص عرف سے زیادہ قوی ہے تو زیادہ قوی کو ادنیٰ کے مقابلہ میں ترک نہیں کیا جائے گا۔۔۔۔۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو یوسفؒ پر لازم نہیں آتا، اس لیے کہ اس کا مقرر ہونا ایسا ہے جیسا کہ اس پر نص وارد ہوئی ہو اور فرماتے ہیں کہ یہ عرف کے ہوتے ہوئے نص کے واقع ہونے کی طرح ہے، کیوں کہ عرف وعادت کی تبدیلی نص کی تبدیلی کو مستلزم ہے، یہاں تک کہ اگر حضورﷺ زندہ ہوتے تو اس پر حکم صادر فرماتے۔

❁❁❁

چینی کے بدلے چینی اور پانچ روپے کی زیادتی

سوال نمبر (237):

ایک مارکیٹ (Market) میں دو قسم کی چینی فروخت کی جاتی ہے: ایک قسم پنجاب کی اور دوسری قسم سرحد کی۔ دکان دار حضرات آپس میں ایک دوسرے کو دونوں قسم تبادلہ کے طور پر دے دیتے ہیں اور ساتھ پانچ روپے زائد بھی دیتے ہیں۔ کیا شریعت میں (پانچ روپے کی) یہ زیادتی جائز ہے؟

بینوا توجروا

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الربوا:۷/۴۵۸۔۴۱۰

الجواب وباللّٰه التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے جہاں کہیں موزونی یا مکیلی اشیا میں مال کا معاوضہ مال کے ساتھ ہو اور اس میں ایسی زیادتی ہو جس کے مقابلے میں عوض نہ ہو تو وہ سود کہلاتا ہے اور ان موزونی یا مکیلی اشیا میں ردی اور جید (اعلیٰ اور ادنیٰ) دونوں برابر ہیں۔ اس میں کیفیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر چینی کے بدلے چینی وزن میں برابر ہو اور اس پر، مثلاً پانچ روپے زیادتی کرتا ہو تو یہ سود میں داخل ہو کر ناجائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوض في معاوضة مال بمال ،وهومحرم في كل مكيل وموزون بيع مع جنسه (۱)

ترجمہ:

ربا (یعنی سود) شریعت میں مال کی ایسی زیادتی کو کہتے ہیں جو مال کے عوض مال لینے میں ہو اور اس کے مقابلہ میں مال نہ ہو اور یہ حرمت تمام مکیلی اور موزونی چیزوں میں ہے۔ جب ان کی خرید وفروخت اپنی جنس سے (کمی بیشی کے ساتھ) ہو۔

(وجيد مال الربا ،ورديه سواء) أي فلا يجوز بيع الجيد بالردي مما فيه الربا إلا مثلاً بمثل لإهدار التفاوت في الوصف .(۱)

ترجمہ:

(اور اموال ربویہ میں کھرے اور کھوٹے برابر ہیں) اور اموال ربویہ میں کھرے کو کھوٹے کے عوض بیچنا جائز نہیں، مگر برابری کے ساتھ، کیوں کہ وصف کا فرق لغو قرار دیا گیا ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب البيوع،الباب التاسع،الفصل السادس في تفسيرالربا:۳/۱۱۷

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع،باب الربوا،مطلب في استقراض الدراهم :۷/۴۱۲

دفاتر کا فکسڈ ڈپازٹ اکاونٹ میں جمع شدہ رقم سے ملازمین کو تنخواہ دینا

سوال نمبر(238):

اکثر نجی اور سرکاری دفاتر اچھی خاصی رقم بینک کے فکسڈ ڈپازٹ اکاونٹ میں رکھ لیتے ہیں جس پر سود لے کر ملازمین کو تنخواہیں دیتے ہیں۔کیا ملازمین کے لیے اس قسم کی تنخواہ لینا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر سرکاری اور نجی دفاتر میں بالذات سودی لین دین ہوتی ہوتو اس کام سے متعلقہ جتنے ملازمین ہوں گے،وہ چونکہ سودی معاملات میں تعاون کر رہے ہیں،اس لیے ان کی تنخواہیں جائز نہ ہوں گی،البتہ اگر وہ ادارے کوئی جائز کاروبار کر رہے ہوں اور اپنی آمدنی کسی سودی بینک میں رکھتے ہوں تو پھر ادارے کا فکسڈ ڈپازٹ اکاونٹ میں رقم جمع کروانا اور پھر اس سے اپنے ملازمین کو تنخواہیں دینے سے ملازمین کی اجرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا،کیوں کہ ملازمین تو اپنے عمل کی تنخواہ لیتے ہیں اور ان کا عمل جائز ہے،لہٰذا اگر کوئی شخص کسی عہدہ پر فائز ہو کر اہلیت اور صلاحیت بھی رکھتا ہو اور ساتھ ہی اپنے فرائض اور ڈیوٹی کو شریعت کے موافق بخوبی انجام دے رہا ہو تو وہ اپنے اس فعل کے عوض جو اجرت اور تنخواہ لیتا ہو،وہ جائز رہے گی۔

والدّلیل علی ذلك:

ثم الأجرة تستحق بأحد معانٍ ثلاثة: إما بشرط التعجيل،أو بالتأجيل،أو باستيفاءِ المعقود عليه. (۱)

ترجمہ:

پھر تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں اُجرت کا استحقاق بن جاتا ہے:

(۱) یا تو معجّل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ (۲) یا معینہ مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ (۳) یا معقود علیہ کے پورا پورا حوالہ کرنے کے بعد۔

❁❁❁

(۱) الفتاوى الهندية ، كتاب الاجارة ، الباب الثاني في بيان أنّه متى تجب الأجرة ومايتعلق به من الملك : ٤١٣/٤

حالتِ مجبوری میں بینک سے سودی قرضہ لینا

سوال نمبر (239):

میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔میری ماہانہ تنخواہ کم اور اخراجات زیادہ ہیں۔ ماہانہ تنخواہ کے علاوہ کوئی مستقل آمدن (Income) کا کوئی دوسرا موثر ذریعہ نہیں۔صرف دو پلاٹ ہیں جن کے بقایا جات کا محکمہ والے مطالبہ کر رہے ہیں۔اب اس کی ادائیگی کے لیے یا تو بینک سے مروجہ سودی قرضہ لینا پڑتا ہے یا پھر پلاٹ واپس کرنے پڑتے ہیں۔میری خواہش ہے کہ دونوں پلاٹ میرے پاس رہیں، جبکہ مزید قرضہ حسنہ ممکن نہیں۔ان حالات کے پیش نظر کیا میرے لیے مجبوراً بینک سے منافع پر قرض لینا اور اُس سے پلاٹوں کی قسطیں ادا کرنا شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت کے مطابق پلاٹوں کی بقیہ ادائیگی کے لیے پلاٹ سے کچھ حصہ فروخت کیا جائے یا کسی رشتہ دار یا دوست سے قرضہ حسنہ لے کر بقیہ اقساط جمع کرائی جائیں، یہ کوئی ایسی مجبوری نہیں جو سود جیسے حرام عمل کے ارتکاب کو جواز فراہم کر سکے اور مجبور ہو کر کسی بینک یا کسی ادارہ سے سود پر قرضہ لیا جا سکے، لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

والدلیل علی ذلک:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ﴾. (۱)

ترجمہ:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم نہ کرو گے (یعنی منع نہ ہو گے) تو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

﴿أَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾. (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کر دیا ہے۔

---

(۱) البقرۃ/ ۲۷۹

(۲) البقرۃ/ ۲۷۵

حرام مال قرض لینا

سوال نمبر(240):

ایک غریب شخص جس کے پاس روپیہ پیسہ بالکل نہیں، لیکن کاروبار شروع کرنے کا خواہش مند ہے۔ کسی ایک دوست کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی قرض دینے کو تیار نہیں۔ مگر جو دوست دیتا ہے، اُس کے پاس مال حرام ہے۔ ازروئے شریعت اس کو کیا کرنا چاہیے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

تعلیماتِ اسلامی میں اس بات کی خاص تاکید کی گئی ہے کہ حلال مال کو بروئے کار لاکر مشتبہات اور حرام سے دور رہنا چاہیے اور جب تک حلال مال کی کوئی نہ کوئی صورت ممکن ہو، حرام کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کی جائے، تاہم حلال مال نہ ملنے کی صورت میں بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت حرام مال بروئے کار لانا ازروئے شریعت مرخص ہے۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں سب سے پہلے مال حلال سے کام چلانے کی کوشش کی جائے، اگرچہ چھوٹے پیمانہ پر کیوں نہ ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوگی۔ محنت وکاوش کے باوجود اس طرح کرنا ناممکن ہو تو فقہائے کرام کی تجویز کردہ صورت اختیار کی جائے۔ وہ یہ کہ کسی سے قرض لے کر ضرورت پوری کی جائے اور اگر کہیں یہ صورت دائرہ امکان میں نہ رہے تو بقدرِ ضرورت حرام پیسے لے کر وقتی طور پر اس سے ضرورت پوری کرنے کی شریعت نے اجازت دے رکھی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

الضرورات تبیح المحظورات.(۱)

ترجمہ:

ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح کر دیتی ہیں۔

❁❁❁

---

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادۃ:۲۱، ص/۲۹

قرض پر نفع دینا

سوال نمبر (241):

میں نے ایک آدمی سے ایک لاکھ روپیہ قرض لیا۔ مجھے معلوم نہ تھا، اس وجہ سے میں نے اس کو قرض پر کچھ نفع دینے کا وعدہ کیا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ یہ سود ہے۔ قرض خواہ کو بار بار بتایا مگر وہ راضی نہ ہوا۔ کیا میرے لیے اب اس ایک لاکھ روپے کے عوض آٹھ ہزار روپیہ سود دینا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو، سودی معاملہ کرنے میں سخت گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے، اس لیے عذابِ الٰہی سے بچنے کی خاطر ایک مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ دین سے لاعلمی کا اظہار کرے۔ لہٰذا جیسا بھی ہو، منت سماجت کر کے قرض خواہ کو درست اور شرعی معاملہ پر آمادہ کیا جائے، تاکہ سود جیسی بڑی لعنت سے نجات میسر ہو سکے، تاہم اگر باوجود سعی وکوشش کے قرض خواہ ماننے کو تیار نہ ہو اور جنگ وجدال یا جان ومال وغیرہ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں مجبوری کے تحت ضرورت کی بنا پر فساد ختم کرنے کی غرض سے سود دے سکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾. (۱)

ترجمہ:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم نہ کرو گے (یعنی منع نہ ہو گے) تو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

الضرورات تبیح المحظورات. (۲)

ترجمہ: ضرورت ایک ممنوع امر کو مباح کر دیتی ہے۔

---

(۱) البقرة/۲۷۹

(۲) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة: ۲۱، ص/۲۹

جی۔پی فنڈ(G-P Fund) کے ساتھ زائد رقم

سوال نمبر(242):

میں محکمہ تعلیم(Education Department) میں ملازم ہوں۔حکومت عرصہ دراز سے تنخواہوں سے ماہانہ کٹوتی کرتی ہے۔پھر اس کٹوتی پر ہم کو سولہ فی صد 16% نفع دیتی ہے اور اس فنڈ سے ملازم کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی اسی فی صد 80% رقم اپنے جی پی فنڈ سے نکال سکتا ہے اور بقیہ 20% حکومت اپنے پاس رکھتی ہے۔اگر ملازم اپنی مرضی سے یہ اسی فی صد 80% رقم اس فنڈ سے نہیں نکالتا تو حکومت اسی رقم پر جو نفع دیتی ہے۔کیا وہ اس ملازم کے لیے جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حکومت ملازمین کی تنخواہوں سے اپنے طور پر جس خاص رقم کی کٹوتی کرتی ہے، یہ رقم جمع ہو کر ملازمت سے ریٹائرمنٹ(retirement) کے بعد ملازمین کو دی جاتی ہے اور اس جمع شدہ فنڈ کے ساتھ حکومت اپنی طرف سے جمع شدہ رقم کے ساتھ کچھ فی صد اضافی رقم بھی دیتی ہے، چونکہ اس کٹوتی میں ملازمین کو اختیار نہ ہونے کی وجہ سے معذور سمجھے جاتے ہیں۔اس لیے یہ اضافی رقم ملازم کے لیے لینا حلال ہے اور سود کے زمرہ میں نہیں آتی، کیوں کہ سود دو آدمیوں کے مابین ایسا عقد ہوتا ہے کہ دونوں کی طرف سے مال ہو اور کسی ایک طرف سے اضافی رقم لینا دینا مشروط ہو اور وہ مال ان کی ملک میں ہو، جبکہ جی۔پی فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم کٹتی ہے، وہ ملازم کی ملک میں نہیں ہوتی، یعنی اس پر ابھی تک مالک کا قبضہ نہیں ہوا ہوتا، لہذا ایسی رقم کے ساتھ حکومت کا معاملہ یک طرفہ ہونے کی وجہ سے یہ فنڈ یا تو حکومت کی طرف سے تبرع، انعام یا اجرت مؤجلہ کی صورت میں داخل ہو جاتا ہے۔

تاہم اگر ملازمین اپنی مرضی واختیار سے تنخواہ کا ایک خاص حصہ (فی صد) کٹواتے ہوں اور یا پھر کسی وقت بھی ایسی رقم نکالنے میں اختیار دیا جائے، لیکن ملازمین اس کو حکومت کے ہاں چھوڑتے ہوں، تاکہ ریٹائرمنٹ کے وقت ان کو زیادہ رقم مل سکے تو اختتام ملازمت کے وقت اس جمع شدہ رقم کے ساتھ جو مزید رقم دی جاتی ہے، وہ شبہ کی وجہ سے ناجائز ہے، لہذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ثم الأجرة تستحق بأحد معانٍ ثلاثة: إما بشرط التعجيل،أو بالتأجيل ،أو باستيفاءِ المعقود عليه. (۱)

ترجمہ:

پھر تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں اُجرت کا استحقاق بن جاتا ہے:

(۱) یا تو معجّل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ (۲) یا معین مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ (۳) یا معقود علیہ کے پورا پورا حوالہ کرنے کے بعد۔

❁❁❁

نئے نوٹوں کے حصول کے لیے زائد رقم دینا

سوال نمبر (243):

سہرہ فروش آدمی کو جب نئے نوٹوں کی ضرورت ہوتی ہے تو بعض افراد نئے نوٹ دینے کے عوض کچھ زائد رقم بھی لیتے ہیں، کیا اس شخص کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ اگر چہ قانوناً بینک کو بھی زائد رقم لینے کی اجازت نہیں ہے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

موجودہ مروجہ کرنسی ثمن عرفی ہے۔جس میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق تبادلہ کے وقت کمی بیشی سود کے حکم میں ہے۔اس لیے بینک یا کسی آدمی سے نئے نوٹ کے حصول پر کچھ زائد رقم دینا بھی سود ہے جو قرآن وحدیث کی رُو سے حرام ہے۔

بینک سے نئے نوٹوں کی کاپیاں وصول کرنا کسی کا حق نہیں بنتا،جس کے حصول کے لیے بامرِ مجبوری اس کو رشوت دینا جائز ہو جائے،لہٰذا اس مقصد کے لیے سود اور رشوت دونوں صورتوں سے احتراز ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ويجوز بيع الفلس بالفلسين بأعيانهما عندأبي حنيفة ،وأبي يوسف رحمهما الله .وقال: محمد رحمه الله لاتجوز الثمنية تثبت باصطلاح الكل ،فلاتبطل باصطلاحهما ،وإذا بقيت أثماناً لا

(۱) الفتاوى الهندية ، كتاب الاجارة ، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة ومايتعلق به من الملك : ٤١٣/٤

تتعين، فصار كما إذا كانا بغير أعيانهما ،و كبيع الدرهم بالدرهمين .(١)

ترجمہ: ایک معین پیسہ کو دو معین پیسوں سے بیچنا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔۔۔۔۔اور امام محمدؒ فرماتے ہیں: کہ جائز نہیں کیونکہ ثمن ہونا سب لوگوں کے اتفاق سے ثابت ہوا تو فقط اس بائع اور مشتری کے اتفاق سے ثمنیت باطل نہ ہوگی اور جب یہ فلوس ثمن باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے۔تو یہ بیع ایسی ہوگئی جیسے غیر معین فلوس (پیسوں) کا باہم بیچنا جو بالاتفاق جائز نہیں اور جیسے ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنا جائز نہیں۔

❁❁❁

ملکی ترقی کی نیت سے بینک کے سودی کھاتے میں رقم رکھنا

سوال نمبر(244):

میرا ایک دوست اس نیت سے بینک کے سودی کھاتے میں رقم رکھتا ہے کہ یہ درحقیقت ملکی ترقی میں اعانت کی ایک صورت ہے، کیونکہ حکومت اس سے نفع کما کر اس کا کچھ حصہ مجھے دے دے گی، جبکہ بقیہ نفع حکومت کے کھاتہ میں جمع ہوگا۔کیا اس قسم کے خیال سے یہ معاملہ کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سود کی حرمت قرآن کریم کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ میں واضح الفاظ میں ذکر ہے اور اس کے لین دین پر سخت وعیدیں آئی ہیں، اس لیے سودی معاملات سے احتراز نہایت ضروری ہے۔

مسئولہ صورت میں ملکی ترقی کی خاطر بینک کے سودی کھاتہ میں پیسے جمع کرنا ناجائز اور حرام ہے اور یہ سود حاصل کرنے کے لیے بہانہ ڈھونڈنے کی مذموم کوشش ہے، اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾. (٢)

---

(١) الهداية، كتاب البيوع، باب الربا:٣/٨٥

(٢) البقرة/٢٧٩

ترجمہ:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم نہ کرو گے (یعنی منع نہ ہو گے) تو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

❁❁❁

اُدھار کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ کرنا

سوال نمبر(245):

اگر کوئی دکان دار کسی چیز کو نقد کی بجائے ادھار پیسوں سے فروخت کرنے کی صورت میں اس چیز کی قیمت میں کچھ اضافہ کرے تو کیا یہ جائز رہے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی لحاظ سے اشیا کی خرید وفروخت میں نقد کی بجائے ادھار سے بیچنے کی صورت میں قیمت میں اگر کچھ اضافہ کیا جائے تو جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

لیکن ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ عقد کرتے وقت اس کی تعیین کی جائے کہ یہ زیادتی اس مدت کے عوض ہے، تاکہ بعد میں کسی نزاع اور اختلاف کا سبب نہ بنے۔

والدّلیل علی ذلك:

لأن للأجل شبهاً بالمبیع، ألایری أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (۱)

ترجمہ:

کیوں کہ میعاد مبیع کے مشابہ ہے، کیا یہ بات واضح نہیں کہ میعاد کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے (اور وہ جائز ہے)۔

❁❁❁

(۱) الهدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة: ۷۸/۳

غربا کے ساتھ مالی تعاون کی غرض سے سودی معاملہ کرنا

سوال نمبر(246):

زید کے پاس بینک میں کچھ رقم ہے، اس پر سود آتا ہے، مگر زید نے اس غرض سے بینک سے معاملہ کیا ہے کہ سودی رقم فقرا و غربا میں تقسیم کرتا ہے۔ شرعاً اس کا یہ معاملہ کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے حرام مال میں جو بھی نیت کرے، وہ حرام ہی رہے گا۔ اچھی نیت سے حرمت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، البتہ اگر کسی کے پاس حرام مال ہو تو اس سے خلاصی کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر نیتِ ثواب کے صدقہ کرے۔

مسئولہ صورت میں زید کا سودی لین دین اس غرض سے کرنا کہ نفع غربا پر خرچ کرے گا، صحیح نہیں، البتہ غریبوں سے امداد کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان پیسوں کو کسی جائز کاروبار یا کسی اسلامی بینک میں رکھ دے، پھر اس کے نتیجے میں جو نفع حاصل ہو اسے غریبوں پر خرچ کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال :"لا تقبل صلوٰة بغير طهور ولا صدقة من غلول" .قال الشيخ انورشاه كشميريؒ في العرف الشذي أن التصدق بالمال الحرام ،ثم رجاء الثواب منه حرامٌ ،و كفرٌ............ بل ينبغي تصدق الحرام أن يزعم بتصدق المال تخليص رقبة ،ولا يرجوا الثواب منه .(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ حضور ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ: ’’آپ ﷺ نے فرمایا: طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ مالِ غنیمت میں سے چوری کرنے والے کا صدقہ قبول ہے،، علامہ انور شاہ کاشمیریؒ العرف الشذی میں فرماتے ہیں کہ: ’’مالِ حرام کا صدقہ کرنا پھر اس سے ثواب کی امید رکھنا حرام اور کفر ہے۔۔۔ بلکہ حرام کا صدقہ کرنے والے کے لیے مناسب ہے کہ مالِ حرام کے صدقہ سے اپنے ذمہ کے فارغ ہونے کا گمان رکھے اور ثواب کی امید نہ رکھے‘‘۔

❁❁❁

(۱) العرف الشذی علی جامع الترمذي۔ابواب الطهارة،باب ماجآء لاتقبل صلاة بغیرطهور:۹۱/۱۔مکتبه رحمانیه

سود کا مال بلانیتِ ثواب صدقہ کرنا

سوال نمبر(247):

اگر کوئی شخص سود کی رقم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اُسے بغیر نیتِ ثواب کے کسی فقیر کو دے دے تو اس شخص کا سودی رقم صدقہ کرنے اور دوسرے شخص کا قبول کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سود خوری چونکہ تمام گناہوں کی جڑ ہے، اس لیے حدیثِ مبارک میں سودی معاملہ کے شرکا میں سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملہ میں گواہی دینے والے اور لکھنے والے سب پر وعید آئی ہے۔ حرام مال سے فراغت الذمہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس مال کو اس کے اصل مالک کو واپس کر دیا جائے۔ اگر یہ صورت ناممکن ہو تو حرام مال کو چونکہ صدقہ کرنا واجب ہے، اس لیے بلانیتِ ثواب کسی فقیر کو صدقہ کر کے ذمہ فارغ ہو سکتا ہے۔ یہی حکم سودی مال کا بھی ہے، لہٰذا کسی فقیر کو بلانیتِ ثواب دیا جائے۔ نیز فقیر آدمی اس صدقہ کو قبول کرنا چاہے تو شرعاً جائز ہے، کیوں کہ تبدلِ ملک سے تبدلِ عین آجاتا ہے، اس لیے اس مال کا استعمال اس کے لیے حلال رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه.(۱)

ترجمہ: اور حاصل یہ کہ اگر اس (مالِ حرام) کے مالک معلوم ہوں تو ان کو واپس لوٹانا واجب ہے، البتہ اگر (مالک معلوم نہ ہوں) اور اس کو پتہ چلا کہ یہ مال عین حرام ہے تو اس کے لیے حلال نہیں اور اس مال کو مالک کی طرف سے صدقہ کی نیت کر کے تقسیم کرے۔

سمع أنس بن مالك قال: أهدت بريرةؓ إلى النبي صلى الله عليه وسلم لحماً تصدق به عليها، فقال: هو لها صدقة، ولنا هدية. (۲)

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۳۰۱/۷

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب اباحة الهدية للنبي ﷺ: ۳۴۵/۱

ترجمہ:

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ: "حضرت بریرہؓ نے نبی کریم ﷺ کو گوشت کا ہدیہ پیش کیا جو کسی نے یہ حضرت بریرہؓ کو صدقہ کے طور پر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ بریرۃ کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے"۔

❀❀❀

نئے اور پُرانے نوٹ کے تبادلہ میں اُدھار

سوال نمبر(248):

بینک منیجر(Bank Manager) زید سے پرانے نوٹ لے کر ایک ہفتہ بعد اس کے بدلے میں نئے نوٹ دیتا ہے۔ کیا اس طرح کا معاملہ درست ہے؟ نیز اس میں ادھار کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ کسی ملک کی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ اگر حقیقتاً ہو اور اس میں ادھار ہو تو یہ اتحادِ جنس (ایک ہی ملک کی کرنسی ہونے) کی وجہ سے جائز نہیں۔

مسئولہ صورت کے مطابق اگر بینک منیجر پرانے نوٹ لے کر بلاوجہ ایک ہفتہ کے بعد نئے نوٹ حوالہ کرتا ہو، جس پر تبادلہ ہو چکا ہو تو یہ جائز نہیں، تاہم یہ بیع صرف میں شمار نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ کے بارے میں اسٹیٹ بینک(State Bank) کے ایک اہل کار کے ذریعے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ نوٹ(Note) مشکوک ہوتا ہے، لہٰذا اس کی تحقیق کے لیے بینک عملہ جانچ پڑتال کرتا ہے، اس کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ کر کرنسی آفیسر اس پر حکم جاری کرتا ہے۔ اگر نوٹ صحیح نکلے تو نئے نوٹوں کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں چونکہ عذر معقول ہے، اس لیے یہ تبادلہ درست ہوگا، البتہ اگر تاخیر اس عذر کی بنا پر نہ ہو تو پھر ادھار شمار ہو کر ناجائز ہوگا۔

اس مسئلہ کی متبادل جائز صورت یہ ہے کہ بینک منیجر کو مذکورہ نوٹ قرض دے کر ہفتہ کے بعد نئے نوٹ وصول کیے جائیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وكذا إذا تبايعا فلساً بعينه بفلس بعينه، فالفلسان لايتعينان وإن عينا،إلا أن القبض في المجلس

شرط ،حتى يبطل بترك التقابض في المجلس، لكونه افتراقا عن دين بدين، ولو قبض أحدالبدلين في المجلس ، فافترقا قبل قبض الآخر ،ذكر الكرخي : أنه لا يبطل العقد (١)

ترجمہ:

اوراسی طرح اگر وہ معین پیسہ کوکسی معین پیسہ کے عوض فروخت کرے تواگر چہ وہ دونوں (بائع ومشتری) اس کو متعین کریں، پھر بھی ان کے متعین کرنے سے وہ متعین نہیں ہوتے ،البتہ مجلس میں قبض کرنا شرط ہے، یہاں تک کہ مجلس میں دونوں کا آپس میں قبضہ کوترک کرنے سے عقد باطل ہوگا، کیوں کہ یہ جدائی دین بمقابلہ دین کے ہے(جو کہ جائز نہیں) اوراگرمجلس میں بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرکے پھر دونوں اس حالت میں جدا ہوئے کہ دوسرے نے بدل پر قبضہ نہ کیا تھاتو امام کرخیؒ نے ذکر کیا ہے کہ یہ عقدکو باطل نہیں کرتا۔

❁❁❁

خیبر بینک کے ملازمین کا7.4فی صدشرح پرقرضہ لینا

سوال نمبر(249):

صوبہ سرحد کی حکومت کی طرف سے سرکاری ملازمین کوخیبر بینک سے ترقیاتی قرضے٪7.4 فیصد منافع پر لینے کی اجازت دی گئی ہے۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ قرضہ تعمیر مکان یا گاڑی خریدنے کے لیے دیا جاتا ہے،تو کیا اس پرلیاجانے والامنافع سود میں شامل ہے؟ کیاایک سرکاری ملازم اپنی ضروریات کی بناپر یہ قرضہ لے سکتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے تقریباتمام بینکوں میں سودی نظام رائج ہے۔موجودہ حکومت صوبہ سرحد (ایم۔ایم۔اے) نے اگرچہ سودی نظام کے خاتمہ کے لیے کوششیں تیز کی ہیں ،لیکن ابھی تک خیبر بینک کے اسلامی برانچ (Branches) کے علاوہ پورابینک پُرانے سودی نظام کے مطابق چل رہا ہے۔خیبر بینک کے ملازمین کے لیے حالیہ قرضہ اسکیم بھی اس سودی نظام کی ایک کڑی ہے جس میں ملازمین کوقرضہ دے کر پھر مع سود ان کی تنخواہوں سے وصولی کی جاتی ہے۔

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب البيوع،فصل في البيع:٧/٢٢٣

فقہی نقطہ نظر سے جب اجیراپنی ڈیوٹی (Duty) پوری کرتا ہے، اس وقت وہ اپنی اجرت کا مستحق بن جاتا ہے۔ مسئولہ صورت کے مطابق ملازم کی تنخواہ سے بینک کا قرضہ تھوڑا تھوڑا بمع سود کے کٹتا رہتا ہے، لہٰذا یہ اسکیم بھی سودی ہونے کی وجہ سے دیگر سودی معاملات کی طرح حرام ہے اور حالتِ اضطرار کے بغیر حرام کا ارتکاب صحیح نہیں، لہٰذا تعمیرِ مکان وغیرہ کو ضرورت قرار دے کر اس سے فائدہ اُٹھانا صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں جو سود ادا کیا جاتا ہے، وہ دیگر بینکوں کے سود کے مقابلہ میں کم ہے، لیکن پھر بھی اس کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن جابرؓ: قال: لعن رسول اللّٰہ ﷺ آکل الربوا، وموکلہ، وکاتبہ، وشاهدیہ، وقال: هم سواء. (۱)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ''حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں۔

ثم الأجرة تستحق بأحد معانٍ ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتأجيل، أو باستيفاءِ المعقود عليه. (۲)

ترجمہ: پھر تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں اُجرت کا استحقاق بن جاتا ہے:

(۱) یا تو معجّل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ (۲) یا معینہ مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ (۳) یا معقود علیہ کے پورا پورا حوالہ کرنے کے بعد۔

سونے سے زیور بنا کر صراف کے ہاتھ بیچنا

سوال نمبر (250):

اگر کوئی شخص عام سونے سے بنی ہوئی چیز سنار کے ہاتھ فروخت کرے اور سنار اس کو روپیوں کی بجائے سونا دے دے، مثلاً ایک تولہ سونا ملاوٹ شدہ ہے (جس میں دو ماشہ ملاوٹ) جب کہ باقی دس ماشہ خالص سونا ہے تو سنار اس کے مقابلہ میں دس ماشہ کی بجائے گیارہ ماشہ خالص سونا دے، جس میں سونا سونے کے مقابلہ میں اور ایک ماشہ اس کے

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲/۲۷

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الاجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة ومايتعلق به من الملك: ۴/۴۱۳

کام کی اجرت کے مقابلہ میں ہو تو کیا یہ بیع جائز رہے گی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے عقدِ بیع میں تبادلہ اگر خلافِ جنس سے ہو تو "إذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم" کی بنا پر کمی بیشی جائز ہے، لیکن اگر جنس کا جنس سے تبادلہ ہو، جیسے سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے ہو تو چونکہ یہ جنس واحد ہے، لہٰذا اس میں کسی قسم کی کمی بیشی جائز نہیں، چاہے ایک طرف خالص اور دوسری طرف ملاوٹ شدہ کیوں نہ ہو۔

مسئولہ صورت میں ایک جانب ایک تولہ (بارہ ماشے) ملاوٹ شدہ سونے کا زیور ہے جب کہ دوسری جانب گیارہ ماشے خالص سونا ہے، چونکہ دونوں جانب ایک ہی جنس ہے اس لیے یوں کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں۔ یہاں یہ تاویل کرنا بھی سودمند نہیں کہ دس ماشہ خالص سونا دس ماشہ خالص سونے کے بدلے میں ہے اور دو ماشہ ملاوٹ اور اُجرت کے بدلہ میں ایک ماشہ خالص سونا دیا جا رہا ہے، کیونکہ جب کھوٹ کم مقدار میں ہو تو یہ سونے ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس سے جنس مختلف نہیں ہوتی اور حدیث کی رُو سے "جیدھا وردیھا سواء" کا اُصول مقرر شدہ ہے یعنی اموالِ ربویہ میں خالص اور ملاوٹ شدہ دونوں برابر ہیں۔ لہٰذا ان کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن النبی ﷺ: لاتبیعوا الذھب بالذھب، ولا ورق بالورق إلا وزنا بوزن مثلاً بمثل سواء بسواء (١)

ترجمہ: سونے کو سونے اور چاندی کو چاندی سے فروخت نہ کرو، مگر یہ کہ دونوں برابر ہوں۔

فإن باع فضة بفضةٍ، أو ذھباً بذھبٍ لایجوز إلا مثلاً بمثلٍ، وإن اختلفت في الجودة والصیاغة ...... وقال علیه السلام: "جیدھا وردیھا سواءٌ". (١)

ترجمہ: پس اگر چاندی کو چاندی کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض بیچے تو یہ جائز نہیں، مگر اس طرح کہ مثلاً بمثلٍ ہو (یعنی دونوں جانب برابر ہوں) اگرچہ خالص ہونے اور ڈھلنے میں دونوں مختلف ہوں۔۔۔۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس میں خالص اور ردی دونوں برابر ہیں"۔

❁❁❁

(١) الصحیح للمسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعة، باب الربا: ٢/ ٢٤

(١) الھدایة، کتاب الصرف: ٣/ ١١١

عددی اور مذروعی اشیا کے تبادلے میں سود

سوال نمبر (251):

ایک قلم کے بدلہ دو قلم اور ایک گھر کے بدلہ دو گھر لینا اور اسی طرح ایک گاڑی کے بدلہ دو گاڑیاں لینا شرعاً کیسا ہے؟ کیا یہ سود نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ مکیلی اور موزونی اشیا کے علاوہ عددی اور مذروعی اشیا (یعنی وہ اشیا جن کی عدد اور گز کے حساب سے خرید و فروخت ہوتی ہے) کے آپس میں تبادلہ کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے، لیکن ادھار جائز نہیں۔ یعنی عددی اور مذروعی اشیا کے ہم جنس کے ساتھ تبادلہ میں اگر ایک چیز نقد اور دوسری چیز ادھار ہو تو یہ سود کے زمرے میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، جب کہ دونوں اشیا کے نقد ہونے کی صورت میں ایک طرف سے زیادتی سے سود لازم نہیں آتا۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں قلم اور گاڑی عددی اشیا میں داخل ہیں، جبکہ گھر مذروعی اشیا میں داخل ہے، لہٰذا اگر بالکل ایک کمپنی اور ایک ہی ماڈل اور کوالٹی کا قلم یا گاڑی وغیرہ ہو تو ان کے آپس میں تبادلہ کی صورت میں زیادتی سے سود لازم نہیں آتا بشرطیکہ دونوں طرف سے مجلسِ عقد ہی میں قبضہ دیا جائے اور کسی طرف بھی ادھار نہ ہو۔ اور اگر کمپنی یا ماڈل یا کوالٹی وغیرہ میں فرق ہو تو پھر ادھار بھی جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوض في معاوضة مال بمال ،وهو محرم في كل مكيل وموزون بيع مع جنسه ،وعلته القدر والجنس.........وإن وجد القدر والجنس حرم الفضل والنساء ،وإن وجد أحدهما وعدم الآخر حل الفضل وحرم النساء ،وإن عدما حل الفضل والنساء .(۱)

ترجمہ: ''ربا'' شرعاً عبارت ہے مالی معاوضہ میں مال کی ایسی زیادتی سے، جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو اور یہ حرام ہے ہر مکیلی اور موزونی چیز میں جس کو جنس کے ساتھ فروخت کیا جائے تو ربا کی علت قدر اور جنس ہے۔۔۔۔۔ لہٰذا اگر قدر اور جنس دونوں موجود ہوں تو زیادتی اور نسیہ دونوں حرام ہوں گے اور ان میں سے ایک پایا گیا، یعنی صرف قدر یا صرف جنس تو زیادتی صحیح رہے گی اور نسیہ حرام ہوگا اور اگر دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور نسیہ دونوں حلال ہوں گے۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل السادس: ۱۱۷/۳

سودخور کے مال سے استفادہ

سوال نمبر (252):

زید پرائز بانڈز (Prize Bonds) کمیشن ایجنٹ (Commission Agent) ہے، یعنی بالفرض بکر کا ایک ہزار روپے کا بانڈ نکلتا ہے، وہ اسے زید کے حوالہ کر دیتا ہے، بینک کا فارم (Form) پُر کرانے اور بینک سے رقم کیش (Cash) کرانے کے عوض وہ بکر سے دس روپے کٹوتی کر دیتا ہے اور اسے نوسونوے روپے ادا کرتا ہے۔

نیز زید پھٹے پرانے نوٹ، مثلاً ایک ہزار روپے کا پھٹا پرانا نوٹ نوسونوے 990 روپے میں لوگوں سے خرید لیتا ہے، جس میں اسے دس روپے منافع ملتا ہے۔ حل طلب مسائل یہ ہیں:

(۱)......زید کی کمائی حلال ہے یا حرام؟ جب کہ زید کا موقف یہ ہے کہ وہ اپنی محنت سے کما رہا ہے؟

(۲)......عمرو جو کہ زید کا بیٹا ہے، اس کی عمر تقریباً بیس سال ہے، کالج میں پڑھتا ہے۔ اس کا تمام خرچہ والد کے اسی مال سے ہوتا ہے۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا وہ کالج چھوڑ کر محنت مزدوری اختیار کرے یا اسی مال سے کھاتا پیتا رہے؟

(۳)......عمرو کو جو رقم جیب خرچ کے طور پر والد کی طرف سے ملتی ہے، کیا وہ اس سے اپنے دوستوں کو کچھ کھلا سکتا ہے؟

(۴)......نیز زید یا عمرو کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟

(۵)......بعض اوقات عمرو کو اپنے والد کے کاموں میں ہاتھ بٹانا پڑتا ہے۔ کیا عمرو والد کے حکم کی تعمیل کرے یا انکار؟

(۶)......نیز بوقتِ ضرورت زید یا عمرو سے قرض رقم لینا کیسا ہے؟

مؤدبانہ عرض ہے کہ ان سوالات کے جوابات مکمل اور مدلل بیان فرمائیں تاکہ ذریعہ اصلاح بنے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے سود سخت ترین جرم ہے، اس کے مرتکب کو سخت سزائیں دینے کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ سود خور خواہ کوئی بھی حیلہ بیان کرے، سود کی حلت کے لیے کارآمد ثابت نہیں ہوتا۔

چونکہ پرائز بانڈز سود کی وجہ سے حرام ہیں، لہذا اس کا کمیشن ایجنٹ (Agent Commission) بننا بھی گناہ کا تعاون ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا۔ ایسا ہی پھٹے پرانے نوٹ کم قیمت پر لینا بھی سود کی وجہ سے حرام ہے۔ ان دونوں کو ذریعہ معاش بنا کر ان سے حاصل شدہ آمدنی بھی حرام ہوگی۔

(۱)......زید کا محنت کا دعویٰ کر کے جواز کی راہ ڈھونڈنا بھی صحیح نہیں اور نہ شریعت میں یہ قول معتبر ہے، کیوں کہ حرام چیز محنت کی وجہ سے حلال نہیں ہوتی اور نہ حرام ذریعہ معاش میں محنت حلت کا باعث بن سکتی ہے، لہٰذا اس کے لیے مذکورہ ذریعۂ آمدنی سے احتراز کرنا لازمی ہے۔

(۲)......عمرو کے لیے والد کی مذکورہ آمدنی سے خرچ کرنا جائز نہیں، البتہ اگر وہ یہ حیلہ اختیار کرے کہ کسی سے قرض لے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرتا رہے اور اس کا والد عمرو کے قرض کو اپنی رقم سے ادا کرتا رہے تو تبدیل ملک کی بنا پر پھر استعمال کی گنجائش ہو سکتی ہے اور اگر عمرو تعلیم چھوڑ کر محنت مزدوری شروع کرے تو اس کی حاصل شدہ منافع اور غالب آمدنی حلال ہونے کی وجہ سے اس کا کھانا پینا جائز ہوگا، جب کہ والد کی غالب آمدنی حرام ہونے کی وجہ سے اس کا کھانا پینا ناجائز رہے گا۔

(۳)......عمرو کو والد کی طرف سے جو مال براہِ راست ملتا ہے، اگر وہ مذکورہ آمدنی سے ہو تو چونکہ وہ حرام ہے، لہٰذا اسی رقم سے کسی کو کھلانا، پلانا اور دعوت کرنا جائز نہیں۔

(۴)......اگر سود کے علاوہ دیگر ذرائع معاش نہ ہوں، یعنی اس کے پاس صرف سودی رقم ہو تو ان سے کھانا پینا اور دعوت وہدیہ قبول کرنا جائز نہیں اور اگر کچھ حلال مال بھی ساتھ ہو، پھر غالب مال کا اعتبار ہوگا، یعنی حرام مال غالب ہو تو ناجائز، ورنہ جائز رہے گا۔

(۵)......معصیت میں کسی کی مدد کرنا بھی گناہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾۔ (۱) لہٰذا معاونت علی الاثم حرام ہے۔ حدیث میں ہے "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہ کرو، اگرچہ وہ باپ ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا مذکورہ معاملہ میں عمرو پر لازم ہے کہ وہ اپنے والد کو نرمی اور فراست سے سمجھانے کی کوشش کرے، تاہم اگر زید نہ مانے اور بدستور اپنا کام جاری رکھتے ہوئے عمرو سے تعاون کا مطالبہ کرے تو عمرو پر اس کی اطاعت کرنا ضروری نہیں، بلکہ اطاعت کی صورت میں گناہ گار رہے گا۔

(۶)......بوقتِ ضرورت ان سے قرض لینا مرخص ہے، تاہم اگر دوسری جگہ ضرورت پوری ہونے کی توقع ہو پھر احتیاط پر عمل کر کے ان سے قرض نہ لینا بہتر ہے۔

والدّليل على ذلك:

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (۳)

---

(۱) المائدة: ۲　(۲) مسند احمد، حديث نمبر ۲۰۱۳۰　(۳) الصحيح للمسلم، كتاب البيوع، باب الربوا: ۲/۲۷

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضورﷺ نے سود کھانے ،کھلانے ، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ''یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں''۔

وكان العلامة بخوارزم لا يأكل من طعامهم ،ويأخذ جوائزهم ،فقيل له فيه ،فقال: تقديم الطعام يكون إباحة ،والمباح له يتلفه على ملك المبيح ،فيكون آكلاً طعام الظالم ،والجائزة تمليك، فيتصرف في ملك نفسه .(۱)

ترجمہ: اور خوارزم میں علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان (بادشاہوں) کا کھانا نہیں کھاتے تھے اور ان کے جوائز (بطور ہدیہ اور انعام دی ہوئی چیز) قبول کرتے تھے تو اس طرح کے طرزِ عمل کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ: ان کی طرف سے پیش کیا گیا کھانا اباحت کے زمرے میں آتا ہے اور مباح لہٗ (یعنی جس کے لیے کھانا بطور اباحت پیش کیا گیا ہو) وہ اس کو دینے والے کی ملکیت میں ہو کر کھاتا ہے۔ پس گویا کہ وہ ظالم کا کھانا کھانے والا ہو گیا۔ اور وہ ہدیہ اور انعام تملیک ہوتے ہیں تو (جس کو بطور تملیک دی گئی ہو) وہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے (اس وجہ سے ان کا کھانا نہیں کھاتے اور ان کا ہدیہ اور انعام قبول کرتے تھے)۔ ❁❁❁

سود سے بچنے کی ایک صورت

سوال نمبر (253):

ایک آدمی کسی دکان دار کے ساتھ مل کر پچاس ہزار روپے میں ایک چیز خرید لیتا ہے اور پھر یہی چیز اس دکان دار پر ترپن ہزار 53000 روپے ادھار پر بیچ دیتا ہے اور دکان دار یہ ترپن ہزار 53000 روپے اس کو قسط وار ادا کرنا چاہتا ہے۔ تو اس معاملہ کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں اگر ایک شخص کسی دکان دار کو وکیل یا دلال بنا کر ،مثلاً پچاس ہزار 50000 روپے کا مال خرید لیتا ہے اور پھر اسی دکان دار کو ادھار پر 53000 ہزار روپے کے عوض بیچ دیتا ہے، گویا کہ ان دونوں نے پچیس پچیس ہزار روپے ملا کر یہ چیز خریدی ،اب وہ اپنا حصہ نقد کی بجائے قسط وار اس پر اٹھائیس ہزار میں فروخت کر رہا ہے تو یہ معاملہ جائز ہے، بلکہ سود سے بچنے کا ایک بہترین حیلہ بھی ہے اور فقہائے کرام نے ہر اس حیلہ کو جائز لکھا ہے جس کے

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم:۳/۲۱۹

ذریعے آدمی حرام سے بچے یا اس سے حلال تک رسائی ممکن ہوجائے۔

والدّلیل علی ذلك:

كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام ،أو ليتوصل بهاإلى حلال ،فهي حسنة .(١)

ترجمہ: آدمی جو بھی حیلہ کر کے جس کے ذریعے اپنے آپ کو حرام سے چھڑائے یا اس کے ذریعہ سے حلال (کام یا چیز) کی طرف اس کی رسائی ہوجائے تو اس طرح حیلہ کرنا مستحسن ہے۔

لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألايرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (٢)

ترجمہ: کیوں کہ میعاد مبیع کے مشابہ ہے، کیا یہ بات واضح نہیں کہ میعاد کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے (اور وہ جائز ہے)۔

❁❁❁

بینک سے پیشگی تنخواہ لے کر زیادتی کے ساتھ واپس کرنا

سوال نمبر(254):

بینک سے دس ہزار 10,000 روپے ایڈوانس (Advance) ماہانہ تنخواہ لے کر واپسی میں بینک کا پندرہ ہزار روپے وصول کرنا شرعاً کیسا ہے؟ یعنی دس ہزار 10,000 کی بجائے پندرہ ہزار 15,000 روپے لینے کی کیا حیثیت ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے کسی کو قرض دے کر زیادتی کے ساتھ واپس کرنے کی شرط لگانا سودی معاملہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ مسئولہ صورت میں بھی کسی ملازم کا اپنی تنخواہ ایڈوانس بینک سے وصول کر کے زیادتی کے ساتھ بینک کو واپس کرنا سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے دیگر سودی معاملات کا حکم رکھتا ہے جو شرعاً حرام ہے، لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے تاہم اگر ابتداً اس ماہ کی تنخواہ ہی کم مقرر کر کے ایڈوانس وصول کی جائے تو اس کے حلال ہونے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الحيل، الفصل الاول:٦/٣٩٠

(٢) الهداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ٧٨/٣

والدّلیل علی ذلک:

عن جابرؓ قال : لعن رسول اللّٰہ ﷺ آکل الربوا،وموکله،وکاتبه،وشاهدیه،وقال:هم سواء.(۱)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سود کھانے ،کھلانے ،لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا:''یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں''۔

لما روی عن رسول اللّٰہ ﷺ: أنه نهی عن قرض جر نفعاً ،ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا(۲)

ترجمہ:

جیسا کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس قرض سے جو کسی قسم کی منفعت کھینچے اور وجہ یہ ہے کہ ہر وہ زیادت جو مشروط ہو ربا (سود) کے مشابہ ہے۔

❁❁❁

کرنٹ اکاؤنٹ کے علاوہ مجبوراً سودی اکاؤنٹ میں مال رکھنا

سوال نمبر(255):

اگر کسی ملک کے بینکوں میں کرنٹ اکاؤنٹ نہ ہو اور سودی بینکاری ہو تو مسلمان اپنے مال کی حفاظت کیسے کریں، جبکہ وہاں کوئی دوسرا قابل اعتماد ادارہ نہ ہو جس میں مال کی حفاظت یقینی ہو جائے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اسلامی بینکوں کے علاوہ بھی تمام بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں بطورِ حفاظت مال رکھا جاسکتا ہے، لیکن اگر کسی ملک کے بینکوں میں کرنٹ اکاؤنٹ کی سہولت موجود نہ ہو اور وہاں اپنے مال کی حفاظت بینک کے علاوہ کسی اور جگہ یا ادارہ میں ممکن نہ ہو تو دوسرے اکاؤنٹ، مثلاً سیونگ اکاؤنٹ وغیرہ میں مال رکھنا

---

(۱) الصحیح للمسلم ،کتاب البیوع ،باب الربوا:۲/۲۷

(۲) بدائع الصنائع ،کتاب القرض،فصل في الشروط:۱۰/۵۹۸

مرخص ہے، لیکن اس پر ملنے والا نفع (سود) بینک کے پاس چھوڑنے کی بجائے وصول کر کے بغیر نیتِ ثواب کے فقراء پر صدقہ کرنا چاہیے۔خود اپنے استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم ،وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه.(۱)

ترجمہ: اور حاصل یہ کہ اگر اس (مالِ حرام) کے مالک معلوم ہوں تو ان کو واپس لوٹانا واجب ہے، البتہ اگر (مالک معلوم نہ ہوں) اور اس کو پتہ چلا کہ یہ مال عین حرام ہے تو اس کے لیے حلال نہیں اور اس کو اس مالک کی نیت سے صدقہ کردیا جائے گا۔

❁❁❁

بیمہ کی حقیقت اور عدم جواز کی وجوہات

سوال نمبر (256):

بیمہ کی حقیقت کیا ہے؟ علمائے کرام نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، اس لیے عدم جواز کی علت بیان کرکے تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ اسلامی کا مسلمہ قاعدہ ہے "العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والمبانی" (۱) یعنی عقود اور معاہدوں میں اعتبار اصل مقاصد کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا" ورنہ بہت سارے جائز امور ناجائز اور بہت ناجائز امور جائز قرار پائیں گے۔ بیمہ کمپنیوں کے اس قول کو کافی شہرت حاصل ہے کہ "بیمہ تعاون کا ایک نظام ہے جس کا مقصد حوادث وآفاتِ سماویہ سے متاثر ہونے والوں کی امداد اور اعانت ہے" یہ محض ان کے دعوے ہیں، اصل مقصد ان کمپنیوں کا سود اور جوئے پر مشتمل ایک کاروبار کو فروغ دے کر نفع کمانا ہے۔ آفت زدہ لوگوں کے نقصانات کی تلافی اور امداد کرنا ان لوگوں کا مقصد ہرگز نہیں۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع ،مطلب فیمن ورث مالاً حراماً:۷/۳۰۱

اس مختصر تمہید کے بعد بیمہ کی تعریف اور اس کا حکم ملاحظہ ہو۔ بیمہ کی تعریف کے بارے میں مصر کے معروف ماہر قانون ڈاکٹر عبدالرزاق السنہوری اس طرح قلم طراز ہیں:

"التأمين عقد يلتزم المؤمن بمقتضاه أن يؤدي إلى المؤمن له ،أوإلى المستفيد الذي اشترط التأمين لصالحه مبلغا من المال ،أو إيراداً مرتبا،أوأيّ عوض مالي آخر في حالة وقوع الحادث ،أو تحقق الخطر المبين بالعقد ،وذلك في نظير قسط،أو آية دفعتة مالية أُخرى يؤديها المؤمن له". (۱)

یعنی بیمہ ایک معاہدہ ہے جس میں تحفظ دینے والا یہ پابندی قبول کرتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ تحفظ حاصل کرنے والے بیمہ دار یا اس مستفید کو جس کو بیمہ کرایا گیا ہے، رقم کی کوئی مقدار یا طے شدہ منافع یا کوئی دوسرا مالی معاوضہ کسی حادثہ یا معاہدہ میں بیان کردہ خطرہ کے واقع ہوجانے کی حالت میں ادا کرے گا اور یہ ادائیگی ادا کردہ قسطوں یا کسی دوسری مالی ادائیگی کی نسبت سے کی جائی گی۔

زندگی کا بیمہ، املاک کے بیمے اور ذمہ داریوں کے بیمے کے درمیان جزئیات میں فرق اگرچہ ہے، لیکن ایک بات تینوں میں مشترک ہے۔ وہ یہ کہ یہ ایک عقدِ مالی، یعنی مالی لین دین ہے۔ کمپنی بیمہ داروں کی جمع کردہ رقم کو آگے سودی کاروبار میں لگاتی ہے اور سود کی اس رقم سے بیمہ داروں کو بھی حصہ دیتی ہے۔ اس سے یہ تعریف درج ذیل امور پر مشتمل ہے اور ان ہی امور کی بنا پر بیمہ ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

(۱)......اس عقد میں قسطوں کی رقم اس رقم کے معاوضہ اور بدلہ میں دی جاتی ہے جس کا وجود مجہول اور مشکوک ہے۔ اس لیے کہ حادثہ کا وجود صرف احتمالی بات ہے۔ نیز اس رقم کی مقدار بھی مجہول ہے کیوں کہ نقصان کا اندازہ وقوع حادثہ کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے اور اس قسم کے عقد کو "بیع الغرر" کہا جاتا ہے، جو اس حدیث کی رو سے ممنوع اور ناجائز ہے:

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال :نهی رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر"(۲)۔

(۲)......یہ عقد "بیع الغرر" ہونے کی وجہ سے جوا اور قمار کو بھی شامل ہے جو کہ نص قرآن کی رو سے حرام ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۳) ترجمہ: اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب، جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو، تا کہ تم کو فلاح ہو۔

---

(۱) السنهوری،عبدالرزاق،الوسيط فی شرح القانون المدنی،عقد التأمين،مقدمة:۷/۱۰۸۴،داراحياء التراث

(۲)الصحيح للمسلم، كتاب البيوع ،باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذی فيه غرر:۲/۲_(۳) المائدة/ ۸۰

(۳)......عقدِ بیمہ ربا، یعنی سود پر مشتمل ہے، اس لیے کہ اگر نقصان کی تلافی کی رقم بیمہ داروں کی قسطوں کی رقم سے زیادہ ہو (اور ہوتا بھی اس طرح ہے) تو یہ رأس المال پر جو قسطوں کے ذریعے کمپنی (Company) کو ادا کیا گیا تھا اضافہ ہے اور اسی کا نام سود ہے اور بالفرض اگر نقصان کی تلافی کی رقم قسطوں کی رقم کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو یہ نقد کو نقد کے بدلہ میں ادھار فروخت کرنا ہے اور حدیث رسول اللہ ﷺ "مثلا بمثل یداً بیدٍ" کی رو سے یہ بھی ناجائز ہے۔

والأصل فيه الحديث المشهور ،وهو قوله عليه الصلوٰة والسلام:الحنطة بالحنطة مثلاً بمثلٍ يداً بيدٍ والفضل الربا. (۱)

(۴)......عقدِ بیمہ "بیع الدین بالدین" بھی ہے، اس لیے کہ قسطوں کی رقم کمپنی کے ذمہ قرض ہوتی ہے اور نقصان کی تلافی کی احتمالی رقم بھی اس کے ذمہ قرض، یعنی واجب الادا ہوتی ہے اور "بیع الدین بالدین" بھی شریعت میں جائز نہیں۔

وقد نهى النبي ﷺ: عن بيع الكالي بالكالي.(۲)

اس لیے بیمہ کی مروجہ تمام صورتیں فی الجملہ شریعت کے مخالف ہیں۔ سو اپنے اختیار سے بیمہ کرانا اور یوں اپنے آپ کو ایک ناجائز معاملہ میں اُلجھانا نہیں چاہیے۔ جائز معاملات کے ہوتے ہوئے ناجائز معاملہ کرنا عقل مندی نہیں، البتہ اگر قانونی مجبوری کے تحت بیمہ کرانا پڑے تو اس صورت میں اپنی ادا کردہ رقم سے زیادہ رقم وصول نہ کرے۔

❁❁❁

ریٹائرمنٹ کے بعد بینک ملازم سے ہدیہ وغیرہ قبول کرنا

سوال نمبر (257):

بینک کے ملازم سے ریٹائرمنٹ (Retirement) کے بعد ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قوانین شریعت اور نصوص معینہ سے یہ بات خوب واضح ہے کہ بینک کا کاروبار اور اس کا حساب وکتاب وغیرہ سود کی وجہ سے حرام ہے، اس وجہ سے سود کا لینا دینا اور سود کے لیے آلہ کار بننا بھی شریعت میں ناجائز ہے۔

---

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب الربا:۳/ ۸۱

(۲) المصنف ،كتاب البيوع ،باب احل باحل:۸/ ۹۰

بینک ملازم کے پاس اگروہی سود کی رقم ہو جو لوگوں میں ہدیہ کے طور پر تقسیم کرتا ہو تو پھر یہ ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی جائز کاروبار یا متبادل آمدنی کا ذریعہ ہو تو پھر اس سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ہاں سودی حرام رقم بلانیت ثواب فقیر قبول کرسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا يجوز قبول هدية أمراء الجور ؛ لأن الغالب في مالهم الحرمة إلا إذا علم أن أكثر ماله حلال بأن كان صاحب تجارة أو زرع ،فلا بأس به ؛لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام ،فالمعتبر الغالب ، وكذا أكل طعامهم.(۱)

ترجمہ:

ظالم حکام کا تحفہ قبول کرنا جائز نہیں ہوتا،اس لیے کہ ان کا اکثر مال حرام ہوتا ہے،لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ اُن کا اکثر مال حلال ہے،بایں طور کہ وہ صاحبِ تجارت ہو یا صاحبِ زراعت ہو تو پھر (اس کا ہدیہ قبول کرنے میں) کوئی حرج نہیں،اس لیے کہ عام لوگوں کے مال کچھ نہ کچھ حرام سے خالی نہیں ہوتے (یعنی ضرور ان میں حرام کی آمیزش ہوتی ہے) پس اعتبار غالب (مال) کا ہےاور یہی حکم ان ظالم حکام (کی طرف سے دعوت) کے طعام کھانے کا ہے۔

❁❁❁

مالِ حرام کے بدلے قرض لینا

سوال نمبر(258):

میرے والد صاحب بینک ملازم ہیں ،انھوں نے مجھے پچاس ہزار روپے دیے ہیں۔اب اگر میں اتنی مقدار(50,000) کسی سے قرض لے لوں اور والد صاحب کی دی ہوئی رقم اس شخص کو قرض میں دے دوں،تو کیا یہ درست رہے گا؟ کیا میرے لیے والد صاحب سے ان پیسوں کا لینا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے ہر مال حرام سے بچنا لازمی ہے، کیوں کہ حرام مال کے کھانے اور استعمال کرنے پر سخت

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، ٣٤٢/٥

وعیدیں آئی ہیں، تاہم اگر کسی کے پاس حرام مال کسی طریقہ سے آجائے تو اس کے لیے فقہاے کرام نے یہ حیلہ بتایا ہے کہ کسی آدمی سے قرض لے کر اس کے بدلہ میں یہ حرام مال دے دے تو اس صورت میں اس کے لیے اس مال کا استعمال کرنا جائز رہے گا۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ کا کسی سے قرض لینا اور اس کے بدلہ میں مال حرام دینا صحیح ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

والحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئة ،ثم ينقد من أيّ مال شاء، وقال أبو يوسفؒ: سألت أباحنيفةؒ عن حيلة في مثل هذا، فأجابني بما ذكرنا.(١)

ترجمہ:

اوران مسائل میں حیلہ یہ ہے کہ اُدھار خریدے، پھر اس کی قیمت جس مال سے چاہے دے دے اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے اس جیسے حیلہ کے بارے میں پوچھا تو انہوںؒ نے مجھے یہی جواب دیا'' جو ہم نے ذکر کیا۔

❁❁❁

بینک ملازم کا پیسوں سے گھر کا خرچہ چلانا اوران سے تحائف لینا

سوال نمبر(259):

میرے والد صاحب بینک ملازم ہیں۔ میں والدین سے علیحدہ گھر میں رہتا ہوں، اگر کبھی کبھار ان سے ملنے جاؤں تو کیا ان کے ہاں کھا پی سکتا ہوں؟ میرے دوسرے بہن بھائی بھی والدین کے ہمراہ ہیں۔ کیا ان کے لیے کھانا پینا حلال ہے؟ اگر وہ مجھے کوئی تحفہ یا ہدیہ وغیرہ دینا چاہیں تو یہ میرے لیے قبول کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے بینک کی کمائی حرام ہے اور مسلمانوں کے لیے حرام مال سے احتراز ضروری ہے، کیونکہ مالِ حرام کھانے کے بارے میں بہت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ٣٤٢/٥

لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ کے والدین اور بہن بھائی بینک کی موجودہ ملازمت سے ایسی حالت میں اپنی روزمرہ زندگی کے اخراجات اُٹھا سکتے ہیں جب تک دوسرا ذریعہ معاش نہ ہو۔ رہی بات آپ کا ان سے تحفے تحائف لینے اور ان کی دعوت کھانے کی تو اگر ان کی کمائی مخلوط ہے تو پھر اس کے لینے کی گنجائش ہے، لیکن اگر خالص حرام آمدنی ہے تو پھر اس صورت میں حتی الوسع اس سے احتراز ضروری ہے، ہاں اگر والدین ہدیہ تحفہ دے دیں تو قبول کریں، البتہ بہتر یہی ہے کہ اسے بھی بعد میں بلا نیتِ ثواب صدقہ کریں۔

والدّلیل علی ذلک:

وكان العلامة بخوارزم لا يأكل من طعامهم ،ويأخذ جوائزهم ،فقيل له فيه ،فقال : تقديم الطعام يكون إباحة ،والمباح له يتلفه على ملك المبيح ،فيكون آكلاً طعام الظالم ،والجائزة تمليك ، فيتصرف في ملك نفسه .(۱)

ترجمہ:

اور خوارزم میں علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان (بادشاہوں) کا کھانا نہیں کھاتے تھے اور ان کے جوائز (بطور ہدیہ اور انعام دی ہوئی چیز) قبول کرتے تھے تو اس طرح کے طرزِ عمل کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ: ان کی طرف سے پیش کیا گیا کھانا اباحت کے زمرے میں آتا ہے اور مباح لہٗ (یعنی جس کے لیے کھانا بطور اباحت پیش کیا گیا ہو) وہ اس کو دینے والے کی ملکیت میں ہو کر کھاتا ہے۔ پس گویا کہ وہ ظالم کا کھانا کھانے والا ہو گیا اور انعام تملیک ہوتا ہے تو (جس کو بطور تملیک دی گئی ہو) وہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے (اس وجہ سے ان کا کھانا نہیں کھاتے اور ان کا ہدیہ اور انعام قبول کرتے تھے)۔

کرنٹ اکاونٹ کھولنا

سوال نمبر(260):

بینک کے کرنٹ اکاونٹ میں رقم رکھنا شرعاً کیسا ہے، جب کہ دوسرا ذریعہ مال کی حفاظت کا نہ ہو؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم: ۲۱۹/۳

الجواب وباللہ التوفیق:

بینک کے اکثر کھاتے چونکہ سودی ہیں، اس لیے اس میں رقم رکھ کر خاص منفعت حاصل کرنا حرام اور سود ہے۔ حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے سود کھانے والے کھلانے والے اس پر گواہ بننے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔

آج کل گھروں میں بڑی بڑی رقمیں رکھنا چونکہ چوری اور ڈاکہ کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اس لیے اپنی ذاتی حفاظت میں ایسی زیادہ رقمیں رکھنا مشکل ہے جو وقت کی ایک بڑی ضرورت اور مجبوری ہے۔ ایسی مجبوری کی حالت میں قیمتی اشیا اور مال وغیرہ چوری ڈاکہ سے حفاظت کی خاطر بینک کے کرنٹ اکاونٹ میں رکھنا جائز ہے، کیوں کہ کرنٹ اکاؤنٹ کی حقیقت قرض کی ہے۔ بینک رقم کا مالک بن جاتا ہے اور اکاؤنٹ ہولڈر کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اب بینک کا اس رقم کو سودی معاملات میں استعمال کرنا اس کا اپنا فعل ہے، اس لیے اکاؤنٹ ہولڈر کو گناہ نہیں ملے گا، تاہم چونکہ ایک قسم سود میں تعاون ہے، اس لیے جواز کی گنجائش صرف ضرورت تک محدود رکھیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن جابرؓ قال : لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا، و موکله، و کاتبه، و شاهدیه، و قال: هم سواء. (۱)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ’’حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے‘‘ اور فرمایا: ’’یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں‘‘۔

الضرورات تبیح المحظورات (۲)

ترجمہ: ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح کر دیتی ہیں۔

❁❁❁

ملکی کرنسی میں تفاضل

سوال نمبر (261):

ایک ملک کی کرنسی (Currency) کا لین دین کمی بیشی کے ساتھ شرعاً کیسا ہے؟ اگر ایک شخص کو کھلے پیسوں

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲/۲۷

(۲) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة: ۲۱، ص/۲۹

کی ضرورت ہے، وہ کسی کو سو روپے کا نوٹ دے کر اس کے بدلے 90 روپے وصول کرتا ہے، تو سو روپیہ کھلوانے کے بدلے دس روپے لینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک ملک کی کرنسی نوٹ کا اگر آپس میں تبادلہ ہو تو اس میں کمی بیشی کسی بھی صورت میں جائز نہیں، خواہ پھٹے پرانے نوٹ کا نئے نوٹوں سے تبادلہ ہو یا نوٹوں کے بدلے کھلے پیسے دینے ہوں۔ کیوں کہ کسی ملک کی کرنسی متحد الجنس ہے، جس میں کمی بیشی سود کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا کسی ملک کی کرنسی نوٹ کے تبادلہ میں کمی بیشی سے احتراز ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾.(۱)

ترجمہ:

اے ایمان والو! سود کئی حصے زائد مت کھاؤ۔

ويجوز بيع الفلسين بأعيانهما عند أبي حنيفة ،وأبي يوسف رحمهما الله ،وقال محمد :لا يجوز؛لأن الثمنية تثبت باصطلاح الكل ،فلا تبطل باصطلاحهما،وإذا بقيت أثماناً لاتتعين ،فصار كماإذا كانا بغيرأعيانهما، وكبيع الدرهم بالدرهمين .(۲)

ترجمہ:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک سکہ کو دو سکوں کے عوض بیچنا جائز ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں، کیوں کہ ان سکوں میں ثمنیت کا اعتبار سب کے اتفاق سے ہوا ہے۔ تو ان دونوں کے باطل کرنے سے اس کی ثمنیت زائل نہیں ہوتی، جب ثمنیت برقرار رہی تو سکے کی حیثیت سے ان کی ذات متعین نہیں ہوسکتی، گویا کہ یہ غیر معین چیز کی بیع ہے اور یا ایک درہم کو دو درہموں کے عوض بیچنا ہے۔

❁❁❁

(۱) ال عمران / ۱۳۰

(۲) الهداية، كتاب البيوع، باب الربا: ۸۵/۳

کاغذی کرنسی کا سکہ کے ساتھ تفاضل

سوال نمبر(262):

کاغذی کرنسی کا سکہ کرنسی کے ساتھ کمی وزیادتی سے تبادلہ کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ مختلف اجناس کی اشیا کی خرید وفروخت میں کمی بیشی جائز ہے، البتہ اگر تفاضل ایسی اشیا میں ہو جن میں جنس یا قدر کی علت پائی جاتی ہو تو اس میں تفاضل جائز نہیں۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں کاغذی کرنسی اور سکہ کرنسی ایک علت (ایک جنس) کے حامل ہیں، لہٰذا ایک ہی جنس کے شمار کیے جائے گے۔ علاوہ ازیں نقدی میں اصل مالیت ہے، جب کہ اس کا کاغذ یا سکہ کی شکل میں ہونا ایک وصف ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا ایک جنس ہونے کی وجہ سے اس کا تبادلہ برابر سرابر ہو تو جائز، جب کہ کمی بیشی کی صورت میں ناجائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

الربا محرم في كل مكيل أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلاً ،فالعلة عندنا الكيل مع الجنس والوزن مع الجنس .(۱)

ترجمہ: ربا (زیادتی) ہر ایسی چیز میں حرام ہے جو کیلی یا وزنی ہو، جب وہ اپنی جنس کے عوض زیادتی سے بیچی جائے، پس علت ہمارے نزدیک کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے۔

❁❁❁

یورپی ممالک میں سودی لین دین کرنا

سوال نمبر(263):

میرا ایک دوست عرصہ دراز سے یورپ کے ملک اٹلی (Italy) میں مقیم ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اٹلی میں بینک

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب الربا:۸۱/۳

اور کئی دوسرے اداروں سے مکان، کاروبار اور دوسرے کئی کاموں کے لیے قرضہ مع سود نہایت آسانی سے مل جاتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل پاکستان کے ایک معروف سکالر جب وہاں کے دورے پر آئے تو انہوں نے اسے جائز قرار دیتے ہوئے مزید یہ کہا کہ میرے اس فتویٰ کی اشاعت عام کی جائے، تاکہ لوگ اس سے مستفید ہوسکیں۔ جواز کی دلیل یہ پیش کی کہ یہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، لہٰذا ان کے لیے یہ قرضہ لینا اور اس پر سود دینا جائز ہے۔

تو کیا ایک مسلمان اپنے ملک یا غیر مسلم ممالک میں رہتے ہوئے اپنا سرمایہ غیر مسلم ممالک (یورپ وغیرہ) میں کسی بینک یا ادارے میں جمع کر کے اس پر ان سے سود حاصل کر سکتا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسلمان کے لیے سود کی حرمت عام ہے، وہ جگہ، افراد اور علاقہ سے تبدیل نہیں ہوتی، البتہ دارالحرب میں جواز کا فتویٰ عصمت نہ ہونے کی بنا پر دیا گیا ہے، جب کہ موجودہ دور کے غیر مسلم ممالک کو دارالحرب کہنا مشکل ہے، کیوں کہ موجودہ دور میں غیر مسلم ممالک میں عصمت پائی جاتی ہے، اس لیے غیر مسلم ممالک میں بھی سود کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ اسلامی ممالک کے ان کے ساتھ باقاعدہ تعلقات ہیں اور اسلامی ممالک کے باشندے ویزا لے کر بلا روک ٹوک ان ممالک میں اسفار کرتے رہتے ہیں، لہٰذا کسی مسلمان کا اپنے ملک یا غیر مسلم ممالک میں رہتے ہوئے کسی بینک یا ادارے میں رقم جمع کر کے اس پر سود لینا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح ان بینکوں سے سودی قرضہ لینا بھی ناجائز اور حرام ہے۔ تاہم اگر غیر مسلم ممالک میں بلا سود بینکاری کی سہولت موجود نہ ہو اور اپنے پاس رقم رکھنے میں ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے ان بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کی اجازت ہے، البتہ اگر کرنٹ اکاؤنٹ نہ ہو تو پھر عام اکاؤنٹ میں رقم رکھنے کی گنجائش ہے، جب کہ حاصل شدہ سود کو بلا نیتِ ثواب صدقہ کرنا ضروری ہے۔

والدلیل علی ذلک:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾.(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! سود کئی حصے زائد مت کھاؤ

❁❁❁

(۱) ال عمران / ۱۳۰

کاروبار کے لیے سودی قرضہ لینا

سوال نمبر(264):

ایک بے روزگار آدمی کو کاروبار چلانے کے لیے رقم کی اشد ضرورت ہے۔اگر وہ اس کے لیے ایک بینک سے قرضہ لے تو کیا یہ جائز رہے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے سود کو حرام قرار دیا ہے جس میں سود لینے والا، دینے والا، کاتب (کلرک، Clerk)اور گواہ سب شامل ہیں،اس لیے سود پر قرضہ حاصل کر کے بعد میں سود ادا کرنا سود دینا ہی ہے جو شرعاً حرام ہے۔

مسئولہ صورت میں بینک سے سود پر قرضہ لینا جائز نہیں۔ جہاں تک ضرورت کی بات ہے تو کاروبار کرنا کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کے بغیر گزارہ نہ ہو سکے،لہٰذا کسی دوسری جگہ سے بلاسود قرضہ حاصل کر کے معمولی کاروبار شروع کیا جائے یا ملازمت کا راستہ اختیار کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿یٰٓاَ یُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً﴾.(۱)

ترجمہ:

اے ایمان والو!سود کئی حصے زائد مت کھاؤ۔

عن جابرؓ:قال : لعن رسول اللّٰہ ﷺ آکل الربوا،وموکلہ،وکاتبہ،وشاھدیہ،وقال:ھم سواء.(۲)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ:’’حضورﷺ نے سود کھانے ،کھلانے ،لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا:’’یہ سب (حکم کے اعتبار سے)ایک جیسے ہیں۔

(۱) ال عمران /۱۳۰

(۲) الصحیح للمسلم ،کتاب البیوع ،باب الربوا:۲/۲۷

قرض پر نفع حاصل کرنا

سوال نمبر(265):

میرے بھائی کی زمین کسی کے پاس رہن تھی۔ وہ اس سے فائدہ اُٹھاتا تھا۔ میں نے اپنے بھائی کو رقم دے کر کہا کہ وہ زمین واپس کرلو۔ اس نے زمین واپس کرلی۔ اب اس کو اس زمین سے جو نفع حاصل ہوتا ہے۔ کیا میں اپنے بھائی سے اس کی آمدنی کا مطالبہ کرسکتا ہوں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قرض کے معاملہ میں قرض خواہ پر کوئی ایسی شرط لگانا درست نہیں، جس میں قرض دینے والے کا فائدہ ہو۔ شریعت کی رُو سے اس طرح کی شرط سود کی زمرے میں آنے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

مسئولہ صورت میں آپ کے بھائی کی زمین سے نہ تو دوسرے قرض دہندہ کے لیے فائدہ لینا درست تھا اور نہ آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ اس زمین کی بعض آمدنی کا مطالبہ کریں، کیوں کہ مشروط زیادت سود کے مشابہہ ہے اور حقیقی سود یا جس چیز میں سود کا شبہ ہو اس سے احتراز کرنا واجب ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وأما الذي يرجع إلى نفس القرض ،فهو أن لايكون فيه منفعة، فإن كان لم يجز ،نحو ماإذا أقرضه دراهم غلة على أن يرد عليه صحاحا، أو أقرضه وشرط شرطاً له فيه منفعة ؛لما روي عن رسول اللّٰه ﷺ أنه نهى عن قرض جر نفعاً ،ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا....... والتحرز عن حقيقة الربا، وعن شبهة الربا واجبٌ .(١)

ترجمہ:

اور (وہ شرائط) جو قرض کی طرف راجع ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرض میں کسی منفعت کا حصول مشروط نہ ہو، اگر مشروط ہو تو پھر (وہ معاملہ) جائز نہیں، جیسے کہ کوئی کسی کو کھوٹے دراہم اس شرط پر بطورِ قرض دے دے کہ وہ صحیح دراہم اس کو واپس کرے گا یا اس کو قرض دے کر ایسی شرط لگائے جس میں اس کے لیے کوئی منفعت ہو۔

(١) بدائع الصنائع ،كتاب القرض ،فصل في الشروط: ١٠/ ٥٩٧، ٥٩٨

کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جو کسی قسم کا نفع کھینچے اور حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مشروط زیادتی سود کے مشابہ ہے...... حالانکہ حقیقی سود یا جس چیز میں سود کا شبہ ہو ان دونوں سے احتراز کرنا واجب ہے۔

❀❀❀

بونس حاصل کرنے کے لیے جی، پی فنڈ پر راضی ہونا

سوال نمبر (266):

کسی ادارہ کی طرف سے ملازمین کو جی، پی فنڈ کی صورت میں جو رقم ملتی ہے، اس میں بینک کی طرف سے نفع بھی ملتا ہے اور ادارہ کی طرف سے اضافی رقم بونس کی صورت میں بھی ملتی ہے۔ اب اگر ملازمین جی، پی فنڈ نہیں لیتے تو وہ اضافی رقم جو بونس کی صورت میں ملتی ہے، اس سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، اگر جی، پی فنڈ کو جاری رکھتے ہوئے زائد منافع کو صدقہ کرے اور بونس حاصل کرے تو کیا یہ صورت جائز رہے گی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جی۔ پی فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم کٹتی ہے، وہ ملازم کی ملک میں نہیں ہوتی، یعنی اس پر ابھی تک مالک کا قبضہ نہیں ہوا ہوتا، لہٰذا ایسی رقم کے ساتھ حکومت کا معاملہ یک طرفہ ہونے کی وجہ سے یہ فنڈ یا تو حکومت کی طرف سے تبرع، انعام یا اجرت مؤجلہ کی صورت میں داخل ہو جاتا ہے اور بونس ملازمین کو ادارہ کی طرف سے ویسے ہی کبھی کبھار دیا جاتا ہے جو کہ ایک جائز نفع ہے، لہٰذا بونس قبول کرنے کے لیے جی۔ پی فنڈ کی قبولیت کی شرط بھی جائز ہے، کیوں کہ دونوں صورتوں میں ملنے والی رقم جائز ہے۔

مسئولہ صورت میں جو بونس ملازمین کو ملتا ہے اگر یہ اس ملازم کو عمل کے عوض میں حقِ خدمت کے طور پر ملتا ہو پھر تو یہ اس کا حق بنتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے جی، پی فنڈ کا راستہ اختیار کرنا ہو تو جی، پی فنڈ اور بونس دونوں لینا جائز ہے۔

تاہم اگر ملازمین اپنی مرضی واختیار سے تنخواہ کا ایک خاص حصہ (فی صد) کٹواتے ہوں اور یا پھر کسی وقت بھی ایسی رقم نکالنے میں اختیار دیا جائے، لیکن ملازمین اس کو حکومت کے ہاں چھوڑ کر رکھتے ہیں، تاکہ ریٹائرمنٹ کے وقت

ان کو زیادہ رقم مل سکے۔ تو اختتامِ ملازمت کے وقت اس جمع شدہ رقم کے ساتھ جو مزید رقم دی جاتی ہے، وہ شبہ کی وجہ سے ناجائز ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ثم الأجرة تستحق بأحد معانٍ ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتأجيل، أو باستيفاء المعقود عليه. (١)

ترجمہ: تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں اُجرت کا استحقاق بن جاتا ہے:

(۱) یا تو معجّل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ (۲) یا معینہ مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ (۳) یا معقود علیہ کے پورا پورا حوالہ کرنے کے بعد۔

لما روي عن رسول الله ﷺ أنه نهى عن قرض جر نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا، والتحرز عن حقيقة الربا، وعن شبهة الربا واجبٌ. (٢)

ترجمہ: کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جو کسی قسم کا نفع کھینچے اور حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مشروط زیادتی سود کے مشابہ ہے..... حالانکہ حقیقی سود یا جس چیز میں سود کا شبہ ہو ان دونوں سے احتراز کرنا واجب ہے۔

❁❁❁

بینک سے نفع کی شرط پر قرضہ لینا

سوال نمبر (267):

اگر کوئی شخص کاروبار کے واسطے انگلینڈ چلا جائے اور وہاں پر وہ بینک سے قرضہ لینا چاہے، وہاں کے بینک کا ایک خاص مدت اور خاص اماؤنٹ تک قرضہ بغیر سود کے ہوتا ہے، لیکن وہ مدت گزر جانے یا اس مقررہ اماؤنٹ سے زیادہ لینے کی صورت میں اس پر سود آتا ہے، مثلاً دس لاکھ روپے تک پانچ ماہ تک سود نہ ہوگا، لیکن اگر دس لاکھ سے زیادہ لے تو سود ہوگا یا دس لاکھ لے، لیکن پانچ ماہ تک نہ دے تو پھر بھی سود ہوگا۔ کیا یہ شخص کاروبار کے واسطے مقررہ حد سے زیادہ رقم لے کر کاروبار کرسکتا ہے؟ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

بینوا توجروا

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الاجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة ومايتعلق به من الملك: ٤١٣/٤

(٢) بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ٥٩٨/١٠

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے جس قرض پر نفع کی شرط لگائی جائے، وہ حرام ہے، لہٰذا کسی ایسی نوعیت کا قرضہ لینا، جسے سود سمیت جمع کرنے کا ارادہ ہو، ناجائز ہے، اگر سود دینے کا ارادہ نہ ہو اور اس مدت سے پہلے واپسی کی جائے جس کے گزرنے سے سود دینا لازمی ہوگا، اس میں اگرچہ نفع کی شرط صحیح نہیں، مگر جب بغیر سود کے قرضہ واپس کیا جائے تو معاملہ صحیح ہو جائے گا۔

مسئولہ صورت میں دس لاکھ روپے پانچ ماہ تک واپس نہ کرنے کی صورت میں اس پر نفع کی شرط لگانا سود ہے، اگر پانچ مہینہ سے پہلے پہلے قرض ادا کیا جائے تو معاملہ صحیح، جب کہ شرط فاسد رہے گی۔ یا مقررہ مقدار سے کم قرضہ لے لے تو بھی معاملہ درست رہے گا۔ باقی مسلمان کے لیے سود کے عدم جواز میں اسلامی ممالک اور غیر اسلامی ممالک سب برابر ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

هاهنا أصلان: أحدهما أن كل ما كان مبادلة مال بمال يفسد بالشرط الفاسد كالبيع، وما لا فلا كالقرض. قال ابن عابدين: قوله (وما لا فلا) أي وما لا يكون مبادلة مال بمال.......... ولا يتصور ذلك في المعاوضات الغير المالية، ولا في التبرعات، بل يفسد الشرط ويصح التصرف. (۱)

ترجمہ: یہاں پر دو قاعدے ہیں: ایک یہ کہ ہر وہ (معاملہ) جو مال کا مال کے عوض تبدیلی پر منحصر ہو تو شرط فاسد کے ساتھ وہ (معاملہ) بھی فاسد ہوتا ہے، جیسے بیع اور جو اس طرح نہ ہو تو (شرط) فاسد کے ساتھ وہ فاسد نہیں ہوتا، جیسے قرض۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: "وما لا فلا" کا مطلب یہ ہے کہ جس میں مال کے مقابلہ میں مال کی تبدیلی نہ ہو۔۔۔ اور غیر مالی معاوضات، اسی طرح تبرعات والے معاملات میں یہ متصور نہیں ہوتا، اس لیے کہ ایسے معاملات میں شرط فاسد ہو کر تصرف کرنا صحیح ہوتا ہے"۔

ولا يجوز شيء من ذلك في قول أبي يوسفؒ؛ لأن المسلم ملتزم أحكام الإسلام حيثما يكون، ومن حكم الإسلام: حرمة هذا النوع من المعاملة، ألا ترى أنه لو فعله مع المستأمنين منهم في دارنا لم يجز، فكذلك في دار الحرب. (۲)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المتفرقات: ۷/۴۹۶، ۴۹۷

(۲) المبسوط، باب صلح الملوك والموادعة: ۱۰/۹۵

ترجمہ: امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق ان (سود، شراب، خنزیر) میں سے کوئی چیز جائز نہیں، کیوں کہ مسلمان جہاں بھی ہو وہ اسلام کے احکام کی پابندی کرے گا اور اسلام کے حکم میں اس نوع کا معاملہ (سود) حرام ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر اس طرح کا معاملہ دارالاسلام کے مستامنین میں سے کسی کے ساتھ کیا تو ناجائز رہے گا تو دارالحرب میں اس طرح کا معاملہ کرنے کا بھی یہی حکم ہے (جو دارالاسلام میں ہے)۔

❁❁❁

قرض خواہ سے نفع کا مطالبہ کرنا

سوال نمبر (268):

اگر کوئی شخص کسی سے قرض رقم لے کر کاروبار میں لگائے اور دینے والا منافع کی شرط لگا کر منافع لینے کا مطالبہ کرے تو قرض خواہ کے لیے منافع لینا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے اگر کوئی شخص کسی سے کاروبار کے لیے رقم لے کر قرض دہندہ اس میں محض نفع کا مطالبہ کرے تو یہ سود کے زمرے میں داخل ہو کر اصولِ صریحہ کے مخالف ہے جو ناجائز ہے، تاہم اس کی جائز اور بہتر صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس رقم کو کاروبار میں مضاربت کے طور پر شامل کر کے سرمایہ کے بقدر اس میں نفع ونقصان کے لحاظ سے شریک ہو جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

لما روي عن رسول اللهﷺ أنه نهى عن قرض جر نفعاً ،ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا، والتحرز عن حقيقة الربا،وعن شبهة الربا واجبٌ .(١)

ترجمہ: کیونکہ رسول اللہﷺ سے منقول ہے کہ آپﷺ نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جو کسی قسم کا نفع کھینچے اور حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مشروط زیادتی سود کے مشابہ ہے...... حالانکہ حقیقی سود یا جس چیز میں سود کا شبہ ہو ان دونوں سے احتراز کرنا واجب ہے۔

---

(١) بدائع الصنائع ،كتاب القرض ،فصل في الشروط: ١٠/ ٥٩٨

سودی قرضہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال نمبر(269):

میرا بھائی بہت زیادہ مقروض ہے۔قرض لینے کے چند دن بعد قرض خواہ نے اپنے پیسے واپس لینے کا مطالبہ کردیا، چونکہ اس وقت ہم تنگ دستی کے شکار تھے،اس لیے مجبوراً بھائی نے اپنی یونیورسٹی سے قرضہ لیا۔جس کے طریقہ کار میں بارہ فیصد (12٪) منافع لیا جائے گا،یعنی میرے بھائی کو ایک لاکھ پچاس ہزار روپے ملیں گے اور وہ ایک لاکھ اٹھاسٹھ ہزار روپے جمع کرے گا۔پھر یہی منافع (اٹھارہ ہزار روپے) یونیورسٹی والے ان تمام ملازمین پر تقسیم کریں گے، جو کلاس فور کے ملازم ہوں، جب کہ یونیورسٹی والے ان میں سے کچھ بھی نہیں لیتے۔برائے مہربانی ہمیں درج ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

(۱)......کیا یہ طریقہ سود میں شمار ہوگا؟

(۲)......اگر سود ہے تو قرض دار لوگوں کا لینا اور اس کا استعمال کیسا ہے؟

(۳)...... میرا بھائی اس رقم سے میرے ذریعے کاروبار کا خواہش مند ہے اور رقم کی واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا۔کیا میرے لیے یہ رقم استعمال کرنا جائز ہے؟

(۴)......اگر میں اس سے کہہ دوں کہ:''اس رقم سے مجھے قرض دو، میں اس سے اپنا کاروبار شروع کردوں گا اور بعد میں یہ رقم تھوڑی تھوڑی واپس کردوں گا''۔تو اس صورت میں میرے لیے اپنے بھائی سے رقم لینا اور کاروبار شروع کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱)......واضح رہے کہ موجودہ دور میں سود کی ترویج میں مرکزی کردار بینکوں کا ہے۔بینکوں سے لوگ اس شرط پر قرضہ لیتے ہیں کہ واپسی کے وقت اس پر فی صدی کے حساب سے منافع بھی دیں گے اور یہ سود ہے۔اس وجہ سے فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ جس قرضہ پر نفع حاصل ہو وہ سود میں شمار ہوگا۔

مسئولہ صورت میں آپ کے بھائی نے جو قرضہ یونیورسٹی سے لیا ہے۔اس شرط کے ساتھ لیا ہے کہ واپسی بارہ فیصد 12٪ منافع کے حساب سے ہوگی جو کہ سود ہے اور شریعت مطہرہ کی رو سے سود کی حرمت قطعی اور یقینی ہے،اس وجہ

سے کسی جائز طریقہ سے یہ قرضہ اُتار کر کوئی متبادل انتظام کرنا چاہیے۔

معاملات میں آپ کے بھائی کی شرکت کی وجہ سے سود کی حقیقت نہیں بدلتی۔ چاہے آپ کا بھائی اس کے واپس کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا نہیں، اس سے سودی معاملہ کے حکم پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۲)......سود کی لعنت اور قباحت کو دیکھتے ہوئے یہی متصور ہوتا ہے کہ مجبوری کی حالت میں رہتے ہوئے بھی اس سے اپنا دامن پاک رکھنا چاہیے، تاہم اگر کوئی سود پر قرضہ لے اور پھر اس رقم کو استعمال میں لائے تو مرخص ہے، البتہ سودی معاملہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے گناہ گار ضرور ہوگا۔

(۳)......سودی قرضہ لینے والے سے وہ رقم لے کر اس کو استعمال کرنا اور اس سے کاروبار چلانا جائز ہے اور اس پر جو نفع حاصل ہو وہ حلال ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ کسی ایسے ذریعے سے قرض لے کر کاروبار چلانا چاہیے جو حلال ہو

(۴)......سودی قرضہ لینے والے سے یہ رقم قرضے پر حاصل کرنا جائز ہے، خواہ یک مشت والی صورت طے ہو یا قسط وار، لیکن اس میں بہتر صورت یہی ہے کہ ایسے معاملات سے احتراز کیا جائے، جن میں سود کی بُو تک پائی جاتی ہو، تاکہ سودی معاملات کی حوصلہ شکنی ہو۔ اس وجہ سے کسی اور ذریعہ سے قرضہ لے کر کاروبار چلانا بہتر رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

لما روي عن رسول الله ﷺ أنه نهى عن قرض جر نفعاً ،ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا، والتحرز عن حقيقة الربا،وعن شبهة الربا واجبٌ .(۱)

ترجمہ: کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جو کسی قسم کا نفع کھینچے اور حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مشروط زیادتی سود کے مشابہ ہے...... حالانکہ حقیقی سود یا جس چیز میں سود کا شبہ ہو ان دونوں سے احتراز کرنا واجب ہے۔

عن جابرؓ :قال : لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا،وموكله،وكاتبه،وشاهديه،وقال:هم سواء.(۲)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ''حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ''یہ سب برابر ہیں''۔

(۱) بدائع الصنائع ، كتاب القرض ،فصل في الشروط: ۵۹۸/۱۰

(۲) الصحيح للمسلم ، كتاب البيوع ،باب الربوا : ۲۷/۲

بیوہ عورت کا لوگوں سے قرض پر سود وصول کرنا

سوال نمبر(270):

ایک بیوہ عورت ہے جو اپنے شوہر کی ساری جمع پونجی میں سے بعض لوگوں کو قرض دے کر اس کا سود وصول کر رہی ہے، جب کہ بعض رقم بینک میں رکھ کر اس کا منافع کھا رہی ہے۔اس کا زیادہ تر گزران اپنے پیسوں پر ہو رہا ہے۔ اس عورت کے دیور، بھائی اور دوسرے رشتہ دار اس کے ساتھ کوئی خاص تعاون نہیں کرتے اور اس عورت کے کمائی کے قابل بڑے بیٹے بھی نہیں۔مذکورہ عورت اور اس کی اولاد کے لیے اس رقم کا استعمال کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت نے سود کے کاروبار اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے،خواہ یہ کاروبار کے ساتھ متعلق ہو یا قرض دے کر اس سے وصول کر رہا ہو۔

مسئولہ صورت میں بیوہ عورت کا سودی رقم کے علاوہ اگر چہ دوسرا کوئی متبادل آمدنی کا ذریعہ نہیں،لیکن جو رقم وہ بینک میں رکھ کر یا قرض دے کر سود لیتی ہے،اس کو چاہیے کہ مضاربت یا مشارکت شروع کرا کر سود کے عذاب سے نجات کے ساتھ نفع بھی حاصل کرے۔

والدلیل علی ذلک:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾. (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو۔

﴿ یاایها الذین امنوا اتقوا اللّٰه و ذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین. فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰه ورسوله﴾. (۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم نہ کرو گے (یعنی منع نہ ہوں گے) تو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

(۱) البقرة /۲۷۵

(۲)البقرة /۶۷۸،۶۷۹

وکلا گروپ انشورنس

سوال نمبر(271):

وکلا کی بار کونسل نے انشورنس کارپوریشن کے ساتھ گروپ انشورنس اسکیم کے تحت وکلا کی انشورنس پالیسی لی، جس کی پہلی قسط بار کونسل ادا کرے گی۔اس کے بعد سالانہ قسط وکلا خود ادا کریں گے۔کیا شرعی نقطہ نظر سے یہ پالیسی جائز ہے؟واضح رہے کہ اس اسکیم میں شامل ہونے کے بارے میں وکلا کو اختیار دیا گیا ہے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

دورِ حاضر میں بیمہ کی جتنی بھی شکلیں ہیں،ان میں سود کا عنصر شامل ہونے کہ وجہ سے ناجائز ہیں۔اس کے علاوہ بیمہ میں جوا اور بعض دوسرے ناجائز امور بھی شامل ہیں جو اس کے ناجائز ہونے کو اور موکد بنا دیتے ہیں۔

مسئولہ صورت میں مذکورہ وکلا کی بار کونسل کا انشورنس کارپوریشن کے ساتھ گروپ انشورنس اسکیم کی تفصیل سے ہم آگاہ نہیں،لیکن انشورنس سے وابستگی کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز ہے،لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

لما روي عن رسول اللّٰہ ﷺ: أنه نهى عن قرض جر نفعاً ،ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا، والتحرز عن حقيقة الربا،وعن شبهة الربا واجبٌ .(١)

ترجمہ: کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جو کسی قسم کا نفع کھینچے اور حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مشروط زیادتی سود کے مشابہ ہے......حالانکہ حقیقی سود یا جس چیز میں سود کا شبہ ہو ان دونوں سے احتراز کرنا واجب ہے۔

سودی مال قبول کرنا

سوال نمبر(272):

اگر کوئی شخص سودی رقم بلا نیت ثواب کسی کو دے دے تو کیا لینے والے کے لیے اس رقم کا استعمال جائز ہے؟

---

(١) بدائع الصنائع ،کتاب القرض،فصل في الشروط: ١٠/٥٩٨

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ملک کی تبدیلی سے عین بھی بدل جاتا ہے،یعنی ایک ہی مال جب ایک کی ملک میں ہوتو اس کا حکم ایک ہوگااور جب دوسرے کی ملک میں آجائے تو اس کا حکم تبدیل ہوجائے گا۔حرام مال چونکہ واجب التصدق ہوا کرتا ہےاوراس کو بلانیتِ ثواب دیناضروری ہوتا ہے،اس لیے لینے والے کے لیےاس میں کوئی حرج نہیں۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر کوئی شخص سود کا مال بلانیتِ ثواب کسی کو دینا چاہے تو اس کے لینےاوراستعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

سمع أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال :أهدت بريرة إلى النبي ﷺ لحماً تصدق به عليها، فقال هو لها صدقة ،ولنا هدية .(۱)

ترجمہ:

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:''حضرت بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کچھ گوشت صدقہ دیا گیا تھا،انھوں نے وہ رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا:''گوشت بریرہ کے لیے صدقہ تھااور ہمارے لئے ہدیہ ہے''۔

❁❁❁

مساجد کا بیمہ کرانااوران میں بیمہ کی رقم خرچ کرنا

سوال نمبر(273):

باہرممالک میں مساجد کا بیمہ کرایا جاتا ہےاورگرنے یاکسی دوسرے نقصان کی صورت میں بیمہ کی رقم سے اس کی تعمیر کی جاتی ہے۔بیمہ کی رقم سے مسجد کی تعمیر کر کےان ہی مساجد میں نماز پڑھنے کا کیاحکم ہے،جب کہ مساجد کو بیمہ کرانے میں اختیار ہو؟

بینوا توجروا

---

(۱) الصحیح لمسلم ،کتاب الزکاۃ،باب اباحة الهدية للنبي ﷺ:۱/۳٤٥

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر مساجد کو ملکی قانون کے تحت بیمہ کرانا لازمی قرار دیا گیا ہو اور بغیر بیمہ کے حکومت کسی بھی صورت میں اجازت نہ دے رہی ہو تو اس صورت میں مجبوری کے تحت مساجد کا بیمہ کرانا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہوگا، لیکن اگر حکومت کی طرف سے اختیار ہو اور یہ یقین ہو کہ گورنمنٹ (حکومت) مسجدوں کی تعمیر میں حرام مال لگا رہی ہے تو پھر مساجد کا بیمہ کرانا اور ان کی تعمیر میں بیمہ کی رقم لگانا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

الضرورات تبیح المحظورات .(۱)

ترجمہ: ضرورتیں ممنوع اشیا کو مباح کر دیتی ہیں۔

إذا زال المانع ،عاد الممنوع .(۲)

ترجمہ: جب مانع (ممنوع کو مباح کرنے والا) زائل ہو جائے تو ممنوع (حرمت کا حکم) لوٹتا ہے۔

❀❀❀

سودی رقم ناجائز ٹیکسوں میں دینا

سوال نمبر (274):

موجودہ دور میں ٹیکس کا جو نظام رائج ہے جسے اکثر ناجائز طریقوں سے عائد کیا جاتا ہے۔ کیا سودی رقم ان ٹیکسوں میں دی جا سکتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ٹیکس موجودہ حکومت کی بنیادی ضرورت ہے جو بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت جائز ہے، اگر حکومت اس نظام میں ظلم کرے تو گناہ گار ہوگی اور اس کا وبال حکومت ہی پر ہوگا، تاہم اس میں یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ حکومت نے ناجائز ٹیکس کتنا لگایا ہے۔ ٹیکس کا نظام حکومت چلانے کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ اگر حکومت ناجائز ٹیکس

(۱) شرح المجلة،لسلیم رستم باز،المادة:۲۱،ص/۲۹

(۲) شرح المجلة،لسلیم رستم باز،المادة:۲٤،ص/۳۰

لگائے اور اس کی وصولی بجائے حق دار کے عوام سے کرتی ہے تو یہ صحیح نہیں اور اس کا وبال حکومت پر ہوگا۔ جہاں تک ان ٹیکسز میں سودی رقم دینے کا مسئلہ ہے تو حکومتی ٹیکسوں میں دینا درست نہیں، بلکہ سودی رقم کو بلانیتِ ثواب فقرا کو دینا چاہیے، کیونکہ ٹیکس ادا کرنا ایک قومی ذمہ داری ہے اور سودی مال کی ادائیگی شرعی ذمہ داری ہے جس کی ادائیگی صدقات واجبہ کی طرح ہے، لہذا سودی رقم ٹیکس میں دینا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجب . (١)

ترجمہ:

جو کام (شرعاً) گناہ نہ ہو، اس میں حاکم کی اطاعت واجب ہے۔

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه. (٢)

ترجمہ: اور حاصل یہ کہ اگر اس (مال حرام) کے مالک معلوم ہوں تو ان کو واپس لوٹانا واجب ہے، البتہ اگر (مالک معلوم نہ ہوں) اور ان کو پتہ چلا کہ یہ مال عین حرام ہے، تو اس کے لیے حلال نہیں اور اس مال کو اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کرے گا۔

❀❀❀

سود کے ذریعہ قرض وصول کرنا

سوال نمبر (275):

ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ پانچ ہزار (5000) روپے قرض ہے، جب کہ مقروض قرض ادا کرنے سے قاصر ہے، اگر قرض خواہ مقروض کو مزید قرض دے دے اور اس پر سود مقرر کر کے اپنا قرضہ وصول کرے تو کیا یہ ازروئے شریعت جائز ہوگا؟

بیّنوا توجروا

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين، مطلب تجب طاعة الامام فيماليس بمعصية : ٥٣/٣

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ٣٠١/٧

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں چونکہ فریقین کے درمیان سودی معاملہ ہے،جس کا حرام ہونا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے، بلکہ سود دینے والا اور لینے والا دونوں موردِ لعنت اور عذاب الٰہی کے مستحق ہیں،لہٰذا محررہ صورت میں چونکہ قرض کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے،جو کہ جائز نہیں،اس لیے اس سے اجتناب واجب ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

لما روي عن رسول اللہ ﷺ: أنه نهى عن قرض جر نفعاً ،ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا، والتحرز عن حقيقة الربا،وعن شبهة الربا واجبٌ .(۱)

ترجمہ:

کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جو کسی قسم کا نفع کھینچے اور حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مشروط زیادتی سود کے مشابہ ہے......حالانکہ حقیقی سود یا جس چیز میں سود کا شبہ ہو ان دونوں سے احتراز کرنا واجب ہے۔

❁❁❁

خودانحصاری سودی اسکیم

سوال نمبر(276):

حکومت کی طرف سے خودانحصاری اسکیم کا اجرا کیا گیا ہے جس میں حاجت مند اور بے روزگار افراد کے لیے 8٪ سود کے حساب سے قرضہ دیا جاتا ہے۔شریعت کی رو سے ایک حاجت مند شخص کے لیے یہ قرض لینا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ذکر کردہ سوال کے مطابق اگر حکومت کی طرف سے خودانحصاری اسکیم کے تحت آٹھ فیصد 8٪ سود کے حساب سے حاجت مند لوگوں کو قرضہ دیا جاتا ہو تو چونکہ یہ اسکیم اور معاملہ سودی لین دین پر موقوف ہے جو شریعت کی نصوص سے متصادم ہے،اس لیے جائز نہیں۔

(۱) بدائع الصنائع ،کتاب القرض،فصل في الشروط: ۵۹۸/۱۰

والدّلیل علی ذلك:

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ ﷺ آکل الربوا، وموکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء.(۱)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ”حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ”یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں“۔

۞۞۞

گندم اور آٹا کا تبادلہ

سوال نمبر (277):

ایک شخص نے دکان دار کو ایک من گندم دے کر اس کے بدلہ میں ایک من آٹا لیا۔ کیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے شارع کی طرف سے جو چیزیں مکیلی ہیں، وہ ہمیشہ مکیلی رہیں گی اور جو چیزیں موزونی ہیں، وہ ہمیشہ موزونی رہیں گی، تاہم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان اشیا میں عرف کا اعتبار ہوگا اور فرماتے ہیں کہ نص حضور ﷺ کے زمانے تک خاص تھا اور نص کی وجہ سے ایک عرف بنا تھا۔ جب عرف بدل گیا تو اس کی وجہ سے حکم بھی بدل جاتا ہے، تاہم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عرف سے عرف طاری مراد ہے جو کہ معارض نص نہیں۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نص عرف کے لیے معلول ہے، لہٰذا ہر زمانے میں معتبر ہوگا۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق گندم کا آٹا کے ساتھ تبادلہ مساوی طور پر، یعنی ایک من گندم کے مقابلے میں ایک من آٹا لینا جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

(وما نص) الشارع (علی کونه کیلیا) کبر وشعیر وتمر وملح (أو وزنیاً) کذهب وفضة (فهو

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲۷/۲

كذلك) لايتغير (أبداً ،فلم يصح بيع حنطةٍ بحنطةٍ وزنا ،كما لو باع ذهباً بذهبٍ أو فضةٍ بفضةٍ كيلاً ولو (مع التساوي) ؛لأن النص أقوى من العرف ،فلا يترك الأقوى بالأدنى .قال ابن عابدينؒ:ولا يخفى أن هذا لا يلزم أبايوسف ؛لأن قُصاراه أنه كنصه على ذلك ،وهو يقول : يصار إلى العرف الطاري بعد النص بناء على أن تغير العادة يستلزم تغير النص ،حتى لو كان صلى الله عليه وسلم حياً نص عليه.(۱)

ترجمہ: اور جس کے کیلی ہونے پر شارع علیہ السلام سے نص موجود ہو، جیسے: گندم، جو، کھجور اور نمک یا وزنی ہونے پر (شارع علیہ السلام) سے نص وارد ہو، جیسے: سونا اور چاندی تو یہ ہمیشہ کے لیے اسی طرح رہیں گے، تبدیل نہیں ہوں گے۔ سو گندم کی گندم کے عوض وزن کے ساتھ بیع جائز نہیں۔ جیسا کہ اگر سونے کی سونے کے عوض یا چاندی کی چاندی کے عوض کیلا بیع کی جائے (تو وہ بھی صحیح نہیں) اگر چہ برابری کے ساتھ ہو۔ یہ اس لیے کہ نص عرف سے زیادہ قوی ہے تو زیادہ قوی کو ادنیٰ کے مقابلہ میں ترک نہیں کیا جائے گا۔۔۔۔۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ امام ابویوسفؒ پر لازم نہیں آتا، اس لیے کہ اس کا مقرر ہونا ایسا ہے جیسا کہ اس پر نص وارد ہوئی ہو اور فرماتے ہیں کہ یہ عرف کے ہوتے ہوئے نص کے واقع ہونے کی طرح ہے، کیوں کہ عرف وعادت کی تبدیلی نص کی تبدیلی کو مستلزم ہے، یہاں تک کہ اگر حضورﷺ زندہ ہوتے تو اس پر حکم صادر فرماتے۔

فکسڈ ڈپازٹ کا سود

سوال نمبر(278):

ایک شخص نے بینک کے فکسڈ ڈپازٹ میں رقم رکھی ہے۔ اب بینک اس پر سود دے رہا ہے۔ کیا یہ شخص اس سود کو بینک ہی میں چھوڑ دے یا وصول کر کے صدقہ کر دے؟ برائے مہربانی شرعی حل سے آگاہ فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص کسی فرد یا ادارہ کو سود پر قرض دے دے تو شرعاً اس پر لازم ہے کہ وہ مقروض سے صرف اپنی اصل رقم وصول کرے اور سود کی رقم حاصل نہ کرے، تاہم اگر کسی نے اصل رقم کے ساتھ سود بھی وصول کر لیا ہو تو اس پر لازم ہے

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب البیوع، باب الربوا: ۷/ ۴۰۸-۴۱۰

کہ وہ مقروض کو سود کی رقم لوٹا دے، البتہ اگر اصل مقروض معلوم نہ ہو یا اس کو رقم لوٹانا کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں مال حرام سے ذمہ فارغ کرنے کے لیے اس کو بلانیتِ ثواب مستحقین زکوٰۃ پر صدقہ کرے۔

مسئولہ صورت کے مطابق اگر کسی نے بینک کے فکسڈ ڈپازٹ میں رقم رکھی ہو اور بینک مقررہ وقت پر رقم بمع سود واپس کردے تو اصل قاعدہ کے مطابق اس پر لازم ہے کہ سود کی رقم بینک سے حاصل نہ کرے یا اگر حاصل کی ہو تو واپس لوٹادے۔

لیکن بینکنگ کے ماہر اہل کار سے معلومات کے مطابق یہ اضافی رقم بینک کو لوٹانا ممکن نہیں، کیوں کہ بینک میں کوئی ایسا کھاتا نہیں، جس میں یہ رقومات جمع کی جاسکتی ہوں، عموماً یہ رقم بینک کی بجائے بینک کے کارندے ہڑپ کرلیتے ہیں، لہٰذا بہتر صورت یہ ہے کہ سودی رقم وصول کرکے مستحقین زکوٰۃ پر بلانیتِ ثواب صدقہ کردی جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾.(۱)

ترجمہ: اور تمہارے لیے اپنے اصل مال لینا جائز ہے (اور زیادہ نہیں لینا چاہیے) تاکہ نہ تم ظالم بنو اور نہ مظلوم۔

والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله.(۱)

ترجمہ:

حرام مال سے جان چھڑانے کا طریقہ اس کو واپس کرنا ہے، اگر مالک معلوم ہو اور صدقہ کرنا ہے اگر مالک معلوم نہ ہو، تاکہ مالک کو اس کے مال کا نفع حاصل ہوجائے۔

❁❁❁

P-L-S اکاؤنٹ میں رقم رکھنا

سوال نمبر(279):

میرا بینک میں Profit and Loss اکاؤنٹ ہے جس پر عام طور سالانہ سود لگتا ہے، جب کہ میرے اس

(۱) ال عمران /۲۷۹

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهية، الباب الخامس عشر في الكسب :۵/۳۴۹

اکاؤنٹ میں سال بھرا تنے روپے جمع نہیں ہوتے کہ اس پر سود ملے یا اگر روپے ہوں تو وہ میں نکال لیتا ہوں۔ کیا اس صورت میں ایسا اکاؤنٹ استعمال کرنا جائز ہے، یعنی ماہانہ جو تنخواہ ملتی ہے، وہ اس اکاؤنٹ کے ذریعے سے ملتی ہے، وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے سود ایک ناجائز امر ہے، لہٰذا کوئی ایسا معاملہ جو سود پر مشتمل ہو واجب الاحتراز ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر واقعی بینک (Profit and Loss) اکاؤنٹ کے حوالے سے (باوجود یہ کہ وہ سود سے خالی نہیں) آپ کی رقم میں (اس بنیاد پر کہ وہ حسب سوال اتنی مقدار میں جمع نہیں ہوتی جسے بینک والوں نے سود کے لیے معیار قرار دیا ہے) کوئی سودی اقدام نہیں کرتا، بلکہ حکومت کی جانب سے فقط وکیل بن کر آپ تک تنخواہ پہنچانے کا فریضہ ہی سرانجام دیتا ہو، تب اس عبارت کے سیاق کے حوالے سے یہاں رقم رکھنا درست ہونے کا حکم لگانا چاہیے، البتہ کرنٹ اکاؤنٹ کھول کر احتیاط سے کام لے تو بہتر ہے اور کوشش کرنی چاہیے کہ ماہانہ تنخواہ کے لیے کرنٹ اکاؤنٹ کھولے۔ اگر مجبوری کی وجہ سے P.L.S اکاؤنٹ کے ذریعہ ماہانہ تنخواہ آتی ہو تو اس میں صرف اپنی تنخواہ استعمال کرتا ہے اور سود بلانیتِ ثواب صدقہ کرتا ہے۔

والدّلیل علی ذالک:

عن جابرؓ قال : لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا، وموکلہ، وکاتبہ، وشاھدیہ، وقال: ھم سواء.(۱)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ''حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ''یہ سب حکم میں برابر ہیں''۔

یصح أن یوکل واحد غیرہ في الأمور التي یجوز لہ أن یباشرھا بنفسہ، وبإیفاء واستیفاء کل حق متعلق بالمعاملات .(۲)

ترجمہ: وہ امور جو کہ آدمی کے لیے بذاتِ خود ان کا سرانجام دینا جائز ہو تو ان میں اپنے علاوہ کسی دوسرے کو وکیل بنانا بھی صحیح ہے۔ اسی طرح معاملات کے ساتھ متعلق ہر قسم کے حق کی ادائیگی اور وصولی کے لیے وکیل بنانا درست ہے۔

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲/۲۷

(۲) شرح المجلۃ، لسلیم رستم باز، المادۃ: ۱۴۵۹، ص/۷۷۶، ۷۷۷

اسٹیٹ لائف انشورنس میں رقم جمع کرنا

سوال نمبر(280):

بندہ اسٹیٹ لائف انشورنس کمپنی میں رقم جمع کرنا چاہتا ہے جو دس سال کی پالیسی ہے، کیا ازروئے شرع یہ جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

علماے کرام کی تحقیق کے مطابق اسٹیٹ لائف انشورنس کمپنی کی بنیاد سود پر ہے اور اس کے اہداف سودی معاملات کو فروغ دینا اور سود کے ذریعہ منافع کمانا ہے جو قرآن وحدیث کی صریح نصوص کے مطابق حرام اور ناجائز ہے لہٰذا اسٹیٹ لائف انشورنس میں کسی قسم کی پالیسی کے لیے رقم جمع کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ ﷺ آکل الربوا، وموکلہ، وکاتبہ، وشاھدیہ، وقال: ھم سواء.(۱)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ''حضورﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ''یہ سب حکم میں برابر ہیں''۔

❁❁❁

سودی مال قاری صاحب کو تنخواہ میں دینا

سوال نمبر(281):

میرا ایک دوست بینک میں منیجر ہے، وہ اپنی تنخواہ سے مسجد کے قاری صاحب کی تنخواہ ادا کرنا چاہتا ہے، کیا قاری صاحب کے لیے جائز ہے کہ وہ بینک منیجر سے تنخواہ وصول کرے؟

بینوا توجروا

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲/۲۷

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جو مال حرام اور ناجائز طریقہ سے حاصل کیا جائے، وہ اپنے مالک کو واپس لوٹانا واجب ہے، مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں فقراء پر بلانیتِ ثواب صدقہ کرنے کی راہ متعین ہے، کسی کارِ خیر یا واجب الاداحقوق میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ بینک منیجر کی تنخواہ سودی مال سے ہے، لہٰذا قاری صاحب کی تنخواہ سودی مال سے ادا کرنا جائز نہیں، اس کی بجائے کسی جائز اور حلال مال سے تنخواہ ادا کی جائے۔ اگر قاری صاحب کو حلال مال سے تنخواہ دینے کا بندوبست نہ ہو سکے تو اُنہیں کسی دوسری جگہ ملازمت اختیار کرنی چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، و بالتصدق إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله.(۱)

ترجمہ:

حرام مال سے جان چھڑانے کا طریقہ اس کو واپس کرنا ہے، اگر مالک معلوم ہو اور صدقہ کرنا ہے اگر مالک معلوم نہ ہو، تاکہ مالک کو اس کے مال کا نفع حاصل ہو جائے۔

قوله:(الحرام ينتقل) أي تنتقل حرمته، وإن تداولته الأيدي، وتبدلت الأملاك ....وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لايتعدى ذمتين. سألت عنه الشهاب ابن الشبلي فقال:هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك.(۲)

ترجمہ:

حرام منتقل ہوتا ہے، یعنی اس کی حرمت منتقل ہوتی ہے، اگرچہ ہاتھ بدل جائیں اور ملکیت تبدیل ہو---- اور جو بعض احناف سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ حرام دوذموں کی طرف متعدی نہیں ہوتا، اس کے بارے میں، میں نے شہاب شبلیؒ سے سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا: ''یہ علم نہ ہونے کی صورت پر محمول ہے''۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب:۵/۳۴۹

(۲) رد المحتار على الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب:الحرمة تتعدد، ۷/۳۰۰-۳۰۱

قومی بچت اسکیم کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(282):

آج کل اکثر شہروں میں قومی بچت اسکیم کے نام سے ایک ادارہ کام کر ہے جس میں لوگ بڑی بڑی رقوم جمع کرتے ہیں، ادارہ کی طرف سے رقم جمع کرنے والے کو سرٹیفیکیٹ دیا جاتا ہے، مہینہ گزرنے کے بعد یہ ادارہ جمع شدہ رقم کی مناسبت سے نفع دیتا ہے، جب کہ اصل رقم ادارہ کے پاس محفوظ ہوتی ہے، شرعی نقطۂ نظر سے اس ادارہ کے ساتھ یہ معاملہ کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سود کی وباعام کرنے کے لیے مختلف ناموں سے اسکیمیں وجود میں آئی ہیں۔ مسلمانوں کی غفلت ولا پرواہی، احساس ذمہ داری کے فقدان اور مذہبی معاملات میں تکاسل وسستی کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سود کے جال میں پھنس رہی ہے، ایسی صورت میں ہر مسلمان کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی اس سے تہی دامن رہے اور اپنے زیر اثر احباب کو اس کارِگناہ سے روکے۔ قومی بچت اسکیم چونکہ سودی معاملات پر مشتمل ہے، اس لیے اس میں پیسے دے کر اس پر منافع وصول کیا جاتا ہے جو کہ عین سود ہے، لہٰذا اس ادارہ میں پیسے جمع کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾. (١)

ترجمہ: اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

❁❁❁

جان کے خوف سے سودی قرض لینا

سوال نمبر(283):

زید کے ذمے خالد کا قرض ہے، لیکن زید کے پاس رقم نہیں، خالد نے زید کو قتل کرنے اور عزت پامال کرنے کی

(١) البقرة /٢٧٥

دھمکی دی ہے، ایسی صورت میں زید کے لیے بینک سے سودی قرضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

محض جان سے مارنے یا عزت پامال کرنے کی دھمکی کی بنا پر سودی قرضہ لینا جائز نہیں، البتہ اگر زید کو یقین ہو کہ خالد اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے پر قادر ہے تو اس صورت میں جان کے خوف کے پیش نظر بنک سے بقدرِ ضرورت قرضہ لینے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ خلاصی کی کوئی جائز صورت نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾.(١)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

فالضـ ـرة :بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع هلك، أوقارب ،وهذايبيح تناول الحرام.(٢)

ترجمہ:

ضرورت (انسان کا) اس درجہ مجبور ہونے کا نام ہے کہ اگر اس نے حرام نہیں کھایا تو وہ ہلاک ہو جائے گا یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے گا اور یہ صورت حرام کھانے کو جائز کر دیتی ہے۔

❁❁❁

سودی منافع سے خلاصی کا طریقہ کار

سوال نمبر (284):

ایک شخص سودی لین دین میں ملوث تھا، سود پر لوگوں کو پیسے دیتا تھا، کچھ مدت بعد اسے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، لیکن اس نے سودی کاروبار میں نفع کیا ہے۔ اب اس سودی مال کا مصرف کیا ہوگا؟

بیّنوا توجروا

(١) البقرة /٢٧٥

(٢) شرح الاشباه والنظائر ،القاعدة الخامسة الضرريزال ،ماابيح للضرورة يتقدربقدرها: ١/٢٥٢

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے ہر قسم کا سودی لین دین حرام ہے۔اس کی حرمت دین اسلام میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جب اس شخص نے سودی لین دین سے توبہ کرلی تو اس کے لیے صرف وہ پیسے اپنے تصرف میں لانا صحیح ہے جو اس نے لوگوں کو دیے تھے،اس رقم پر اس نے جو سود وصول کیا ہے تو وہ اپنے اپنے مالکوں کو واپس کرنا لازم ہے،مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں فقراپر بلانیتِ ثواب صدقہ کرنے کی راہ متعین ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾.(۱)

ترجمہ:

حالانکہ اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

والسبيل في المعاصي ردها،وذلك ههنابردالمأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله.(۱)

ترجمہ:

حرام مال سے جان چھڑانے کا طریقہ اس کو واپس کرنا ہے،اگر مالک معلوم ہو اور صدقہ کرنا ہے اگر مالک معلوم نہ ہو،تاکہ مالک کو اس کے مال کا نفع حاصل ہوجائے۔

❁❁❁

اسلامی بینکوں میں ملازمت

سوال نمبر(285):

آج کل ملک میں مختلف اسلامی بینک کھل چکے ہیں،ان اداروں میں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) البقرة/۲۷۵

(۲) الفتاوى الهندية،كتاب الكراهية،الباب الخامس عشر في الكسب :۳۴۹/۵

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

موجودہ حالات کے تناظر میں سودی یا دیگر ناجائز کاروبار کی حوصلہ شکنی اور اسلامی معیشت کو ترویج دینے کی نیت سے اسلامی بینک کام شروع کر چکے ہیں، اگر چہ ہر ایک اسلامی بینک کے نام سے کھلنے والے ادارے پر اعتماد ضروری نہیں، لیکن جس بینک کے قواعد وضوابط شرعی ہوں اور ان پر عمل کرایا جاتا ہو، اس کی نگرانی کے لیے با اعتماد سپروائزری کمیٹی ہوتو ایسے بینک میں ملازمت کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾. (١)

ترجمہ: اور آپس میں نیک کام اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

"الأمور بمقاصدها" يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر. (٢)

ترجمہ:

تمام کاموں کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہے، یعنی اس کام سے جو مقصود ہو، حکم اسی مقصود کے مقتضی کے مطابق مرتب ہوگا۔

بینک انٹرسٹ کا مصرف

سوال نمبر (286):

اگر کوئی شخص سودی اکاؤنٹ میں پیسے رکھے، کچھ عرصہ بعد اسے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، اب وہ اپنے پیسے سودی اکاؤنٹ سے نکالنا چاہتا ہے، اس صورت میں وہ صرف اپنے پیسے بینک سے نکالے یا اس پر حاصل شدہ نفع بھی نکال کر کسی کارِ خیر میں صرف کرے؟ شرعی نقطۂ نظر سے مسئلہ کا حل بتائیں۔

بیّنوا توجروا

(١) المائدة / ٢

(٢) شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ٢، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ١٣/١

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سود پر حاصل شدہ نفع کو بینک میں چھوڑنا سودی کاروبار کوتقویت دینے کے مترادف ہے،لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کونکال کر بلانیتِ ثواب فقرامیں تقسیم کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾.(۱)

ترجمہ:

اورآپس میں نیک کام اور پرہیزگاری پرایک دوسرے کی مدد کرو۔

والسبيل في المعاصي ردها وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله.(۲)

ترجمہ:

حرام مال سے جان چھڑانے کا طریقہ اس کو واپس کرنا ہے،اگر مالک معلوم ہواور صدقہ کرنا ہے اگر مالک معلوم نہ ہو،تاکہ مالک کواس کے مال کا نفع حاصل ہوجائے۔

❁❁❁

گھر بنانے کے لیے سودی قرضہ لینا

سوال نمبر(287):

میں نے گھر بنانا شروع کیا،لیکن ابھی گھر میں کچھ کام باقی ہے،جس کے لیے تقریباً دولاکھ روپوں کی ضرورت ہے،جو میں بینک سے باآسانی لے سکتا ہوں اور سہولت کے ساتھ واپس بھی کرسکتا ہوں،لیکن بینک اس پر کچھ مخصوص رقم بطورِ سود وصول کرے گا،کیا میرے لیے اس حالت میں بینک سے سودی قرضہ لینا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) المائدة / ۲

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية ،الباب الخامس عشر في الكسب :۳۴۹/۵

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے قرض کی واپسی میں زیادتی کی شرط لگانا سود کے زمرے میں آتا ہے اور سودی لین دین کا اشد درجہ حرام ہونا کسی پر مخفی نہیں، شریعت میں ضرورت انسان کے اس درجہ مجبور ہونے کا نام ہے کہ اگر وہ حرام کا ارتکاب نہ کرے تو ہلاک یا ہلاکت کے قریب ہو جائے گا۔

صورتِ مسئولہ میں گھر بنانا اگرچہ انسان کی ضرورت ہے، لیکن اس پر اتنی رقم صرف کرنا یا اعلیٰ معیار کی تعمیر کرنا ایسی ضرورت نہیں جس کی وجہ سے انسان سودی لین دین کا ارتکاب کرے، لہذا گھر بنانے کے لیے سودی قرضہ لینا جائز نہیں، بلکہ قرض حسنہ یا کوئی اور جائز صورت اختیار کی جائے یا اپنی وسعت کے مطابق گھر تعمیر کر کے اس میں گذارہ کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

الضرورات تبیح المحظورات .... الضرورة تقدر بقدرها .فالضرورة: بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع هلك،أوقارب ،وهذايبيح تناول الحرام.(۱)

ترجمہ: ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔۔۔۔۔ضرورت اس کے بقدر جائز ہوگی۔ضرورت (انسان کا) اس درجہ مجبور ہونے کا نام ہے کہ اگر اس نے حرام نہیں کھایا تو وہ ہلاک ہو جایے گا یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے گا اور یہ صورت حرام کھانے کو جائز کر دیتی ہے۔

❀❀❀

غیر مسلم ممالک میں گھر خریدنے کے لیے سود پر رقم لینا

سوال نمبر(288):

بندہ عرصہ دراز سے آسٹریلیا میں مقیم ہے۔اب میرا یہاں پر گھر خریدنے کا ارادہ ہے، یہاں پر ملکی قانون یہ ہے کہ بینک کے ذریعہ سود لیے بغیر کوئی شخص گھر نہیں خرید سکتا، کیا میں اپنے گھر کی ضرورت کے لیے بینک سے سودی قرضہ لے سکتا ہوں؟

بیّنوا توجروا

(۱) شرح الاشباہ والنظائر ،القاعدة الخامسة الضرریزال ،مایبیح للضرورة یتقدربقدرها: ۲۵۲/۱

الجواب وباللہ التوفیق:

دین اسلام میں سود کی حرمت اظہر من الشمس ہے۔سودی لین دین جس طرح دارالاسلام میں جائز نہیں،اس طرح غیر مسلم ممالک میں بھی سودی لین دین حرام ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی کسی غیر مسلم ملک میں سود کے بغیر رہائش کے لیے ملکیت کے طور پر مکان نہیں ملتا توکسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ضرورت کو آڑ بنا کر سود کا ارتکاب کرے،کیوں کہ ضرورت کرایہ کے مکان میں بھی پوری ہوسکتی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إن حرمة الربا كماهي ثابتة في حق المسلمين ، فهي ثابتة في حق الكفار ؛لأنهم مخاطبون بالحرمات في الصحيح من الأقوال.(١)

ترجمہ: سود کی حرمت جس طرح مسلمانوں کے حق میں ثابت ہے،اسی طرح کفار کے حق میں بھی ثابت ہے،کیوں کہ صحیح قول کے مطابق کفار بھی محرمات کے مخاطب ہیں۔

ولاربا بين المولى وعبده ....ولابين المسلم والحربي في دارالحرب هذا قولهما،وقال أبويوسفؒ:يثبت بينهما الربا في دارالحرب .(٢)

ترجمہ: آقا اور غلام کے مابین ربا نہیں۔۔۔۔۔۔اور (اسی طرح) مسلمان اور حربی کافر کے درمیان سود نہیں ہوتا یہ طرفین (امام ابوحنیفہ،امام محمد رحمہما اللہ) کا قول ہے۔امام ابویوسفؒ نے فرمایا:''مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں بھی سودی معاملہ ثابت ہوتا ہے'' (لہٰذا دارالحرب میں سود جائز نہیں)۔

❁❁❁

موٹر سائیکل کے حصول کے لیے سودی قرضہ لینا

سوال نمبر(289):

سرکاری ملازمین بینک کے توسط سے جب موٹر سائیکل خریدتے ہیں تو بینک کی طرف سے ان کو اسی (۸۰)

---

(١) بدائع الصنائع ،كتاب البيوع ،فصل في شرائط جريان الربا:٨٠/٧

(٢) الفتاوى الهندية،كتاب البيوع،الباب التاسع فيمايجوز بيعه ومالايجوز ،الفصل السادس فى تفسيرالربا :١٢١/٣

ہزار روپے بطورِ قرض ملتے ہیں، لیکن واپسی پر ایک خاص شرح سے سود دینا پڑتا ہے، کیا ضرورت کے پیش نظر بینک سے اس طرح کا سودی معاملہ کرنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

دینِ اسلام کی رُو سے سودی معاملہ کرنا اشد درجہ حرام ہے، اس کی شناعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سودی لین دین کرنا تو در کنار سودی معاملہ لکھنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے، تاہم جہاں کہیں انسان کو عذر لاحق ہو جائے تو ضرورت کی بنا پر بقدرِ ضرورت سودی معاملہ کرنا مرخص ہے، جب کوئی دوسرا حلال ذریعہ نہ ہو۔ شریعت میں ضرورت واضطرار انسان کے اس درجہ مجبور ہونے کو کہا جاتا ہے کہ اگر وہ اس حالت میں حرام کا ارتکاب نہ کرے تو ہلاک ہو جائے یا ہلاکت کے قریب ہو جائے۔

مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر موٹر سائیکل سرکاری ملازمین کی ایسی ضرورت نہیں کہ اس کے بغیر ان کے لیے اپنے جان اور مال کی حفاظت ممکن نہ ہو، لہٰذا سودی معاملہ کرنا مرخص نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن جابرؓ قال : لعن رسول اللّٰہ ﷺ آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء.(۱)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ”حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ”یہ سب حکم میں برابر ہیں“۔

فالضرورة: بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع هلك، أو قارب، وهذا يبيح تناول الحرام.(۲)

ترجمہ:

ضرورت (انسان کا) اس درجہ مجبور ہونے کا نام ہے کہ اگر اس نے حرام نہیں کھایا، تو وہ ہلاک ہو جایے گا یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے گا اور یہ صورت حرام کھانے کو جائز کر دیتی ہے۔

(۱) الصحيح للمسلم، كتاب البيوع، باب الربوا: ۲/۲۷

(۲) شرح الاشباه والنظائر، القاعدة الخامسة الضرر يزال، مالبيح للضرورة بتقدر بقدرها: ۱/۲۵۲

بینک سے پندرہ مہینوں کی تنخواہ ایڈوانس لینا

سوال نمبر(290):

میری منگنی ہو چکی ہے۔ سسرال والے شادی کی جلدی کر رہے ہیں، فی الحال میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے جس سے میں شادی کے اخراجات پورے کرسکوں، کیوں کہ میری تنخواہ مبلغ چھ ہزار روپے ہے۔ نیشنل بینک آف پاکستان نے ایک اسکیم شروع کی ہے جو ملازمین کو پندرہ مہینوں کی تنخواہ ایڈوانس گیارہ فی صد شرح سود کے ساتھ دیتی ہے، کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنی شادی کے لیے بینک سے پندرہ مہینوں کی تنخواہ وصول کروں؟ جب کہ شادی کرنا بھی ایک سنت عمل ہے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ کے حرام ہونے میں کسی ذی شعور مسلمان کا شک نہیں ہوسکتا، سود لینا تو درکنار سودی معاملہ لکھنے والا بھی شریعت کی نظر میں موجب لعنت ہے۔

شادی کرنا واقعی سنت نبوی ہے، لیکن یہ کہاں کی دانش مندی ہے کہ کسی سنت عمل کے لیے انسان حرام کا مرتکب ہو کر اپنی عاقبت خراب کرے۔ شادی میں بے جا خرچہ کرنا ضروری نہیں، آپ مقامی بزرگوں اور علمائے کرام کا سہارا لے کر اپنے سسرال والوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کریں، ورنہ قرض حسنہ یا کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کریں جس سے آپ کا مسئلہ حل ہو جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن جابرؓ قال : لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا، وموکله، وکاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (۱)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ''حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ''یہ سب حکم میں برابر ہیں''۔

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲/ ۲۷

بینک کے ذریعہ قسط وار خریداری کرنا

سوال نمبر(291):

ایک آدمی کسی کمپنی یا دکان دار سے کوئی چیز خریدتا ہے اور اس کی طرف سے ادائیگی بینک کرتا ہے۔ بعد میں یہ آدمی بینک کو یہ رقم قسطوں میں اصل رقم سے زائد ادا کرتا ہے، کیا اس صورت میں یہ زائد ادائیگی سود میں داخل ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ کنونشنل بینکوں کے اکثر معاملات میں کسی نہ کسی درجہ میں غیر شرعی ارتکاب ہوتا ہے جس کی وجہ سے بینک کے ساتھ معاملات میں اطمینان مشکل ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر متعلقہ چیز بینک کی ملکیت ہو اور بینک اس کو قسط وار اصل رقم سے زائد پر فروخت کرتا ہو تو زائد رقم وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر بینک کی ملکیت ثابت نہ ہو تو پھر زیادہ رقم وصول کرنا جائز نہیں، کیوں کہ اس صورت میں یہ قرض کا معاملہ ہے اور قرض پر زیادتی وصول کرنا سود ہے، جو بنصِ قرآن حرام اور ناجائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾.(۱)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصدا.(۲)

ترجمہ:

اور مدت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی جا سکتی ہے، جب مدت قیمت کے مقابلہ میں قصداً ذکر کی جائے۔

❁❁❁

(۱) البقرة /۲۷۵

(۲) البحر الرائق ،كتاب البيع ،باب المرابحة والتولية :۱۹۱/۶

بنوولنٹ فنڈ سے قرضہ لینا

سوال نمبر(292):

سرکاری ملازمین کو بنوولنٹ فنڈ سے قرضہ ملتا ہے اور اس قرضہ پر رقم کے حساب سے زیادہ وصولی کی جاتی ہے، مثلاً: کسی ملازم نے دو لاکھ قرضہ لیا تو اس سے ماہانہ اقساط کے حساب سے یہ قرضہ وصول کیا جاتا ہے اور اس پر پانچ فی صد زیادہ وصول کیا جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص ایک لاکھ پچاس ہزار روپے وصول کرے تو اس سے چار فی صد زیادہ وصول کیا جاتا ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے یہ واضح کریں کہ کسی سرکاری ملازم کے لیے اس فنڈ سے قرضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

دینِ اسلام کی رُو سے نہ صرف سودی معاملہ کرنے والا موجبِ لعنت ہے، بلکہ اس کے لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والے بھی حدیثِ نبوی کی رُو سے موجبِ لعنت ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں بنوولنٹ فنڈ سے سرکاری ملازم کو جو قرضہ دیا جاتا ہے اور پھر اس کی وصولیابی پانچ یا چار فی صد اضافہ کے ساتھ کی جاتی ہے تو یہ سود کے زمرے میں آتا ہے اور شریعتِ مطہرہ کی رُو سے ہر قسم کا سودی معاملہ کرنا حرام ہے، لہٰذا مذکورہ فنڈ سے قرضہ لینا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾.(۱)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ ﷺ آکل الربوا، وموکلہ، وکاتبہ، وشاھدیہ، وقال: ھم سواء.(۲)

---

(۱) البقرۃ/۲۷۵

(۲) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲/۲۷

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ''حضورﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ''یہ سب حکم میں برابر ہیں''۔

❁❁❁

بینک میں چوکیداری کرنا

سوال نمبر (293):

میں پندرہ سال سے بینک میں چوکیداری کر رہا ہوں، دین کے ساتھ رغبت بھی ہے، لیکن میرے پانچ بچے ہیں۔ کیا میرے لیے موجودہ حالات میں بینک کی نوکری کرنا جائز ہے یا اللہ پر توکل کر کے نوکری چھوڑ دوں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ بینک میں جو کاروبار ہوتے ہیں، ان میں زیادہ تر سودی معاملات ہوتے ہیں اور دینِ اسلام میں سود کا اشد درجہ حرام ہونا کسی پر مخفی نہیں۔ سود لینا تو درکنار سودی معاملات لکھنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے، تاہم بینک میں بعض شعبے ایسے ہیں جو سود میں بالواسطہ شامل نہیں ہوتے جس کی بنا پر وہ مذکورہ وعید میں شامل نہیں، من جملہ ان شعبوں میں چوکیداری کا شعبہ بھی شامل ہے، اگر سائل صرف چوکیداری کر رہا ہے تو اس سے تنخواہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ ﷺ آکل الربوا، وموکلہ، وکاتبہ، وشاھدیہ، وقال: ھم سواء.(۱)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ''حضورﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ''یہ سب حکم میں برابر ہیں''۔

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲/۲۷

بینک منیجر کی دعوت قبول کرنا

سوال نمبر(294):

میرے ماموں یونائیٹڈ بینک میں منیجر ہیں، بعض دفعہ ان کے ہاں جانا ہوتا ہے اور کچھ کھانا بھی ہوتا ہے، اسی طرح کبھی کبھار وہ ہمیں تحفے تحائف بھی دیتے ہیں، ان کی آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں، کیا ہمارے لیے ان کے گھر کا کھانا حلال ہے؟ اسی طرح وہ ہمیں جو تحائف دیتے ہیں، ان کی شرعی حیثیت بھی واضح کریں۔ نیز اگر کبھی کھالیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بینک میں عموماً سودی معاملات ہوتے رہتے ہیں اور دین اسلام میں سود کھانا تو در کنار، اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے۔

اگر آپ کے ماموں کے گھر کے اخراجات ملازمت کی تنخواہ سے چلتے ہوں اور آمدنی کا کوئی دوسرا حلال ذریعہ بھی نہ ہو تو ان کے گھر کھانے سے پرہیز کیا جائے اور جو کچھ کھایا ہے، اس پر استغفار کریں، اسی طرح اگر کوئی تحفہ، ہدیہ وغیرہ دیں تو کسی محتاج کو صدقہ کریں۔

والدّلیل علی ذلک:

آكل الربوا و كاسب الحرام أهدى إليه ،أو أضافه ،وغالب ماله حرام لايقبل ،ولا يأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال .(١)

ترجمہ:

سود خور یا حرام کمائی والا شخص اگر کسی کو ہدیہ دے یا کسی کی ضیافت کرے اور اس کا اکثر مال حرام ہو تو نہ (ہدیہ) قبول کرے اور نہ (دعوت) کھائے، جب تک یہ نہ بتائے کہ یہ مال حلال ہے۔

❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية ،الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات :٣٤٣/٥

فلاحی تنظیم کا پیسہ سودی کھاتے میں رکھنا

سوال نمبر (295):

ہمارے علاقے میں ایک فلاحی تنظیم ہے جو مذہبی وسیاسی اختلاف سے بالاتر ہوکر عوام الناس کی خدمت میں مصروف ہے، مثلاً: گلیوں کا پختہ کرنا، فری میڈیکل کیمپ کا انعقاد، نادار اور غریب طلبہ اور مریضوں کے ساتھ تعاون کرنا! اس کے بنیادی اہداف ہیں، یہ تنظیم مقامی افراد اور بعض غیر ملکی تنظیموں کی امداد سے چلتی ہے، فلاحی تنظیم کے اراکین نے فاضل رقم سے کچھ کاروبار شروع کیا، لیکن اس میں نقصان ہوا، تنظیم نے اب فاضل رقم کو مجبوراً ''نیشنل سیونگ سنٹر'' جو حکومتِ پاکستان کا رجسٹرڈ ادارہ ہے، میں ۵۲ فی صد شرح منافع پر عرصہ دس سال کے لیے رکھا، کیا عوام کے فلاح وبہبود کے لیے تنظیم کا فاضل رقم کسی سودی کھاتے میں جمع کرنا ازروئے شرع جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ازروئے شرع سود لینا ناجائز ہے، اس کی حرمت میں افراد اور تنظیم کے درمیان کوئی فرق نہیں، بلکہ جس طرح ایک شخص کو سودی لین دین سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح کسی ادارہ یا تنظیم کو بھی سودی معاملات کرنے کی اجازت نہیں، لہٰذا قومی دولت کو سودی کھاتوں میں رکھنا یا اس کے لیے آلہ کار بننا حرام ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا، وموکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (۱)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ: ''حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ''یہ سب حکم میں برابر ہیں''۔

❁❁❁

---

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا: ۲۷/۲

فقرا کی امداد کی نیت سے سودی کھاتے میں رقم جمع کرنا

سوال نمبر(296):

ایک شخص نے حفاظت کی غرض سے بینک میں پیسے جمع کرنے کا ارادہ کیا، بینک منیجر نے اسے کہا کہ تم اس کو سودی کھاتے میں جمع کرواور اس پر جو سود آئے، وہ کسی مدرسہ یا مسجد پر خرچ کرلو، کیا مذکورہ شخص کے لیے اس نیت سے سودی کھاتے میں رقم جمع کرنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

چونکہ اس زمانہ میں بڑی رقم کی حفاظت بینک کے بغیر دشوار ہے، لہٰذا بامر مجبوری بینک کے کسی ایسے اکاونٹ میں رقم جمع کرنا جائز ہے جس میں سود نہ ملتا ہو، اس لیے کرنٹ اکاونٹ یا لاکر میں اپنی رقم جمع کرانا جائز ہے، البتہ سودی کھاتے میں رقم جمع کرانا جائز نہیں، چاہے نیت کچھ بھی ہو، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اس نیت سے چوری کرے کہ چوری کی رقم فقرا میں تقسیم کرے گا، ظاہر ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں، ویسے بھی دوسروں کے نفع کی خاطر اپنے آپ کو سودی کاروبار میں مبتلا کرنا غیر دانش مندانہ فعل ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾.(۱)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

﴿ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة﴾.(۲)

ترجمہ:

اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

❁❁❁❁❁

(۱) البقرة:۲۷۵

(۲) البقرة:۱۹۵

ٹائنز کمپنی کے متعلق جامعہ عثمانیہ پشاور کا فتویٰ

سوال نمبر (297):

حضراتِ گرامی آپ کی خدمت میں عاجزانہ التماس کی جاتی ہے کہ ٹائنز نامی کمپنی کے متعلق آپ نے جواز کا فتوی دیا ہے حالانکہ اسی کمپنی کے بارے میں جامعہ دارالعلوم کراچی سے عدم جواز کا فتوی جاری ہو چکا ہے اور وہ فتویٰ بھی آپ کی خدمت میں ارسال کرر ہا ہوں۔اب آپ حضرات سے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ اس فتوی کو بھی دیکھیں اور اپنے فتوی پر بھی نظر ثانی کریں تا کہ ہمارے لیے اس میں رہنمائی ہو سکے اور مسئلے کی وضاحت ہو سکے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

ٹائنز کمپنی کے بارے میں کئی برس قبل اس کمپنی کے کسی کارندے نے ایک مجمل سوال کے ذریعے جامعہ عثمانیہ کے دارالافتاء سے استفتاء طلب کیا چونکہ اس میں بظاہر کوئی صورت (سوال کے مطابق) شریعت سے متصادم نہ تھی بنابریں جامعہ کے دارالافتاء سے جواز کا فتویٰ صادر کیا گیا،لیکن بعدازاں متعدد دارالافتاؤں سے اس کمپنی کے بارے میں عدمِ جواز کا قول اور جامعہ سے بار بار لوگوں کے رجوع کرنے پر اس مسئلہ پر از سرِ نو تحقیق شروع کی گئی اور جامعہ کے مفتیان کرام پر مشتمل بورڈ ''المجلس الفقہی'' نے اس کے لیے خصوصی کمیٹی تشکیل دی جس نے کمپنی کے دفتر،متعلقہ افراد اور عملہ سے تمام تر حقائق جمع کر کے اپنی رپورٹ المجلس الفقہی کے سامنے پیش کی جہاں اس مسئلے کے تمام گوشوں پر از سرِ نو غور وخوض کے بعد یہ فتوی دیا گیا کہ:

ٹائنز کمپنی کے اہداف ومقاصد،طریقہ کار اور شرائط کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جملہ ممبران کو ملنے والے منافع کو ہم کس ضمن میں شمار کر سکتے ہیں؟ایک احتمال یہ ہے کہ ٹائنز کمپنی کو مشترکہ کاروباری کمپنی قرار دیا جائے اور جملہ ممبران کو سرمایہ کی بنیاد پر شریک حصہ دار کا درجہ دیا جائے اور آمدنی (خواہ پروڈکٹس سے ہو یا کسی ممبرشپ سے) اِسے جملہ شرکا میں مقررہ شرائط کی رُو سے تقسیم کیا جائے،لیکن یہاں یہ حقیقت نہیں پائی جاتی کیونکہ ممبر کو مالکانہ حقوق نہیں دیے جاتے ، بلکہ اگر کسی درجہ میں مقررہ ماہانہ خریداری نہ ہو یا بنائے ہوئے ممبران فعال نہ رہیں تو ممبر کا حصہ رسدگی رُک جاتا ہے اور اس کو محرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کی وہ کسی درجہ میں شریک نہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ کسی لیڈر کو فیس میں حصہ رسدگی اس کی محنت کا اثر قرار دیا جائے یہ لیڈر جتنے ممبر بنائے ان

کی فیس سے حصہ رسدگی منہا ہو اور اس لیڈر کو بطور دلال اُس میں حصہ ملے۔ یہاں یہ بھی ممکن نہیں اس لیے کہ ٹو سٹار (☆2) سے تھری سٹار (☆3) تک اس لیڈر کی ذاتی محنت شامل ہے لیکن تھری سٹار (☆3) سے آگے ایٹ سٹار (☆8) تک مراحل طے کرنے میں اس کی براہ راست محنت شامل نہیں ہوتی۔ ممبر نچلے سٹار والے بناتے ہیں اور صلہ وعوض ایٹ سٹار (☆8) کو ملتا ہے گویا دوسرے کی محنت کا صلہ وعوض اس کو مل رہا ہے۔ علاوہ ازیں لیڈر کی ترغیبی محنت کمپنی کے پروڈکٹس کی ماہانہ خریداری کے ساتھ مشروط ہے ورنہ لیڈر کو ان ترغیبی محنت کا صلہ نہیں ملتا۔ اس طرح اجارہ بشرط فاسد بھی ہوا۔

اس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ یہاں نہ دلالت ہے نہ شرکت بلکہ برائے نام اشیاء کی خریداری کی شکل میں ماہانہ فیس ادا کرنے پر بڑی رقم حاصل کرنے کی کوشش ہے جہاں کم پیسے کے بدلے زیادہ رقم کی لالچ کی صورت میں مذموم سودی کاروبار کی ایک شکل ہے۔ لہٰذا اس میں کسی درجہ میں آلہ کار بننا جائز نہیں۔ ''الامور بمقاصدھا'' کے مشہور قاعدے کی بنیاد پر یہ سودی کاروبار کی ترویج کیلئے ایک تزویری اور پرفریب مذموم کوشش ہے۔ یہ پروڈکٹس کی خریداری کے بہانے سود کو مخفی رکھنے کا مذموم حربہ ہے۔ لہٰذا المجلس الفقہی کے متفقہ فیصلے کے مطابق ٹائنز کمپنی کے ساتھ کسی درجہ میں شریک ہونا جائز نہیں۔ جامعہ کے گزشتہ فتویٰ کو حجت بنا کر ٹائنز کمپنی کا حصہ دار بننا ہرگز جائز نہیں۔ نہ ہی کسی فرد یا جماعت کو یہ اجازت ہے کہ وہ جامعہ عثمانیہ پشاور کے گزشتہ فتویٰ کی تشہیر کرے اور اس کی بنیاد پر لوگوں کا اعتماد حاصل کرے، کیونکہ جامعہ عثمانیہ کا تحقیقی فتویٰ عدم جواز ہی کا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب، جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو، تاکہ تم کو فلاح ہو۔

عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال :نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر. (۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے بیع الحصاۃ اور دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

(۱) المائدة/ ۸۰

(۲) الصحيح للمسلم، كتاب البيوع ،باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذى فيه غرر: ۲/۲

کتاب الکفالة

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

خرید وفروخت اور دیگر معاملات نبھاتے وقت انسان کے سامنے کئی ایسے مواقع آجاتے ہیں، جہاں پر اس کو فریق آخر پر کئی وجوہ (مثلاً اجنبیت، سفر، فریق آخر کی محتاجی، دھوکہ دہی، ٹال مٹول وغیرہ) سے اعتماد نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں شریعتِ مطہرہ نے ان کے مابین ہونے والے معاملے کو نافذ رکھنے کے لیے بطورِ احسان کفالت کی اجازت دی ہے، جس میں ایک تیسرا شخص درمیان میں آکر مطالبۂ حق کی ذمہ داری قبول کرلیتا ہے، جس سے عاقدین کے درمیان باہمی اعتماد اور کامیاب معاملات کے لیے راستہ ہموار ہوجاتا ہے؛ یوں معاشرے سے بے اعتمادی کی فضا ختم ہوکر باہمی تعاون اور اخوت کو فروغ ملتا ہے۔(۱)

کفالت کی لغوی تحقیق:

کفالت کا لغوی معنی ہے "ضم" یعنی ملانا۔ کفالت ضامن اور ذمہ دار بننے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔(۲)

کفالت کی اصطلاحی تحقیق:

جمہور حنفیہ کے ہاں کسی حق کے مطالبہ میں ایک شخص کی ذمہ داری کے ساتھ دوسرے شخص کی ذمہ داری کے اشتراک کو کفالت کہا جاتا ہے۔(۳)

حنفیہ کے ہاں کفیل سے حق کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، لیکن قانوناً وہ خود مدیون نہیں، جب کہ دیگر فقہا کے ہاں کفالت میں خود کفیل بھی اصیل کی طرح مدیون بن جاتا ہے، کیونکہ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ سب کے ہاں ایک شخص کے واجب الاداحق کو دوسرے شخص کے ذمہ ثابت کرنے کا نام کفالت ہے۔(۴)

(۱) فتح القدیر علی الهدایة، أول کتاب الکفالة:۲۸۳،۲۸۲/۶

(۲) الأفریقي، محمد بن منظور، لسان العرب، مادة کفل:۱۲۹/۱۲، فتح القدیر حواله بال:۲۸۳/۶

(۳) الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، أول کتاب الکفالة:۵۵۳/۷

(٤) فتح القدیر حواله بالا:۲۸۳/۶، المغني مع الشرح الکبیر، باب الضمان:۷۰/۵، المکتبة التجاریة، المکة المکرمة، الخطیب الشربیني، محمد، مغني المحتاج، باب الضمان:۱۹۸/۲، دار الذخائر، قم إیران

کفالت سے متعلقہ فقہی اصطلاحات:

(۱) کفالت......: کسی حق کے مطالبے میں ایک شخص کی ذمہ داری کے ساتھ دوسرے شخص کی ذمہ داری کا اشتراک کفالت کہلاتا ہے۔

(۲) مکفول عنہ یا اصیل......: حق اصل میں جس شخص کے ذمہ واجب ہو یعنی مدیون، اس کو مکفول عنہ یا اصیل کہتے ہیں۔

(۳) مکفول لہٗ......: صاحب حق مکفول لہٗ کہتے ہیں۔

(۴) مکفول بہ......: جس حق کے ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کی گئی ہے، اس کو مکفول بہ کہتے ہیں۔

(۵) کفیل، کافل یا زعیم......: اصل مدیون کی طرف سے ذمہ داری قبول کرنے والے کو کفیل، کافل، ضمین، ضامن، حمیل، قبیل یا زعیم کہتے ہیں۔

امام ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ عام اموال میں ذمہ داری قبول کرنے والے کو ضمین، دیات میں حمیل، بڑے معاملات میں زعیم اور نفوس میں کفیل کہتے ہیں۔(۱)

فقہائے کرام کے ہاں کفالت کے علاوہ چند اور فقہی اصطلاحات بھی ہیں، جو کفالت کے ساتھ معمولی فرق رکھتے ہوئے فقہ میں مشہور و متعارف ہیں۔ ان میں سے حمالۃ، حوالۃ، قبالۃ اور ابراء زیادہ مشہور ہیں۔ ان کی تشریح و توضیح اور کفالت کے ساتھ فرق کتبِ فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔(۲)

کفالت کی مشروعیت:

قرآن کریم کی آیت: ﴿وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ﴾ (۳) میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے زعیم کو کفیل کے معنی میں لیا ہے۔(۴)

آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

"الزعیم غارم."

کفیل ذمہ دار ہے۔(۵)

---

(۱) الخطیب الشربینی، محمد، مغنی المحتاج، باب الضمان: ۲/۱۹۸، دار الذخائر، قم ایران

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة كفالت: ۳۴/۲۸۸، ۲۸۹

(۳) یوسف: ۷۲ (٤) المغني مع الشرح الكبير، باب الضمان: ٥/٧٠

(٥) سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب تضمين العارية: ۲/۱٤٦

اسی طرح ایک صحابیؓ کے جنازے کے وقت آپ ﷺ کی موجودگی میں حضرت ابوقتادہؓ نے اس میت کے قرض کی ادائیگی کے لیے کفالت قبول کی تھی۔(۱)

اور کفالت کے بعض احکام میں اختلاف کے باوجود اس کے جواز پر تمام فقہا کا اجماع ہے۔(۲)

کفالت کے ارکان:

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں دوسرے عقود کی طرح ایجاب وقبول دونوں کفالت کے لیے بھی رکن ہیں، یعنی کفیل کی طرف سے ایجاب اور صاحب حق (مکفول لہٗ) کی طرف سے قبول کفالت کے ارکان ہیں۔امام ابویوسفؒ اور دیگر فقہاے شافعیہ وحنابلہ کے ہاں کفالت کے لیے صرف کفیل کا ایجاب (ادائیگی دَین وغیرہ کی ذمہ داری قبول کرنا) ہی کافی ہے۔مکفول لہٗ کی رضامندی اور اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔کفالت صریح الفاظ (کفیل، زعیم، حمیل، قبیل، غریم وغیرہ) سے بھی منعقد ہو جاتی ہے اور کنائی الفاظ سے بھی، مثلاً: لک علیّ، لک عندي وغیرہ۔(۳)

صیغہ کے اعتبار سے کفالت کی قسمیں:

صیغہ کے اعتبار سے کفالت کی چار قسمیں ہیں:

(۱) مطلق کفالت یعنی الکفالۃ المنجزۃ

(۲) مقید کفالت، جو کسی خاص وصف کے ساتھ مقید ہو۔

(۳) مشروط کفالت، جو کسی خاص شرط کے ساتھ مشروط ہو۔

(۴) مؤقت کفالت جو مستقبل کے کسی خاص وقت کے ساتھ مؤقت ہو۔

(۱)...... مطلق کفالت:

اس سے مراد ایسی کفالت ہے جو کسی وصف، شرط اور مدت کے ساتھ معلق ومشروط نہ ہو، تاہم مطلق کفالت میں اگر اصل دَین (جو مکفول عنہ کے ذمہ تھا) کی ادائیگی علی الفور واجب ہو تو کفیل بھی اس کو فوراً ادا کرے گا اور اگر اس کے لیے کوئی مدت مقرر ہے تو کفالت میں بھی وہی مقررہ مدت ملحوظ رہے گی۔(۴)

(۱) الصحیح للبخاري، کتاب الکفالة، باب من تکفل عن میت دینا...... :۳۰۶/۱، قدیمي کتب خانه، کراچي

(۲) فتح القدیر، أول کتاب الکفالة: ۲۸۳/۶، المغني مع الشرح الکبیر، باب الضمان: ۷۱/۵

(۳) بدائع الصنائع، أول کتاب الکفالة: ۳۸۹/۷، المغني والشرح الکبیر، باب الضمان: ۷۱/۵

(۴) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة: ۳۹۰/۷

(۲)......مقید کفالت:

یہ وہ کفالت ہے جس میں دَین کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر کیا جائے۔ مقید کفالت میں کفیل جو بھی وقت مقرر کرے، وہی وقت کفیل اور اصیل دونوں کے حق میں معتبر ہوگا۔

مذکورہ کفالت میں مدتِ ادائیگی (تاجیل) کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے، تاہم اگر تاجیل لوگوں کی مروجہ مدت (فصل کی کٹائی، تنخواہ وغیرہ) پر مشتمل ہو تو کفالت میں یہ جہالت برداشت کی جائے گی، البتہ اگر تاجیل لوگوں میں غیر مروج ہو، جیسے: ہوا چلنے یا بارش ہونے تک کی کفالت، تو پھر تاجیل باطل ہوگی اور کفالت صحیح ہوگی۔(۱)

کفیل کی طرف سے مقرر کردہ وقت کے دوران اصیل یا کفیل جو بھی مر جائے، اس کے مال سے دَین ادا کی جائے گی، تاہم اگر ادا نہ ہو سکے تو مقررہ مدت زندہ رہنے والے (کفیل یا اصیل) کے لیے باقی رہے گی۔(۲)

(۳)......مشروط کفالت:

حنفیہ کے ہاں اگر شرط تقاضائے کفالت کے مناسب ہو تو اس سے کفالت کو مشروط کرنا جائز ہے، مثلاً:

(۱) وجوبِ حق یا ظہورِ حق کی شرط لگائی جائے اور یوں کہا جائے کہ جو سامان تم خرید رہے ہو، اگر اس میں کسی کا حق نکل آیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

(۲) یا ایسی شرط لگائی جائے، جس سے کفیل کو حق کی ادائیگی میں سہولت ہو جائے، مثلاً: یوں کہے کہ اگر فلاں آ گیا تو میں اس کی طرف سے تمہارے حق کا ذمہ دار ہوں۔

(۳) یا ایسی شرط لگائی جائے جس کا مقصد حق کی ادائیگی میں پیش آنے والی ممکنہ مشکلات کو دور کرنا ہو، مثلاً یہ کہے کہ اگر فلاں شہر سے غائب ہو جائے تو اس کی قرض کی ادائیگی مجھ پر ہوگی۔ اسی طرح ہر اس شرط سے کفالت درست ہوگی جس پر لوگوں کا تعامل اور رواج ہو، البتہ ایسی شرطیں جو معاملہ کفالت سے مناسبت نہیں رکھتیں، ان سے کفالت کو متعلق کرنا جائز نہیں، بلکہ ان شروط سے کفالت باطل ہو جائے گی، مثلاً: اگر بارش ہو جائے تو میں کفیل ہوں وغیرہ۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة: ۷/ ۳۹۰، ۳۹۱، ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الکفالة، مطلب في تعليق الكفالة بشرط غير ملائم وفي تأجيلها: ۷/ ۵۸۷

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة: ۷/ ۳۹۱

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة: ۷/ ۳۹۱، ۳۹۲، الفتاوى الهندية، کتاب الکفالة، الفصل الخامس في التعليق والتعجيل: ۳/ ۲۷۸، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الکفالة: ۷/ ۵۸۵_۵۸۷

صاحبین کے ہاں خودادائیگی پر قدرت شرط نہیں، لہذا کفالت درست نہیں، تاہم فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔(۱)

(۲)مکفول عنہ معلوم ہو، اگر غیر معلوم شخص کی کفالت قبول کی تو حنفیہ کے ہاں کفالت درست نہیں۔(۲)

☆......مکفول عنہ کا کفالت پر راضی ہونا ضروری نہیں اور نہ اس کی طرف سے اجازت شرط ہے۔(۳)

☆......مکفول عنہ کا عاقل، بالغ اور آزاد ہونا شرط نہیں۔اسی طرح اس کا حاضر ہونا بھی شرط نہیں، غائب شخص کی طرف سے بھی کفالت درست ہے۔(۴)

مکفول لہٗ سے متعلق شرائط:

(۱)مکفول لہٗ معلوم اور متعین ہو، لہذا اگر کوئی غیر معین شخص کے حق کا کفیل بن جائے تو جائز نہیں۔(۵)

(۲)طرفین کے ہاں مکفول لہٗ مجلس عقد میں موجود ہو اور کفیل کے ایجاب کو قبول کرے، تاہم جمہور فقہا کے ہاں مکفول لہٗ کی حاضری اور رضامندی اس میں ضروری نہیں۔(۶)

(۳)طرفین کے ہاں مکفول لہٗ عاقل ہو(قبول کا اہل ہو)لہذا مجنون، معتوہ اور غیر ممیز بچے کے لیے کفالت درست نہیں۔ اِن لوگوں کے اولیا بھی اِن کی طرف سے قبول نہیں کر سکتے، اس لیے کہ قبول اُس شخص کی طرف سے ہوتا ہے جس کی طرف ایجاب ہو سکے اور یہاں پر ایجاب درست ہی نہیں۔

☆......مکفول لہ کا بالغ اور آزاد ہونا شرط نہیں۔(۷)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الکفالة، وأما الذي يرجع إلى الأصيل:۳۹۶/۷،فتح القدير، کتاب الکفالة:۳۱۸،۳۱۷/۶،الفتاویٰ الهندية، کتاب الکفالة، الباب الأول في تعريف الکفالة ورکنها وشرطها، القسم الثاني ما يرجع إلى الأصيل:۲۵۳/۳،الموسوعة الفقهية الکويتية، مادة کفالت:۳۰۱/۳٤

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الکفالة،وأما الذي يرجع إلى الأصيل:۳۹۶/۷

(۳) المغني، باب الضمان:۷۱/۵،فتح القدير، کتاب الکفالة:۳۰٤،۳۰۳/۶

(٤) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الکفالة،وأما الذي يرجع إلى الأصيل:۳۹۶/۷

(۵) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الکفالة، وأما الذي يرجع إلى المکفول له:۳۹۶/۷،الفتاویٰ الهندية، الباب الأول، القسم الثالث مايرجع إلى المکفول له:۲۵٤/۳

(۶) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الکفالة، وأما الذي يرجع إلى المکفول له:۳۹۷/۷،فتح القدير، کتاب الکفالة:۳۱٤/۶،المغني،باب الضمان:۷۱/۵،مغني المحتاج، باب الضمان:۲۰۰/۲

(۷) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الکفالة، وأما الذي يرجع إلى المکفول له:۳۹۷/۷

مکفول بہ کے اعتبار سے کفالت کی قسمیں اور ان کی شرائط:

مکفول بہ کے اعتبار سے کفالت کی دو قسمیں ہیں: کفالت بالمال اور کفالت بالنفس؛ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل اور شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کفالت بالمال......: کفالت بالمال میں مکفول بہ کبھی دَین ہوتا ہے اور کبھی عین۔ اگر مکفول بہ دَین ہو تو اس کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

(الف) مکفول بہ دین صحیح اور دَین لازم ہو، یعنی وہ دَین یا تو ادا کرنے سے ساقط ہو یا صاحب دَین کے بری کرنے سے، لہٰذا مکاتب کی طرف سے اُس کے بدلِ کتابت ادا کرنے کے لیے کفالت درست نہیں، اس لیے کہ یہ دین لازم نہیں، مکاتب خود کو عاجز ثابت کر کے بذاتِ خود دَینِ کتابت ساقط کر سکتا ہے۔ (۱)

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں دین صحیح کے لیے معلوم القدر والصفۃ ہونا ضروری نہیں، اس لیے کہ تبرعات میں اس قسم کی جہالت قابلِ برداشت ہوتی ہے۔ (۲)

(ب) جمہور فقہا کے ہاں وہ دَین اصیل کے ذمے واجب بن سکتا ہو، چاہے عقدِ کفالت کے وقت ہی واجب ہو یا انجامِ کار کے اعتبار سے واجب ہو، لہٰذا دین موعود کی کفالت اور کفالت بالدرک دونوں جائز ہیں، اگر چہ فی الوقت واجب نہیں ہیں، لیکن مال کے اعتبار سے واجب بن سکتے ہیں۔ (۳)

علامہ کاسانی نے اس شرط کو اِن الفاظ میں تعبیر کیا ہے:

"أن یکون المکفول به مضموناً علی الأصیل."

مکفول بہ اصیل پر قابل ضمانت ہو۔ (۴)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الکفالة، وأما الذي یرجع إلی المکفول به: ۴۰۱/۷، الهدایة مع فتح القدیر، کتاب الکفالة: ۲۹۸/۶، ۲۹۹

(۲) الهدایة مع فتح القدیر، کتاب الکفالة: ۲۹۸/۶

(۳) ألموسوعة الفقهیة، مادة کفالة: ۳۰۲/۳۴، فتح القدیر، کتاب الکفالة: ۲۹۸/۶

(۴) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الکفالة، وأما الذي یرجع إلی المکفول به: ۳۹۸/۷

اگر مکفول بہ عین ہو تو اس کے لیے شرائط:

عین کی کفالت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کفیل صاحب حق کو وہ مخصوص عین ہی لوٹا دے، تاہم اگر وہ عین موجود نہ ہو تو اس کی مثل یا قیمت کفیل کے ذمے ادا کرنا ہوگا۔ عین کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں جن میں سے ہر ایک کا حکم مندرجہ ذیل ہے:

(۱) بعض صورتوں میں عین امانت ہوتی ہے، جیسے: ودیعت، عاریت، شرکت ومضاربت کا مال۔ امانت کی صورت میں عین کی کفالت درست نہیں، اس لیے کہ امانت کی صورت میں عین بذاتِ خود اصیل پر مضمون نہیں ہوتا تو کفیل پر کس طرح مضمون ہوسکتا ہے۔

(۲) دوسری صورت عینِ مضمونہ (قابلِ ضمان) کی ہے۔ اس کی دو قسموں میں سے ایک ذکر کی ہے، دوسری ذکر نہیں کی تو ضمان خود اس شے کے ذریعے ادا کیا جائے گا، جیسے: مالِ مغصوب اور خریدنے کی نیت سے قبض کی جانے والی مبیع، اس صورت میں عینِ مغصوب اور عین مبیع کی کفالت درست ہے۔ اگر یہ اشیا ہلاک ہوگئے تو مثلی ہونے کی صورت میں مثل اور غیر مثلی ہونے کی صورت میں قیمت کی ادائیگی کفیل پر لازم ہوگی۔ (۱)

(۳) تیسری صورت اُس عین مضمونہ کی ہے جو مثل یا قیمت کے ذریعے قابلِ ضمان ہو، جیسے: رہن اور مبیع قبل القبض؛ تو اس صورت میں بھی کفالت درست نہیں، اس لیے کہ مکفول بہ بذاتِ خود اصیل پر قابل ضمان نہیں، اگر مبیع قبل القبض یا رہن بالترتیب بائع یا مرتہن کے ہاتھوں میں ہلاک ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں، بلکہ یا تو مشتری سے ثمن ساقط ہوجائے گا یا راہن رہن کے بقدر قرض سے چھوڑ جائے گا۔ لہٰذا کفیل کے لیے ان چیزوں کی کفالت لینا درست نہیں۔ (۲)

☆ امانت، رہن اور مبیع میں کفالت بالتسلیم درست ہے۔

فقہاے کرام نے کفالت بالمال کے ضمن میں دَین اور عین کے ساتھ ساتھ ایک تیسری چیز بھی ذکر کی ہے اور وہ ہے کفالت بالفعل یا کفالت بالتسلیم، یعنی کسی شے کو صاحبِ حق کے سپرد کرنے کی کفالت، لہٰذا اگر بائع مبیع کی ادائیگی میں پس و پیش کر رہا ہو یا مرتہن دین کی ادائیگی کے باوجود رہن کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو یا عاریت اور اجارہ پر لی

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكفالة، الباب الأول، القسم الرابع ما يرجع إلى المكفول به: ۳/۲۵۴، بدائع الصنائع، كتاب الكفالة، فصل في شروط الكفالة، وأما الذي يرجع إلى المكفول به: ۷/۳۹۸

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكفالة، الباب الأول، القسم الرابع ما يرجع إلى المكفول به: ۳/۲۵۴، بدائع الصنائع، كتاب الكفالة، فصل في شروط الكفالة، وأما الذي يرجع إلى المكفول به: ۷/۳۹۸

جانے والی چیز کی واپسی میں مستعیر اور مستاجر دھوکہ دہی کے مرتکب ہوں تو مذکورہ صورتوں میں کفیل ان اشیا کو صاحب حق کے حوالہ کرنے کی کفالت قبول کر سکتا ہے، اس لیے کہ اصیل کے ذمے بھی تسلیم (سپردگی) واجب تھی، لہذا کفیل کے ذمے بھی تسلیم واجب کی گئی۔ تاہم اگر مذکورہ صورتوں میں یہ اشیا ہلاک ہو گئے تو کفالت ساقط ہو جائے گی اور کفیل پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہلاکت کے بعد یہ اشیا اصیل پر مضمون نہیں تو کفیل پر بھی نہیں۔

تاہم یاد رہے وہ امانت جس کی سپردگی اصیل پر واجب نہ ہو، جیسے ودائع، مالِ مضاربۃ یا مالِ شرکت وغیرہ؛ تو اس میں نہ تو کفالت بالعین جائز ہے اور نہ کفالت بالتسلیم۔(۱)

کفالت بالنفس:

کفالت بالنفس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کے ذمے حق باقی ہو، کفیل اس کو حاضر کرنے کی ذمہ داری قبول کرے۔ کفالت بالنفس میں کفیل کی تمام ذمہ داری یہی (مکفول بہ حاضر کرنا) ہے، بس یہی وجہ ہے کہ علامہ کاسانی نے مذکورہ ذمہ داری کو کفالت بالفعل یا کفالت بالتسلیم کہا ہے۔(۲)

اگر کسی شخص کو کسی خاص وقت پر پیش کرنے کی ذمہ داری قبول کی گئی تو اسی وقت پیش کرنا ضروری ہوگا۔ اگر پیش نہیں کیا تو قاضی پیش کرنے کے لیے مناسب مہلت دے گا، اس کے باوجود بھی وہ پیش نہ کر سکے تو اسے قید کر دیا جائے گا، تاہم اگر قاضی قرائن یا گواہوں کے ذریعے یہ جان لے کہ مطلوبہ شخص کے پیش نہ کرنے میں کفیل نے ٹال مٹول سے کام نہیں لیا ہے، بلکہ وہ واقعی پیش کرنے سے عاجز ہے تو وہ اس کو قید کرنے کی بجائے مزید مہلت دے گا۔(۳)

☆ کفالت بالنفس میں اگر مکفول بہ مرجائے تو کفیل کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی، کیوں کہ اب وہ اسے پیش کرنے پر قادر نہیں۔(۴)

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكفالة، الباب الأول، القسم الرابع ما يرجع إلى المكفول به: ۳/ ۲۵۴، بدائع الصنائع، كتاب الكفالة، فصل في شروط الكفالة، وأما الذي يرجع إلى المكفول به: ۷/ ۳۹۸، الموسوعة الفقهية، مادة كفالت: ۳۴/ ۳۰۴

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الكفالة، فصل في شروط الكفالة، وأما الذي يرجع إلى المكفول به: ۷/ ۳۹۹، الهداية مع فتح القدير، كتاب الكفالة: ۶/ ۲۸۵

(۳) الهداية مع فتح القدير، كتاب الكفالة: ۶/ ۲۸۷

(۴) الهداية مع فتح القدير، كتاب الكفالة: ۶/ ۲۸۹

کفالت بالنفس کے لیے شرط:

کفالت بالنفس صرف مالی معاملات میں جائز ہے۔حدود وقصاص میں جائز نہیں، چاہے وہ حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد میں سے، اس لیے کہ مکفول بہ ایسی چیز ہونی چاہیے جس کی وصولی کفیل سے ممکن ہو اور حدود وقصاص کا استیفا تو فقط مجرم سے ہوسکتا ہے۔(۱)

حدود وقصاص میں کفالت کی تفصیل:

اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً:

(۱) کفیل مکفول بہ کی طرف سے حدود وقصاص کی ذمہ داری لے لے، یہ بالاتفاق ناجائز ہے، اس لیے کہ کفیل سے حدود وقصاص کا استیفا ناممکن ہے۔(۲)

(۲) کفیل مکفول بہ کو مجلس میں حاضر کرنے کی ذمہ داری قبول کرے۔اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف)......مکفول بہ کے ذمے ایسی حد ہو جو خالص اللہ کا حق ہو، جیسے: حد زنا اور حد شرب۔اس صورت میں کفالت بالبدن یا کفالت بالنفس بالاتفاق ناجائز ہے، چاہے مکفول بہ راضی ہو یا ناراض، گواہی ہوگئی ہو یا نہیں۔دراصل حدود کے باب میں شریعت کی منشا یہ ہے کہ کسی طرح یہ شبہ یا انکار وغیرہ سے ساقط ہوجائے، لہٰذا اس میں کفالت کی وجہ سے استیثاق اور مضبوطی ناجائز ہے۔

(ب)......مکفول بہ کے ذمے ایسی حد ہو جس میں بندہ کا حق بھی ہو، جیسے: حد قذف، حد سرقہ یا قصاص، اس صورت میں مکفول بہ کو حاضر کرنے کی کفالت تب درست ہوگی، جب مکفول بہ خود اجازت دے، اگر وہ خود اجازت نہ دے تو امام صاحب کے ہاں کفالت جائز نہیں یعنی قاضی اس کو مکفول بہ کی حاضری پر مجبور نہیں کرسکتا بخلاف صاحبین کے(۳)

کفالت کے احکام:

(۱) صاحب دین کی جو چیز اصیل پر باقی تھی، اب وہ کفیل سے بھی اس کا مطالبہ کرسکتا ہے۔اگر ایک ہی عقد میں ایک کلام

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الكفالة، وأما الذي يرجع إلى المكفول به:٤/ ٤٠٠،المغني ، باب الضمان، فصل وتصح الكفالة حالة ومؤجلة ، رقم(٣٥٩٨) :٥/٩٨،٩٩

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الكفالة، وأما الذي يرجع إلى المكفول به :٧/ ٤٠٠

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في شروط الكفالة، وأما الذي يرجع إلى المكفول به :٧/ ٤٠١،الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة كفالت:٣٤/ ٣٠٦، ٣٠٧

سے دو افراد کو وکیل بنایا جائے اور مکفول بہ قابل تقسیم ہو تو ذمہ داری تمام کفیلوں پر تقسیم ہو جائے گی، مثلاً: ایک ہزار روپے تھے اور دو افراد نے ایک ہی عقد میں کفالت قبول کی تو دونوں سے پانچ پانچ سو کا مطالبہ کیا جائے گا۔

حنفیہ کے ہاں صاحبِ دین کو کفیل کے علاوہ اصیل سے بھی مطالبہ کا حق حاصل ہوگا، سوائے اس کے کہ کفالت قبول کرتے وقت اصیل کو بری کرنے کی شرط لگا دی گئی تھی تو اس صورت میں یہ حوالہ ہو جائے گا اور اصیل سے مطالبہ کرنا درست نہ ہوگا۔(۱)

(۲) اگر کفیل نے اصیل کی خواہش اور حکم پر کفالت قبول کی تھی تو وہ مکفول بہ (دین ہو یا عین) ادا کرنے کے بعد اصیل سے اس کے مطالبے کا حق رکھتا ہے۔(۲)

مذکورہ صورت میں اگر اصیل ٹال مٹول سے کام لے تو کفیل اس کا مسلسل پیچھا کر سکتا ہے اور وہ اصیل سے وہی رویہ اپنا سکتا ہے جو اس نے صاحبِ دین کی طرف سے برداشت کیا تھا۔(۳)

مذکورہ دونوں احکام عام کفالت ہیں، تاہم کفالت بالعین اور کفالت بالنفس میں ہر ایک قسم کے لیے بعض خاص احکام بھی ہیں جن کو ان اقسام کی تشریح میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔(۴)

کفیل کے لیے مکفول عنہ سے رجوع کرنے کی شرائط:

(۱) کفالت مکفول عنہ کی خواہش یا حکم پر قبول کی گئی ہو۔

(۲) کفالت اذنِ صحیح پر مبنی ہو، لہٰذا نابالغ بچے کے حکم سے کفالت کرنے والے کو رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

(۳) مکفول عنہ نے اپنی طرف ضمان کی نسبت کی ہو کہ آپ میری جانب سے کفیل بن جائیں۔

(۴) کفیل نے صاحبِ دین کا حق ادا کر دیا ہو، ادائیگی سے قبل رجوع نہیں کر سکتا۔

(۵) کفیل پر اصیل کا اتنا قرض نہ ہو جو کفالت کے مال پر محیط ہو جائے، اس صورت میں قرضوں کے مابین ادلا بدلا ہو

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في حكم الكفالة: ۴۰۳/۷، ۴۰۴

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل في حكم الكفالة: ۴۰۵/۷

(۳) الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة كفالت: ۳۱۵/۳۴

(۴) الفتاوى الهندية، كتاب الكفالة، الباب الأول، القسم الرابع ما يرجع إلى المكفول به: ۲۵۴/۳، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة كفالت: ۳۱۱/۳۴

جائے گا اور رجوع کا حق نہیں ہوگا۔(۱)

کفیل کس چیز کے لیے رجوع کرے گا؟

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں کفیل اصیل پر اس چیز کے لیے رجوع کرے گا جو صاحبِ دین کا اصیل کے ذمے باقی تھی، نہ کہ وہ جو اس نے ادا کی ہے، مثلاً صاحبِ دین کو کفیل نے عمدہ درہم کی بجائے غیر عمدہ دراہم دیے یا دراہم کی بجائے گندم وغیرہ پر راضی کیا تو کفیل پھر بھی اصیل سے وہی وصول کرے گا، جو اصل میں اس کے ذمے واجب تھا۔(۲)

کفالت ختم ہونے کے ذرائع:

(۱) صاحبِ دین کو اس کا حق ادا ہو جائے، کفیل کی جانب سے ہو یا اصیل کی جانب سے ہو۔

(۲) صاحبِ دین اپنا حق معاف کردے، اگر صرف کفیل کو معاف کر دیا تو اصیل بری نہ ہوگا، بخلاف اصیل کے کہ اس کی برائت سے کفیل بھی بری ہو جائے گا۔(۳)

(۳) کفیل یا اصیل کا صاحبِ حق پر دَین ہو اور اس کے بدلے ادلا بدلا کر کے معاملہ ختم ہو جائے۔

(۴) کفیل صاحبِ حق کے ساتھ کسی چیز پر صلح کر لے۔

(۵) عقدِ کفالت کسی وجہ سے باطل ہو جائے یا کفالتِ مؤقتہ کی مدت ختم ہو جائے۔ ان صورتوں میں کفیل تو بری ہو جائے گا، لیکن صاحبِ دین کے لیے اصیل سے اپنا دَین وصول کرنے کا حق محفوظ رہے گا۔

(۶) کفالت بالنفس میں کفیل اس نفس کو حاضر کردے۔

(۷) کفالت بالنفس میں کفیل یا مکفول عنہ کی موت ہو جائے۔

(۸) کفالت بالعین میں صاحبِ حق کو عین حوالہ کردے یا عین ہلاک ہونے کی صورت میں قیمت یا مثل حوالہ کردے۔

(۹) صاحبِ حق کفیل کو مطالبہ سے بری کردے، چاہے کفالت بالنفس ہو، بالدین ہو یا بالعین ہو۔(۴)

❁❁❁❁❁

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل فی رجوع الکفیل: ۷/۴۱۰

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل فی ما یرجع به الکفیل: ۷/۴۱۳،۴۱۴

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل فی مایخرج به الکفیل عن الکفالة: ۷/۴۰۵،۴۰۶

(۴) بدائع الصنائع، کتاب الکفالة، فصل فی مایخرج به الکفیل عن الکفالة: ۷/۴۰۰۔۴۱۰، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة کفالت: ۳۴/۳۲۰

مسائل متعلقه باب الکفالة

ضمانت کرنے پر معاوضہ لینا

سوال نمبر(298):

جاپانی سفارتخانہ ویزہ لینے والے سے بطورِ ضمانت ایسا پاسپورٹ طلب کرتا ہے جس پر جاپان کا ویزہ پہلے کئی بار لگ چکا ہو، سفارتخانہ کے اہلکار مذکورہ پاسپورٹ کا نمبر اپنے پاس درج کر کے پاسپورٹ واپس کردیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پاسپورٹ والا شخص ویزہ لینے والے شخص کا واپسی تک ضامن (ذمہ دار) رہے گا۔ کیا اس ذمہ داری اور ضمانت پر معاوضہ لینا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جائز امور میں ایک دوسرے کی سفارش کرنا اور ذمہ داری قبول کرنا ایک مستحسن امر ہے۔ انسانی ہمدردی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جائز امور میں ایک دوسرے کے کام آئیں، لیکن بعض ذمہ داریاں ایسی ہوتی ہیں جن کا قبول کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ کبھی کبھار ایسی ذمہ داریوں سے انسان خود مصیبت میں پھنس جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر شخص اس قسم کی ذمہ داری قبول کرنے سے ڈرتا ہے، البتہ اس پر معاوضہ لینا شرعاً جائز رہے گا۔

مسئولہ صورت میں جاپان جانے والوں کے لیے بطورِ ضمانت اپنا پاسپورٹ جاپانی سفارتخانہ میں رکھنا ایک بھاری ذمہ داری ہے، کیوں کہ ان لوگوں کے واپس نہ آنے یا خلاف ورزی کی صورت میں ہر قسم کا بوجھ ضمانت کرنے والے پر پڑتا ہے، لہٰذا ان وجوہات کی بنا پر ضمانت اور ذمہ داری قبول کرنے والوں کے لیے معاوضہ لینا شرعاً درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

تحقیقه أن استحقاق الربح إما أن يكون بالمال كرب المال في المضاربة أو بالعمل كالمضارب أو بالضمان.(١)

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ نفع کا استحقاق کبھی مال کے ذریعہ ہوتا ہے، جیسا کہ مضاربت میں رب المال کا، یا عمل کی وجہ سے آدمی فائدہ کا مستحق ٹھہرتا ہے، جیسا کہ مضارب اور یا ضمان کی وجہ سے (بھی ربح کا استحقاق ثابت رہتا ہے)۔

(١) تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الشركة، قبيل فصل في الشركة الفاسدة: ٤/٢٥٤

بیرون ممالک پہنچانے کی ذمہ داری قبول کرنا

سوال نمبر(299):

ایک ایجنٹ (Travel Agent) نے ایک شخص کے ساتھ دس لاکھ روپے پر معاہدہ کیا کہ تجھے صحیح سلامت جاپان پہنچانے کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ راستہ میں وہ شخص پکڑا گیا، ایجنٹ سے رابطہ کیا، ایجنٹ نے کہا کہ پیسہ لگا کر جان چھڑاؤ، اس نے مقدمات پر ایک خطیر رقم خرچ کر کے واپسی کی۔کیا یہ شخص ایجنٹ سے اپنی رقم (دس لاکھ روپے) اور مقدمات پر خرچ شدہ رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب کوئی شخص کسی چیز یا کسی شخص کو مخصوص مقام تک پہنچانے کی اجرت پر ذمہ داری قبول کرے تو جب تک وہ اس چیز یا شخص کو اس مقام تک نہ پہنچائے، تب تک وہ اجرت کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔علاوہ ازیں اگر ایجنٹ کی غفلت اور لاپرواہی سے اس چیز یا شخص کو کوئی نقصان پہنچے، اس کا ضمان (تاوان) بھی ایجنٹ کے ذمہ آتا ہے۔

مسئولہ صورت میں چونکہ ٹریول ایجنٹ اس شخص کو معاہدہ کے مطابق بیرون ملک پہنچا نہ سکا، اس کی غفلت اور لاپرواہی سے وہ راستہ میں پکڑا گیا اور مقدمات پر اس کی ایک خطیر رقم خرچ ہوئی، لہٰذا معاہدہ کے مطابق ایجنٹ اجرت کا مستحق نہیں، بلکہ مقدمات پر صرف شدہ رقم کا بھی ضامن ہے، لہٰذا اس شخص کا ایجنٹ سے اصل مال کے ساتھ ساتھ اس تاوان کا مطالبہ کرنا بھی درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک

قوله اسلك هذا الطريق، والحال أنه مخوف فإن الطريق المخوف يؤخذ فيه المال غالبا، ولا صنع فيه للمأمور فقد تحقق فيه التغرير، فإذا ضمنه الآمر نصا رجع عليه، ولعلهم أجازوا الضمان فيه مع جهل المكفول عنه زجرا عن هذا الفعل كما في تضمين الساعي.(۱)

ترجمہ: اگر کوئی کسی کو کہے کہ اس راستہ پر چلو حالانکہ وہ خطرناک ہے اور اکثر اس پر مال لوٹا جاتا ہے اور اس میں مامور کا کوئی دخل نہ ہو تو اس میں دھوکہ ثابت ہوا، پس جب آمر اس پر ضمان لازم کرے تو وہ اس کا رجوع اس راستہ

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الکفالۃ، مطلب في بیع العینۃ:۷/۶۲۳

والے پر کرے گا۔ اور اس وجہ سے فقہائے کرام نے بھی مکفول عنہ کی جہالت کے باوجود جراً اس عمل کی وجہ سے اس پر ضمان جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ قافلہ کے ساعی پر نقصان کی صورت میں ضمان لازم ہوتا ہے۔

❁❁❁

اجیر کا کفیل بننا

سوال نمبر (300):

عبداللہ نے ایک شخص کی کفالت کی۔ گاڑی کے مالک سے کہا کہ اس کو ڈرائیونگ سکھا کر گاڑی حوالہ کردو، ڈرائیور اور گاڑی کا میں کفیل اور ذمہ دار بنتا ہوں۔ ایک دن ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ کر کے ایک شخص کو ہلاک کردیا۔ ڈرائیور فرار ہو گیا اور گاڑی پولیس کی تحویل میں آئی، وہاں گاڑی کی بیٹری چوری ہوگئی۔ اب سوال یہ ہے کہ مقتول کی دیت، بیٹری وغیرہ اشیا اور گاڑی آزاد کرانے کی ذمہ داری ڈرائیور کی ہے یا مالک کی یا ضامن (کفیل) کی۔ وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

یاد رہے کہ جہاں کہیں مکفول بہ کا ضمان اصیل (مکفول عنہ) پر نہ ہو تو وہاں کفالت کی شروط نہ پائی جانے کی وجہ سے کفالت صحیح نہیں ہوتی۔

مسئولہ صورت قتل خطا کی ہے اور قتل خطا میں دیت قاتل (ڈرائیور) پر نہیں ہوتی، بلکہ عاقلہ پر ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا اصیل (ڈرائیور) پر ضمان نہ ہونے کی وجہ سے کفیل پر بھی ضمان نہیں آتا، دیت ڈرائیور کے عاقلہ پر ہے۔ علاء الدین کاسانیؒ لکھتے ہیں:

وأما الذي يرجع إلى المكفول به.........أن يكون المكفول به مضمونا على الأصيل .(۱)

ترجمہ:

صحتِ کفالت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مکفول بہ کا ضمان اصیل پر ہو۔

گاڑی سے چوری شدہ سامان کی ذمہ داری کفیل پر آتی ہے، کیوں کہ اجیر کی عدم توجہی اور حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے اجیر پر ضمان لازم آتا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ،كتاب الكفالة ،فصل في شروط الكفالة :۳۹۸/۷

مسئولہ صورت میں اگر ڈرائیور گاڑی چھوڑ کر نہ بھاگتا تو کسی کو چوری کا موقع نہ ملتا، لہٰذا ڈرائیور پر اس کا ضمان لازم ہے۔ ڈرائیور موجود نہ ہونے کی وجہ سے کفیل (عبداللہ) سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا اور پولیس چوکی سے گاڑی نکالنے کا خرچہ مالک پر ہے، کیوں کہ ڈرائیور اجیر خاص ہے اور اجیر خاص سے بغیر تعدی کے نقصان سرزد ہو تو اس کا ضمان اس پر نہیں آتا۔

مسئولہ صورت میں چونکہ ایکسیڈنٹ اس نے قصداً نہیں کیا، اس کی تعدی کے بغیر گاڑی پولیس کی تحویل میں چلی گئی، لہٰذا اس پر ضمان نہیں، جب ڈرائیور پر ضمان نہیں تو کفیل بھی اس کا ضامن نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لو تلف المأجور بتقصير المستأجر في أمر المحافظة ،أوطرأعلى قيمته نقصان يلزم الضمان، مثلا لو استأجر دابة ،وتركها خالية الرأس ،وضاعت يضمن .(١)

ترجمہ: اگر مستاجر کی محافظت میں کوتاہی کی وجہ سے ماجور چیز تلف ہوگی اور یا اس کی قیمت گھٹ گئی تو ضمان اس پر لازم ہے، مثلاً اس نے سواری کرایہ پر لی اور اس کو اکیلے (بغیر حفاظت) چھوڑ دیا اور سواری ضائع ہوئی تو اس پر ضمان آئے گا۔

ولاضمان على الأجير الخاص فيماتلف في يده ولاماتلف من عمله.(٢)

ترجمہ: اور اجیر خاص کے ہاتھ میں یا اس کے عمل سے جب کوئی چیز ضائع ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں۔

❁❁❁

گارنٹی (Guarantee) پر چیز فروخت کرنا

سوال نمبر (301):

بعض کمپنیاں گاڑیاں فروخت کرتے وقت اپنے گاہک کو سال، دوسال یا لائف ٹائم گارنٹی دیتی ہیں۔ شرعاً کسی چیز کی گارنٹی دینا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة،الفصل الثاني في ضمان الاجير،المادة: ٦٠٤،ص/٣٢٣

(٢) الهداية ،كتاب الإجارات ،باب ضمان الاجير:٣/٣١٢

الجواب وباللہ التوفیق:

بعض کمپنیاں اپنی مصنوعات کی مانگ بڑھانے کی خاطر یا نقلی چیزوں سے بچاؤ کی خاطر یا اپنی کمپنی کو باعتماد ادارہ بنانے کی خاطر خریدار کو مال کی خریداری پر سال، دو سال یا لائف ٹائم گارنٹی دیتی ہیں، یہ گارنٹی حکم کے لحاظ سے کفالت بالدرک ہے جو عرف کی بنا پر جائز ہے۔علاوہ ازیں گارنٹی میں بائع (کمپنی) کی حیثیت ایک کفیل کی ہوتی ہے کہ عیب کی صورت میں کمپنی اس کی ذمہ دار ہوتی ہے اور بائع کا مشتری کے لیے تمام صورتوں میں کفیل بننا جائز ہے، لہذا گارنٹی دینا شرعاً درست رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما الكفالة بالمال فجائزة معلوما كان المكفول به، أو مجهولا إذا كان دينا صحيحا مثل أن يقول تكفلت عنه بألف أو بمالك عليه، أو بما يدركك في هذا البيع؛ لأن مبنى الكفالة على التوسع، فيتحمل فيه الجهالة وعلى الكفالة بالدرك إجماع.(١)

ترجمہ:

اور کفالت بالمال جائز ہے، مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول، بشرطیکہ دین صحیح ہو، مثلاً یہ کہے کہ اس کی طرف سے ایک ہزار کا کفیل ہو گیا یا اس مال کا جو تیرا اس پر ہے یا نقصان کا جو تجھ کو اس بیع میں پڑے، کیوں کہ کفالت کی بنیاد توسع پر ہے، اس لیے اس میں جہالت برداشت کی جا سکتی ہے اور کفالت بالدرک پر اجماع ہے۔

کفالت سے دست برداری

سوال نمبر (302):

ایک شخص لوگوں کا مقروض تھا۔اس کے والد نے قرض خواہوں سے کہا، اگر میرا بیٹا قرض ادا نہ کر پایا تو میں اس کے حصہ کی زمین تمہیں دے دوں گا۔اب والد اس کفالت سے دست بردار ہو رہا ہے، حالانکہ کفالت نامہ اور گواہان موجود ہیں۔شرعاً کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

(١) الهداية، كتاب الكفالة: ١٢٢/٣

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر واقعی والد نے بیٹے کی طرف سے قرض خواہوں کو قرض ادا کرنے کی کفالت قبول کی ہو تو یہ اس وقت تک اپنے بیٹے کا کفیل رہے گا، جب تک مکفول عنہ (بیٹا) قرض ادا نہ کرے یا مکفول لہ (قرض خواہ) کفیل (والد) کو کفالت سے بری نہ کردیں۔ کفالت سے انکار پر کفیل (والد) کفالت سے بری نہیں ہوسکتا، بشرطیکہ کفالت سے انکار کی صورت میں کفالت کے گواہ موجود ہوں۔

والدّلیل علی ذلک:

لیس للکفیل أن یخرج من الکفالة بعد انعقادھا. (۱)

ترجمہ: کفالت کے منعقد ہونے کے بعد کفیل کے لیے کفالت سے خروج کا حق نہیں رہتا۔

❀❀❀

کفالت بالنفس میں کفیل کی ذمہ داری

سوال نمبر(303):

ایک شخص دُکان دار کے لیے بطور ضمانت رجسٹریشن کے لیے ''وکالت التجاری'' میں کفیل بنا، دُکان دار بروقت ادائیگی نہ کرسکا، کفیل نے بارہا اس کو ''وکالت التجاری'' حاضر کیا۔ کیا کفیل اس طرح کرنے سے بری ہوجاتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہی اعتبار سے اگر ضمانت صرف افراد کی ہو تو یہ کفالت بالنفس کے زمرہ میں آتا ہے اور کفالت بالنفس میں کفیل اگر مکفول عنہ کو ایسی جگہ حاضر کردے، جہاں مکفول لہ اس سے مخاصمت پر قادر ہو تو اس سے کفیل کفالت سے بری ہوجاتا ہے۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں جب کفیل نے مکفول عنہ کو مکفول لہ (وکالت التجاری) کے دفتر میں کئی بار حاضر کیا، جہاں کمپنی مکفول عنہ (دُکان دار) سے اپنا حق وصول کرسکتی تھی، اس کے بعد کفیل بری ہوگیا۔ اب کمپنی کا کفیل سے مطالبہ کرنے کا حق نہیں۔

---

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، الکتاب الثالث في الکفالة، الباب الثاني: المادة: ٦٤٠، ص/٣٥٠

باپ کا بیٹے کے مہر میں ضمانت کے بعد رجوع

سوال نمبر (305):

ایک شخص نے اپنے بیٹے کی شادی کے موقع پر لڑکی والوں کی خواہش پر کچھ سونا اور ایک مکان لڑکی کے مہر میں لکھوا دیا اب وہ شخص اس سونے اور مکان کو لڑکی کی ملک میں دینے سے انکار کرتا ہے۔ واضح رہے کہ اس سونے کے بنے زیورات لڑکی کے پاس ہیں۔ کیا باپ اپنے بیٹے سے اس مکان کا مطالبہ کرسکتا ہے؟ اور کیا بیٹے کی شادی کرانا والدین کی شرعی ذمہ داری نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کی رُو سے بالغ بیٹوں کا نان نفقہ اور شادی کرانا وغیرہ والدین پر واجب نہیں، لیکن عرف اور حالات کے پیش نظر والدین اس کو اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ان کی شادی بیاہ کراتے ہیں، اس وجہ سے شادی بیاہ کا خرچہ اور مہر وغیرہ سب اپنی طرف سے برضا اور غبت دیتے ہیں۔ باقی نکاح وغیرہ میں والد کی حیثیت فقط ایک ولی کی ہوتی ہے۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر والد نے اپنے بیٹے کے مہر میں سونا اور مکان اس شرط پر لکھوا دیا ہو کہ مجھے واپس کرے گا تو اس صورت میں بیٹے پر مقررہ مہر کا واپس کرنا ضروری ہے، البتہ اگر والد بغیر کسی شرط کے اپنے بیٹے کے مہر کا ضامن ہوا ہو تو ایسی صورت میں والد رجوع کا حق نہیں رکھتا۔

والدّلیل علی ذلک:

(وصح ضمان الوليّ مهرها) أي سواء كان وليّ الزوج أو الزوجة......ثم إن كان بأمره رجع وإلافلا.(۱)

ترجمہ: (اور ولی اس کے مہر کا ضامن بن سکتا ہے) یعنی چاہے ولی خاوند کی طرف سے ہو یا بیوی کی طرف سے ---پھر اگر ولی ان میں سے ایک کے حکم سے ضامن بنا ہو تو رجوع کرسکتا ہے، ورنہ نہیں۔

ولایجب علی الأب نفقة الذكور الكبار.(۲)

ترجمہ: اور باپ پر اپنے بالغ بیٹوں کا نفقہ واجب نہیں۔

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح ،باب المهر ،مطلب في ضمان ولي المهر:۴/۲۸۶

(۲) الفتاوى الهندية،باب النفقات ،الفصل الرابع في نفقة الأولاد :۱/۵۶۳

کتاب المضاربۃ

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں نعمتوں اور صلاحیتوں کی تقسیم فرمائی ہے، بعض لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت وثروت سے سرفراز فرمایا ہے، لیکن ان میں تجارت اور کاروبار کی صلاحیت اور لوگوں سے مؤثر رابطہ کا شعور اور تجربہ نہیں اور بعض حضرات کے اندر تاجرانہ سوجھ بوجھ اور کاروباری صلاحیت تو ہے، لیکن سرمایہ نہیں ہے، اس کے نتیجے میں اگر یہ دونوں طبقے ایک دوسرے سے مدد نہ لیں تو ایک کی دولت اور دوسرے کی صلاحیت ضائع ہوتی رہے گی اور اگر مل کر کام کریں تو دونوں کو بھی نفع ہوگا اور بحیثیتِ مجموعی قوم اور سماج کو بھی ان سے فوائد ہوں گے، اسی لیے شریعت نے مضاربت کو جائز رکھا۔(۱)

لغوی تحقیق:

مضاربۃ "ضرب" سے ہے اور ضرب کا معنی ہے زمین پر چلنا، پھرنا اور سفر کرنا۔ تجارت میں عموماً چلنے پھرنے اور سفر کی ضرورت پیش آنے کی وجہ سے اس کو مضاربت کہتے ہیں۔

جیسا کہ قرآن کریم کی آیت:

﴿وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾(۲)

میں بھی یہی معنی مراد ہے۔(۳)

اصطلاحی تحقیق:

"هي شركة بمال من جانب و عمل من جانب اخر".

(تجارت کی غرض سے) ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل اور محنت کے بعد حاصل

---

(۱) تبيين الحقائق، كتاب المضاربة،:٥/٥١٤،٥١٥،بدائع الصنائع، كتاب المضاربة:٨/٥، خالد سيف الله رحماني' قاموس الفقه، مادة (مضاربة): ٥ /١١٨

(۲) المزمل:۲۰

(۳) لسان العرب، محمد بن منظور الأفريقي ،مادة ضرب:٨/٣٦،دار الفكر إحياء التراث العربي

ہونے والی باہمی شرکت کا نام مضاربت ہے۔

بعض دوسرے فقہا کے ہاں یہ شرکت ہی کی ایک قسم ہے۔(۱)

مضاربت کو قراض اور معاملہ بھی کہا جاتا ہے۔علمائے عراق کے ہاں زیادہ تر مضاربت اور فقہائے حجاز کے ہاں عموماً قراض کی تعبیر مروج ہے۔قراض کا معنی بھی زمین میں چلنا پھرنا اور سفر کرنا ہے۔(۲)

مضاربت اور بضاعت میں فرق:

ان دونوں میں ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل ہوتا ہے،تاہم مضاربت میں عمل کرنے والا (مضارب) نفع میں شریک ہوتا ہے،جب کہ ابضاع میں عمل کرنے والا متبرع ہوتا ہے،سارا نفع رب المال لیتا ہے۔ اور اگر نفع سارا کا سارا عمل کرنے والا لے اور رب المال کچھ بھی نہ لے تو یہ قرض ہے،تاہم اس صورت میں نقصان اور ہلاکت کی ساری ذمہ داری مضارب پر ہوگی۔(۳)

مشروعیت:

عملِ مجہول اور اجرِ معدوم پر عقد کی وجہ سے قیاس مضاربت کا مخالف ہے،تاہم قرآن،حدیث،اجماع اور تعامل الناس کی وجہ سے یہ استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے۔

☆......قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتوں سے اس کی مشروعیت کی طرف اشارہ ملتا ہے:

(۱) ﴿وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ (٤)

(۲) ﴿لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ (٥)

☆......احادیثِ کریمہ سے:

حضرت عباسؓ جب کسی کو مضاربت پر مال دیتے تو یہ شرط لگاتے کہ اس مال کو لے کر سمندر میں سفر نہیں کروگے۔۔۔۔اگر مضارب نے ایسا کیا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا،پھر اس کی یہ شرط رسول اللہ ﷺ کو پہنچ گئی،تو

(۱) بدائع الصنائع،حاشیہ (۱)،کتاب المضاربۃ:۳/۸،تبیین الحقائق،کتاب المضاربۃ:٥/٥١٤

(۲) الموسوعۃ الفقہیۃ،مادۃ(مضاربۃ):۳۸/۳٥،بدائع الصنائع،حاشیہ (۱)،کتاب المضاربۃ:۳/۸

(۳) الفتاوی الهندیة،کتاب المضاربة،الباب الأول في تفسیرها :٤/٢٨٥

(٤) المزمل:۲۰

(٥) البقرۃ:۱۹۸

آپ ﷺ نے یہ شرط جائز قرار دی۔(۱)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت بھی لوگ مضاربت کرتے تھے، تاہم رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کسی کو بھی ایسا کرنے سے نہیں روکا، لہذا آپ ﷺ کا ایسا کرنا "تقریر النبی" ہے جو کہ سنت کی ایک قسم ہے۔(۲)

☆......اجماع امت اور تعامل الناس سے: صحابہ میں سے اکثر صحابہؓ نے یتیم کا مال کسی کو مضاربت پر دیا تھا اور کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ اسی طرح دورِ صحابہ سے لے کر آج تک ہر دور میں اس کے جواز پر لوگوں کا اتفاق رہا اور لوگوں کی شدتِ ضرورت بھی اس کے جواز کی مقتضی ہے۔(۳)

مضاربت کی اصطلاحات:

سرمایہ لگانے والے کو رب المال اور اس سرمائے سے تجارت کرنے والے عامل کو مضارب کہتے ہیں۔ بنیادی سرمائے کو رأس المال، جب کہ مذکورہ سرمایہ کاری (عقد مضاربت) پر حاصل ہونے والی نفع کو ربح کہا جاتا ہے۔

مضاربت کے ارکان:

حنفیہ کے ہاں دوسرے معاملات کی طرح مضاربت بھی ایجاب وقبول کے ذریعے منعقد ہوتی ہے۔ مضاربہ، معاملہ یا مقارضہ کے صریح الفاظ سے ہو یا ان ہی کے ہم معنی دوسرے الفاظ سے۔(۴)

جمہور فقہا کے ہاں عاقدین، رأس المال، عمل، نفع اور صیغہ سب اس کے ارکان ہیں۔(۵)

مضاربت کی صحت کی شرائط:

یہ شرائط تین قسم پر ہیں: کچھ عاقدین سے متعلق، کچھ رأس المال سے متعلق اور کچھ ربح سے متعلق ہیں۔

---

(۱) السنن الکبری للبیھقي، کتاب القراض ، رقم(۱۱۸۱۵):۹/۲۱،دارالفکر بیروت لبنان

(۲) بدائع الصنائع، کتاب المضاربة:۸/۴

(۳) بدائع الصنائع ،کتاب المضاربة:۸/۴، ۵،تبیین الحقائق، کتاب المضاربة:۵/۵۱۴، ۵۱۵

(٤) الفتاوی الهندیة، کتاب المضاربة،الباب الأول في تفسیرها.........إلخ:٤/٢٨٥،بدائع الصنائع ،کتاب المضاربة، فصل في أرکان المضاربة:۸/۵

(٥) الفقه الإسلامي وأدلته،القسم الثالث،العقود أو التصرفات المدنیة المالیة،الفصل الخامس الشرکات ،المبحث الثاني شرکة المضاربة،المطلب الأول رکن المضاربة و الفاظها وأنواعها:٤/٨٣٩

عاقدین سے متعلق:

(۱) عاقدین میں سے ہر ایک خود وکیل بننے اور دوسرے کو وکیل بنانے کا اہل ہو، یعنی عقل اور بلوغ شرط ہیں، اسلام اور حریت شرط نہیں، لہٰذا چھوٹے بچے اور دیوانے کی مضاربت درست نہیں، تاہم مسلمان اور کافر کے درمیان مضاربت درست ہے۔(۱)

رأس المال سے متعلق شرائط:

(۲) رأس المال دراہم ودنانیر اور مروجہ کرنسی (ثمن، زر) کے قبیل سے ہو۔ امام محمدؒ کے ہاں ہر مروج کرنسی رأس المال بن سکتی ہے۔ فتوی بھی اسی پر ہے۔ سونے چاندی کی خالص شکل کا حکم عرف اور تعامل کے اعتبار سے ہوگا۔ اگر اس کی ڈھلیوں کو بھی ثمن کے طور پر استعمال کرتے ہوں تو مضاربت درست ہے، ورنہ نہیں۔(۲)

کرنسی کے علاوہ اشیا میں مضاربت کی درست صورت اس طرح ہو سکتی ہے کہ مضارب کو سامان دے دے اور کہے کہ اسے کرنسی سے فروخت کردو اور اسی سے مضاربت کرو۔(۳)

(۳) رأس المال معلوم ومتعین ہو (قدراً وجنساً وصفۃً)۔ یہ تعیین زبان سے بھی ہو سکتی ہے اور اشارہ وکتابت سے بھی۔

(۴) رأس المال نقد کی شکل میں ہو، لہٰذا اگر رب المال کے لیے مضارب کے ذمے قرض ہو اور اس میں مضاربت کی شرط لگا دیں تو یہ مضاربت فاسد ہوگی، البتہ اگر کسی تیسرے شخص پر قرض ہو اور یہ کہے کہ تم وہ قرض وصول کرو اور اس پر مضاربت کرو تو درست ہے۔(۴)

(۵) رب المال کے لیے ضروری ہے کہ وہ رأس المال مضارب کے حوالہ کردے اور اس کے قبضہ میں دے دے، اس لیے کہ رأس المال مضارب کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے، لہٰذا حوالہ کیے بغیر اس میں مضاربت درست نہ ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ رب المال مضارب کے حقِ تصرف میں بالکل شریک نہ ہو، ورنہ مضاربت فاسد ہو جائے گی،

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب المضاربة، فصل في شرائط الركن: ٨/٩

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب المضاربة، الباب الأول: ٤/ ٢٨٦، بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في شرائط الركن، وأما الذي يرجع إلى رأس المال: ٨/ ١٠_١٥

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب المضاربة، الباب الأول: ٤/ ٢٨٦

(٤) بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في شرائط الركن، وأما الذي إلى رأس المال: ٨/ ١٥_١٧، الفتاوى الهندية، كتاب المضاربة، الباب الأول: ٤/ ٢٨٦

اس لیے کہ شرکت اور مضاربت میں بنیادی فرق یہی ہے کہ مضاربت میں عمل صرف مضارب کی طرف سے ہوگا ،بخلاف شرکت کے،لہذا اگر مضاربت میں یہ شرط لگائی گئی کہ رب المال بھی عمل کرے گا تو مضاربت باطل ہے،اگرچہ وہ عمل نہ کرے،البتہ اگر سرمایہ عاقد کا اپنا نہ ہو، بلکہ چھوٹے بچے کا یا مجنون کا ہو اور وہ محض ولی ہو تو وہ نفع میں شریک ہونے کے لیے عمل میں شرکت کی شرط لگا سکتا ہے۔(۱)

حنفیہ،شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں ودیعت، مال مغصوبہ اور مال مشاع میں بھی مضاربت درست ہے۔(۲)

ربح سے متعلق شرائط:

(۶) مضارب اور رب المال دونوں نفع میں شریک ہوں۔اگر تمام نفع کی شرط رب المال کے لیے لگادی جائے تو یہ معاملہ بضاعت بن جائے گا اور نفع ونقصان بھی اسی کو راجع ہوگا۔اور اگر پورا نفع مضارب کے لیے طے کردیا جائے تو یہ سرمایہ اس پر قرض بن جائے گا اور نفع ونقصان بھی اس سے متعلق ہوگا۔(۳)

(۷) عقد کرتے وقت نفع میں سے رب المال اور مضارب کا حصہ متعین کرنا ضروری ہے۔اگر مال حوالہ کرتے وقت یہ کہا کہ دونوں نفع میں شریک ہوں گے،لیکن نفع کی مقدار کا تذکرہ نہ کر سکے تو امام ابو یوسفؒ کے ہاں مضاربت درست ہے اور دونوں نصف کے حق دار ہوں گے۔(۴)

(۸) نفع میں سے رب المال اور مضارب کا حصہ تناسب کے اعتبار سے ہو،مثلاً: نصف،ثلث وغیرہ۔متعین مقدار (ہزار دو ہزار) کی شرط لگانے سے عقد فاسد ہو جائے گی۔(۵)

(۹) مضارب کے لیے متعین کردہ حصہ نفع میں سے ہو،اصل سرمایہ (رأس المال) میں سے نہ ہو۔اگر یہ شرط لگائی جائے کہ اس کو نفع کے ساتھ ساتھ رأس المال میں سے بھی کچھ دیا جائے گا تو عقد فاسد ہوگی۔(۶)

---

(۱) بدائع الصنائع ،کتاب المضاربة،فصل في شرائط الركن ،وأما الذي إلى رأس المال:۸/۲۱،الفتاوی الهندية، كتاب المضاربة، الباب الأول:۴/۲۸۶،۲۸۷

(۲) الموسوعة الفقهية،مادة(مضاربة):۳۸/۵۱_۵۳

(۳) قاموس الفقه،مادة مضاربت:۵/۱۱۹،الفتاوی الهندية، كتاب المضاربة،الباب الأول في تفسيرها:۴/۲۸۵

(۴) بدائع الصنائع، كتاب المضاربة،فصل في شرائط الركن :۸/۲۳

(۵) بدائع الصنائع، كتاب المضاربة ،فصل في شرائط الركن:۸/۲۴

(۶)الفتاوی الهندية، كتاب المضاربة،الباب الأول في تفسيرها:۴/۲۸۷

مضاربت کی اقسام:

حنفیہ کے ہاں اس کی دو قسمیں ہیں: مطلقہ و مقیدہ۔

مضاربتِ مطلقہ:

اگر رب المال سرمایہ (رأس المال) دیتے وقت کسی عمل، مکان، زمان، کام کی نوعیت اور معاملہ کرنے والے اشخاص کی تعیین نہ کرے تو مضاربت مطلقہ ہے۔

مضاربتِ مقیدہ:

یہ وہ مضاربت ہے جس میں رب المال سرمایہ دیتے وقت مذکورہ چیزوں میں سے کسی کو متعین و مشروط کردے۔ پھر ان دونوں قسموں میں مضارب کے تصرف کی چار صورتیں ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔(۱)

علامہ موصلی نے مضاربت کو عام اور خاص میں تقسیم کیا ہے اور پھر اس تعیم و تخصیص کے اعتبار سے اس کی الگ الگ قسمیں بھی بیان کردی ہیں۔(۲)

مضارب کے تصرفات کی تفصیل:

مضارب کے تصرفات کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) وہ تصرفات جو مضارب رب المال کی تصریح کے بغیر انجام دے سکتا ہے، اگر چہ وہ اس کو "اعمل برأیک" نہ کہے۔ یہ صورت مضاربتِ مطلقہ کی ہے۔ اس میں مضارب محض عقدِ مضاربت سے مندرجہ ذیل تصرفات کا مجاز ہوتا ہے۔

خرید و فروخت کرنا، وکیل بنانا، رہن رکھنا اور رہن لینا، مزدور رکھنا، امانت رکھنا، کسی کو مال حوالہ کرنا، کسی کو مال "بضاعت" پر دینا وغیرہ، اس لیے کہ یہ تمام کام ہر تاجر کے لیے ضروری ہیں۔(۳)

اسی طرح مضارب کو نقد و ادھار فروخت کرنے کی بھی اجازت ہے۔(۴)

(۱) بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في بيان أحكام المضاربة، وأما الذي يرجع إلى عمل المضارب: ۸/۲۸، ۲۹

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة مضاربة: ۳۸/۳۹

(۳) بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في بيان أحكام المضاربة: ۸/۲۹، ۳۲

(٤) الفتاوى الهندية، كتاب المضاربة، الباب الرابع فيما يملك المضارب من التصرفات و مالا يملك: ٤/۲۹۳، بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في بيان أحكام المضاربة، و أما القسم الذي للمضارب أن يعمله من غير التخصيص منه: ۸/۳۱

اسی طرح وہ مال کو لے کر سفر بھی کرسکتا ہے، البتہ صاحبین کے ہاں ایک معمولی چیز کو بہت زیادہ قیمت سے خریدنا یا قیمتی شے کو بہت سستا فروخت کرنا (لایتغابن الناس في مثلہ) مضارب کے لیے جائز نہیں۔ حنفیہ کے ہاں یہی مفتی بہ قول ہے۔(۱)

(۲) وہ تصرفات جو رب المال کی اجازت کے بغیر جائز نہیں:

مضاربتِ مطلقہ میں مندرجہ ذیل تصرف کا حق مضارب کو نہیں جب تک وہ اس کو ''اعمل برأیک'' نہ کہے، الا یہ کہ رب المال اس کی تصریح کردے، مثلاً: قرض دینا یا قرض لینا، ہبہ کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ، کیوں کہ اس طرح کے تصرفات میں یا تو کاروباری پہلو سے نقصان یقینی ہے یا اس کا کافی امکان ہے۔(۲)

(۳) وہ تصرفات جو عمومی اجازت "اعمل برأيك" سے حاصل ہوں۔

یہ وہ تصرفات ہیں جو محض مضاربت سے حاصل نہیں ہوتے، بلکہ یہ تب حاصل ہوتے ہیں، جب رب المال کی طرف سے یہ کہا جائے کہ تم جو مناسب سمجھو، کرو (اعمل برأیک)۔ اس صورت میں مضارب کسی اور کو یہی مال مضاربت پر دے سکتا ہے، اسی طرح کسی اور سے شرکتِ عنان بھی کرسکتا ہے۔ اور مضاربت کا مال اپنے یا دوسرے کے مال سے بھی خلط کرسکتا ہے۔(۳)

رب المال کے عمومی اجازت کے بغیر کسی اور سے مضاربت کرنے میں فقہا کے ہاں کافی تفصیل ہے۔(۴)

(۴) وہ تصرفات جو صراحت کے باوجود معتبر نہیں:

بعض تصرفات رب المال کی اجازت کے باوجود جائز نہیں، جیسے: مردار، خون، شراب، خنزیر وغیرہ کی خرید و فروخت، کیوں کہ یہ اشیا شریعت کی نگاہ میں مال ہی نہیں، اسی طرح اپنے اور رب المال کے محارم (غلاموں) کو

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المضاربة، الباب الرابع، فيمايملك المضارب من التصرفات ومالايملك: ٤/ ٢٩٤، بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في بيان أحكام المضاربة، وأماالقسم الذى للمضارب أن يعمله من غير التحصيص منه: ٨/ ٢٩

(۲) بدائع الصنائع، كتاب المضارب، فصل في بيان أحكام المضاربة: ٨/ ٣٥، ٣٩، قاموس الفقه، مادة (مضاربة): ٥/ ١٢٢

(۳) بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في بيان أحكام المضاربة، وأماالقسم الذي للمضارب أن يعمله إذا......: ٨/ ٤٥

(٤) وللتفصيل فليراجع الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث، العقود أو التصرفات المدنية المالية، الفصل الخامس الشركات، المبحث الثاني شركة المضاربة، المطلب الثالث المضارب يضارب: ٤/ ٨٥٨، ٨٦١

خریدنا بھی اس کے لیے جائز نہیں۔(۱)

مضاربتِ مقیدہ کا حکم:

مضاربتِ مطلقہ ومقیدہ میں باہم تھوڑا سا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ رب المال کی طرف سے لگائی ہوئی قید کی رعایت۔علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ اگر قید کسی اعتبار سے معاملہ کے لیے مفید ثابت ہوسکتی ہو تو اس کا اعتبار ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"المسلمون علی شروطھم ."(۲)

مسلمان اپنی تسلیم شدہ شرطوں کے پابند ہیں۔

لہٰذا رب المال کی طرف سے کسی خاص جگہ اور مدت کی تحدید درست ہے، اِسی طرح تجارت کے لیے اشخاص، افراد اور مال کو متعین کرنا درست ہے۔اس صورت میں اگر مضارب نے شرط کی خلاف ورزی کی تو وہ اس کا ضامن ہوگا اور جو کچھ اس نے خرید وفروخت کی ہے، اس کا نفع ونقصان خود اس کی ذات سے متعلق ہوگا اور اس عقد سے ہونے والے نفع کو صدقہ کرنا اس پر واجب ہوگا۔(۳)

عقد مضاربت میں مضارب کی مختلف حیثیت:

مضارب راس المال میں تصرف سے قبل امین کا درجہ رکھتا ہے، لہٰذا سرمایہ کی نسبت سے اس پر وہی احکام جاری ہوں گے جو امانت پر جاری ہوتے ہیں۔تصرف کے بعد اس کی حیثیت وکیل کی ہوجاتی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ نے نفع سے نوازا تو وہ اس نفع میں معین تناسب کے مطابق شریک متصور ہوگا۔اگر کسی وجہ سے مضاربت کا معاملہ فاسد ہوگیا تو وہ اس میں اجیر ہوگا اور پورے نفع کا حق دار سرمایہ کار اور مضارب اس کام کی مروجہ (اُجرت مثل) کا مستحق ہوگا۔

اگر مضارب نے رب المال کی ہدایت کی خلاف ورزی کی اور وہ خلاف ورزی شرعاً اس کے لیے جائز نہ تھی تو مضارب

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب المضاربۃ،فصل في بیان أحکام المضاربۃ ،وأما القسم الذي لیس للمضارب أن یعملہ أصلا ورأساً:۸/ ۵۰

(۲) السنن الکبری للبیھقي ، کتاب الشرکۃ ،باب الشرط في الشرکۃ وغیرھا رقم ۱۱۶۱۸،۸:۱۱۶۱۸/۴۵۷

(۳) الفتاوی الھندیۃ، کتاب المضاربۃ الباب السادس فیمایشرط علی المضارب من الشروط :۴/ ۲۹۸،بدائع الصنائع ، کتاب المضاربۃ،فصل في بیان ا حکام المضاربۃ المقیدۃ:۸/ ۵۰،۵۱

اس صورت میں رأس المال پر غاصب سمجھا جائے گا۔(۱)

رب المال اور مضارب میں کثرت کا حکم:

عقدِ مضاربت میں سرمایہ کار، یعنی رب المال ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں، جیسے چند آدمی مل کر مضاربت کے لیے کسی کو سرمایہ دے دیں۔ مضارب ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں، یعنی ایک شخص مشترکہ طور پر ایک سے زیادہ آدمیوں کو تجارت کے لیے سرمایہ حوالہ کرے۔(۲)

ربّ المال کے تصرفات:

(۱) رب المال اور مضارب ایک دوسرے کے ساتھ باہم خرید و فروخت کر سکتے ہیں، چاہے مضاربت میں نفع ہوا ہو یا نہیں۔

(۲) رب المال مضارب سے خریدے ہوئے سامان کو مرابحتاً کر سکتا ہے، تاہم مناسب یہ ہے کہ اقل ثمنین پر مرابحہ کرے یا مشتری کو سب کچھ بتا کر مرابحہ کرے، تاکہ خیانت اور دھوکے سے بچ جائے۔

(۳) مضارب کے خریدے ہوئے گھر پر رب المال شفعہ کر سکتا ہے، تاہم اُس کے فروخت کردہ گھر میں رب المال شفعہ نہیں کر سکتا، اس لیے کہ مضارب تو اس کا وکیل ہے اور وکیل جب مؤکل کی طرف سے گھر فروخت کر رہا ہو تو مؤکل کو شفعہ کا حق نہیں ہوتا۔(۳)

(۴) رب المال کئی عاملوں کو الگ الگ یا مشترکہ طور پر مضاربت کے لیے مال دے سکتا ہے اور رب المال بھی اپنے ساتھ دوسرے کو ملا کر مشترکہ طور پر رب المال (سرمایہ کار) بن سکتے ہیں۔(۴)

عقدِ مضاربت میں شروطِ فاسدہ کے لیے اُصول:

حنفیہ کے ہاں جو شرط فاسد نفع میں جہالت کا سبب بن رہا ہو، اُس سے مضاربت فاسد ہو جائے گی اور جو شرط

(۱) تبين الحقائق مع كنز الدقائق ، كتاب المضاربة:٥/٥١٥،بدائع الصنائع ، كتاب المضاربة،فصل في بيان أحكام المضاربة:٨/٢٦،٢٧

(٢) الفتاوىٰ الهندية،كتاب المضاربة ،الباب الخامس في دفع مال المضاربة إلى رجلين :٤/٢٩٦،الموسوعة لفقهية ، مادة مضاربة :٣٨/٦٨

(٣) بدائع الصنائع ،كتاب المضاربة ،فصل في بيان أحكام المضاربة:٨/٥٦،٦٠

(٤) الفتاوىٰ الهندية،الباب الخامس في دفع المال مضاربة الى رجلين :٤/٢٩٦،الموسوعة الفقهية،مادةمضاربت : ٣٨/٦٦-٦٨

اس قسم کی نہ ہو، یعنی نفع جہالت کا سبب نہ ہو تو وہ شرط فاسد خود باطل ہو جائے گی اور مضاربت درست رہے گی۔(۱)

حنفیہ کے ہاں مندرجہ ذیل شرائط مضاربت کو فاسد کر دیتی ہیں۔

(۱) عمل (محنت) میں رب المال کو شریک کرنے کی شرط۔

(۲) عاقدین میں سے کسی ایک یا دونوں کے لیے نفع کی کوئی خاص مقدار مقرر کرنا، مثلاً ہزار دس ہزار وغیرہ۔

(۳) مضارب کی تعدی کے بغیر راس المال ہلاک ہونے کی صورت میں مضارب کو ذمہ دار ٹھہرانے کی شرط۔(۲)

مضاربتِ صحیحہ کے احکام وآثار:

مضارب سے متعلق:

(۱) مضاربتِ صحیحہ میں مضارب کے سفری اور تجارتی اخراجات اصل سرمائے سے ادا کیے جائیں گے، تاہم اگر مالِ مضاربت کا نفع موجود ہو تو اصل سرمائے کی بجائے اس نفع سے اخراجات کا بوجھ برداشت کیا جائے گا۔ اخراجات کی مقدار اور کیفیت میں تجارت کے عرف اور عادت کو دیکھا جائے گا۔(۳)

(۲) مضاربتِ صحیحہ میں مضارب کا دوسرا حق یہ ہے کہ وہ پہلے سے مقرر کردہ حصے کے مطابق نفع میں رب المال کے ساتھ شریک ہوگا، تاہم نفع کا یہ استحقاق تب ہوگا، جب معاملہ ختم ہونے کے بعد دونوں باہم تقسیم کر لیں اور رب المال اپنا سرمایہ واپس لے لے۔ اگر اصل سرمایہ لیے بغیر نفع تقسیم ہو تو پہلے سے تقسیم شدہ نفع کو اصل سرمائے میں سے حساب کیا جائے گا۔(۴)

رب المال سے متعلق:

(۳) رب المال کا حق صرف نفع سے متعلق ہے، اگر نفع ہو گیا تو وہ مقررہ تناسب کے اعتبار سے اپنا نفع لے لے گا، اگر نفع نہیں ہوا تو مضارب پر کوئی ذمہ داری نہیں۔(۱)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب المضاربة، فصل في شرائط الركن: ۸/۲۴ـ۲۵

(۲) الموسوعة الفقهية: مادة مضاربة: ۳۸/۶۳ـ۶۴

(۳) بدائع الصنائع، کتاب المضاربة، فصل في بيان أحكام المضاربة وأما الذي يستحقه المضارب بالعمل: ۸/۶۴ـ۶۸

(۴) بدائع الصنائع، کتاب المضاربة، فصل في بيان أحكام المضاربة وأما الذي يستحقه المضارب بالعمل: ۸/۶۹ـ۷۰

(۵) بدائع الصنائع، کتاب المضاربة، فصل في بيان أحكام المضاربة وأما الذي يستحقه رب المال: ۸/۷۱

مضاربت میں ہونے والے نقصان کا ازالہ:

(۴) عقدِ مضاربت میں اگر نقصان ہوجائے تو یہ نقصان سرمائے سے پورا کیا جائے گا، تاہم اگر کئی سال سے مضاربت ہورہی تھی اور نفع بھی مل رہا تھا، پھر نقصان ہوگیا تو اوّلاً گزشتہ سالوں میں ہونے والے نفع سے اس نقصان کا ازالہ کیا جائے گا، اگر اُس نفع سے تلافی نہ ہوسکی تو پھر اصل سرمائے سے نقصان کی تلافی ہوگی۔

(۵) مالِ مضاربت میں زکوۃ کا حکم:

اگر مالِ مضاربت پر سال گزر جائے تو رب المال کے ذمے اصل سرمائے کے ساتھ ساتھ نفع میں سے اپنے حصے کی زکوۃ بھی دینا ہوگا۔ جب کہ مضارب کا حصہ نفع اگر نصاب کے برابر ہو تو وہ صرف اپنے حصے سے زکوۃ دے گا۔(۱)

مضاربتِ فاسدہ کے احکام:

(۱) اگر مضاربت فاسد ہوجائے تو مضارب کے لیے اب سرمایہ میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں اور نہ وہ مقرر کردہ نفع یا اخراجاتِ سفر کا حق دار ہے، بلکہ اس کو اپنے عمل کے بقدر اجرتِ مثل ملے گی، چاہے عقد میں نفع ہوا ہو یا نہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ جب مضارب یتیم کا وصی یا ولی ہو، اس کو کسی بھی صورت میں اجرِ مثل نہیں ملے گی۔(۲)

امام ابو یوسفؒ کے ہاں ربح نہ ہونے کی صورت میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس قول کو زیادہ صحیح کہا ہے اور ربح ہونے کی صورت میں بھی اجرِ مثل کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اجرِ مسمی سے زیادہ نہ ہو۔(۳)

(۲) مضاربت فاسد ہوجانے کے بعد مضارب کے تصرف سے ہونے والے تمام نفع کا حق دار مالک ہوگا۔

(۳) مضاربتِ فاسدہ میں ہونے والے نقصان کا ذمہ دار بھی رب المال ہوگا کی شرط یہ کہ اس میں مضارب کی تعدی اور فعل کو دخل نہ ہو۔(۴)

---

(۱) المبسوط، کتاب الزکاۃ ،باب العش:۲/۲۰٤

(۲) بدائع الصنائع، وأما حکم المضاربة الفاسدة:۸/۷۱

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب المضاربة:۸/٤۳۱،٤۳۲

(٤) تبیین الحقائق مع کنز الدقائق، کتاب المضاربة:۵/۵۱۹،۵۲۰

(۴) نقصان اور ہلاکت کے متعلق مضارب کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا، اس لیے کہ فسادِ عقد کے باوجود مال اس کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے۔(۱)

مضاربت عقدِ لازم ہے:

مضاربت کا معاملہ فریقین میں سے کسی کے لیے لازمی نہیں ہوتا۔ فریقین میں سے ہر ایک یک طرفہ طور پر اس کو فسخ کرسکتا ہے، تاہم فسخ کرتے وقت دو باتوں کی رعایت ضروری ہے،

(۱) فریقِ آخر کو عقد فسخ کرنے کی اطلاع ہو جائے۔

(۲) مضاربت کا بنیادی سرمایہ اس وقت کرنسی کی صورت میں موجود ہو، اگر سامان کی صورت میں ہو تو ایسا کرنا درست نہ ہوگا، تاکہ مضارب اس کو فروخت کرکے اس کو کرنسی کی صورت دے سکے اور نفع میں سے اپنا حق لے سکے۔(۲)

مضاربت فسخ ہونے کے اسباب:

(۱) فریقین میں سے کوئی معاملہ فسخ کردے یا رب المال مضارب کو تصرف سے روک دے۔

(۲) فریقین میں سے کسی ایک کی موت واقع ہو جائے۔

(۳) فریقین میں سے کسی پر جنون مطبق طاری ہو جائے یا ہر وہ شے جس سے وکالت باطل ہوتی ہے۔

(۴) اصل سرمایہ کوئی سامان خریدے بغیر ہی ضائع ہو جائے تو بھی مضاربت ختم ہو جائے گی۔

(۵) فریقین میں سے کسی کا نعوذ باللہ مرتد ہو جانا اور اس کے دار الحرب جانے پر قاضی کا فیصلہ ہونا۔

(۶) جن امور سے وکالت باطل ہوتی ہے، ان سے مضاربت بھی باطل ہوتی ہے۔(۳)

(۷) فریقین میں سے کسی پر تجارتی پابندی (حجر لگنا بوجہ سفہ، یعنی بے وقوفی)۔(۴)

(۸) رب المال کا مضارب کی اجازت کے بغیر تمام رأس المال واپس لے لینا اور اس میں تصرف کرنا۔(۵)

❁❁❁❁❁

(۱) بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في بيان أحكام المضاربة، وأماحكم المضاربة الفاسدة: ۷۱/۸

(۲) بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في صفة عقد المضاربة: ۷۲،۷۱/۸

(۳) بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، فصل في مايبطل عقد المضاربة: ۷۹،۷۸/۸

(٤) الموسوعة الفقهية، مادة مضاربة: ۹۱/۳۸

(۵) الموسوعة الفقهية، مادة مضاربة: ۹۶/۳۸

مسائل متعلقه باب المضاربة

عقدِ مضاربت کی شرعی حیثیت اور طریقہ کار

سوال نمبر(306):

عقدِ مضاربت کسے کہتے ہیں؟اس کی شرعی حیثیت اور تفصیلی طریقہ کار کی وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

مضاربت دو فریقوں کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ ہے جس میں ایک فریق کا سرمایہ اور دوسرے فریق کا عمل ہوتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔صاحب مال کو رب المال اور سرمایہ دار کہتے ہیں، جب کہ عمل کرنے والے کو عامل اور مضارب کہتے ہیں اور جو مال لگایا جاتا ہے، وہ رأس المال اور سرمایہ کہلاتا ہے۔عقدِ مضاربت ایک مشروع عقد ہے۔لوگوں کی حاجت اور حضور ﷺ کی اجازت سے مشروع ہے۔چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

والدّليل على ذلك:

وهي مشروعة للحاجة إليها......وبعث النبي ﷺ والناس يباشرونه ،فقررهم عليه و تعاملت به الصحابةؓ.(۱)

ترجمہ:

عقدِ مضاربت لوگوں کی حاجت کی وجہ سے مشروع ہے۔نبی اکرم ﷺ جب مبعوث ہوئے تو لوگ مضاربت کیا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے اس کو برقرار رکھا اور صحابہ کرامؓ کا اس پر تعامل رہا۔

عقدِ مضاربت کے لیے باقاعدہ معاہدہ ضروری ہے،عمل صرف مضارب پر ہوتا ہے،رب المال پر عمل کی شرط لگانا جائز نہیں،تاہم رب المال اطمینان کے لیے نگرانی یا مضارب کی اجازت سے کام بھی کرسکتا ہے اور عقدِ شرکت کی طرح اس میں بھی نفع کی تقسیم کی شرح ابتداً طے کرنا چاہیے،اگر طے نہ ہوئی تو پھر نفع دونوں میں برابر تقسیم ہوگا۔

(۱) الهداية ،كتاب المضاربة :۳/۲٦۲

خیال رہے کہ نفع میں معین مقدار کی رقم مقرر نہ کی جائے کہ مثلاً کل نفع میں سے سو روپے لوں گا، شرح المجلہ میں ہے:

والدّلیل علی ذلک:

يشترط في المضاربة كشركة العقد كون رأس المال معلوما ،وتعيين حصة العاقدين من الربح جزءً شائعا ،كالنصف والثلث......إذالم تكن حصة العاقدين من الربح جزء شائعا، بل تعين لأحدهما الربح ....تفسد المضاربة.(١)

ترجمہ:

عقدِ مضاربت میں ''شرکت کے معاملات'' کی طرح اس شرط کا لحاظ رکھا جائے گا کہ رأس المال بھی متعین ہو اور عاقدین میں سے ہر ایک کا مقرر حصہ (عام وشائع) بھی متعین ہو، مثلاً آدھ، آدھ یا تہائی۔۔۔۔اگر عاقدین کے لیے مقرر کردہ حصہ عام وشائع نہ ہو، بلکہ منافع کی شرح میں سے ایک مقدار کسی کے لیے مقرر کی گئی تو پھر مضاربت کا عقد جائز نہیں ہوگا، فاسد ہو جائے گا۔

مضاربت میں نقصان ہو جائے تو اس کی تلافی اولاً نفع سے کی جائے گی، پھر اگر سارا نفع ختم ہو جائے اور نقصان باقی رہے تو پھر اس کی تلافی سرمایہ سے کی جائے گی، مضارب کے اوپر کوئی ضمان یا تاوان نہیں آئے گا۔ چنانچہ شرح المجلہ میں ہے:

والدّلیل علی ذلک:

إذا تلف مقدار من مال المضاربة ،يحسب في أول الأمر من الربح ،ولايسري إلى رأس المال ، وإذاتجاوز مقدا رالربح ،وسري إلى رأس المال ،فلايضمنه المضارب سواء كانت المضاربة صحيحة أو فاسدة.......على كل حال يكون الضرر والخسارة على رب المال.(٢)

ترجمہ:

اگر مالِ مضاربت میں سے کچھ ضائع ہوگیا تو سب سے پہلے منافع سے نقصان کا تدارک کیا جائے گا، رأس المال سے اس کا تدارک نہیں ہوگا اور اگر نقصان بہت زیادہ ہو اور نفع کی حدود سے آگے بڑھ کر رأس المال کی حد کو چھوئے تو مضارب اس نقصان کا ضامن نہیں ہوگا، چاہے مضاربت صحیح ہو یا فاسد، بہر صورت نقصان وخسارہ کا تدارک

(١) شرح المجلة لخالد الاتاسي ،الباب السابع في احاكم المضاربة ،الفصل الثالث ،المادة :١٤١١، ٣٣٢/٤-٣٣٥

(٢) شرح المجلة لخالد الاتاسي ،الباب السابع في احاكم المضاربة ،الفصل الثالث ،المادة :١٤٢٧، ٣٦٣/٤-٣٦٤

رب المال پر عائد ہوگا۔

مضاربت کو ختم کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ مضاربت کے تمام سامان کو فروخت کرکے رقم نقدی کی صورت میں لائی جائے گی، مضاربت کی جو قرض واجب الادا رقوم لوگوں کے ذمہ ہیں، وہ وصول کی جائیں گی۔ اس کے بعد تمام سرمایہ سے سرمایہ کار کا سرمایہ الگ کیا جائے گا، بقیہ رقم منافع کہلائے گی جو حسب معاہدہ تقسیم ہوگی اگر کچھ رقم نہ بچے تو مضارب کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر سرمایہ کار کی اصل سرمایہ کی رقم بھی پوری نہ ہوئی تو دورانِ مضاربت اگر مضارب و سرمایہ کار نے نفع وصول کیا تھا، وہ واپس لے کر سرمایہ میں ملایا جائے گا اور اگر اصل سرمایہ پورا ہو کر کچھ رقم باقی بچ گئی تو وہ نفع ہے، اسے تقسیم کرلیا جائے گا، ورنہ مضارب کو کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

والدّليل على ذلك:

وماهلك من مال المضاربة ،فهو من الربح دون رأس المال ،فإن زاد الهالك على الربح فلاضمان على المضارب ؛لأنه أمين ،وإن كانا يقتسمان الربح ،والمضاربة بحالها ،ثم هلك المال بعضه أو كله ترادا الربح حتى يستوفي رب المال رأس المال.(١)

ترجمہ:

مضاربت کا جتنا مال ہلاک ہوجائے تو اس کا تدارک منافع سے کیا جائے گا، راس المال سے اس کا حساب نہیں ہوگا، البتہ اگر نقصان زیادہ ہوجائے اور وہ منافع کی حدود سے آگے بڑھے تو اس صورت میں مضارب پر کوئی ضمان (تاوان) نہیں ہوگا، کیوں کہ اس کی حیثیت ایک امین کی ہے (جو کاروبار کی دیکھ بھال کرتا ہے) اور اگر عقدِ مضاربت میں رب المال اور مضارب نے حاصل شدہ منافع کو آپس میں تقسیم کردیا اور اب عقدِ مضاربت جاری ہے (منافع نہیں بچے صرف راس المال کی حد تک مال ہے) کہ اس کے بعد اتنا نقصان ہوگیا جو کل مال یا بعض مال کو گھیرے ہوئے ہے تو اس صورت میں رب المال اور مضارب نے جو منافع لیا تھا، وہ واپس کریں گے، جتنے منافع سے رب المال راس المال کی مقدار کو (اپنی اصلی صورت پر) پورا پورا برقرار رکھ سکے۔

(١) الهداية ،كتاب المضاربة ،باب المضارب يضارب :٣/ ٢٧٠، ٢٧١

مضاربت میں نقصان کی تلافی کا طریقہ کار

سوال نمبر(307):

زید نے عمرو کو 2,000,00 دولاکھ روپے مضاربت پر دے دیے، ان کے درمیان مضاربت کا معاملہ پانچ سال سے جاری ہے، اس دوران ان کو بہت سا منافع ہو چکا ہے جو یہ آپس میں تقسیم کر چکے ہیں۔اب پانچ سال بعد کاروبار میں کچھ نقصان ہوا، وہ نقصان غیر منقسم نفع سے زیادہ ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اس نقصان کی تلافی کیسے ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

واضح رہے کہ مضاربت کے معاملہ میں اگر کوئی نقصان ہو جائے تو سب سے پہلے اس کی تلافی حاصل شدہ منافع سے کی جائے گی اور منافع سے مراد وہ تمام منافع جات ہیں جو عقدِ مضاربت طے ہونے کے بعد سے حاصل ہو چکے ہیں، پھر خواہ مضارب اور رب المال اس کو وقتاً فوقتاً تقسیم کر چکے ہوں یا تقسیم نہ ہوئے ہوں، لہٰذا تمام تقسیم شدہ وغیر تقسیم شدہ منافع کو ملا کر نقصان کی تلافی کی جائے گی، پھر اگر نقصان اس سے بھی زائد ہو تو سرمایہ سے پورا کیا جائے گا اور مضارب کے ذمہ اس صورت میں کوئی نقصان لازم نہ ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

وماهلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال. فإن زاد الهالك على الربح فلاضمان على المضارب،وإن كانا يقتسمان الربح والمضاربة بحالها ،ثم هلك المال بعضه،أو كله ترادا الربح.(۱)

ترجمہ:

مضاربت کے مال میں جو نقصان ہو جائے تو وہ نفع سے پورا کیا جائے گا، نہ کہ اصل رقم سے، اگر نقصان نفع سے بڑھ جائے تو مضارب پر ضمان نہیں، اگر ان دونوں نے نفع تقسیم کیا ہو اور مضاربت بدستور چل رہی ہو اور پھر بعض یا کل مال ضائع ہو جائے تو تقسیم شدہ نفع دونوں واپس کریں گے۔

---

(۱) الهداية ،كتاب المضاربة ،فصل في العزل والقسمة :۳/ ۲۷۰، ۲۷۱

نقصان کا بوجھ مضارب پر ڈالنا

سوال نمبر(308):

مضاربت میں نقصان ہوا،اب اس کے تدارک کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟رب المال اور مضارب اگر نصف نصف برداشت کریں تو درست ہے یانہیں؟نیز اگر مضارب (عامل) نے نصف نقصان برداشت کرنے کا وعدہ کیا ہوتو اس کو نصف نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا جائز ہے یانہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

بہتر ہوتا کہ ایسے معاملات کی شرعی حیثیت اس وقت معلوم کی جاتی جس وقت طرفین عقد شروع کرنا چاہتے تھے،نقصان ہوجانے کی صورت میں ایسے مسائل پوچھنے پر تدین (دین کا مسئلہ سمجھ لینے) کی بجائے مفادات کے تحفظ کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔

تاہم مسئولہ صورت میں مضارب پر نقصان کا بوجھ ڈالنا جائز نہیں ،اگر مضارب نقصان چکانے کا وعدہ بھی کرے،پھر بھی نقصان چکانا لازم نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

رجل دفع لآخر أمتعة ،وقال بعها واشتربها وماربحت فبيننا نصفين ،فخسر،فلاخسران على العامل ،وإذا طلب صاحب الأمتعة بذلك ،فتصالحا على أن يعطيه العامل إياه لايلزمه .(١)

ترجمہ:

ایک آدمی نے دوسرے کوسامان تجارت دیااور کہا کہ خرید وفروخت کرو،جو نفع ہوگا نصفا نصف ہوگا،پس خسارہ ہواتو عامل پر خسارہ نہ ہوگااور اگر سامان تجارت کے مالک نے اس کے ساتھ کسی مال پر صلح کر لی،تب بھی اس پر اس کا دینا لازم نہیں۔

---

(١) تکملہ ردالمحتار علی الدرالمختار،کتاب المضاربة ،مطلب لاتصح المضاربة......:١٢/٣٧٥

مالِ مضاربت کو آگے مضاربت پر دینا

سوال نمبر(309):

عمرو نے زید سے اس شرط پر مضاربت کے لیے رقم لی کہ وہ خود کاروبار نہیں کرے گا، بلکہ کسی اور (یعنی بکر) کو مضاربت پر رقم دے گا۔بکر منافع کا آدھا حصہ لے کر باقی نصف میں دونوں شریک ہوں گے۔کیا مضاربت کی یہ صورت جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رب المال کی اجازت سے مضارب کا کسی اور کو مضارب بنانا شرعاً درست ہے اور معاہدہ کے مطابق سب کے درمیان نفع تقسیم ہوگا،یعنی جب مضاربِ اول کسی دوسرے کو مال مضاربت پر دے دے تو یہ معاملہ جائز ہے اور جب مضاربِ ثانی آدھا نفع مضارب اول کے حوالہ کرے تو مضاربِ اول اور اصل مالک اس کو آپس میں معاہدہ کے مطابق تقسیم کریں گے۔

صورتِ مسئولہ میں معاہدہ کے مطابق مضارب ثانی (بکر) نصف ربح کا مستحق ہوگا اور باقی نصف رب المال اور مضارب اول (زید وعمرو) کے مابین تقسیم ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو كان قال له فماربحت من شيئى ،فبيني وبينك نصفان ،وقد دفع إلى غيره بالنصف ،فللثاني النصف ،والباقي بين الأول ورب المال .(۱)

ترجمہ:

اگر رب المال نے مضارب اول سے یہ کہا ہو کہ جو کچھ تو نے نفع پایا،وہ میرے اور تیرے درمیان نصف نصف ہے اور حال یہ ہے کہ مضارب اول نے دوسرے کو نصف پر دیا تو دوسرے مضارب کے لیے نصف نفع ہوگا اور باقی مضارب اول اور رب المال کے درمیان برابر ہوگا۔

(۱) الهداية ،كتاب المضاربة ،باب المضارب يضارب :۳/۲٦۸

مضاربت میں نفع کا تعیین

سوال نمبر(310):

ایک شخص خود کاروبار نہیں کرسکتا،اس نے کاروبار کے لیے ایک تاجر کو اس شرط پر رقم دی کہ تم اس سے کاروبار کرتے رہواور ہر ماہ مجھے دوہزارروپے نفع دے دیا کرو،کیا شرعاً تاجرذکرکردہ شرط پراس شخص سے کاروبار کرسکتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

فقہاے کرام کی تصریحات کے مطابق ایک شخص کے سرمایہ اور دوسرے کی محنت سے چلنے والا کاروبار''عقد مضاربت'' کہلاتا ہے۔مضاربت میں نفع کی تقسیم مضارب اوررب المال (مالک سرمایہ) کے مابین کسی خاص تناسب سے ہوتی ہے اور نقصان کا ذمہ دار صرف رب المال (مالک سرمایہ) ہوا کرتا ہے۔شریعتِ مطہرہ نے جہاں کہیں اس کی اجازت دی ہے، وہاں اس کے لیے چند شرائط بھی مقرر کی ہیں۔من جملہ ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ منافع میں رب المال اور مضارب کا حصہ اجزا یعنی نصف، ربع یا ثلث کے اعتبار سے معلوم ہو، متعین مقدار مقرر کرنا درست نہیں، بالفرض کسی ایک کے لیے منافع میں خاص معین مقدار مقرر کی جائے (مثلاً یہ کہ رب المال کہے کہ مجھے ماہانہ دوہزار روپے دو گے)اس شرط سے عقد مضاربت فاسد ہوجاتا ہے اور مذکورہ شرط مضاربت کے لیے قاطع ہے۔

بیان کردہ تفصیل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صورتِ مسئولہ میں معاملہ جائز نہیں، ہوسکتا ہے کہ کاروبار میں صرف اتنا نفع ہو جو رب المال کے لیے مقرر کیا گیا ہو، بلکہ اس سے کم نفع کا بھی احتمال ہے، لہٰذا ان صورتوں میں محنت کرنے والا مضارب نفع سے بالکل محروم ہوجائے گا،اس لیے ایسے عقد سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

ہاں اگر ازسرنو عقد جدید سے نفع کی تقسیم باعتبار اجزا مقرر ہوجائے، مثلاً نفع کی تقسیم رب المال اور مضارب کے مابین کسی خاص تناسب، یعنی نصف، تہائی یا چوتھائی کے حساب سے مقرر کی جائے تو عقدِ مضاربت صحیح ہوجائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعا لايستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح ....لفساده فلعله لايربح إلا هذا القدر .(١)

(١) الهداية ، كتاب المضاربة :٢٦٣/٣

ترجمہ:

مضاربت کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ نفع مضارب اور رب المال کے درمیان مشاع ہو، کوئی ایک نفع میں سے متعین مقدار کے دراہم کا مستحق نہیں ہوتا۔۔۔اس کی فساد کی وجہ یہ ہے کہ شاید صرف متعین مقدار کا نفع ہو جائے

❁❁❁

عقدِ مضاربت

سوال نمبر (311):

ایک شخص کا کارخانہ ہے۔ مالی پریشانی کی وجہ سے کاروبار ٹھپ پڑ گیا اور کارخانہ بند کر دیا۔ اب ایک دوست رقم دیتا ہے۔ کیا اس سے رقم لے کر صرف کارخانے میں بننے والی مصنوعات میں شریک کرنا جائز ہے؟ کاروبار صرف یہ شخص کرے گا، رقم دینے والا نہیں کرے گا۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ معاملہ عقدِ مضاربت ہے جو شرعاً دیگر شرائط کی رعایت کرتے ہوئے جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

المضاربة نوع شركة على أن رأس المال من واحد ،والسعي والعمل من آخر.(١)

ترجمہ:

مضاربت شرکت کی ایک نوع ہے، اس میں راس المال ایک کا اور کوشش اور عمل دوسرے کا ہوتا ہے۔

❁❁❁

مضارب کئی افراد سے مضاربت کرے تو خرچہ کا طریقہ کار

سوال نمبر (312):

ایک شخص مضاربت پر رقم لے کر کاروبار کرتا ہے۔ دو افراد نے اس کو الگ الگ مضاربت کے لیے رقم دی۔

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب المضاربة ،الفصل الاول ،المادة:١٤٠٤، ص/٧٤٤

اس نے کاروبار کے لیے کمرہ کرایہ پر لیا۔اب اس کا کرایہ کس سے کس تناسب سے وصول کیا جائے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مضاربت کے سلسلہ سے کہیں آنا جانا ہو یا کسی دوسرے شہر میں سکونت کے لیے کمرہ کرایہ پر لینا ہو تو ان سب کا خرچہ مالِ مضاربت کے نفع سے یا پھر راس المال سے ادا کیا جائے گا۔عقدِ مضاربت کئی افراد سے ہو تو بقدرِ حصص سب پر خرچہ آئے گا،مثلاً اگر دو افراد نے یکساں رقم فراہم کی ہو تو خرچہ دونوں پر نصف نصف آئے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا سافر المضارب بعمل المضاربة إلى بلدة غير البلدة التي وجد فيها يأخذ نفقته المتعارفة من مال المضاربة.(۱)

ترجمہ:

مضارب اگر مضاربت کے سلسلہ میں کسی دوسرے شہر میں جس میں یہ نہ رہتا ہو، چلا جائے تو معروف مقدار کے مطابق خرچہ مضاربت کے مال سے لے سکتا ہے۔

ولو سافر بماله ومال المضاربة،أو خلطهابإذن رب المال ،أو سافربمالين لرجلين أنفق بالحصة.(۲)

ترجمہ: اگر مضارب اپنے مال اور مالِ مضاربت کو لے کر سفر کرے یا اپنے مال کو رب المال کی اجازت سے مالِ مضاربت کے ساتھ خلط کرے یا دو افراد کے مال کو لے کر سفر کرے تو بقدرِ حصہ خرچ کرے گا۔

❁❁❁

مضاربت میں شرحِ نفع اور کاروبار کی نوعیت کی وضاحت

سوال نمبر(313):

ایک شخص نے اپنا سرمایہ ایک پراپرٹی ڈیلر کو دیا اور کہا کہ خرید وفروخت کرتے رہو اور ہر ماہ مجھے منافع دے دیا کرو

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب المضاربة ،الفصل الثالث ،المادة:۱٤۱۹،ص/۷٥۳

(۲) شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب المضاربة ،الفصل الثالث ،المادة:۱٤۱۹،ص/۷٥٤

اب سوال یہ ہے کہ پراپرٹی کے کاروبار میں ہر ماہ منافع نہیں ہوتا، کبھی کبھار پلاٹ سال بعد فروخت ہوجاتا ہے۔ کیا کاروبار کی نوعیت اور نفع کی تعیین سے صاحبِ مال کو آگاہ نہ کرنا جائز ہے، اگر نہیں تو بہتر صورت اس کی کیا ہوسکتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسئولہ صورت عقدِ مضاربت کی ہے اور عقدِ مضاربت میں رب المال اور مضارب کی شرح منافع کی تعیین ضروری ہے، ورنہ بعد میں نزاع اور قلبی رنجش پیدا ہوگی۔ نیز عقدِ مضاربت میں کاروبار کی نوعیت بھی بتلانا ضروری ہے، کیوں کہ بعد میں کاروبار کی نوعیت کی بناپر مدت میں اختلاف پیدا ہوسکتا ہے، مثلاً بعض کاروبار کے نفع کا مہینہ میں اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے، ایسے کاروبار میں نفع کی تقسیم کے لیے کم ازکم سال کا وقفہ ضروری ہوتا ہے۔ صاحب مال ہر ماہ نفع طلب کرے گا اور مضارب دینے کے قابل نہ ہوگا اور انجام کار نزاع پیدا ہوگا، لہٰذا شروع ہی سے بات صاف ہونی چاہیے اور ایسی کوئی شرط نہیں لگانی چاہیے جو جہالت کی وجہ سے مفضی الی النزاع ہو۔

مسئولہ صورت میں عقدِ مضاربت تب صحیح ہوگا، جب طرفین کا شرح منافع پہلے سے متعین ہو، نیز کاروبار کی نوعیت کا بھی اندازہ ہو، مثلاً یہ کہ مضارب کو پراپرٹی ڈیلنگ کی اجازت ملے اور منافع کی تقسیم کا عرصہ بیان کیا جائے، پھر حسبِ معاہدہ نفع تقسیم کیا جائے۔ ہاں اگر صاحبِ مال مضارب سے نفع یک مشت نہ لے تو سال کا منافع مہینوں پر تقسیم کرکے ہر ماہ کے حساب سے لے سکتا ہے، مثلاً مالک کا منافع بارہ ہزار روپے بنتا ہے اور وہ مضارب سے ہر ماہ ایک ہزار روپیہ لیتا ہے تو یہ جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

كل شرط يوجب جهالة في الربح يفسده .(١)

ترجمہ:

ہر وہ شرط جو نفع میں جہالت کو ثابت کرے تو عقدِ مضاربت کو فاسد کردیتی ہے۔

ويشترط أيضاًفي المضاربة أن يكون نصيب كل منهمامن الربح معلوما عند العقد ؛لأن الربح هو المعقودعليه ،وجهالته توجب فساد العقد .(٢)

(١) فتح القدير ،كتاب المضاربة :٧/ ٤٢٠

(٢) فتح القدير ،كتاب المضاربة :٧/ ٤٢١

ترجمہ:

اور مضاربت میں یہ بھی شرط ہے کہ عقد کے وقت رب المال اور مضارب میں سے ہر ایک کا حصہ نفع میں معلوم ہو، کیوں کہ نفع معقود علیہ ہے اور معقود علیہ کی جہالت عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔

❁❁❁

عقدِ مضاربت کے دوران رب المال کا مرنا

سوال نمبر(314):

دو آدمیوں نے مل کر مضاربت پر کاروبار شروع کیا، دونوں کے مابین ایک سال کا معاہدہ طے پایا، لیکن آٹھ ماہ بعد رب المال بقضائے الٰہی وفات پا گیا۔ رب المال کے ورثا مضارب سے اپنے مورث کی دی گئی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں اور مضارب مصر ہے کہ رب المال نے اس کے ساتھ ایک سال کے لیے معاہدہ کیا تھا۔ اس صورتِ حال میں کس کی بات شرعاً معتبر ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کی رُو سے رب المال یا مضارب کی موت سے عقدِ مضاربت ختم ہو جاتی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مضارب کے پاس رب المال کا مال نقدیت کی صورت میں ہو تو اس کا ورثا کو لوٹانا ضروری ہے۔ مورث کی موت کے بعد مورث کے معاہدہ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی، تاہم اگر مضارب کے پاس نقد نہ ہو، بلکہ رب المال کی رقم سامانِ تجارت کی شکل میں ہو تو اس کی نقدیت تک مضارب کو مہلت دی جائے گی۔ قبل ازیں نقدیت کا مطالبہ درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذامات رب المال أو المضارب بطلت المضاربة.(۱)

ترجمہ:

رب المال یا مضارب کی موت سے مضاربت باطل ہو جاتی ہے۔

(۱) الهداية ،كتاب المضاربة ،باب المضارب يضارب، فصل في العزل والقسمة :۳/۲۶۹

وتبطل بموت أحدهما..........سواء علم المضارب بموت رب المال أولم يعلم؛لأنه عزل حكمي ،فلايقف على العلم كمافي الوكالة ،إلا أن رأس المال إذاصارمتاعا، فللوكيل أن يبيع حتى يصيرناضًا.(۱)

ترجمہ:

اور مضاربت رب المال اور مضارب میں سے کسی ایک کی موت سے باطل ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔چاہے مضارب کورب المال کی موت کی خبر ہو یا نہ ہو، کیوں کہ یہ عزل حکمی ہے۔اس لیے علم پر موقوف نہیں، جیسے کہ وکالت میں ہوتا ہے۔ہاں اگر رأس المال سامان کی شکل میں ہوتو پھر وکیل (مضارب) کے لیے جائز ہے کہ فروختگی جاری رکھے، یہاں تک کہ روپے نقد کرے۔

❁❁❁

خشت کی بھٹی میں پیسہ لگانا

سوال نمبر(315):

ایک شخص نے دوسرے کو پندرہ لاکھ روپے دے دیے کہ بھٹہ خشت تعمیر کرو، رقم میری ہوگی عمل تم کروگے، بھٹہ سے جو کمائی حاصل ہوگی، اس میں تیسرا حصہ تیرا اور باقی دو حصے میرے ہوں گے۔شرعاً یہ مضاربت ہے یا شرکت؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ صورت مضاربت کی ہے۔نفع حسب معاہدہ تقسیم ہوگا، البتہ نقصان کی صورت میں نقصان منافع سے منہا کیا جائے گا اور منافع نہ ہونے کی صورت میں رأس المال سے، یعنی نقصان کا بوجھ مال کے مالک پر ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

إذاكان رأس المال من واحد والعمل من آخر ،وشرط أن يكون الربح مشتركا بينهما كانت الشركة مضاربة .(۲)

(۱) بدائع الصنائع ،كتاب المحاربة،فصل فيمايبطل عقد المضاربة :۷۸/۸

(۲) شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات،المادة :۱۳۵۱،ص/۷۲۰

ترجمہ:

جب رأس المال ایک کی طرف سے اور عمل دوسرے شخص کی طرف سے ہو اور نفع دونوں کے مابین مشترک ہونے کی شرط لگائی جائے تو یہ شرکتِ مضاربت ہے۔

وماهلك من مال المضاربة ،فهو من الربح دون رأس المال ،فإن زاد الهالك على الربح فلاضمان على المضارب ؛لأنه أمين .(١)

ترجمہ:

مضاربت کا جتنا مال ہلاک ہو جائے تو اس کا تدارک منافع سے کیا جائے گا، راس المال سے نہیں ہوگا، البتہ اگر نقصان زیادہ ہو جائے اور وہ منافع سے بڑھ جائے تو اس صورت میں مضارب پر کوئی ضمان (تاوان) نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی حیثیت ایک امین کی ہے (جو کاروبار کی دیکھ بھال کرتا ہے)۔

❁❁❁

عقدِ مضاربت فسخ کرنا

سوال نمبر (316):

دو آدمیوں نے مضاربت شروع کی۔ ایک سال تک کاروبار ہوتا رہا، نفع ہوا۔ منافع کی تقسیم سے قبل رب المال مضاربت فسخ کرنا چاہتا ہے، حالانکہ رأس المال بعینہ نقد کی صورت میں موجود نہیں، بلکہ رأس المال کپڑے کی صورت میں موجود ہے۔ رب المال مضارب سے کہتا ہے کہ مجھے رأس المال دے دو، تب میں منافع حوالہ کروں گا۔ از روئے شریعت عقد فسخ کرنے کی مذکورہ صورت کیسی ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رب المال اور مضارب میں سے ہر ایک کو عقدِ مضاربت فسخ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ بشرطیہ کہ رأس المال عقد فسخ کرتے وقت نقدی کی صورت میں ہو، اگر عقد فسخ کرتے وقت رأس المال نقدی کی صورت میں موجود نہ ہو، بلکہ سامان کی صورت میں ہو تو پھر رأس المال نقدی ہونے تک عقدِ مضاربت کے فسخ کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

(١) الهداية ،كتاب المضاربة ،باب المضارب يضارب :٣/ ٢٧٠، ٢٧١

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں رب المال عقد فسخ کرنے کا مطالبہ نہیں کرسکتا، کیونکہ راس المال نقدی صورت میں موجود نہیں، نیز حاصل شدہ منافع رب المال اور مضارب دونوں کا حق ہے، رب المال کا منافع کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا بھی شرعاً درست نہیں۔ اس لیے رب المال کی شرعی اور اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے کہ مضارب کو مقررہ منافع حوالہ کردے۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما صفة هذا العقد ،فهو أنه عقد غير لازم ،ولكل واحد منهما أعني رب المال والمضارب الفسخ ،لكن عند وجود شرطه ،وهو علم صاحبه به ،ويشترط أيضاًأن يكون رأس المال عيناًوقت الفسخ دراهم أو دنانير .(١)

ترجمہ:

عقدِ مضاربت کی صفت یہ ہے کہ یہ ایک غیر لازم عقد ہوتا ہے۔ رب المال اور مضارب ہر ایک کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ بشرطیکہ دوسرے صاحب (شریک) کو علم ہو اور رأس المال فسخ کے وقت دراہم اور دنانیر کی صورت میں بعینہٖ موجود ہو۔

❀❀❀

مضارب کا انفرادی طور پر سودی لین دین میں ملوث ہونا

سوال نمبر (317):

جناب مفتی صاحب! میں نے ایک شخص کو مضاربت پر رقم دی ہے۔ مضارب اس کے علاوہ سودی کاروبار میں بھی ملوث ہے۔ اس سے مضاربت پر کوئی فرق تو نہیں پڑتا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مضاربت اگر جملہ شرائط سے طے پایا ہو تو مضارب کا انفرادی سودی کاروبار میں ملوث ہونا مضاربت کے کاروبار پر اثرانداز نہیں ہوتا، تاہم کاروبار ایسے شخص سے کیا جائے، جو کسی حرام میں مبتلا نہ ہو۔

(١) بدائع الصنائع ،كتاب المضاربة ،فصل في صفة عقد المضاربة:٨/٧١ .

والدلیل علی ذلک:

المضاربة عقد علی الشرکة بمال من أحد الجانبین والعمل من جانب الآخر(۱)

ترجمہ:

مضاربت عقد شرکت ہے ایک جانب سے مال اور دوسرے جانب سے عمل ہوتا ہے۔

❀❀❀

کرایہ وغیرہ کا خرچہ مضاربت کے مال سے دینا

سوال نمبر(318):

زید مضارب ہے۔نوشہرہ میں کاروبار کرتا ہے،لیکن پشاور میں پڑھتا ہے،آنے جانے کا خرچہ مضارب کے ذمہ ہوگا یا رب المال کے ذمہ؟ یا مشترک مال سے ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مضارب کو اگر مضاربت (کاروبار) کے حوالہ سے کہیں آنا جانا ہو تو کرایہ کا خرچہ مشترک کاروبار سے منہا کیا جائے گا،تاہم ذاتی اغراض کے لیے صرف شدہ رقم کا مشترکہ حساب سے منہا کرنا شرعاً جائز نہیں،بلکہ امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔چونکہ پڑھائی کا عقد مضاربت سے کوئی تعلق نہیں،اس لیے آنے جانے کا خرچہ مضاربت کے مال سے نہیں منہا کیا جائے گا۔

والدلیل علی ذلک:

وله أن يشتري دابة للركوب ،وليس له أن يشتري سفينة للركوب ،وله أن يستكريها .(۲)

ترجمہ: اور مضارب کے لیے جائز ہے کہ سواری کے لیے جانور خریدے اور جائز نہیں کہ کشتی خریدے،ہاں کشتی کرایہ پر لینا جائز ہے۔

❀❀❀

(۱) الهداية ،كتاب المضاربة :۳/۲٦۲

(۲) الفتاوى الهندية ،كتاب المضاربة ،الباب الرابع فيمايملك المضارب :٤/۲۹۲

P.L.S اکاونٹ شراکت ہے یا مضاربت

سوال نمبر(319):

P.L.S اکاونٹ میں رقم رکھوانا جائز ہے یا نہیں؟ کیا شرکت یا مضاربت کا اطلاق اس پر نہیں کیا جاسکتا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

P.L.S اکاونٹ کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ابتدا میں مشورے دے کر اسلامی معیشت میں کاروبار کرنے کی قابل تحسین کوشش کی تھی، لیکن بینکنگ کونسل اس کو نظر انداز کر کے سودی عنصر سے اس اکاونٹ کو محفوظ نہ کرا سکے۔ چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اس سے بے زاری کا اعلان کیا۔

اس اکاونٹ میں جمع رقم اکاونٹ ہولڈرز کی ہوتی ہے، حکومت یا ادارہ کی طرف سے اس میں کوئی رقم شامل نہیں کی جاتی، بلکہ اس میں ادارہ کی صرف محنت کارفرما ہوتی ہے۔ بظاہر یہ مضاربت کی صورت ہے لیکن مضارب ونقصان میں شریک ٹھہرانے کی وجہ سے موجبِ فساد ہے۔ اسی طرح شرکت ٹھہرانا بھی مشکل ہے، کیوں کہ شرکت میں جانبین سے مال ہوتا ہے، جب کہ یہاں رقم صرف ایک پارٹی کی ہوتی ہے۔ اس لیے P.L.S اکاونٹ میں نہ شرکت کے اصول پائے جاتے ہیں نہ مضاربت کے، لہٰذا اختیاری طور پر اس اکاونٹ میں رقوم جمع کرنا جائز نہیں، البتہ غیر اختیاری طور پر یا علم نہ ہونے کی وجہ سے جو سود ملا ہے، وہ بلانیتِ ثواب صدقہ کرنا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾.(۱)

ترجمہ:

اے ایمان والو! سود مت کھاؤ۔

وماهلك من مال المضاربة ،فهو من الربح دون رأس المال ،فإن زاد الهالك على الربح فلاضمان على المضارب ؛لأنه أمين .(۲)

---

(۱) آل عمران / ۱۳۰

(۲) الهداية ،كتاب المضاربة ،باب المضارب يضارب :۳/ ۲۷۰

ترجمہ:

مضاربت کا جتنا مال ہلاک ہوجائے تو اس کا تدارک منافع سے کیا جائے گا، راس المال سے نہیں ہوگا، البتہ اگر نقصان زیادہ ہوجائے اور وہ منافع سے بڑھ جائے تو اس صورت میں مضارب پر کوئی ضمان (تاوان) نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی حیثیت ایک امین کی ہے (جو کاروبار کی دیکھ بھال کرتا ہے)۔

فأما شركة المفاوضة :فهي أن يشترك الرجلان ،فيتساويا في مالهما .(١)

ترجمہ:

شرکت مفاوضہ یہ ہوتا ہے کہ دو آدمی شریک ہوجائیں اور دونوں جانب سے مساوی مال ہو۔

❁❁❁

مضاربت کی ایک صورت

سوال نمبر(320):

ایک شخص نے دو پراپرٹی ڈیلروں کو رقم دی اور کہا کہ اس رقم سے پلاٹ خریدلو، پھر اس کو فروخت کرو، جتنا منافع ہوگا اس میں برابر کے شریک ہوں گے۔ کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں اگر اس شخص نے پراپرٹی ڈیلروں کو مضاربت کی نیت سے رقم دی ہو تو پھر مضاربت کی جملہ شرائط کی رعایت ضروری ہے جو فقہائے کرام نے بیان کی ہیں، لیکن یاد رہے کہ عقدِ مضاربت باقاعدہ معاہدہ کا محتاج ہے اور باقاعدہ عقد کے بعد نفع حسبِ معاہدہ تقسیم ہوتا ہے، تاہم اگر توکیل کی صورت ہو تو پھر کل نفع موکل کا ہوگا، البتہ پراپرٹی ڈیلر دلال کی حیثیت سے اجرتِ مثل کا حق دار ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

وإن شرطا أن يكون للمضارب ثلثا الربح ،ولرب المال ثلثه ،فالربح بينهما على ماشرطا.(٢)

---

(١) الهداية ،كتاب الشركة :٢/٦٠٦

(٢) الفتاوى الهندية ،كتاب المضاربة ،الباب الثالث في الرجل يدفع المال :٤/٢٩١

ترجمہ: اور اگر معاہدہ ہو جائے کہ مضارب نفع کے دو ثلث اور رب المال ایک ثلث لے گا تو نفع ان کے مابین حسب معاہدہ تقسیم ہوگا۔

وإن لم تشترط ،ولم يكن الوكيل ممن يخدم بالأجرة ،كان متبرعا ،فليس له أن يطالب بالأجر وأما إذا كان ممن يخدم بالأجرة ،فله أجر مثله.(١)

ترجمہ:

اور اگر اجرت وکالت میں پہلے سے شرط نہ ہو اور نہ ہی وکیل اجرت لے کر وکالت کرتا ہو تو پھر وکیل متبرع ہوگا اور اس کے لیے اجرت کا مطالبہ جائز نہیں، البتہ اگر اجرت لے کر وکالت کرتا ہو تو اجر مثل کا مستحق رہے گا۔

❁❁❁

عقدِ مضاربت میں شروطِ معاہدہ دو ماہ بعد طے کرنا

سوال نمبر (321):

دو آدمیوں کے مابین عقدِ مضاربت اس شرط پر ہوا کہ فی الحال کاروبار جاری رکھا جائے، دو مہینے کے بعد شرائط معاہدہ مثلاً نفع ونقصان وغیرہ کی تعیین کریں گے۔ شرعاً اس عقدِ مضاربت میں کوئی حرج تو نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرائطِ معاہدہ بوقتِ عقدِ مضاربت طے کرنا شرعاً ضروری ہے۔ ایسی شرط لگانا کہ شرائطِ معاہدہ بعد میں طے کریں گے، شرعاً درست نہیں۔ عقدِ مضاربت باقاعدہ شرعی طریقے سے از سرِ نو کرنا چاہیے۔ بالفرض اگر مضاربتِ فاسدہ کا وقت ہو چکا ہو تو تمام مال رب المال کو واپس کرنا چاہیے اور مضارب کو اجرتِ مثل دی جائے۔

والدّليل على ذلك:

يشترط في المضاربة ....أن يكون رأس المال معلوما..........وتعين حصة العاقدين من الربح جزء شائعا كالنصف والثلث.(٢)

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الوكالة ،الباب الثالث في احاكم الوكالة :المادة :١٤٦٧، ص/٧٨٩

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات،المادة :١٤١١، ص/٧٤٦،٧٤٧

ترجمہ:

عقدِ مضاربت میں شرط ہے کہ راس المال معلوم ہو اور نفع میں عاقدین کے حصہ کی تعیین جز شائع جیسے نصف، ثلث کی صورت میں ہو۔

❁❁❁

عقدِ مضاربت میں مجہول نفع مقرر کرنا

سوال نمبر(322):

ایک شخص مضارب کو رقم دے کر کہتا ہے کہ مضاربت کرو، نفع میں سے مجھے بھی کچھ دے دیا کرو، دی جانے والی رقم کی فی صدی یا مقدار کے لحاظ سے تعیین نہیں کی۔ کیا اس طریقہ سے روپے لے کر کاروبار کرنا شرعاً درست ہے؟ رب المال یہ بھی کہتا ہے کہ یا یوں کرو کہ نفع سارا کا سارا تم لے لیا کرو اور فلاں کرایہ کے مکان کا کرایہ نفع کے عوض مجھے دے دیا کرو۔ کیا شریعت کی رُو سے ان شرائط پر مضاربت کا کاروبار کرنا درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مضاربت کے لیے ازروئے شرع شرائط مقرر ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے، من جملہ ان میں سے یہ بھی ہے کہ عقدِ مضاربت کی ابتدا ہی سے منافع کی تعیین نصف، ثلث یا ربع وغیرہ کی صورت میں کی جائے، تاکہ بعد میں نزاع کا سبب نہ بنے، خیال رہے کہ رب المال کے لیے معین رقم مقرر نہ کی جائے، ورنہ عقدِ مضاربت فاسد ہو جائے گا۔

مسئولہ صورت میں شرائط مفقود ہیں کہ پہلی صورت میں مجہول نفع پر عقدِ مضاربت ہوا ہے جو بعد میں سبب نزاع بن سکتا ہے اور دوسری صورت میں معین مقدار نفع میں مقرر ہونے کی وجہ سے عقدِ مضاربت درست نہیں، لہٰذا دونوں صورتوں سے اجتناب کرنا چاہیے اور ازسرِنو عقدِ مضاربت کی شرائط کی رعایت کرتے ہوئے عقد کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

كل شرط يوجب جهالة في الربح يفسده؛ لاختلال مقصوده .(١)

(١) الهداية، كتاب المضاربة: ٣/ ٢٦٣

ترجمہ:

اور ہر وہ شرط جو ربح (نفع) میں جہالت کا سبب ہو (جیسے کسی ایک کے لیے معین مقدار نفع مقرر کرنا) مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے اس معاملے کے اصل مقصود میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

قوله:(وكون نصيب كل منهما معلوما عند العقد)لأن الربح هو المعقود عليه ،وجهالته توجب فساد العقد .(١)

ترجمہ: اس عقد میں یہ بھی شرط ہے کہ ہر ایک کے (نفع) کا حصہ عقد کی ابتدا میں مقرر و معلوم ہو، کیوں کہ یہ معاملہ نفع کے لیے منعقد کیا گیا ہے تو نفع کے مجہول و نامعلوم ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ فاسد ہوگا۔

❀❀❀

رب المال کے لیے متعین نفع مقرر کرنا

سوال نمبر(323):

دو آدمیوں کے مابین ان شرطوں سے عقدِ مضاربت طے ہوا کہ: (۱) تاوان کی صورت میں تاوان مجموعہ منافع سے ادا کیا جائے گا، جب تک تاوان پورا نہ ہو، رب المال رقم واپس نہیں لے گا، بلکہ اس سے ادا کی جائے گی۔ (۲) تین ہزار سے زائد منافع مضارب کا ہوگا اور تین ہزار تک کا منافع رب المال کا ہوگا۔ کیا از روئے شریعت مضاربت کی مذکورہ صورت جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مضاربت کی مذکورہ صورت شرطِ فاسد کی وجہ سے جائز نہیں، کیوں کہ مالک کے لیے معین حصہ نفع مقرر کرنا شرعاً درست نہیں ہوتا، لہٰذا شرعی اصولوں کے تحت کاروبار کیا جائے۔

والدلیل علی ذلک:

جعل لأحدهما من الربح قدرمعين ،ككذا غرشا،فسدت المضاربة .(٢)

(١) تكمله ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب المضاربة ،مطلب حيلة جواز المضاربة في العروض:١٢/ ٣٨٠

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات،المادة :١٤١٢،ص/ ٧٤٨

ترجمہ:

اگر کسی ایک شخص کے لیے منافع کی ایک معین مقدار مقرر کی جائے، مثلاً اتنے سکے فلاں کے ہوں گے تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔

❁❁❁

عقدِ مضاربت میں مضارب کو نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا

سوال نمبر (324):

دو آدمیوں کے مابین عقدِ مضاربت اس شرط پر ہوا کہ جو بھی نقصان ہوگا، اس کا ذمہ دار مضارب ہوگا۔ کیا اس شرط کی وجہ سے عقدِ مضاربت باطل ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ہر وہ شرط جو نفع میں جہالت کا موجب ہو یا اس سے شرکت کا انقطاع لازم آتا ہو، عقدِ مضاربت کو فاسد کرتی ہے، البتہ اگر ایسی شرط نہ ہو تو عقد صحیح رہتا ہے اور شرط باطل۔

مسئولہ صورت میں مضارب پر کل نقصان کی ذمہ داری ڈالنے کی شرط سے عقدِ مضاربت پر کچھ فرق نہیں پڑتا، بلکہ یہ شرط خود باطل ہے، عقدِ مضاربت اپنی جگہ درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

كل شرط يوجب جهالة في الربح ،أويقطع الشركة فيه يفسدها ،وإلابطل الشرط ،وصح العقد اعتبارا بالوكالة ،وفي ردالمحتارقوله :(بطل الشرط) كشرط الخسران على المضارب .(۱)

ترجمہ:

ہر شرط جو نفع میں جہالت کا موجب ہو یا شرکت کو قطع کرتی ہو، شرکت کو فاسد کرتی ہے، اگر ایسا نہ ہو تو پھر وکالت پر قیاس کرتے ہوئے شرط باطل ہوگی اور عقد درست رہے گا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں: ”جیسے کہ نقصان کا بوجھ

❁❁❁

(۱) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب المضاربة :۸/۴۳۳، ۴۳۴

مضارب پر ڈالنا'' (کیوں کہ مضارب کو ضامن ٹھہرانا درست نہیں)۔

❁❁❁

مالِ مضاربت کا جل جانا

سوال نمبر (325):

ایک شخص کی دُکان میں بجلی کے سرکٹ سے آگ لگ گئی، جس سے سب مال ہلاک ہوگیا، اس دُکان میں کچھ رقم ایک شخص کی تھی جس نے دُکان دار کو رقم بطور مضاربت دی تھی۔ اب صاحبِ مال دُکان دار (مضارب) سے کہتا ہے کہ آدھی رقم معاف ہے آدھی ادا کرنی ہوگی۔ کیا صاحب مال کا مطالبہ از روئے شریعت درست ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رأس المال (مال مضاربت) مضارب کے ہاتھ میں امانت ہوا کرتا ہے اور امانت اگر امین کی تعدی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں آتا۔

مسئولہ صورت میں جب بجلی سے آگ لگنے کی وجہ سے مذکورہ دُکان میں تمام اشیا مال مضاربت سمیت ہلاک ہوگئے ہیں تو اب اس پر مال مضاربت کا تاوان نہیں آتا، لہٰذا رب المال کا مطالبہ مضارب سے جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

المضارب أمين فرأس المال في يده في حكم الوديعة سواء كانت المضاربة صحيحة أو فاسدة.(١)

ترجمہ:

مضارب امین ہوتا ہے، لہٰذا رأس المال اس کے پاس امانت ہوگی، چاہے مضاربت کا عقد صحیح ہو یا فاسد (لہٰذا اگر اس کی تعدی کے بغیر مال ہلاک ہوجائے تو وہ ضامن نہ ہوگا)۔

❁❁❁

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب العاشر في انواع الشركات،المادة :١٤١٣،ص/٧٤٨

مضاربت پر کاروبار کرنا

سوال نمبر(326):

ایک شخص نے کپڑے کے ایک دُکان دار کو رقم دی ہے، دُکان دار اس سے مختلف قسم کے سوٹ خریدتا ہے اور پھر ہر سوٹ میں ایک اندازہ کے مطابق مخصوص رقم منافع میں مالک کو دیتا ہے۔کیا دُکان دار کا مالک دوست کو یہ منافع دینا شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ رقم کس عنوان سے دی ہے؟ اگر رقم قرض کے طور پر دی ہو تو پھر اس پر نفع لینا سود میں داخل ہے جس سے اجتناب ضروری ہے اور اگر رقم باقاعدہ مضاربت کے طور پر دی ہو کہ دُکان دار کا عمل ہو اور سرمایہ دار کا سرمایہ، تو پھر مضاربت کے جملہ اصول کی رعایت کرتے ہوئے رب المال کو نصف، ثلث وغیرہ کے اعتبار سے منافع دینا شرعاً جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

فهي عقد على الشركة في الربح بمال من أحد الجانبين ،والعمل من الجانب الآخر حتى لو شرط الربح كله لرب المال كان بضاعة ،ولو شرط كله للمضارب كان قرضا............(وأماركنها) فالإيجاب والقبول ،وذلك بألفاظ تدل عليها من لفظ المضاربة.(١)

ترجمہ:

عقدِ مضاربت نفع میں شرکت ہے،اس صورت میں کہ ایک جانب سے مال ہو اور دوسری جانب سے عمل۔ یہاں تک کہ اگر سارا نفع رب المال کا ہو تو یہ بضاعت کا معاملہ ہے اور اگر سارا نفع مضارب کا ہو تو یہ قرض ہے۔۔۔۔اور عقدِ مضاربت کا رکن ایجاب وقبول ہے اور یہ وہ الفاظ ہیں جو اس عقد پر دلالت کریں۔

❁❁❁❁❁

---

(١) الفتاوى الهندية ،كتاب المضاربة ،الباب الاول :٤/ ٢٨٥

کتاب القرض والدین

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

دارالاسباب اوردارالامتحان ہونے کے ناطے مدنی الطبع انسان کواس دنیامیں ضرور بالضرور دوسرے انسان کی حاجت اور ضرورت پڑتی ہے۔ان ضروریات کی برآوری کے لیے جس طرح تجارت، ملازمت اور باہمی لین دین کو جائز قرار دیا گیا ہے، اسی طرح کسی مجبور انسان کی مجبوری اور ضرورت کا ادراک کر کے اپنے پسندیدہ مال کو کچھ مدت تک بغیر کسی عوض اور احسان جتانے کے اس کے ہاتھوں میں تھمانا بھی مستحسن بتایا گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اخلاق اور معاشی ہر اعتبار سے ایک مستحکم معاشرے کی تشکیل کے لیے جو کردار قرض حسنہ کا ہے، وہ کسی اور جائز شرعی فعل کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قرض دینے کو صدقہ کرنے سے افضل قرار دیا ہے۔(۱)

لغوی تحقیق:

قرض کا اصل معنی کاٹنا ہے۔یہ اسم مصدر بمعنی الاقتراض (یعنی کاٹنے) کے بھی مستعمل ہے۔ چونکہ قرض دہندہ اپنے مال کا کچھ حصہ علاحدہ کر کے یا کاٹ کر مقروض کو دیتا ہے، اس لیے اس کو قرض کہتے ہیں۔(۲)

اصطلاحی تحقیق:

اصطلاح فقہا میں قرض کی تعریف کچھ یوں ہے:

"دفع مال مثلي لأخر، ارتفاقالمن ينتفع به ويردبدله".(۳)

’’بدل کی ادائیگی کی شرط پر (کسی محتاج شخص کو) نفع اٹھانے کے لیے ایسا مال دینے کا نام ہے جس کا مثل موجود ہو‘‘۔

---

(۱) سنن ابن ماجة،أبواب الصدقات،باب القرض:ص ۱۷۵،المیزان

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية،مادة قرض:۳۳/۱۱۱،بدائع الصنائع، كتاب القرض،فصل في الشروط: ۱۰/۵۹۶

(۳) كشاف القناع، كتاب بيع الأصول والثمار،باب القرض:۳/۳۶٤،الدرالمختار، كتاب البيوع،فصل في القرض،باب المرابحة والتولية:۷/۳۸۸

کتاب القرض سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) قرض: قرض حسنہ اور تبرع کے طور پر مذکورہ طریقے سے مال دینا۔

(۲) اقتراض یا استقراض: مذکورہ طریقے پر مال لینا۔

(۳) مقرض: قرض حسنہ کے طور پر مال دینے والا۔

(۴) مقترض یا مستقرض: قرض حسنہ کے طور پر مال لینے والا۔

(۵) مقرَض: دیا جانے والا مال، اس کو قرض بھی کہتے ہیں۔

(۶) بدل القرض: قرضِ حسنہ کی ادائیگی کے لیے مالک کو دیا جانے والا مال۔(۱)

قرض کی مشروعیت:

قرض کے لین دین کا ثبوت قرآن سے بھی ہے، احادیث سے بھی اور اس پر اجماع واتفاق بھی ہے۔ نیز یہ مصلحتِ انسانی کا تقاضا بھی ہے۔ قرآن نے اللہ کے راستے میں انفاق کو قرضِ حسن قرار دیا ہے۔(۲)

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مامن مسلم یقرض مسلماًقرضاً مرتین الاّ کان کصدقتها مرةً"

کسی مسلمان کو دو بار قرض ایک بار صدقہ کرنے کے برابر ہے۔(۳)

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ صدقہ کا ثواب دس گنا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا۔

ان روایات اور مصالحِ کثیرہ کو دیکھ کر تمام مسلمانوں کا قرض کے جواز اور اس کی مشروعیت پر اجماع ہے۔(۵)

قرض دینے کا حکم:

روایات میں قرض دینے کی فضیلت کو دیکھ کر فقہا نے اس کو مستحب کہا ہے، اس لیے کہ یہ نیکی اور معروف میں تعاون ہے، تاہم یہ حکم تب ہے جب قرض دہندہ کے اندازے کے مطابق قرض کسی جائز ضرورت کے لیے لیا جارہا

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية ،مادة قرض :۱۱۱/۳۳ ،بدائع الصنائع ،كتاب القرض ،فصل فى الشروط: ۵۹۶/۱۰)

(۲) البقرة:۲٤۵

(۳) سنن ابن ماجة، كتاب القرض: ص۱۷۷

(٤) حواله بالا (۵) المغنى ،باب القرض : ۳۸۲/٤

ہو، اگر کسی مکروہ یا حرام ومعصیت کے ارتکاب کے لیے قرض لیا جائے اور دینے والے کو اس کا علم بھی ہو تو مکروہ میں تعاون بھی مکروہ اور حرام کا تعاون بھی حرام ہے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر قرض لینے والا اضطراری حالت میں ہو اور قرض دینے والا صاحب وسعت ہو تو قرض دینا واجب ہے، عام حالات میں واجب نہیں۔(۱)

قرض لینے کا حکم:

قرض لینا مباح ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، اس لیے کہ خود نبی کریم ﷺ سے بھی قرض لینا ثابت ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ جائز مقصد کے لیے قرض لیا جائے اور ادا کرنے کی نیت ہو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس نیت سے قرض لیتا ہے کہ اس کو ادا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ چور شمار ہوگا اور جو شخص دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کے لیے قرض لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کردے گا۔(۲)

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ قرض دیتے وقت لینے والے کی حالت کو دیکھ کر قرض دینا چاہیے، اگر وہ لوگوں کا مال ہڑپ کرنے میں مشہور ہو تو اس کو قرض نہیں دینا چاہیے، اسی طرح یہ بھی فرمایا ہے کہ قرض لینے والے کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی وسعت اور طاقت سے زیادہ قرض لے اور پھر اس کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو۔(۳)

قرض دہندہ اور مقروض کے لیے شرعی ہدایات:

تنگ دست مقروض کے ساتھ سہولت کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے سایہ میں رہنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ تنگ دست شخص کو مہلت دے یا اس کا کچھ حصہ معاف کردے۔(۴)

یہ بھی فرمایا ہے کہ قرض کی ادائیگی کے لیے مناسب انداز میں مطالبہ کرنا چاہیے۔(۵)

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية:۱۱۳/۳۳،مادة قرض، كشاف القناع ،باب القرض، كتاب البيع،الاصول والثمار: ۳۶۵،۳۶٤/۳

(۲) سنن ابن ماجة،باب من أدان ديناً لم ينو قضاءه :ص ۱۷۵

(۳) المغني مع الشرح الكبير،باب القرض:۳۸۳،۳۸۲/٤

(٤) سنن ابن ماجة،أبواب الصدقات،باب إنظار المعسر،ص:۱۷٦

(۵) سنن ابن ماجة،أبواب الصدقات،باب حسن المطالبة :۱۷٦

اس کے ساتھ مقروض کو بھی تلقین فرمائی ہے کہ استطاعت کے باوجود ٹال مٹول نہ کرے، یہ قرض خواہ کے ساتھ ظلم ہے۔(۱)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قدرت رکھنے والے کا ٹال مٹول اس کی بے عزتی اور سزا کو جائز کر دیتا ہے۔(۲)

اور فرمایا کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو دین کی ادائیگی میں بہتر ہو۔(۳)

قرض کے ارکان:

حنفیہ کے ہاں ایجاب وقبول قرض کے ارکان ہیں، یعنی دینے والا کہے کہ میں نے قرض دیا یا ایسی تعبیر اختیار کرے جو قرض دینے پر دلالت کرے اور لینے والا قول یا فعل کے ذریعے اس کو قبول کرے۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں صیغہ (ایجاب وقبول) عاقدین اور قرض کا مال تینوں ارکان ہیں۔(۴)

قرض دینے والے سے متعلقہ شرط:

قرض دینے والا تبرع کا اہل ہو یعنی آزاد، عاقل، بالغ شخص ہو اور مال اس کا اپنا ہو یا مال میں تبرع (نیکی) کرنے کا حق اس کو حاصل ہو، لہذا باپ اور وصی کو اپنے بیٹے اور موصی لہ کے مال سے قرض دینے کا حق نہیں، اسی طرح بہت چھوٹے بچے اور تجارت کرنے والے غلام (عبد ماذون) کا قرض دینا بھی درست نہیں۔(۵)

مال قرض سے متعلق شرائط:

(۱) مال قرض پر قرض لینے والا قبضہ کرلے۔

(۲) قرض عین ہو، منافع نہ ہو۔

(۳) مقدار معلوم ہو، تاکہ واپسی ممکن ہو سکے۔

(۴) مال مثلی ہو، یعنی مکیلات، موزونات یا تقریبا ایک جیسے عددیات ہوں، جیسے فلوس اور پیسے وغیرہ۔ روٹیوں میں قرض سے متعلق امام محمدؒ نے تعامل الناس اور عرف کو دیکھتے ہوئے جواز کا حکم دیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے وزناً اس کو

(۱) سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب الحوالة: ص ۱۷۵

(۲) سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب الحبس في الدين والملازمة: ص ۱۷۷

(۳) سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب حسن القضاء: ص ۱۷٤

(٤) بدائع الصنائع، كتاب القرض: ۱۰/۵۹۵، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة قرض: ۳۳/۱۱٤

(٥) بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ۱۰/۵۹٦

جائز کہا ہے،اسی طرح گندم، آٹے وغیرہ کووزناً قرض دینے پر بھی تعامل کی وجہ سے جواز کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)

قرض لینے والے سے متعلق شرائط:

قرض لینے والا آزاد، عاقل اور بالغ ہو، اگرچہ اہلِ تبرع میں سے نہ ہو۔(۲)

نفسِ قرض سے متعلق شرط اور قرض پر نفع حاصل کرنے کی بحث:

معاملہ قرض سے متعلق بنیادی بات یہ ہے کہ اس میں اضافے کی بھی شرط نہ لگائی گئی ہو۔اگر شرط لگائے بغیر لینے والا واپسی کے وقت اس میں کچھ زیادتی کرلے تو جائز ہے، بلکہ نبی کریم ﷺ نے خود بھی زیادتی فرما کر اس کی تحسین فرمائی ہے، تاہم اگر شرط لگائی گئی ہو کہ مقروض اس میں کچھ زیادتی کر کے واپس کرے گا تو یہ سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام اور ناجائز ہے۔فقہائے کرام کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ "کل قرض جر نفعا فهو ربوا" کہ جو قرض بھی اپنے ساتھ نفع کھینچ لے وہ سود ہے۔(۳)

مقدار میں اضافہ تو حرام ہے ہی، کیفیت میں عمدگی کی شرط لگانا بھی جائز نہیں، مثلاً معمولی چیز کے بدلے بہتر چیز کی واپسی کی شرط لگائے۔(۴)

فقہائے کرام کے ہاں قرض پر بالواسطہ نفع حاصل کرنا بھی مکروہ ہے، مثلاً مقروض دینے والے سے کوئی معمولی چیز گراں قیمت میں خرید لے، اسی طرح اگر مرتہن نے قرض کے بدلے مرہونہ سے نفع اُٹھانے کی شرط لگائی تو یہ بھی سود ہے، ہاں اگر قرض کے وقت شرط نہ ہو، بلکہ معاملہ قرض کے بعد راہن اس کو خود اجازت دے دے تو فائدہ اُٹھانے کی گنجائش ہے۔(۵)

---

(۱) بدائع الصنائع حواله بالا، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة قرض:۳۳/۱۲۰،۱۲۱، الفتاوى الهندية، الباب التاسع عشر في القرض:۳/۲۰۱

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة قرض:۳۳/۱۱۷، قاموس الفقه، مادة قرض:٤/٤٨٨

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الغصب، فصل في الشروط:۱۰/۵۹۷_۵۹۹

(٤) الفتاوى الهندية، الباب التاسع عشر في القرض:۳/۲۰۲

(۵) الفتاوى الهندية، الباب التاسع عشر في القرض:۳/۲۰۲،۲۰۳، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض:۷/۳۹۵_۳۹۷

مقروض کا تحفہ اور دعوت قبول کرنا:

سود خور کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے مقروض کی طرف سے تحائف کے قبول کرنے میں بھی احتیاط برتنے کا حکم فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی قرض دے اور مقروض کو کوئی تحفہ دے یا اپنی سواری پر بٹھائے تو اسے قبول نہیں کرنا چاہیے، سوائے اس کے کہ پہلے سے ان کے درمیان باہم تحائف کا لین دین رہا ہو۔ (۱)

حنفیہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کا پہلے سے دعوت، تحفے اور ہدایا کا کوئی مستقل معمول نہ ہو تو ایسی دعوتوں اور تحفوں کو قبول کرنا جائز نہیں۔ ان معاملات میں مبتلی بہ کو خود دیکھنا چاہیے کہ آیا یہ شخص پہلے سے جود و سخا میں مشہور ہے یا اب قرض کی وجہ سے اس کا معمول بن گیا ہے۔ (۲)

ادائے قرض کی جگہ:

اگر قرض لیا ہوا سامان ایسا ہو جس کی منتقلی پر اخراجات آتے ہوں یا مشقت اُٹھانا ہو تو حنفیہ کے ہاں مقروض نے جہاں قرض حاصل کیا ہو وہیں اس کی واپسی واجب ہوگی۔ اگر قرض دہندہ کسی اور جگہ واپسی کا مطالبہ کردے تو یہ شرط باطل ہوگی۔ (۳)

اور اگر قرض دہندہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی شخص کو قرض دے کر راستہ کے امکانی خطرات سے تحفظ حاصل کرلوں گا اور دوسرے شہر میں واپس لے لوں گا تو یہ صورت سفتجہ کہلاتا ہے جو کہ مکروہ ہے، البتہ اگر معاملہ کرتے وقت یہ نیت نہ ہو اور نہ شرط لگائی ہو، بلکہ مقروض خود ہی دوسرے شہر میں قرض ادا کردے تو پھر جائز ہے۔ (۴)

ادائے قرض کی صورت:

قرض کا بدل دینا بالاتفاق واجب ہے۔ حنفیہ کے ہاں قرض لی ہوئی چیز پر مقروض کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اس لیے اگر وہ اس کے پاس موجود بھی ہو، تب بھی وہ بعینہ اس شے کے دینے کی بجائے اس کا مثل ادا کر سکتا ہے،

---

(۱) سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب القرض: ص ۱۷۵

(۲) الفتاوی الهندية، الباب التاسع عشر في القرض: ۲۰۳/۳

(۳) الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل القرض: ۳۹٤/۷

(٤) الفتاوی الهندية، الباب التاسع عشر في القرض: ۲۰٤/۳، بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشرط: ۵۹۹/۱۰، ۶۰۰

البتہ اگر روپے پیسے بطورِ قرض لیے گئے اور اب ان کا چلن بند ہوگیا تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اسی طرح کے سکوں کا لوٹانا کافی ہوگا اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔(۱)

چند متفرق مسائل:

(۱) قرض کی پختگی اور توثیق کے لیے دستاویز لکھنا، گواہ بنانا، کفیل اور ضامن بنانا یا کوئی چیز رہن رکھنا سب جائز ہے۔(۲)

(۲) قرض میں قبضہ سے پہلے بھی تصرف کرنا جائز ہے۔(۳)

(۳) قرض پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنانا درست ہے، لیکن قرض کے ثبوت کے لیے وکیل بنانا درست نہیں، یعنی وکیل بالقبض بنانا جائز اور وکیل بالخصومت بنانا جائز نہیں۔(۴)

(۴) ایسی چیزیں جن میں قرض جاری ہوسکتا ہے، عاریت کے طور پر لینا قرض ہی کے حکم میں ہے۔(۵)

(۵) قرض کے ساتھ کوئی شرط فاسد لگا دی جائے تو اس سے معاملہ قرض فاسد نہیں ہوتا، بلکہ خود شرط لغو ہو جاتی ہے۔(۶)

(۶) قرض میں وقت متعین کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، قرض دہندہ کسی بھی وقت اپنے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے، اس لیے کہ قرض اس کی طرف سے تبرع ہے اور وہ کسی بھی وقت اپنے تبرع سے رجوع کرسکتا ہے۔ قرض اور دوسرے دیون میں بنیادی فرق بھی یہی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرض عاریت کی طرح ہے اور عاریت میں اجل اور مدت لازم نہیں ہوتی۔(۷)

البتہ حنفیہ کے ہاں اگر وصیت میں کسی کو قرض دینے کے لیے مدت متعین ہو یا مقروض کسی اور پر قرض کا حوالہ

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب القرض، فصل في الشروط: ۵۹۶/۱۰، المغني، باب القرض: ۳۸۷/۴

(۲) الأشباه والنظائر، القول في الدَين، الفن الثالث وهو فن الجمع والفرق، ص: ۱۹۴، درر الحكام شرح مجلة الأحكام، مادة (۱۶۱۰): ۱۶۲/۴، البقرة: ۲۴۲

(۳) الفتاوى الهندية، الباب التاسع عشر في القرض: ۲۰۶/۳

(۴) الفتاوى الهندية، الباب التاسع عشر في القرض: ۲۰۷/۳، الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۳۹۶/۷

(۵) الفتاوى الهندية، حواله بالا، رد المحتار على الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۳۸۹،۳۸۸/۷

(۶) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۳۹۴/۷

(۷) بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ۶۰۰/۱۰

کردے یا مقروض قرض سے منکر ہوجائے اور دونوں کسی مال پر صلح کرلیں تو ان صورتوں میں مدت کی رعایت لازمی ہوگی۔(۱)

☆**دَین:**

دَین کا لغوی معنی ہے قرض اور سامان وغیرہ کے بدلے واجب شدہ قیمت۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"الدین لزوم حق في الذمة".

دین اس حق کا نام ہے جو کسی کے ذمے ثابت ہو۔

اس تعریف کے اعتبار سے حقوقِ مالیہ، جیسے: قرض، بیع، اجارہ، اتلاف اور حقوق غیر مالیہ، جیسے: زکوۃ، روزہ وغیرہ سب اس تعریف میں داخل ہیں۔(۲)

فقہائے کرام کی اصطلاح میں دَین وہ مال ہے جو کسی کے ذمے عقد ہو، یعنی اتلاف یا قرض کی وجہ سے واجب ہو۔

"ماثبت من المال في الذمة بعقد أو استهلاك أو استقراض".(۳)

دَین واجب ہونے کے اسباب:

(۱) عقد کے ذریعے، جیسے: بیع، قرض، اجارہ، نکاح، طلاق بالمال وغیرہ

(۲) غیر شرعی عمل کے ارتکاب سے، جس سے مال لازم آئے، جیسے: قتل، کسی کا مال ضائع کرنا، امانت میں تعدی اور خیانت وغیرہ۔

(۳) کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے مال ضائع ہونے سے، جو مال کا ضامن ہو، جیسے: غاصب اور اجیر مشترک۔

(۴) ایسی بات کا پایا جانا جو شریعت کی نظر میں حق مالی کا سبب ہو، جیسے: مالِ زکوۃ پر سال کا گزرنا، بیوی کا شوہر کے پاس رہنے کی وجہ سے اس کا نفقہ وغیرہ۔

(۵) کوئی چیز غلط فہمی کی بنا پر غیر مستحق کو دی گئی تو اس کے ذمے یہ چیز دَین بن جائے گی اور واپسی واجب ہوگی۔

---

(۱) الأشباه والنظائر، کتاب المداینات، ص:۱٤٤، ۱٤٥، الفتاویٰ الهندية، الباب التاسع عشر في القرض:۳/۲۰۲

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة دين:۲۱/۱۰۲، لسان العرب مادة دين،٤/٤٥۹

(۳) معجم لغة الفقهاء، مادة دَين، ص:۱۸۹

(۶) خصوصی حالات میں مصالح عامہ کے تحت حکومت کا خاص ٹیکس لاگو کرنا، جیسے دفاعی ٹیکس وغیرہ۔

(۷) حالتِ اضطرار میں کسی کا مال تلف کرنا یا کھالینا۔

(۸) مدیون کے مطالبہ پر اس کا دین ادا کرنا، یہ دَین مدیون کے ذمے ادا کنندہ کے لیے واجب الادا ہو جاتا ہے۔(۱)

دَین پر وثیقہ اور ثبوت کی صورتیں:

قرض کی طرح دَین بھی کفالت، رہن، شہادت اور دستاویز لکھنے سے قوی ہو جاتا ہے۔ دستاویز کے متعلق فقہا کا اصول یہ ہے کہ اگر وہ دھوکہ اور آمیزش کے شبہ سے خالی ہو تو وہ بھی قابلِ عمل اور جائز صورت ہے۔(۲)

دَین سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) دَین......: وہ مالی حق جو کسی انسان کے ذمے ثابت ہو، قرض کے ذریعے ہو یا بیع کے ذریعے یا اتلاف وجنایت کے ذریعے۔

(۲) دائن......: قرض دینے والا یا مالی حق کا مالک شخص۔

(۳) مدیون......: جس کے ذمے مالی حق ہو۔

دَین اور قرض میں فرق:

قرض کا لفظ خاص ہے اور اُس دَین پر بولا جاتا ہے جو کسی کو اس نیت سے دیا جائے کہ وہ بعد میں ادا کرے گا۔ دَین کا لفظ اس کے مقابلے میں عام ہے اور وہ ان تمام صورتوں کو شامل ہے جن میں ایک شخص کا کوئی مالی حق کسی دوسرے شخص کے ذمے واجب الادا ہو، چاہے بطورِ قرض ہو یا بطورِ عقد یا بطورِ اتلاف وجنایت۔(۳)

دَین میں قبضہ سے پہلے تصرف:

حنفیہ کے نزدیک دَین میں تصرف کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جس پر دَین ہے، اسی کو مالک بنایا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی اور شخص کو اس کا مالک بنایا جائے۔ حنفیہ کے ہاں پہلی صورت جائز ہے اور خود مدیون کو کسی

(۱) قاموس الفقه ازدراسات في أصول المداينات في الفقه الاسلامي، مادة ذين:۳/۴۴۶

(۲) درر الحكام، مادة: ۱۶۱۰: ۱۶۲/۴، الأشباه والنظائر، الفن الثالث وهو فن الجمع والفرق، القول في الدين، ص: ۱۹۴

(۳) قاموس الفقه، مادة ذين:۳/۴۴۵، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة ذين:۲۱/۱۰۲، درر الحكام، شرح مجلة الأحكام، مادة (۱۵۸)، ص:۱/۱۲۸

عوض کے بغیر بھی اس کا مالک بنایا جاسکتا ہے اور عوض لے کر بھی۔علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"وبيع الدين لايجوزولوباعه من المديون أووهبه جاز".(۱)

البتہ اگر کسی ایسی چیز کو دَین کے بدلے خرید رہا ہے جس کی ادھار بیع جائز نہیں، جیسے: سونا چاندی وغیرہ تو مجلس میں قبضہ ضروری ہے، تاکہ دَین کی دَین سے ادھار خرید وفروخت لازم نہ آئے، اسی وجہ سے بیع سلم میں بھی دَین کو رأس المال ٹھہرا کر معاملہ کرنا جائز نہیں۔(۲)

حنفیہ کے ہاں دوسری صورت، یعنی مدیون کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو بلاعوض یا بالعوض مالک بنانا ناجائز ہے۔(۳)

دَین کی دَین سے بیع:

دَین کی بیع دَین سے یعنی قیمت (ثمن) اور سامان (مبیع) دونوں ادھار ہوں تو یہ جائز نہیں۔حدیث میں اس کو بیع الکالئ بالکالئ کہا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔(۴)

البتہ اگر مبیع پر مجلس عقد میں قبضہ ہوجائے تو پھر دَین کو کسی مخصوص وقت تک مؤجل اور مقید کرنا جائز ہے۔حنفیہ کے ہاں دَین اور قرض میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ دَین میں تاجیل درست ہے اور قرض میں نہیں۔(۵)

دیون میں تاجیل، یعنی مدت مقرر کرنا:

حنفیہ کے یہاں کچھ دیون ایسے ہیں جن میں تاجیل درست نہیں، مثلاً بیع سلم کا رأس المال، بدل صرف، قرض، اقالہ کا ثمن، میت کا قرض، دیت اور شفیع کے لیے مشفوعہ زمین کی قیمت۔(۶)

دَین ادا نہ کرنے والے کو قید کرنے کا حکم:

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر مدیون ادائیگی کی صلاحیت کے باوجود ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو تو اسے گرفتار کیا

(۱) الأشباه والنظائر،تنبيه،القول في الدين،الفن الثالث وهوفن الجمع والفرق،ص:١٩٦

(۲) تبيين الحقائق، كتاب الصرف:٥٦١/٤

(۳) تبيين الحقائق، كتاب البيوع،فصل صح بيع العقارقبل قبضه:٤٤١/٤، ٤٤٢

(٤) الهداية، كتاب البيوع،باب السلم:١٠١/٣

(٥) تبيين الحقائق، كتاب البيوع،فصل صح بيع العقارقبل قبضه:٤٤٣/٤

(٦) الأشباه والنظائر،فوائد،القول في الدين،الفن الثالث وهوفن الجمع والفرق،ص:١٩٥

جائے گا اور جب تک دَین ادا نہ کرے یا خود اپنا مال فروخت کر کے دَین ادا نہ کرے، اس کو قید میں رکھا جائے گا اور اگر وہ مفلس اور دیوالیہ ہو تو اسے رہا کر دیا جائے گا اور اس کے مالی لین دَین پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ دوسرے فقہاء اور صاحبین کے ہاں اس پر پابندی (حجر) لگا دی جائے گی اور ایسے شخص کے مال کو قاضی جبراً فروخت کر کے اہل حقوق کو ان کا حق ادا کر دے گا۔ احناف کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے۔(۱)

دَین کے خصوصی احکام:

(۱) دَین کی وجہ سے یہ اشیاء واجب نہیں ہوتے: (۱) زکوۃ (۲) کفاراتِ مالیہ (۳) صدقہ فطر (۴) حج (۵) بیوی کا نان نفقہ (۶) قربانی۔(۲)

(۲) دَین صرف مثلیات، یعنی مکیلات، موزونات اور عددیاتِ متقاربہ میں جاری ہوتا ہے۔ ذوات القیم اشیا میں فقہا کے ہاں اصل چیز کی بجائے اس کی قیمت واجب ہوتی ہے۔(۳)

(۳) دَین قبضہ کرنے کے بغیر متعین نہیں ہو سکتا۔ بالفاظِ دیگر قبضہ کرنے سے پہلے دَین کی تقسیم نہیں ہو سکتی، لہٰذا اگر ایک ہی سبب سے ثابت ہونے والے قرض میں کئی افراد شریک ہوں تو ایک شخص کا اپنا قبضہ کیا ہوا حصہ سب میں برابر تقسیم ہو گا۔ تمام قرض وصول کرنے سے پہلے اس کو اپنے لیے خاص کرنا درست نہیں۔(۴)

(۴) دیون میں حوالہ جاری ہو سکتا ہے، لہٰذا محتال علیہ (جس پر دَین حوالہ ہو جائے) پر دَین کے مثل کی ادائیگی واجب ہو گی۔(۵)

(۵) دیون میں مقاصہ جاری ہوتا ہے، یعنی اگر صاحبِ دین کے ذمے مدیون کی کوئی چیز باقی ہو جو خود اس دین کے مماثل ہو تو اب مطالبۂ دَین کی گنجائش نہیں رہے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ دونوں نے اپنا حق وصول کر لیا ہے۔(۶)

(۱) الفتاوی الهندية، الباب الثالث الحجر بسبب الدين: ٥/٦١، والباب السادس والعشرون في الحبس والملازمة: ٣/٤١٣، الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثامن عشر في الحجر: ٥/٤٥٥، ٤٥٦، المكتبة الحقانية پشاور

(٢) الأشباه والنظائر، أنواع الديون، الفن الثالث، ص: ١٩٦، ١٩٧

(٣) الدر المختار، كتاب الغصب: ٩/٢٦٦، ٢٦٧، بدائع الصنائع، كتاب الغصب: ١٠/٣٤، ٣٥

(٤) الأشباه والنظائر، القول في الدين، ص: ١٩٥، ١٩٦

(٥) الأشباه والنظائر حواله بالا، ص: ١٩٦، الدر المختار، كتاب الحوالة: ٨/٣

(٦) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الايمان، مطلب الديون تقضىٰ بأمثالها: ٣/١٣٨، الأشباه والنظائر، القول في الدين، ص: ١٩٤

(۲) دیون میں ابراء، یعنی بریٔ الذمہ کرنا درست ہے، اس لیے کہ دیون میں مثل اور بدل کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، یعنی دیون میں ابراء اپنے حق سے دست بردار ہونا ہے۔ اس کے برعکس اعیان میں ابراء درست نہیں، لہٰذا اگر عین اپنی حالت پر ہو تو اس کی واپسی واجب ہوگی۔(۱)

مدیون کب بریٔ الذمہ شمار ہوگا؟

(۱) مدیون یا اس کا وکیل یا کفیل دین ادا کردے۔

(۲) دائن مدیون کو بری کردے، یعنی اپنا حق ساقط کردے۔(۲)

(۳) دائن اور مدیون باہم مقاصہ کریں۔

(۴) دائن میراث میں اپنے دَین کا مالک ہوجائے۔

(۵) وجوب کا سبب فسخ ہوجائے، جیسے بیع واجارہ کے بعد اقالہ وغیرہ ہوجائے۔

(۶) دائن اور مدیون پہلے والے معاملے میں [illegible] کی کرکے اس کی دوبارہ تجدید کرلیں۔

(۷) مدیون دائن کی رضامندی سے قرض کی [illegible]یگی کسی معتمد شخص پر حوالہ کردے۔(۳)

(۸) مدیون [illegible] [illegible] میں مرجا[illegible] [illegible]کفیل یا رہن نہ چھوڑے۔(۴)

❁❁❁

❁❁

---

(۱) الأشباه والنظائر، القول في الدين، ص:۱۹۵

[illegible]جلة الأحكام العدلية، مادة:۱۵۶۲-۱۵۶۸: ۳۰۵، ۳۰۶

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحوالة، مطلب في حوالة الغازي: ۹/۸

(۴) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الكفالة، مطلب في ضمان المهر: ۵۹۴/۷، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة دَين: ۱۳۸/۲۱-۱۴۱

مسائل قرض اوردَین

لاپتہ ہندو کا قرض

سوال نمبر(327):

ایک ہندو کا مسلمان کے ذمہ قرضہ ہے، جب کہ ہندو لاپتہ ہے تو مسلمان اب اس کا قرضہ کس طرح ادا کرے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سب سے پہلے مسلمان شخص کو چاہیے کہ خط وکتابت یا دیگر ممکنہ ذرائع سے قرض خواہ یا اس کے ورثا کا پتہ کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔ انتہائی سعی وکوشش کے بعد ناکام ہو کر مایوس ہو جائے تو اگر بیت المال موجود ہو تو اس میں جمع کرے، ورنہ پھر ایسی جگہ صرف کرے، جہاں مفاد عامہ کا ہونا یقینی ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

كل لقطة يعلم أنها كانت لذمي لاينبغي أن يتصدق ،ولكن يصرف إلى بيت المال لنوائب المسلمين كذا في السراجية.(١)

ترجمہ:

ہر وہ لقطہ جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ کسی ذمی کا تھا تو اس کا صدقہ کرنا مناسب نہیں، بلکہ اسے مسلمانوں کی حاجات کے لیے بیت المال میں لوٹایا جائے۔

❀❀❀

ادائیگی قرض میں ملکی اور غیر ملکی کرنسی کا تبادلہ

سوال نمبر(328):

زید نے عمرو کو تیس 30 لاکھ روپے بطور قرض دیے۔ جب زید نے مطالبہ کیا تو عمرو نے اس وقت کے مطابق

(١) الفتاوى الهندية، كتاب اللقطة :٢/ ٢٩٠

تیس لاکھ روپے کے برابر ستاسی 87 ہزار ڈالر میں قرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لی، لیکن اس وقت زید نے رقم قبض نہیں کی۔ چند دنوں بعد ڈالر کی قیمت بڑھ گئی۔ اب عمرو کے ذمہ 87 ہزار ڈالر دینا واجب ہیں یا تیس لاکھ روپے پاکستانی ادا کرے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے قرض دینا احسان کا معاملہ ہے، اس پر کسی قسم کا نفع حاصل کرنا سود کے زمرے میں آتا ہے، اس لیے قرض کی وصولی میں شرعی اصول کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، تاکہ وصول کرنے والا کسی حرام کا مرتکب نہ بنے۔ چنانچہ فقہائے کرام کے بیان کردہ اصول کے مطابق قرض کی وصولی اپنی مثل رقم سے کی جائے گی۔ اس میں کسی قسم کی زیادتی حرام ہے۔

اگر کوئی شخص اپنا قرض کسی اور کرنسی سے وصول کرنا چاہتا ہو تو اس میں دو چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ دوسری کرنسی اصل قرض کے برابر ہو۔ اگر دوسری کرنسی کی مقدار اصل رقم سے زائد ہو تو یہ زیادتی حرام ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں ادائیگی نہ ہو سکے تو مجلس کی تبدیلی سے یہ معاملہ کالعدم متصور ہوگا۔

مسئولہ صورت میں عمرو کے ذمے زید کو تیس لاکھ روپے کے برابر جو ڈالر بنتے ہیں، وہ ادا کرے، اس سے قبل عمرو اور زید نے جو معاملہ کیا تھا اور اس وقت کے ڈالروں سے جو ادائیگی قرار پائی تھی، چونکہ اس وقت مجلس میں اس کی ادائیگی نہیں ہو سکی، اس لیے ان دونوں کا وہ معاملہ کالعدم ہے۔ اس سے زید کا عمرو سے گذشتہ معاہدہ کے تحت 87 ہزار ڈالرز کا مطالبہ جائز نہیں، کیوں کہ وہ ''بیع الدین بالدین'' کی وجہ سے کالعدم ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن استقرض دانق فلوس ،أو نصف درهم فلوس ،ثم رخصت ،أو غلت ،لم يكن عليه إلّا مثل عدد الذي أخذه ،وكذلك لو قال: أقرضني عشرة دراهم غلة بدينار ،فأعطاه عشرة دراهم ،فعليه مثلها، ولا ينظر إلى غلاء الدراهم ،ولا إلى رخصها.(۱)

ترجمہ:

اور اگر دانق فلوس یا آدھے درہم کے فلوس قرض لیے، پھر یہ سستے ہو گئے یا مہنگے ہو گئے تو اس (مقروض)

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولية: ۷/۳۹۰

پراتنے ہی فلوس دینے لازم ہیں اوراسی طرح اگر کہا کہ مجھے دس درہم ایک دینار کے مقابلہ میں قرض دے دوتو اس کودس درہم دے دیےتو اس پر اس کے مثل دراہم ادا کرنا لازم ہوں گے اوردراہم کے مہنگے یاسستے ہونے کونہیں دیکھا جائے گا۔

۞۞۞

قرض میں ٹرک وصول کر کے دوبارہ مقروض پر بیچنا

سوال نمبر(329):

ایک آدمی کے ذمے میرے 10لاکھ روپیہ قرضہ ہے، جب کہ مقروض قرض کی ادائیگی میں نقدی کی بجائے ایک ٹرک ''جس کی قیمت بھی دس لاکھ روپے ہی بنتی ہے''، دینا چاہتا ہے۔مقروض کہتا ہے کہ دوبارہ یہ ٹرک آپ سے اُدھار خرید کر ماہانہ قسط دیا کروں گا۔ برائے مہربانی ازروئے شریعت یہ معاملہ کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں جس طرح سودی معاملات حرام ہیں، اسی طرح وہ معاملات بھی حرام ہیں، جوسود کی تقویت کا ذریعہ بنتے ہوں، البتہ قرض وصول کرنا چونکہ قرض دہندہ کا حق بنتا ہے،لہٰذا اگراپنا قرض وصول کرنے کے لیے جائز تدابیر اختیار کرے تو اس کی گنجائش ہے۔

ذکر کردہ صورت کے مطابق اگرٹرک والا قرض دہندہ کے ہاتھ دس لاکھ میں اپنا ٹرک بیچ کراس کے قبضہ میں دے دے۔پھرٹرک والا اس سے ادھار خریدے تو شرعاً یہ معاملہ درست رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

رجل له على اخرعشرة دراهم ،فأراد أن يجعلها ثلاثة عشر إلى أجل ،قالوا يشتري من المديون شيأ بتلك العشرة ،ويقبض المبيع ،ثمّ يبيع من المديون بثلاثة عشر إلى سنة ،فيقع التحوز عن الحرام ، ومثل هذا مروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه أمربذلك (١)

---

(١) الفتاوى الخانية ،كتاب البيوع،باب في بيع،فصل فيمايكون فراراعن الربا:٢/٢٧٩

ترجمہ:

ایک آدمی کا دوسرے کے ذمہ دس درہم قرض ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کو ایک مدت تک ادھار کر کے تیرہ وصول کرے۔ (فقہائے کرام) فرماتے ہیں کہ قرض خواہ مقروض سے ان دس درہم کے عوض کوئی چیز خرید کر قبض کرے۔ پھر وہی چیز مدیون کے ہاتھ تیرہ روپے کے عوض ایک سال کی مدت کے لیے ادھار فروخت کرلے تو یوں حرام سے جواز کی صورت پیدا ہو جائے گی اور اسی طرح آپ ﷺ سے بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کرنے کا حکم دیا۔

❁❁❁

مالِ حرام والے کا کسی سے قرض لے کر اس سے کسی کے لیے ہدیہ خریدنا

سوال نمبر(330):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حرام مال والے کا کسی دوسرے آدمی سے قرض لے کر اس سے ہدیہ خریدنا اور پھر اس کا قبول کرنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے جس شخص کی آمدنی حرام ہو، اس سے تحفہ تحائف وصول کرنا ناجائز اور حرام ہے، البتہ اگر کسی شخص کی غالب آمدنی حلال کی ہو یا صورتِ مذکورہ کے مطابق وہ دینے والا شخص خود تصریح کردے کہ یہ تحفہ میں کسی اور آدمی کے مال سے خرید کر دے رہا ہوں تو اس صورت میں اس سے ہدیہ لینا جائز ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اس (مال) سے ہدیہ یا کھانے کی کوئی چیز لینے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

غالب مال المهدي إن حلالا لابأس بقبول هديته ،وأكل ماله مالم يتعين أنه من حرام ، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها،ولا يأكل إلا إذا قال:أنه حلال ورثه أو استقرضه .(١)

ترجمہ: غالب مال حلال ہو اور حرام ہونا متعین نہ ہو تو اس کا ہدیہ اور مال کھانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر مال حرام غالب ہو تو اس کا ہدیہ اور دعوت قبول کرنا جائز نہیں، مگر یہ کہ وہ خود کہے کہ یہ مال حلال ہے، وراثت میں یا بطورِ قرض ملا ہے۔

---

(١) الفتاوى البزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية،الرابع في الهدية والميراث:٦/ ٣٦٠

مقروض کے قریبی رشتہ دار سے قرض کا مطالبہ

سوال نمبر(331):

بکر کسی کمپنی کا مقروض ہے جس کی ادائیگی کا مطالبہ کمپنی بکر کی بجائے زید سے کرے یا یہ کہ زید ادائیگی پر بکر کو مجبور کرے، کیوں کہ بکر زید کا چچازاد بھائی ہے۔کیا کمپنی کا اس طرح کرنا شرعاً درست ہے؟ حالانکہ دونوں الگ الگ کمپنی میں کاروبار کرتے ہیں اور رہن سہن کے اعتبار سے بھی مکمل طور پر جدا ہیں۔

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کی رو سے ہر شخص کے اپنے اپنے حقوق وفرائض متعین ہیں،کوئی کسی کے جان ومال کا بلاوجہ شرعی ذمہ دار نہیں ٹھہرتا۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں ذکر کردہ بیان اگر حقیقت پر مبنی ہو،یعنی زید اور اس کا چچازاد بھائی بکر دونوں الگ الگ کمپنیوں میں کاروبار کر رہے ہوں اور دونوں کا کاروبار، رہائش وغیرہ جدا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان کسی طرح کی کفالت،حوالہ یا شرکت وضمانت وغیرہ کا معاملہ بھی طے نہ ہوا ہو تو محض مذکورہ قرابت کی بنیاد پر بلاوجہ شرعی زید پر یہ ذمہ داری عائد کرنا کہ وہ یا تو خود بکر کی طرف سے واجب الادا رقم ہمیں ادا کردے یا بکر کو قرضہ ادا کرنے پر مجبور کرے شرعاً ناجائز ہے،البتہ زید اگر اپنی رضامندی سے بکر کا یہ قرضہ استحساناً ادا کرے یا بکر کو کسی طرح ترغیب دے کر قرضہ کی فوری ادائیگی پر رضامند کرے تو یہ زید کی طرف سے کمپنی کے ساتھ ایک تعاون ہوگا جس کا اسے اجر وثواب ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

أنه لا يحبس مع المديون أحد غير كفيله.(۱)

ترجمہ:

بے شک مقروض کے ساتھ کفیل کے علاوہ کسی اور کو قید نہیں کیا جائے گا۔

❁❁❁

---

(۱)البحر الرائق ،کتاب القضاء،فصل في الحبس:٦/٤٧٨

دین میں کچھ کمی کر کے وقتِ مقرر سے پہلے مطالبہ کرنا

سوال نمبر (332):

ایک آدمی نے ایک لاکھ روپے کی گندم کسی کے ہاتھ فروخت کردی اور رقم کی ادائیگی کے لیے دونوں نے دو ماہ کی مدت متعین کردی۔ اب ایک ماہ گزرنے کے بعد بائع مشتری سے کہتا ہے کہ مجھے میری رقم ابھی ادا کردو۔ میں تم کو بیس ہزار 20,000 روپے معاف کردوں گا۔ کیا مشتری کے لیے اس کا یہ مطالبہ قبول کرنا درست ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے اگر کسی شخص کا کسی کے ذمہ دین ہو جس کی ادائیگی کے لیے دونوں نے ایک خاص وقت مقرر کیا ہو تو وقت سے پہلے دائن کا مطالبہ درست نہیں۔ اب اگر دائن (قرض خواہ) وقتِ مقرر سے پہلے اپنے دین کا مطالبہ کرے، بایں طور کہ اس کے بدلہ مدیون کو کچھ حصہ معاف کردے گا، چونکہ اس صورت میں مدت کا عوض لینا لازم آتا ہے جو شرعاً ناجائز ہے، البتہ اگر قرض خواہ نقد ادائیگی کی صورت میں بطور تبرع واحسان کچھ رقم معاف کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو كانت له ألف مؤجلة ،فصالحه على خمسمائة حالة لم يجز؛ لأن المعجل خير من المؤجل ،وهو غير مستحق بالعقد ،فيكون بإزاء ماحطه عنه ،وذلك اعتياض عن الأجل ، وهو حرام .(۱)

ترجمہ:

اگر کسی کے (دوسرے پر) ہزار روپیہ میعادی (ادھار) ہوں اور وہ فوری (نقدی) پانچ سو پر صلح کرے تو جائز نہیں، کیوں کہ نقد ادھار سے بہتر ہے اور وہ معاملہ کی رو سے نقد کا مستحق نہیں تو یہ اس میعاد کے مقابلہ میں ہوگا جو اس نے کم کیا ہے اور یہ میعاد کا عوض لینا ہے جو حرام ہے۔

❀❀❀

(۱) الهداية ،كتاب الصلح ،باب الصلح في الدين:۳/۲۵۷،

قرض کی ادائیگی کے لیے غیر مسلم کے ہاں ملازمت اختیار کرنا

سوال نمبر(333):

ایک شخص کی دو لاکھ روپے مالیت کی ایک دکان جل گئی اور وہ ڈھائی لاکھ مقروض ہے، اس کے لیے قرض سے انکار کرنا یا ادائیگی قرض کے لیے غیر مسلم کے ساتھ ملازمت اختیار کرنا، شریعت کی رو سے کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرض شرعاً واجب الادا ہے جس سے انکار کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

چنانچہ مسئولہ صورت میں قرض خواہ کے قرض کی ادائیگی کے واسطے ضرورت کے وقت کسی غیر مسلم کے ہاں ملازمت اختیار کر لینا جائز ہے۔ شریعت نے غیر مسلموں کے ساتھ ملازمت کی اجازت دے رکھی ہے، بشرطیکہ اس میں ذلت و رسوائی نہ ہو اور اپنے مذہب چھوڑنے اور اسلام کے خلاف کسی سازش کے لیے آلۂ کار بننا لازم نہ آتا ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

لا بأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان مما لا بد منه .(۱)

ترجمہ:

مسلمان اور ذمی کے درمیان بوقتِ ضرورت معاملہ میں کوئی حرج نہیں۔

❁❁❁

گھروں میں آٹے کا بطورِ قرض لین دین

سوال نمبر(334):

گھروں میں عام طور پر لوگ ایک جام آٹا یا پیالے پر گھی چینی وغیرہ دے کر ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کر کے اسی حساب سے واپس لے لیا کرتے ہیں۔ شریعت کی رو سے صحیح مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والاحكام...:۵۔۳۴۶

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے مکیلات وموزونات میں قرض کا معاملہ درست ہے، البتہ آٹا وغیرہ کو بطورِ قرض دینے میں فقہائے کرام نے کلام کیا ہے، تاہم قاضی ابویوسفؒ نے عرف کی بنا پر بطورِ قرض وزناً آٹا دینے کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا گھروں میں اگر بوقتِ ضرورت ایک دوسرے سے آٹا قرض لیا جائے اور اسی مقدار میں واپس کردیا جائے تو یہ جائز ہے، البتہ اگر قرض لی جانے والی مقدار سے زیادہ یا کم واپس کردے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ آٹا نصف صاع (پونے دوکلو) سے کم ہو تو واپسی کی صورت میں اس میں کمی بیشی بہرحال جائز ہے، خواہ یہ کمی وبیشی مشروط ہو یا نہ ہو اور اگر یہ آٹا نصف صاع یا اس سے زیادہ ہو تو اس صورت میں کمی بیشی صرف اس وقت جائز رہے گی، جب قرض لیتے وقت کمی بیشی کی شرط نہیں لگائی گئی ہو، اگر کمی بیشی کی شرط لگائی ہو تو پھر یہ معاملہ سود کے زمرے میں شامل ہوکر ناجائز رہے گا۔

والدلیل علی ذلک:

إذا استقرض الدقیق وزنا لایردہ وزنا ، ولکن یصطلحان علی القیمة .وعن أبي یوسف رحمه اللّٰہ تعالیٰ في روایة: یجوز استقراضه وزنا استحساناً إذا تعارف الناس ذلك ،وعلیه الفتوی .(۱)

ترجمہ:

جب آٹا وزناً (تول کر) قرض لے لے تو اس کو وزناً واپس نہیں کرے گا، بلکہ آپس میں قیمت پر سمجھوتہ کریں گے اور ایک روایت میں امام ابویوسفؒ سے منقول ہے کہ استحساناً آٹے کا قرض لینا وزن کے اعتبار سے جائز ہے، بشرط یہ کہ لوگوں میں اس کا عرف ہو اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(وحلّ) بیع ذلك (متماثلا) لامتفاضلا (و بلامعیار شرعي) فإن الشرع لم یقدر المعیار بالذرة وبما دون نصف صاع (کحفنة بحفنتین) وثلاث وخمس مالم یبلغ نصف صاع. (۲)

ترجمہ:

اور (کیلی کا کیلی سے یا وزنی کا وزنی سے) برابر سرابر بیع حلال ہے، لیکن کمی بیشی کے ساتھ حلال نہیں۔ اسی طرح معیارِ شرعی کے بغیر بھی جائز ہے۔ شریعت نے وزنی اشیا میں ایک ذرہ کو معیار مقرر نہیں کیا اسی طرح کیلی اشیا میں نصف صاع سے کم کا معیار مقرر نہیں۔ جیسے ایک مٹھی کے بدلے دو مٹھی یا تین یا پانچ... جب تک نصف صاع تک نہ پہنچے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیہ، الباب التاسع عشر فی القرض والاستقراض والاستصناع:۳/۲۰۱

(۲) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الربا:۷/۳۹۸۔۴۰۷

قرضِ حسنہ کی واپسی میں زیادتی کی شرط

سوال نمبر(335):

زید کے پاس چار دکانیں تھیں جن میں سے ایک کو بکر نے مالکانہ حقوق پر خرید لیا اور باقی تین دکانوں کے بارے میں زید نے بکر سے کہا کہ تم مجھے قرض حسنہ کے طور پر تیس ہزار روپے دو۔ میں اس سے دکانوں کی تعمیر کر کے آپ کو ایک دکان کرایہ پر دے دوں گا اور آپ کا قرض بھی ادا کر دوں گا۔ اس نے دکان تو کرایہ پر دے دی، لیکن قرض واپس نہیں کیا۔ اب زید کہتا ہے کہ تم کرایہ کی دکان چھوڑ دو، میں تم کو تیس ہزار روپے کے علاوہ اور رقم بھی دیتا ہوں۔ کیا اس تیس ہزار روپے کے علاوہ باقی رقم لینا میرے لیے جائز ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

شرعی نقطۂ نظر سے کسی کو قرضِ حسنہ دینا مقروض کے ساتھ ایک احسان کا معاملہ ہے، جو کہ باعثِ اجر و ثواب ہے، لیکن جب مقروض اپنا قرضہ ادا کرتا ہے تو قرض دینے والے کے لیے اپنے قرض سے زیادہ رقم وصول کرنا سود کے مترادف ہے جو کہ لینے اور دینے والے دونوں کے لیے حرام ہے۔

مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص نے اگر مالکِ دکان کو تیس ہزار روپے قرضِ حسنہ کے طور پر دیے ہیں تو اس کے ذمہ صرف وہ روپے ادا کرنے ہوں گے، زیادہ رقم لینا بغیر کسی عوض کے سود ہے، چونکہ دکان واپس لینا مالک کا حق ہے، اس لیے محض چھوڑنے کے عوض زیادہ رقم وصول کرنا جائز نہیں۔

والدّليل على ذلك:

لما روى عن رسول الله ﷺ: أنه نهى عن قرض جر نفعاً ،ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا.(۱)

ترجمہ:

جیسا کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اس قرض سے جو کسی قسم کی منفعت کھینچے اور وجہ یہ ہے کہ ہر وہ زیادتی جو مشروط ہو ربا (سود) کے مشابہ ہے۔

(۱) بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ۵۹۸/۱۰

تخم اور بیج میں قرض کا لین دین

سوال نمبر(336):

تخم کے لیے ایک من غلہ قرض لے کر دوسرے موسم میں ایک ہی من غلہ واپس کرنا شرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ شریعت میں اُن اشیا کا بطورِ قرض لینا جائز ہے جن کا مثل موجود ہو، یعنی اگر ایک آدمی کسی سے قرض کے طور پر کوئی چیز لے کر اپنے استعمال میں لائے اور بعد میں اسی جنس سے اسی مقدار میں واپس کرے تو یہ جائز ہے، اس کے علاوہ صرف نقدی (روپیہ) وزنی اور ناپنے والی اشیا میں بھی قرض کا معاملہ جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق جب تخم کے لیے غلہ لیا جاتا ہو اور بعد میں دوسرے موسم میں اس کے برابر غلہ دیا جاتا ہو تو چونکہ غلہ کیلی اور وزنی اشیا کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا اس میں قرض جائز ہے، بشرطیکہ واپس دیتے وقت کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرے، ورنہ سود شمار ہو کر ناجائز رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

(القرض هو عقد مخصوص برد علی دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله ،وصح في مثلي لا في غيره فيصحّ استقراض الدراهم والدنانير ،وكذا مايكال أويوزن أو يعد متقارباً ،فصح استقراض جوز وبيض).(۱)

ترجمہ:

قرض اس مخصوص عقد کا نام ہے جو کسی کو مالِ مثلی دے دینے پر وجود میں آتا ہے تاکہ پھر اس کی مثل ہی واپس ادا کی جاسکے۔ مثلی کے علاوہ میں جائز نہیں، چنانچہ دراہم، دنانیر اور اسی طرح ناپ تول والی چیز بطورِ قرض لینا یا عددیاتِ متقاربہ، جیسے: اخروٹ اور انڈوں میں قرض کا معاہدہ درست ہے۔

❀❀❀

(۱) تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولية: ۷/ ۳۸۸، ۳۸۹

قرض کی واپسی تک کرنسی ریٹ بدل جانا

سوال نمبر(337):

ایک آدمی نے ۱۹۵۳ء میں کسی سے پچیس ہزار 25000 روپے قرض لیے اور ۲۰۰۵ء میں قرض خواہ کو واپس دے رہا ہے۔اب قرض خواہ کہتا ہے کہ ۱۹۵۳ء میں پچیس ہزار 25000 کی جتنی مالیت تھی،اس کے مطابق روپے واپس ادا کرنے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ کیا اصلی رقم سے زائد رقم سود نہیں کہلائے گا؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ قرض پر نفع لینا سود کے زمرے میں داخل ہے،اگر کوئی شخص کچھ رقم بطورِ قرض لیتا ہے تو واپسی پر اتنی ہی رقم ادا کرے گا۔قرضہ کی یہ رقم جس کرنسی کی صورت میں ہے تو کرنسی کے اتار چڑھاؤ کا اعتبار نہیں ہوگا،بلکہ اسی مقدار کے مطابق واپس کرنا لازم ہوگا۔

پس مسئولہ صورت میں اس شخص نے پچیس ہزار روپے جو قرض لیے تھے اور اب ایک عرصہ بعد واپس کرتا ہے، جب کہ کرنسی کی قیمت بڑھ چکی ہے تو یہ شخص پچیس ہزار روپے ہی قرض خواہ کو واپس کرے گا اور قرض خواہ کرنسی ریٹ گرنے کے بدلے زیادہ رقم وصول نہیں کرسکتا،ورنہ یہ سود شمار ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

والقرض :هو أن يقرض الدراهم والدنانير،أو شيأ مثلياً ،يأخذ مثله في ثاني الحال. والدين :هو أن يبيع له شيأ إلىٰ أجل معلوم مدة معلومة كذا في التاتارخانيه .(۱)

ترجمہ:

اور قرض یہ ہے کہ کوئی دراہم اور دنانیر یا کوئی مثلی چیز بطور بدل دے دے،تاکہ دوسرے وقت میں اس کی مثل اس سے لے لے۔اور دین یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ کوئی چیز معلوم وقت تک معین مدت کے لیے فروخت کرے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية ،الباب السابع والعشرون في القرض والدين:۵/۳٦٦

لما روی عن رسول اللہ ﷺ:أنه نهی عن قرض جر نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا.(١)

ترجمہ:

جیسا کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اس قرض سے جو کسی قسم کی منفعت کھینچے اور وجہ یہ ہے کہ ہر وہ زیادتی جو مشروط ہو ربا (سود) کے مشابہ ہے۔

❁❁❁

دین سے بری کرنے میں قبول کی شرط

سوال نمبر (338):

ایک شخص نے دوسرے کو کچھ قرضہ دیا جو تیس ہزار 30000 روپے تھے۔ مقروض کے پاس کچھ اور مالیت نہیں تھی۔ پھر قرض خواہ نے مقروض کو قرض سے بری کر کے کہا کہ میں نے قرض کی رقم تجھے معاف کر دی اور مقروض نے کہا ٹھیک ہے، پھر مقروض کے دل میں آیا کہ نہیں، میں قبول نہیں کرتا، بلکہ واپس کروں گا۔ اب یہ رقم کس کی ملکیت متصور ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہی رو سے "ابراء عن الدین" یعنی (دائن کا مدیون کو بری قرار دینا) چونکہ اسقاط کے معنی پر مشتمل ہے (یعنی دائن مدیون سے اپنا حق ساقط کرتا ہے) اس لیے اس کا تحقق مدیون کے "قبول" کرنے پر موقوف نہیں، مگر چونکہ اس میں ایک گونہ تملیک بھی پائی جاتی ہے کہ دائن مدیون کو دین کی رقم کا مالک بناتا ہے، اس لیے جب تک مدیون نے قبول نہ کیا ہو، تب تک اس کو رد کیا جا سکتا ہے، چاہے اس مجلس میں ہو یا اس کے بعد کسی اور مجلس میں۔ اور اگر مدیون "ابراء" کو قبول کرے تو پھر اس کے لیے رد کرنا درست نہیں۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر واقعی دائن نے مدیون کو قرض سے بری قرار دے دیا ہو اور مدیون نے بھی قبول کیا ہو تو اس کے بعد اسے رد کرنا اور اس سے رجوع کرنا شرعاً مدیون کے دائرہ اختیار میں نہیں، بلکہ وہ رقم مدیون کی ملکیت متصور ہوگی۔

---

(١) بدائع الصنائع، کتاب القرض، فصل في الشروط: ١٠/٥٩٨

والدّلیل علی ذلک:

لا يتوقف الإبراء على القبول ،ولكن يكون مردوداً بالرد .(۱)

ترجمہ: ابرا(بری کرنا) قبول پر موقوف نہیں،البتہ رد کرنے سے رد ہو جاتی ہے۔

❀❀❀

کسی کو قرض دینے کے لیے سودا کرنا

سوال نمبر(339):

زید کراچی میں مقیم ہے۔اس نے اپنے دوست خالد سے بطور قرض تیس ہزار 30000 روپے کا مطالبہ کیا۔خالد لاہور میں رہتا ہے اور گاڑیوں کی خرید وفروخت کے ایک شوروم(Show Room) کا مالک ہے۔خالد کے پاس رقم فی الوقت دستیاب نہیں۔خالد نے زید کے نام پر ایک لاکھ ستر ہزار 1,70,000 روپے میں گاڑی خریدی اور پھر اس کو دو لاکھ روپے میں فروخت کر دیا اور نفع کے تیس ہزار روپے زید کو بطور قرض بھیج دیے۔پھر کچھ عرصہ بعد خالد زید سے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے،کیا(۱) خالد کا اس طریقہ پر حاصل کی گئی رقم کا زید کو بطور قرض دے کر مطالبہ کرنا درست ہے؟(۲) اور زید کے ذمہ اس رقم کو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ حالانکہ وہ رقم زید کے نام پر خریدی گئی گاڑی کا نفع ہے۔کیا یہ صورت جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے صورت مسئولہ میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔(۱) رقم مہیا کرنے کے لیے خالد کا کردار۔(۲) زید کو کس حیثیت سے رقم ملی۔

شقِ اول میں خالد نے جو بنام زید ایک گاڑی خرید کر پھر اسے بیچا ہے تو چونکہ زید نے اس سے محض قرض کا مطالبہ کیا تھا،نہ کہ فعل کا(کہ گاڑی خرید کر پھر اسے بیچے) اس لیے مذکورہ بیع وشرا میں خالد محض ایک فضولی کی حیثیت رکھتا ہے،اس صورت میں اس کے تصرفات زید کی اجازت پر موقوف ہوں گے،لہٰذا اگر خالد کی بیع وشرا کو زید نے درست قرار دیا پھر اس کی سابقہ اجازت وکالت کے قائم مقام ہو کر زید نفع سمیت گاڑی کی قیمت کا مالک متصور رہے گا،

(۱) شرح المجلة لخالد اتاسی ،المادة:۱۵۶۸، ۴/۵۸۸

اگرچہ اس کو عنوان قرض ہی کا دیا گیا ہو، کیوں کہ عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا، اس لیے یہاں پر غیر کی ملک کا کچھ حصہ اسے سپرد کیا گیا اور باقی اپنے پاس رکھا گیا ہے ایسی صورت میں خالد زید سے تیس ہزار روپے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، تاہم خالد (چونکہ فضولی ہے) کی بیع وشرا کو اگر زید نافذ نہ کرے تو پھر خالد کے گذشتہ تصرفات فسخ ہو کر اس وقت زید بلاشبہ خالد کا مقروض سمجھا جائے گا، جس کی وجہ سے (۱) خالد زید سے اس رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے اور (۲) زید کے ذمہ لازم ہے کہ مطالبہ پر رقم خالد کے حوالہ کردے۔

والدّلیل علی ذلک:

شرع سبحانه وتعالى البيع والشراء والتجارة وابتغاء الفضل من غير فصل بين ما إذا وجد من المالك بطريق الأصالة، وبين ما إذا وجد من الوكيل في الابتداء، أو بين ما إذا وجدت الإجازة من المالك في الانتهاء، وبين وجود الرضا في التجارة عند العقد أو بعده، فيجب العمل بإطلاقها إلا ما خص بدليل. (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت تجارت اور فضل تلاش کرنے کو مشروع کیا ہے، اس تفصیل کے بغیر کہ یہ (خرید وفروخت) اصالتاً مالک کے ذریعے وجود میں آئے اور یا یہ کہ ابتداءً وکیل کے ذریعے سے وجود میں آئے اور یا یہ کہ انتہاً مالک کی طرف سے اجازت ہو اور یا یہ کہ قبض کے وقت تجارت میں رضامندی ہو یا بعد میں، پس مشروعیتِ بیع کے اطلاق پر عمل واجب ہے، یعنی ان میں سے ہر صورت جائز ہے، البتہ یہ کہ کوئی صورت کسی دلیل کی وجہ سے (اس حکم سے) خاص کی گئی ہو۔

❁❁❁

قرض کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا

سوال نمبر (340):

اگر کوئی شخص قرض دیتے وقت یہ شرط لگائے کہ میں قرض اس شرط پر دیتا ہوں کہ قرض کے پیسوں سے چلانے والے کاروبار میں حصہ دار رہوں گا، مثلاً زید نے پچاس ہزار 50,000 روپے بکر کو قرض دیے۔ اس نے اس پر کاروبار شروع کیا اور کہا کہ ایک ماہ بعد دس ہزار روپے منافع میں سے نصف میرا ہوگا۔ کیا اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے؟

(۱) بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في الشرط الذي يرجع إلى المعقود عليه: ٥٧٦/٦

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے قرض کا معاملہ کرتے وقت کوئی ایسی شرط لگانا درست نہیں جس میں قرض دینے والے کا فائدہ ہو، بلکہ قرض خواہ کا شرط لگا کر فائدہ حاصل کرنا سود کے زمرے میں آ کرنا جائز اور حرام رہتا ہے۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر قرض اس شرط پر دیا جا رہا ہو کہ مقروض کے کاروبار سے حاصل ہونے والی آمدنی میں دونوں برابر شریک ہوں گے تو ایسی شرط پر قرض کا معاملہ درست نہیں ہے، بلکہ شرط کے بعد قرض خواہ کے لیے کاروبار سے حاصل ہونے والی آمدنی لینا بھی ناجائز ہے، البتہ اگر ابتداءً ہی عقدِ مضاربت طے ہو جائے تو معاملہ درست رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما الذي يرجع إلى نفس القرض،فهو أن لا يكون فيه جرمنفعة، فإن كان لم يجز نحو ماإذا أقرضه دراهم غلة، على أن يرد عليه صحاحاً، أو أقرضه ،وشرط له فيه منفعة، لما روي عن رسول الله ﷺ: أنه نهى عن قرض جر نفعاً ،ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا،والتحرز عن حقيقة الرباء ،وعن شبهة الربا واجب .(۱)

ترجمہ: اور وہ شرائط جو نفسِ قرض کی طرف راجع ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرض میں کسی منفعت کا حصول مشروط نہ ہو۔ اگر منفعت اس میں مشروط ہو تو پھر (یہ معاملہ) قرض جائز نہیں، جیسے کہ اگر کوئی کسی کو کرایہ کے دراہم اس شرط پر بطورِ قرض دے دے کہ وہ صحیح دراہم اس کو واپس کرے گا یا اس کو قرض دے کر ایسی شرط لگائے جس میں اس (دینے والے) کے لیے منفعت ہو (اور یہ اس لیے حرام ہے) کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ہر اس قرض سے منع فرمایا جو کسی قسم کا نفع کھینچے اور ایک وجہ یہ ہے کہ مشروط زیادتی ربا (سود) کے مشابہ ہے، حالانکہ حقیقی سود یا جس چیز میں سود کا شبہ ہو اس سے احتراز کرنا واجب ہے۔

۞۞۞

مفلس مدیون کو قید کرنا

سوال نمبر (341):

اگر ایک آدمی پر قرض ہو اور افلاس و غربت کی وجہ سے ادائے قرض سے عاجز ہو تو اس صورت میں قرض خواہ کو

(۱) بدائع الصنائع، کتاب القرض فصل فی الشروط: ۵۹۸،۵۹۷/۱۰

کیا یہ حق حاصل ہے کہ مقروض پر عدالت میں مقدمہ درج کرا کر جیل بھجوایا جائے؟

بیّنوا توٗجروا

الجواب وبالله التوفيق:

واضح رہے کہ جب مفلس کا افلاس قاضی کے سامنے ثابت کرانا ہو تو مفلس اپنے افلاس پر گواہ پیش کرے گا یا دائن خود اقرار کرے گا کہ وہ مفلس ہوا ہے۔اس صورت میں قاضی اس کو جیل نہیں بھیج سکتا،البتہ اگر مفلس کسب وغیرہ پر قادر ہو،مگر اس کے باوجود کمائی نہ کرتا ہو تو پھر دائن اگر قاضی کو قید کرنے کی رپورٹ (Report) پیش کرے تو قاضی اس کو قید کرسکتا ہے۔

والدّليل على ذلك:

فإن قال الطالب هو معسر لا يحبسه ؛لأنه لو أقر بعسرته بعد الحبس أخرجه ،وقبل الحبس لا يحبسه ، إن قال الطالب هو مؤسر قادر على القضاء ،وقال المديون:أنا معسر تكلموا فيه ،قال بعضهم: القول قول المديون أنه معسر ،وقال بعضهم :إن كان الدين واجباً بدلا عما هو مال كالقرض وثمن المبيع القول قول مدعى اليسار مروى ذلك عن أبي حنيفةؒ ،وعليه الفتوى. (١)

ترجمہ:

اگر (قرض) طلب کرنے والا کہہ دے کہ یہ (قرض دار) تنگ دست ہے تو قاضی اس کو قید نہیں کرے گا،اس لیے کہ اگر (قرض خواہ) قرض دار کے قید ہونے کے بعد اس کی تنگ دستی کا اقرار کرے تو بھی اس کو آزاد کرے گا، چنانچہ قید سے قبل (جب قرض خواہ اقرار کرے) تو (بطریق اولیٰ) اس کو قید نہیں کرے گا اور اگر قرض خواہ یہ کہہ دے کہ یہ مال دار (قرض کے ادا کرنے پر قادر) ہے اور قرض دار کہے کہ میں تنگ دست ہوں تو علما نے اس صورت میں کلام کیا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ قرض دار کا قول کہ:''میں تنگ دست ہوں'' معتبر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اگر قرض کسی مال کے بدلہ واجب ہو، جیسے: قرض یا مبیعہ کی قیمت۔تو پھر مال داری کا دعویٰ کرنے والے کا قول معتبر ہوگا۔یہ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكفالة،الباب السادس والعشرون في الحبس والملازمة:٣/٤١٣

اصل قرض کے ساتھ کچھ نفع دے کر واپس کرنا

سوال نمبر (342):

میں نے کسی سے دکان خریدی۔ چونکہ اس وقت میرے پاس کل رقم موجود نہ تھی، اس لیے آدھی قیمت ادا کردی اور بعد میں ڈیڑھ لاکھ روپے بھی ادا کردیے۔ بقیہ رقم کی ادائیگی میں تاخیر ہونے کی بنا پر میں نے مالکِ دکان سے کہا کہ ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر دکان کے ماہانہ کرایہ کے مطابق نصف کرایہ ہر ماہ تمہیں ادا کروں گا، جب کہ یہ اصل قرضہ میں شمار نہ ہوگا اور جب کل رقم پوری ہوجائے تو اس دن اس دکان کی قیمت بھی لگائیں گے۔ اس میں جتنا نفع ونقصان ہوگا وہ بھی آپس میں تقسیم کریں گے۔ چنانچہ وہ اس پر راضی ہوا۔ اب میں بقیہ اصل رقم ادا کرنے والا ہوں جو تقریباً ساڑھے تین لاکھ روپے بنتے ہیں تو اس کے ساتھ مزید جمع شدہ پانچ سال کا نصف کرایہ بھی حسبِ وعدہ ادا کرتا رہا ہوں اور دکان کی قیمت بھی نفع ونقصان کے ساتھ تقسیم کرتا ہوں، کیا اس معاملہ میں یہ اضافی رقم لینا مالکِ زمین کے لیے جائز ہے؟ میرا دوست جو اس کارروائی میں ثالث ہے کہتا ہے کہ میرے سسر (مالک مکان) کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی مسلمان کے ساتھ اس کی مجبوری کے وقت کسی قسم کا تعاون کرنا بلاشبہ ایک احسان، بلکہ اجرِ عظیم کا سبب ہے جس میں ضرورت کے وقت اس کے ساتھ کسی معاملہ میں قرض فراہم کرنا بھی شامل ہے۔ مگر قرض کی ادائیگی کے لیے اصل رقم پر زیادتی کا مطالبہ کرنا یا اس قسم کا معاملہ کرنا نہ صرف یہ کہ اس اجر کو ختم کرتا ہے، بلکہ سود کے زمرے میں داخل ہو کر اللہ جل شانہ کی ناراضگی کا سبب بھی ہے۔ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے کہ اگر قرض خواہ کے پاس وقتِ مقرر پر پیسے موجود نہ ہوں تو اسے مزید مہلت دو۔ اس کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر اصل رقم سے زائد لینا سود ہی ہے۔

لہٰذا مسئولہ صورت کے مطابق اگر مقروض کے پاس قرضہ کی واپسی کے لیے رقم موجود نہ ہو اور قرض خواہ اس کی ضرورت سے غلط فائدہ اُٹھا کر اس مکان کے کرایہ میں بھی شریک ہو اور آخر میں جب پوری رقم وصول ہوجائے تو بھی اس میں آدھے نفع میں شریک ہو، حالانکہ ان دونوں (کرایہ اور اصل رقم میں آدھا نفع) میں شریک ہونا واضح طور پر قرض سے منفعت حاصل کرنے کا مترادف ہے جو کہ شرعاً سود کے حکم میں شمار ہو کر ناجائز ہے۔ قرض خواہ کو چاہیے کہ وہ مقروض سے کرایہ کا مطالبہ اور پھر زیادہ رقم کا مطالبہ نہ کرے، بلکہ وہ مقروض کو مہلت دے دے۔

والدلیل علی ذلک:

﴿وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اگر تنگ دست ہے تو کشائش ہونے تک مہلت دینی چاہیے۔

لما روی عن رسول اللّٰہ ﷺ: أنہ نھی عن قرض جر نفعاً، ولأن الزیادۃ المشروطۃ تشبہ الربا.(۲)

ترجمہ:

جیسا کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اس قرض سے جو کسی قسم کی منفعت کھینچے اور وجہ یہ ہے کہ ہر وہ زیادتی جو مشروط ہو ربا (سود) کے مشابہ ہے۔

❁❁❁

اَن سِلے کپڑوں میں قرض

سوال نمبر (343):

کسی دکان دار کے پاس گاہک آ کر کپڑا لینا چاہتا ہو اور وہ اس کے پاس نہ ہو تو وہ قریبی دکان دار سے کپڑا قرض لے کر کہتا ہے کہ: ''میں پھر تم کو کپڑا دوں گا'' کیا شرعاً اس طرح کا معاملہ درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جب کوئی شے بازار میں مختلف افراد کے ساتھ بلا تفاوت پائی جاتی ہو یا اس کی تفاوت اتنی کم ہو جس کو عام طور پر لوگ نظر انداز کر لیا کرتے ہوں تو وہ ''مثلی'' ہے اور جس شے میں قابل لحاظ تفاوت ہو، وہ ''قیمی'' ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض اشیا کو فقہائے کرام نے اپنے زمانے کے عرف کے لحاظ سے مثلی قرار نہیں دیا ہو، لیکن اب وہ مثلی بن گئی ہوں، جیسے گز سے ناپ کر فروخت کی جانے والی اشیا، مثلاً کپڑا وغیرہ، اس لیے کہ زمانہ قدیم میں کپڑوں کی ایک ہی تھان کے مختلف حصوں میں قابل لحاظ فرق ہوتا تھا، مگر آج کل ایسا نہیں، کپڑے کے انواع اس طرح معین و مشخص ہو گئے ہیں اور

(۱) البقرۃ / ۲۸۰

(۲) بدائع الصنائع، کتاب القرض، فصل في الشروط: ۱۰/ ۵۹۸

ایک ہی نوع کے کپڑوں میں اتنا کم اور نا قابل لحاظ فرق ہے کہ ان کے مثلی ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہا، اس لیے فقہی تصریحات کی رو سے چونکہ مثلی اشیا میں قرض کا معاملہ کرنا درست ہے، اس لیے مسئولہ صورت میں ایک دکان دار کا دوسرے دکان دار سے کپڑا قرض لینا اس وقت درست رہے گا، جب کپڑے کی نوع متعین ہونے کے ساتھ اس کی صفات سے بھی واقفیت ہو، تاکہ واپسی کے وقت مثل دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

المثلي مايوجد في السوق بدون تفاوت يعتد به.........أي مالا تتفاوت أحاده تفاوتا تختلف به القيمة ،كاالمكيل والموزون.(١)

ترجمہ:

مثلی چیز وہ ہے جو بغیر کسی معتد بہ تفاوت کے بازار میں پائی جائے۔۔۔۔۔یعنی ایسی تفاوت نہ ہو کہ جس کے ساتھ قیمت مختلف ہو جائے، جیسے: مکیلی اور موزونی اشیا۔

❀❀❀

مقروض سے قرض کے عوض سامان وغیرہ لینا

سوال نمبر(344):

قرض خواہ نے چند سال بعد مقروض سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا، لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لیتا ہے۔ اگر قرض خواہ مقروض کی دُکان سے سامان اٹھا کر بیچ دے اور اپنا قرض وصول کرے تو شرعاً کیا یہ جائز ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر مقروض قرض واپس کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہو تو صاحبِ حق کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مقروض کے مال میں سے اپنے حق کے برابر کوئی چیز لے لے اور اپنا حق پورا حاصل کر لے، تاہم اس میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ چیز قرض کی جنس میں سے ہو، لہٰذا غیر جنس سے اپنا حق وصول کرنا درست نہیں۔

مسئولہ صورت میں اگر قرض خواہ نے چند سالوں کے بعد مقروض سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا ہو اور وہ ٹال

---

(١) شرح المجلة لخالد الاتاسي: المادة: ١٤٥، ٢١/٢

مٹول سے کام لیتا ہو اور پھر قرض خواہ نے اس کی دُکان سے اپنے حق کی مالیت کے بقدر سامان اٹھا کر بیچا ہو اور اپنا قرض وصول کیا ہو تو یہ صورت جائز نہیں، کیوں کہ اس نے دُکان سے اپنے حق یعنی روپوں کی جنس کے علاوہ سامان سے وصول یابی کی ہے جو کہ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ربُّ الدين إذا ظفر من جنس حقه من مالِ المديون على صفته فله أخذه بغيرِ رضاه ولا يأخذ خلاف جنسه كالدراهم والدنانير.(١)

ترجمہ:

قرض خواہ جب مقروض کے مال میں سے اپنے حق کی جنس کے لینے پر قادر ہو جائے تو اُسے مقروض کی رضامندی کے بغیر بھی لینا جائز ہے، البتہ خلاف جنس سے نہیں لے سکتا۔ جیسے: دراہم کے بدلے دنانیر لینا درست نہیں۔

❁❁❁

مقروض سے بابت قرض آمد و رفت کا کرایہ لینا

سوال نمبر(345):

اگر کوئی شخص مقروض ہو اور قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو، قرض خواہ کا بار بار آنے جانے پر اس کا خرچہ ہو تو اپنے قرض کے حصول کے لیے اس شخص سے کرایہ اور خرچہ وغیرہ لینے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ رقم قرض میں شامل کی جا سکتی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے قرض معاملہ ایک مباح امر ہے، لیکن جہاں تک قرض کی ادائیگی کا تعلق ہے تو اس میں زیادتی کی شرط لگانا سود متصور ہو کر حرام ہوگا، تاہم اگر غیر مشروط طور پر قرض سے زیادہ واپسی میں کچھ دیا جائے تو جائز ہے۔

مسئولہ صورت میں مقروض سے آنے جانے کا کرایہ وصول کرنا ناجائز ہے، کیوں کہ وہ اصل مال پر زیادتی متصور ہو کر حرام ہوگی۔

(١) الفتاوی الهندية، كتاب الوديعة، الباب العشر في المتفرقات: ٣٥٩/٤

والدّليل على ذلك:

إن الواجب في باب القرض ردمثل المقبوض .(١)

ترجمہ: اورقرض میں قبض کی ہوئی چیز کا مثل واپس کرنا ضروری ہے۔

ولان الزيادة المشروطة تشبه الربا؛لانهافضل لايقابله عوض ،والتحرزعن حقيقة الرباوعن شبهة الرباواجب،هذااذاكانت الزيادة مشروطة فى القرض، فأماإذاكانت غير مشروطة فيه ،ولكن المستقرض أعطاه أجودممأعطاه ،فلابأس بذلك .(٢)

ترجمہ: اورمشروط طور پر زیادتی سود کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، کیونکہ یہ ایسی زیادتی ہے کہ اس کے بدلے میں کوئی عوض نہیں،اور حال یہ ہے کہ (شریعت میں) حقیقی سوداور سود کی مشابہت دونوں سے اجتناب واجب ہے،البتہ یہ زیادتی اس وقت ممنوع ہے، جب قرض میں یہ مشروط طور پر ہو، پس اگر یہ (زیادتی) قرض میں مشروط نہ ہو، بلکہ مقروض نے اپنی طرف سے اچھامال دے دیا (یا زیادہ مال دے دیا) تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

❁❁❁

بھائیوں کی شادی میں دی ہوئی قرض رقم

سوال نمبر(346):

جناب مفتی صاحب! میں نے اپنے خرچہ سے بھائیوں کی شادیاں کروائی جس میں تقریباً پانچ لاکھ روپے بطور قرض خرچ کیا۔اب میرے بھائی مذکورہ رقم دینے سے انکار کرتے ہیں،قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں سائل نے بھائیوں کی شادیوں میں اگر کیا گیا خرچہ بھائیوں سے یہ کہہ کر کیا ہو کہ "یہ خرچہ میں بطورِ قرض کر رہا ہوں اور بھائیوں نے اجازت دی ہو" تو پھر بھائیوں کے ذمہ اس قرضہ کی ادائیگی لازمی ہوگی، ورنہ اگر اس نے یہ وضاحت نہ کی ہو اور اپنی طرف سے رقم خرچ کی ہو تو پھر یہ اس کی طرف سے تبرع واحسان ہوگا جس کا وہ مطالبہ نہیں کرسکتا۔

(١) بدائع الصنائع ،كتاب القرض،فصل في الشروط:١٠/٥٩٦ (٢) ايضا: ١٠/٥٩٨

والدّلیل علی ذلك:

القرض هو عقد مخصوص برد على دفع مال مثلي.(۱)

ترجمہ: قرض ایک مخصوص عقد ہے جس کا اطلاق مال مثلی دینے پر ہوتا ہے۔

❁❁❁

قرض کی واپسی میں کسی اور چیز پر مصالحت

سوال نمبر(347):

زید نے کسی عورت سے چار تولے سونا بطورِ قرض لیا، اس وقت چار تولے سونے کی قیمت تیس ہزار (۳۰۰۰۰) روپے تھی، بوقتِ معاملہ یہ بات طے ہوئی کہ واپسی قرض میں زید چار تولے سونا واپس کرے گا، جب ادائیگی قرض کا وقت آیا تو زید نے اس عورت سے کہا کہ چار تولے سونے کے عوض پچاس ہزار روپے لے لیں اور یا چھتیس ہزار روپے کے دو گائے اور چودہ ہزار روپے نقد دے دوں گا، عورت نے دوسری صورت پر رضامندی ظاہر کر کے دو گائے اور چودہ ہزار روپے نقد وصول کیے، شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ سود نہیں؟ بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے قرض لینے والے پر یہ لازم ہوتا ہے کہ ذوات الامثال میں سے جس چیز کو بطورِ قرض لیا ہو، اس کا مثل واپس کرے، لیکن اگر وہ اس طرح نہ کر سکے تو مفاہمت کی صورت میں اس کی قیمت یا خلاف جنس کی ادائیگی سے بھی اس کا ذمہ فارغ ہو سکتا ہے، بشرطیکہ قرض خواہ اس پر راضی ہو۔

مسئولہ صورت میں چار تولے سونا بطورِ قرض لینے والے پر یہ لازم تھا کہ چار تولے سونا ہی واپس کرتا، لیکن وہ اس طرح نہ کر سکا، بلکہ اس کی قیمت کے حساب سے دو جانور اور چودہ ہزار روپے نقد کی صورت میں قرض خواہ کو ادا کر چکا ہے اور قرض خواہ نے اس کو بخوشی قبول بھی کیا ہے تو شرعاً ان کا یہ معاملہ درست ہے اور خلافِ جنس چیز کی ادائیگی کی وجہ سے سود سے پاک ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

(صالح عن)..........وصوابه على (بعض ما يدعيه) أي عين يدعيها لجوازه في الدين كما

---

(۱) تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولية: ۷/۳۸۸

سيجيء ، فلو إدعى عليه دارا فصالحه على بيت معلوم منها ،فلو من غيرها، صح قهستاني (لم يصح) لأن ما قبضه من عين حقه وإبراء عن الباقي ، والإبراء عن الأعيان باطل قهستاني. وحيلة صحته ما ذكره بقوله (إلا بزيادة شيئ)آخر كثوب ودرهم (في البدل) فيصير ذلك عوضا عن حقه فيما بقي.(١)

ترجمہ:

اگر کوئی کسی عوض پر صلح کرے۔۔۔۔اور مناسب یہ کہ وہ مدعی کی مطلوب بعض اشیا پر مصالحت ہو۔اگر کوئی کسی گھر کا مطالبہ کرے اور صلح پھر کسی خاص کمرے پر ہو تو اگر یہ اس گھر کے علاوہ ہو تو علامہ قہستانیؒ کے ہاں یہ درست ہے اور اگر اسی مطلوبہ گھر کا بعض حصہ حوالہ کرے تو پھر درست نہیں، کیوں کہ اس نے بعض حق پر قبضہ کر کے بعض کی برات کی اور اپنے بعض حق سے برات کرنا (جب کہ اس کا مطالبہ بھی کیا ہو) درست نہیں۔اس کی صحت کے لیے حیلہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اضافی چیز دے دے، جیسے کپڑا یا دراہم وغیرہ تو یہ بدل (اضافی چیز) اس مطلوبہ حق جو کہ باقی تھا، کا عوض بن جائے گا۔

❁❁❁

قرض کی واپسی میں تاخیر کی وجہ سے زیادہ کا مطالبہ

سوال نمبر(348):

زید اور بکر کی مشترکہ دیوار تھی، جس کی تعمیر پر زید نے بغیر بکر کی اجازت کے دو ہزار روپے خرچ کیے، بکر کے ذمہ ایک ہزار روپے آگئے تھے، لیکن اس وقت زید نے مانگے، نہ بکر نے ادا کیے،عرصہ پانچ سال بعد زید نے بکر سے قرض رقم مانگی، لیکن ایک ہزار کی بجائے دو ہزار کا مطالبہ کیا۔کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے قرض کی ادائیگی میں اس کا مثل لوٹانا ضروری ہے، مثلاً کسی آدمی کے ذمہ ایک ہزار روپے قرض ہو جائے تو پانچ سال یا زیادہ عرصہ بعد جب قرض ادا کرنا پڑے تو وہی ایک ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے، اگر چہ اس کی مالیت اور قیمت میں پہلے کی نسبت کمی یا زیادتی آئی ہو۔

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ،کتاب الصلح :١٢/٣٠٤، ٣٠٥

مسئولہ صورت میں دیوار بنانے کے وقت جتنی رقم بکر کے ذمہ (مشترکہ دیوار پر) آئی تھی، اب پانچ، چھ سال بعد اتنی ہی رقم کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہوگی اور اس سے زیادہ طلب کرنا سود کے زمرے میں شمار ہو کر ناجائز ہے، لہٰذا اب بکر کو ایک ہزار روپے ہی ادا کرنے ہوں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

الديون تقضى بأمثالها.(۱)

ترجمہ:

دیون اس کی مثلی اشیا کے ساتھ ادا کی جائیں گے۔

❁❁❁

مسئلہ قرض

سوال نمبر (349):

ایک خالصتاً کاروباری معاملہ میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ یہ کاروباری معاملہ زید، عمر اور بکر کے درمیان ہے۔ زید جو کہ بارگین سنٹر کا ایک گاہک ہے۔ عمرو جو کہ بارگین کا مالک ہے۔ بکر جو کہ زید کا ایک کاروباری دوست ہے۔

عمرو نے زید کو 1,12,000 روپے بکر کے پاس کاروبار میں لگانے کے لیے دیئے، کچھ عرصہ کے بعد بکر نے 50,000 پچاس ہزار اصل میں سے اور نفع کی مد میں 12/ 10 ہزار واپس زید کو ادا کر دیئے اور 62,000 باسٹھ ہزار جلد ادا کرنے کا وعدہ کیا، مگر ایک سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی ادا نہ کر سکا۔ عمرو جو کہ 50,000 ہزار اصل مال اور نفع 10 ہزار پہلے ہی وصول کر چکا تھا اپنی بقایا رقم کا تقاضا زید سے کرنے لگا۔ اب زید نے اپنی دو موٹر سائیکلیں جو کہ پہلے ہی عمرو کے بارگین میں بکنے کے لیے کھڑی کر رکھی تھیں عمرو کو دے دیں، جو کہ عمرو نے بیچ کر اصل مال (62,000) کے علاوہ 20 ہزار کا مزید نفع بھی کمایا اور زید کو یہ نقصان اٹھانا پڑا، اب زید بکر سے بقایا رقم کے علاوہ اپنے اس نقصان کا بھی تقاضا کر رہا ہے۔ جو کہ 20 ہزار روپے ہے۔ کیا اس کا یہ تقاضا درست ہے۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الشركة، مطلب في قبول قوله دفعت المال: ٦/ ٤٩٥

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رو سے معاملات میں اگر کسی شخص کے ذمے کسی کا دین ہو تو دوسرا شخص اپنی طرف سے اس کی امداد اور کفالت کرسکتا ہے۔ یہ کفالت اگر اس شخص (مدیون) کے کہنے پر کی جائے تو ادائیگی کے بعد اس سے مال (دین) واپس کرنے کا مطالبہ کرسکتا ہے اور اگر مدیون کی اجازت اور حکم کے بغیر اس کی کفالت کر کے اس کی جانب سے ادائیگی کی ہو تو یہ اس کی جانب سے تبرع اور احسان ہے جس کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں۔

صورت مسئولہ میں اگر زید نے عمرو کی اجازت کے بغیر اپنی طرف سے اس کے دَین کی کفالت کر کے بکر کو رقم ادا کردی ہو تو فقہ اسلامی کی روشنی میں زید کو بکر سے کسی چیز کے مطالبہ کا حق نہیں پہنچتا، کیونکہ بکر کے مطالبے کے بغیر اس کی طرف سے دَین ادا کرنا زید کی طرف سے احسان اور تبرع ہے اور تبرع کا عوض نہیں لے سکتا۔ ہاں البتہ مروت کا تقاضا یہ ہے کہ بکر احسان کا بدلہ احسان سے دے کر زید کے مالی نقصان کی تلافی کرے اور اس کے ذمے جو اصل دین تھا وہ ادا کردے، تاہم زید کو مطالبے کا حق نہیں پہنچتا اور اگر زید نے بکر کی اجازت اور حکم سے اس رقم کے بدلے اپنی دو موٹر سائیکلیں عمرو کو دی ہوں تو ایسی صورت میں اس کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ بکر سے بقدر دین (62,000 ہزار) کا مطالبہ کرے، اس سے زائد کا حق حاصل نہیں، کیونکہ زید نے بکر کی جانب سے اِتنا ہی قرض چکایا ہے، اس سے زائد نہیں۔

والدلیل علی ذالک:

قال العلامة المرغيناني رحمه الله:"وتجوز الكفالةبأمر الكفول عنه وبغير أمره......فإن كفل بأمره رجع بما أدى عليه ؛لأنه قضى دينه بأمره،وإن كفل بغير أمره لم يرجع بما يؤديه ؛لأنه متبرع بأدائه(١)

ترجمہ:

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں کہ کفالت مکفول عنہ کے حکم سے اور اس کے حکم کے بغیر جائز ہے۔۔۔۔ اگر مکفول عنہ کے حکم سے کفالت کی ہو تو جو ادائیگی اس کی طرف سے کی ہو اس کا رجوع مکفول عنہ پر کرسکتا ہے، کیونکہ اس نے مکفول عنہ کے حکم سے اس کا دین ادا کیا ہے اور اگر اس کے حکم کے بغیر ادائیگی کی ہو تو اس کا رجوع مکفول عنہ پر نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ وہ اس ادائیگی میں متبرع ہے۔

---

(١) الهداية، كتاب الكفالة:١٢٤/٣

غیرملکی کرنسی (Currency) میں قرض یا خرید وفروخت کا معاملہ

سوال نمبر (350):

میرا کرنسی کا کاروبار ہے۔لوگوں کو غیرملکی کرنسی (ڈالر یا افغانی) قرض دیتا ہوں، موجودہ دور میں ڈالر کا نرخ ساٹھ 60 روپے ہے اور ایک ڈالر کو ایک مہینہ کے لیے قرض پر پینسٹھ 65 یا چھیاسٹھ 66 روپے پر فروخت کرتا ہوں، ڈالر نقد دے کر کلدار (پاکستانی روپیہ) ایک مہینہ بعد وصول کرتا ہوں، واضح رہے کہ مہینہ سے زیادہ مدت گزرنے پر یہی ریٹ ہوتا ہے، اس طرح کا معاملہ شریعت میں کیا حکم رکھتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے قرض کو اس کی مثل ہی سے ادا کرنا لازم ہے اور قرض خواہ کے لیے مثلِ قرض کے علاوہ کسی اور صورت میں قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔

مسئولہ صورت میں اگر آپ ڈالرز (جس کا موجودہ نرخ مثلاً ساٹھ 60 روپے فی ڈالر ہے) قرض کے طور پر دے کر قرض دار سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ایک مہینہ کے بعد اس کی ادائیگی پینسٹھ 65 روپے فی ڈالر کے حساب سے پاکستانی روپے میں کرے تو یہ معاملہ جائز نہیں، تاہم اگر آپ ڈالر کو موجودہ نرخ مثلاً ساٹھ روپے فی ڈالر کی بجائے پینسٹھ 65 یا چھیاسٹھ 66 روپے فی ڈالر کے حساب سے فروخت کرکے مشتری سے مہینہ بعد اس کی قیمت پاکستانی روپے کے حساب سے طلب کرتے ہیں تو یہ معاملہ جائز ہوگا، کیوں کہ غیرملکی کرنسیاں آپس میں جنس وقدر کے اعتبار سے مختلف ہیں اور فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جب دو ایسی چیزوں کا باہمی بیع وشرا ہو جو جنس وقدر کے اعتبار سے مختلف ہوں تو ان میں تفاضل اور نسیئہ دونوں جائز ہیں، البتہ ایک عوض پر مجلس عقد میں قبضہ ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

الديون تقضى بأمثالها.(١)

ترجمہ:

دیون اس کی مثلی اشیا کے ساتھ ادا کی جائیں گے۔

---

(١) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الشركة،مطلب في قبول قوله دفعت المال:٦/٩٥٤

وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم إليه حل التفاضل، والنساء لعدم العلة المحرمة.(۱)

ترجمہ:

اور جب دونوں وصف، یعنی جنس اور قدر موجود نہ ہوں تو حرمت کی علت نہ ہونے کی وجہ سے زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔

❁❁❁

قرض رقم کی واپسی میں سونے کا اعتبار

سوال نمبر(351):

جناب حضرت مفتی صاحب! ہم نے کاروبار شروع کرنے کے لیے لوگوں سے رقم پاکستانی روپوں میں وصول کی ہے، چونکہ اس کی قدر میں اکثر کمی ہوتی رہتی ہے، اس لیے ہم نے اس وقت سونے کا حساب لگا کر یہ فیصلہ کیا کہ رقم کی واپسی میں سونے کا اعتبار ہوگا، مثلاً ہم نے کسی سے دس ہزار (10,000) روپے وصول کیے اور اس وقت فی تولہ سونا دس ہزار روپے کا تھا اور بوقتِ واپسی سونا تقریباً بائیس ہزار (22,000) روپے فی تولہ ہے تو کیا دس ہزار (10,000) روپے کے بدلہ سونا جس کی مالیت بائیس ہزار (22,000) روپے ہے، دینا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ سوال میں غور کرنے کے بعد ممکنہ دو صورتوں کا ادراک ہو سکا:

(۱)......لوگوں سے لی جانی والی یہ رقوم قرض ہوں گی (یہی صورت ظاہر سوال سے واضح ہوتی ہے) تو اس صورت میں مقروض پر اسی رقم کی مثل، یعنی دس ہزار (10,000) روپے دینا لازم ہے اور قرض کی اس ادائیگی میں ایک تولہ سونا یا کسی اور جنس کے ذریعہ ادائیگی کی شرط لگانا جائز نہیں۔ مذکورہ طریقہ سود کو تقویت دینے کی ایک صورت ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

---

(۱) الهداية، كتاب البيوع، باب الربوا: ۸۳/۳

والدّلیل علی ذلک:

الدیون تقضی بأمثالها.(۱)

ترجمہ:

دیون اس کی مثلی اشیا کے ساتھ ادا کی جائیں گے۔

(۲)......اگر مذکورہ رقوم ان لوگوں نے کاروبار میں شرکت کے لیے دی ہوں تو اس صورت میں یہ لوگ کاروبار میں شریک ٹھہریں گے اور شرکت کے اصول کے تحت نفع میں متعین کردہ حصے کے حق دار ہوں گے اور شرکت کے ختم کرنے کی صورت میں دیے گئے رأس المال ہی کے مستحق ہوں گے، لہٰذا اس صورت میں نفع سے مخصوص رقم کا مطالبہ کرنا یا اختتام شرکت پر دیے گئے رأس المال سے زیادہ وصول کرنے کی شرط لگانا شرکت کو ناجائز کر دیتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(ولا یجوز الشرکة إذا شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح)لأنه شرط یوجب انقطاع الشرکة.(۲)

ترجمہ:

(صاحب قدوری نے فرمایا کہ) اگر ان دونوں (شریکوں) میں سے کسی ایک (شریک) کے لیے نفع میں سے کچھ دراہم بیان کرکے شرط کر لی جائیں تو وہ (شرکت) جائز نہ ہوگی، کیوں کہ اس شرط سے شرکت منقطع ہو جائے گی۔

❁❁❁

خلافِ جنس چیز سے قرض کی واپسی

سوال نمبر(352):

مئی ۲۰۰۶ء میں میرے بھائی نے اٹھارہ تولہ سونا بیچ کر رقم ایک ایجنٹ کو دے دی، تاکہ اس کے لیے نوکری تلاش کر سکے، ایجنٹ رقم لے کر غائب ہوا اور اب دو سال بعد ۲۰۰۸ء کو ہمارے ہاتھ آیا۔ کیا اب ہم اس سے رقم آج کل سونے

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الشرکة،مطلب في قبول قوله دفعت المال:۶/۴۹۵

(۲) الهدایة، کتاب الشرکة،فصل ولاتنعقد الشرکة إلابالدراهم:۲/۶۱۱

کے نرخ کے مطابق لیں یا وہی پرانی رقم وصول کریں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے قرض کی ادائیگی اس کے مثل سے ضروری ہے، اگرچہ کرنسی کی قیمت میں اتار چڑھاؤ واقع ہوجائے۔

مسئولہ صورت میں سائل نے سونا فروخت کرکے اس کی قیمت ایجنٹ کو دی ہے۔ اب ایک ایجنٹ (مقروض) پر اتنی ہی رقم کی ادائیگی لازمی ہے جتنی اس نے وصول کی ہے، سونے کی قیمت میں اتار چڑھاؤ کی وجہ سے رقم کی ادائیگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

والدّلیل علی ذلک:

الدیون تقضی بأمثالها.(۱)

ترجمہ:

دیون اس کی مثلی اشیا کے ساتھ ادا کی جائیں گے۔

رجل استقرض من آخر مبلغا من الدراهم ،وتصرف بها، ثم غلاسعرها ،فهل علیه رد مثلها ؟

نعم ولاینظر إلی غلاالدراهم ،ورخصها.(۲)

ترجمہ:

اگر کوئی آدمی دوسرے سے دراہم کسی خاص مقدار میں لے کر ان میں تصرف کرے (اس کو خرچ کرے) پھر ان دراہم کا نرخ بڑھ جائے تو کیا اس پر ان جیسے دراہم کا واپس کرنا لازم ہے؟ جواب دیا کہ ہاں (ان جیسے دراہم واپس کرے گا) اور اس صورت میں دراہم کی ارزانی اور مہنگائی کو نہیں دیکھا جائے گا۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الشرکة،مطلب في قبول قوله دفعت المال:٦/٤٩٥

(۲) ابن عابدین الشامی ،تنقیح الحامدیه ،باب القرض :١/٢٩٤ ،مکتبه حقانیه پشاور

قرض معاملہ میں کرنسی ریٹ گر جانے پر زیادہ رقم لینا

سوال نمبر(353):

ایک شخص نے ایک لاکھ افغانی قرض لیے تھے۔ کئی عرصہ بعد جب اس نے واپسی کا ارادہ کیا، جب کہ ریٹ گر چکا تھا تو اب قرض خواہ زیادہ پیسے لینے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کیا یہ زائد روپے ازروئے شرع جائز ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ قرض پر نفع لینا سود کے زمرے میں داخل ہے۔ اگر ایک شخص کچھ رقم بطور قرض لیتا ہے تو واپسی پر اتنی ہی رقم لوٹانا ضروری ہے جتنی لی تھی اور اگر قرض کی یہ رقم کرنسی کی صورت میں ہو تو کرنسی کے اتار چڑھاؤ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مسئولہ صورت میں اس شخص نے جو ایک لاکھ افغانی قرض لیے تھے، اب کچھ عرصہ بعد واپس کرتا ہے، جب کہ کرنسی کی قیمت گر چکی ہے تو یہ شخص ایک لاکھ افغانی ہی قرض خواہ کو واپس کرے گا اور قرض خواہ کرنسی ریٹ گرنے کے بدلے زیادہ رقم وصول نہیں کر سکتا، ورنہ یہ سود شمار ہوگا، تاہم یہ ضروری ہے کہ وہ کرنسی بازار میں مروج ہو۔

والدلیل علی ذلک:

الديون تقضى بأمثالها.(۱)

ترجمہ:

دیون اس کی مثلی اشیا کے ساتھ ادا کی جائیں گے۔

رجل استقرض من آخر مبلغا من الدراهم ،وتصرف بها، ثم غلا سعرها ،فهل عليه رد مثلها ؟ نعم ولا ينظر إلى غلا الدراهم ،ورخصها.(۲)

ترجمہ:

اگر کوئی آدمی دوسرے سے دراہم کسی خاص مقدار میں لے کر ان میں تصرف کرے (اس کو خرچ کرے) پھر

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الشركة،مطلب في قبول قوله دفعت المال:۶/۵۰۴

(۲) ابن عابدين الشامي ،تنقيح الحامديه ،باب القرض :۱/۲۹۴،مكتبه حقانيه پشاور

ان دراہم کا نرخ بڑھ جائے تو کیا اس پر ان جیسے دراہم کا واپس کرنا لازم ہے؟ جواب دیا کہ ہاں (ان جیسے دراہم واپس کرے گا) اور اس صورت میں دراہم کی ارزانی اور مہنگائی کو نہیں دیکھا جائے گا۔

❁❁❁

تبلیغی جماعت میں جانے کے لیے قرضہ لینا

سوال نمبر (354):

اگر کوئی شخص لوگوں سے قرض لے کر تبلیغ کے لیے بیرون ملک جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو کیا اس آدمی کا یہ فعل ازروئے شریعت درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضرورت پوری کرنے کے لیے قرض لینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم یہ ضروری ہے کہ واپس ادائیگی کی نیت ہو۔

صورتِ مسئولہ میں تبلیغی جماعت میں جانا ایک بنیادی ضرورت ہے، کیوں کہ اس سے اصلاح ہو کر زندگی بن جاتی ہے، اس لیے جب ادائیگی کے امکانات ہوں تو اس دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قرض لینے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

قال الفقیہ :لابأس بأن یستدین الرجل إذاکانت لہ حاجۃ لابدمنہا، وھو یریدقضاء ھا، ولو استدان دینا ،وقصدأن لایقضیہ ،فھو أکل السحت .(۱)

ترجمہ:

فقیہ نے کہا ہے کہ اگر آدمی کو کوئی ضروری حاجت پیش آئے تو اس کے لیے کسی سے قرض لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کی ادائیگی کا ارادہ ہو اور اگر قرض لے کر اس کا ارادہ ادائیگی کا نہ ہو تو اس صورت میں وہ حرام کھانے والا ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الھندیہ ،کتاب الکراھیۃ ، الباب السابع والعشرون فی القرض والدین : ۳٦٦/۵

باب الودیعة و الأمانة

(مباحث ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

شریعتِ مطہرہ کا مزاج یہ ہے کہ نیک اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی نیکی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے، جب تک وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے کسی شخص کے مال کو اس کی اجازت سے بطورِ حفاظت اپنے پاس رکھنے کو مستحب کہا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اُس مال کو بھی امانت کا حکم دیا ہے جو کسی شخص کے پاس اجارہ، اعارہ اور لقطہ وغیرہ کی صورت میں پایا جائے۔گویا شرعی تصرف کا حق حاصل کیے بغیر کسی بھی غیر شخص کا کوئی بھی محترم مال امانت ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری نبھا کر اُسی حالت میں اپنے مالک کو لوٹانا عظیم اجر وثواب کا ذریعہ ہے۔

لغوی تحقیق:

ودیعۃ لغت میں فعیلۃ کے وزن پر ہے اور معنی کے اعتبار سے یہ بطور اسم مفعول کے استعمال ہوتا ہے، اس کا اصل مادہ ''و،د،ع'' ہے بمعنی الترک والدفع، یعنی چھوڑنا یا دے دینا۔لغت کی رو سے لفظِ ودیعت اضداد میں سے ہے، یعنی کسی کو بطورِ امانت مال دینے یا کسی کا مال بطورِ امانت لینے، دونوں معانی میں مستعمل ہے۔(۲)

اصطلاحی تحقیق:

ایداع کا معنٰی ہے:

"تسلیط الغیر علی حفظ مالہ صریحاً أو دلالۃً والودیعۃ ما تترك عند الأمین.(۳)".

---

(۱) أبوداؤد، کتاب الأدب، باب المعونة للمسلم:۲/۳۲۰

(۲) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، أوّل کتاب الإیداع:۸/۴۵۳، لسان العرب، مادة "ودع":۱۵/۳۵۴،۲۵۳۔۲۵۴ الصحاح، للعلامة الجوهري اسماعیل بن حماد، مادة ودع:۳/۱۲۹۵

(۳) الدر المختار علی ردالمحتار، أوّل کتاب الإیداع:۸/۴۵۳، درر الحکام شرح مجلة الأحکام، العلامة علی حیدر، الکتاب السادس الأمانات، المادة(۷۶۳):۲/۲۳۰۔المکتبة العربیة کانسی روڈ کوئٹہ

صراحتاً یا دلالتاً کسی کو اپنے مال کی حفاظت کا ذمہ دار بنانا، جب کہ ودیعت وہ مال ہے جس کو امین (ذمہ دار شخص) کے پاس (بطورِ حفاظت) چھوڑا جائے۔

امانت:

امانت ایک عام اصطلاح ہے۔ یہ ہر اُس چیز کا نام ہے جو امین (ذمہ دار شخص) کے پاس بطورِ حفاظت موجود ہو، چاہے بطورِ عقدِ ودیعت کے ہو، یعنی مالک نے اپنی رضامندی سے اس کے پاس حفاظت کے لیے رکھا ہو یا کسی اور عقد کے ضمن میں اس کے پاس امانت ہو، جیسے: عاریت اور اُجرت پر لی ہوئی چیز یا اتفاقاً اس کے ہاتھ میں آگئی ہو، جیسے: راستے میں پڑی ہوئی چیز یا اس کے گھر میں ہوا وغیرہ کے ذریعے لائی گئی چیز، ان تمام اشیا کو امانت کہتے ہیں۔ صاحب درر الحکام نے بیس ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن کو فقہا امانت سے تعبیر کرتے ہیں، اگرچہ وہ ودیعت نہیں۔ (۱)

باب سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) ایداع: کسی کو اپنے مال کی حفاظت کا ذمہ دار بنانا۔

(۲) ودیعت یا مالِ ودیعت: اپنی رضامندی سے امین کے پاس رکھی جانے والی چیز۔

(۳) امانت: امین کے پاس بطورِ حفاظت پائی جانے والی کوئی بھی چیز۔

(۴) مودِع، مستودِع: ودیعت رکھنے والا شخص۔

(۵) مودَع، مستودَع، ودیع: جس کے پاس ودیعت رکھی جائے یعنی ودیعت قبول کرنے والا شخص۔ فقہی ذخائر میں مالِ ودیعت کو بھی کبھی کبھی مودَع اور مستودَع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (۲)

ودیعت سے ملتی جلتی اصطلاحات:

(۱) عاریۃ: یہ وہ مال ہے جس کے منافع کسی کو مفت میں دے دیے جائیں اور اصل مال واپس لیا جائے۔ (۳)

---

(۱) درر الحکام شرح مجلة الأحكام، الكتاب السادس، الأمانات، المقدمة، مادة (٧٦٢): ٢/٢٢٦، والباب الأول في بيان بعض الأحكام العمومية المتعلقة بالأمانات، تحت مادة (٧٦٨): ٢/٢٣٥-٢٣٦

(۲) درر الحكام شرح مجلة الأحكام، الكتاب السادس الأمانات، المقدمة، مادة (٧٦٤): ٢/٢٢٧، الموسوعة الفقهية، مادة (وديعة): ٤٣/٥

(۳) درر الحكام شرح مجلة الأحكام، مادة (٧٦٥): ٢/٢٢٨

(۲) لقطہ: وہ مال جو ضائع ہونے کے خطرے کی حالت میں پایا جائے اور اس کا مالک معلوم نہ ہو اور نہ حربی کافر کے مال کی طرح مباح ہو۔(۱)

ودیعت کی مشروعیت:

ودیعت کی مشروعیت کتاب اللہ، سنتِ رسول، اجماع اور قیاس ہر ایک سے ثابت ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ﴾(۲)

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں اس کے اہل والوں کو۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ﴾

پس چاہیے کہ پورا کردے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا گیا ہے، اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا۔

اور حدیث نبوی ہے:

"أدّ الأمانة إلى من ائتمنك ولا تخن من خانك".

جو شخص تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت کو واپس کردو اور جو تمہارے ساتھ خیانت کا ثبوت دے اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ نہ کرو۔(۳)

اسی طرح ودیعت کے جواز پر ہر دور میں علمائے امت کا اجماع رہا ہے اور لوگوں کی حاجات اور ضروریات کو مد نظر رکھ کر عقل وقیاس بھی اس کے جواز کا متقضی ہے۔(۴)

ودیعت کا حکم:

حنفیہ کے ہاں ودیعت قبول کرنا مستحب ہے، تاہم قبول کرنے کے بعد اس کا حکم بالکل امانت کی طرح ہے، یعنی اس کی حفاظت کرنی واجب ہے، امین اس کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں بطور عاریت، رہن، کرایہ اور امانت نہیں

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب اللقطة: ٦/٣٦٢؛

(۲) النساء: ٥٨

(۳) مسند الإمام أحمد، رقم الحديث (١٤٩٩٨): ٤/٤٢٣، دار إحياء التراث العربي بيروت

(٤) المغني، كتاب الوديعة: ٧/٢٨٠

دے سکتا، مال کا مالک جب بھی واپسی کا مطالبہ کرے اس کی واپسی واجب ہوگی۔ اگر امین اور محافظ کی تعدی یا غفلت کے بغیر ہی امانت یا ودیعت ہلاک یا ضائع ہوگئی تو وہ ضامن اور ذمہ دار نہیں ہوگا، اگرچہ مالک نے ضمان کی شرط بھی لگا دی ہو اور اگر اس کے ضائع ہونے یا عیب دار ہونے میں اس کی زیادتی اور غفلت کو بھی دخل تھا تو وہ اس کا ذمہ دار ہوگا اور اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ (۱)

ودیعت کی صفت:

ودیعت ایک غیر لازم عقد ہے، اس لیے کہ یہ تبرعات میں سے ہے، لہٰذا طرفین میں سے کوئی بھی کسی وقت اس کو فسخ کرسکتا ہے۔ (۲)

ارکان:

عقدِ ودیعت کے مکمل ہونے کے لیے ایجاب وقبول ضروری ہے۔ ایجاب وقبول صراحتاً بھی ہوسکتی ہے اور دلالتاً بھی، مثلاً: ایک شخص کوئی سامان لاکر کسی کے پاس خاموشی سے رکھ دے اور وہ اسے خاموشی سے قبول کرے یا ایجاب تو صراحتاً ہو اور قبول دلالتاً، ان تمام صورتوں میں قرائن اور عرف کو مدنظر رکھ کر وجود میں آنے والے عقد کو ودیعت سمجھا جائے گا۔ (۳)

شرائط:

(۱) مال اس قابل ہو کہ اس پر قبضہ کیا جاسکے، لہٰذا فضا میں اڑتے ہوئے پرندے، بھاگے ہوئے غلام یا دریا میں ڈوبے ہوئے مال کو ودیعت نہیں کہہ سکتے۔

(۲) جس کے پاس ودیعت رکھی جائے وہ عاقل ہو، البتہ بالغ یا آزاد ہونا شرط نہیں۔

(۳) صاحبِ مال بھی عاقل ہو، بالغ اور آزاد ہونا اُس کے لیے بھی شرط نہیں۔ (۴)

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الإیداع، ۸/۴۵۵-۴۵۸، الفتاوی الهندیة، کتاب الودیعة، الباب الأول: ۴/۳۳۸، درر الحکام شرح مجلة الأحکام، الکتاب السادس الأمانات، المادة ۷۶۸-۷۷۷-۲۳۶-۲۶۶

(۲) درر الحکام شرح مجلة الأحکام، الکتاب السادس الأمانات، الفصل الأول، مادة (۷۷۴): ۲/۲۶۲

(۳) الفتاوی الهندیة، کتاب الودیعة، الباب الأول: ۴/۳۳۸، الدرالمختار علی صدر رد المحتار، کتاب الإیداع: ۸/۴۵۴، ۴۵۵

(۴) بدائع الصنائع، کتاب الودیعة، فصل في شروط رکن الودیعة: ۸/۳۵۲، الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الإیداع: ۸/۴۵۴، ۴۵۵، الفتاوی الهندیة، کتاب الودیعة، الباب الأول: ۴/۳۳۸

مالِ ودیعت کی حفاظت کس طرح کی جائے؟

فقہائے کرام کا قاعدہ ہے کہ مال ودیعت کی حفاظت کے لیے مودع کو وہ طریقے اختیار کرنے ہوں گے، جو وہ خود اپنے مال کی حفاظت کے لیے کرتا ہے، مال ودیعت کی حفاظت کے لیے ان لوگوں سے کام لے گا جن کا وہ اپنے مال کا حفاظت کرواتا ہے، اسی طرح مالِ ودیعت کی حفاظت کے لیے جگہ کا انتخاب بھی بالکل اس طرح کرے گا جس طرح اپنے مال کی حفاظت کے لیے کیا ہو۔ اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ مال ودیعت کی اہمیت اور حیثیت کے مطابق اس کے لیے جگہ کا انتخاب کیا جائے گا، لہذا اگر کسی قیمتی شے، مثلاً: نقود اور جواہرات کو اصطبل میں حفاظت کی نیت سے رکھ دیا تو یہ حفاظت معتبر نہیں، بلکہ اس پر تاوان لازم ہوگا۔(۱)

ان قواعد کی روشنی میں وہ خود اپنے پاس، اپنی بیوی، بال بچوں، زیرِ پرورش، معتمد لوگوں اور کاروباری شرکا کے پاس مالِ ودیعت رکھ سکتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کے ہاتھوں وہ مال ودیعت واپس کرنے کا بھی مجاز ہے۔ نیز اگر کسی وجہ سے مال کی حفاظت خطرے میں پڑ جائے، جیسے: آگ لگ جائے یا سیلاب آ جائے تو اس وقت مال کی حفاظت کے لیے جو بھی امکانی صورت ہو وہ اختیار کی جا سکتی ہے، مثلاً پڑوسی کے گھر میں پھینک دے یا ایک کشتی سے دوسری کشتی میں پھینک دے تو شرعاً درست ہے۔(۲)

امین کن صورتوں میں ضامن ہوگا؟

(۱) امانت کی حفاظت میں کوتاہی اور غفلت کا ارتکاب کرے یا خود ہی تلف اور ضائع کر دے۔

(۲) اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال اس طرح خلط کر دے کہ تمیز اور علاحدگی ناممکن ہو جائے۔ صاحبین کے ہاں اگر خلط ایک جنس میں ہو تو پھر صاحب مال کو اختیار ہوگا، چاہے تو مودع سے تاوان وصول کرے یا اپنے مال کی نسبت سے اس میں حصہ دار، یعنی شریک ہو جائے۔

(۳) مالک اپنے مال (ودیعت) کی واپسی کا مطالبہ کر دے اور امین قدرت کے باوجود اس کو حوالہ نہ کر دے۔

(۴) عادتاً جن لوگوں کے پاس حفاظت کے لیے مال رکھا جاتا ہے، اُن کی بجائے دوسرے کے پاس مال رکھ دے۔

(۵) مالِ ودیعت میں تعدی کرے، یعنی صاحبِ ودیعت کی اجازت کے بغیر اسے استعمال کرے، البتہ اگر استعمال کرنا

(۱) درر الحكام شرح مجلة الأحكام، الكتاب السادس الأمانات، الفصل الثاني، مادة (٧٨١_٨٧٢): ٢_٢٧٥، ٢٨٠

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الوديعة، فصل في بيان حكم العقد: ٨/٣٥٤، ٣٥٥، الفتاوى الهندية، كتاب الوديعة، الباب الثاني: ٤/٣٣٩، ٣٤٠

چھوڑ دے، اور مال اپنی حالت پر برقرار ہو تو یہ مال پھر امانت ہوگا اور اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔(۱)

(۶) امین نے حفاظت کے عوض صاحب ودیعت سے اُجرت وصول کی ہو اور اُجرت وصول کرنے کے بعد اس سے چوری ہو جائے، یا کسی ایسے سبب سے ضائع ہو جائے جس سے بچنا ممکن تھا، صرف اس کی غفلت کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔(۲)

(۷) حنفیہ کے ہاں مودَع (جس کے پاس ودیعت رکھی جائے) کا متعین ہونا ضروری نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی بڑے مجمع کے پاس کوئی چیز رکھ دے اور اُن سے کہہ دے کہ یہ تم لوگوں کے پاس امانت ہے اور وہ لوگ اس معاملے کو دیکھ کر خاموش رہیں تو یہ دلالتاً قبول ہو کر ودیعت شمار ہوگی، لہٰذا اگر سب لوگ اکٹھے اُٹھ گئے اور مال ضائع ہو گیا تو سب پر ضمان ہے اور اگر ایک ایک کر کے اُٹھتے رہے تو سب سے آخر میں رہنے والے پر ضمان ہوگا۔(۳)

صاحب ودیعت کی لگائی گئی شرطوں کا حکم:

اگر صاحب ودیعت نے سامان کی حفاظت میں کوئی خاص شرط لگائی ہو، مثلاً یہ کہ فلاں کمرہ میں اس کی حفاظت کی جائے یا یہ کہ بیوی کو اس کی حفاظت نہ سونپی جائے تو اس قسم کی شرائط سے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر اُس کی شرط سامان کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے مفید ہو اور ممکن العمل بھی ہو تو معتبر ہوگی، ورنہ ایسی شرط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، جیسے ایک شخص نے ایک مکان کے دو کمروں میں سے ایک کمرے میں سامان کی حفاظت کرنے کی شرط لگائی، حالانکہ حفاظتی نقطۂ نظر سے وہ دونوں کمرے ایک جیسے ہوں تو اس شرط کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر وہ کمرہ واقعی زیادہ محفوظ نہ ہو تو یہ شرط واجب التعمیل ہوگی۔ علامہ بابرتیؒ فرماتے ہیں:

"الأصل فيه أنّ الشرط إذا كان مفيداً والعمل به ممكناً وجب مراعاته والمخالفة فيه توجب الضمان وإذا لم يكن مفيداً أو كان ولم يكن العمل به ممكناً كما نحن فيه يلغو".(٤)

(۱) الهداية مع فتح القدير، كتاب الوديعة:٧/٤٥٤-٤٥٧، بدائع الصنائع، كتاب الوديعة،فصل في ما يغير حال المعقود عليه:٨/٣٦٤-٣٦٨، الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الإيداع:٨/٤٥٦،٥٧

(۲) درر الحكام شرح مجلة الأحكام،الفصل الثاني في احكام الوديعة ،مادة(٧٧٧): ٢/٢٦٦

(۳) درر الحكام شرح مجلة الأحكام ،الكتاب السادس الأمانات،الفصل الأول،مادة(٧٧٣):٢/٢٦٢، البحرالرائق،أول كتاب الوديعة٧/٤٦٤

(٤) الهداية مع فتح القديروالعناية، كتاب الوديعة:٧/٤٦١،الفتاوى الهندية، كتاب الوديعة ،الباب الثالث:٤/٣٤١

اسی طرح اگر یہ شرط لگائے کہ تم ہر صورت میں اس مال کے ضامن ہوگے یا تم دن رات اس کی حفاظت کروگے یا تم خود ہی اس کی حفاظت کروگے اور اپنے اہل وعیال اور بیوی وغیرہ کو نہیں دوگے، حالانکہ ایسا کرنا امین اور مودَع کے لیے ممکن نہ ہو تو یہ تمام شرطیں باطل اور لغو ہیں، البتہ اگر مالِ ودیعت کچھ اس قسم کا ہو کہ مودَع حرج کے بغیر خود اس کی حفاظت کرسکتا ہو تو پھر کسی اور کو نہ دینے کی شرط درست ہوگی۔(۱)

مالِ ودیعت کو لے کر سفر کرنا:

اگر صاحب ودیعت نے مالِ ودیعت کو کہیں لے جانے پر پابندی عائد نہ کی ہو تو مودع اس کو اپنے ساتھ لے کر سفر بھی کرسکتا ہے، بشرطیکہ راستہ پُر امن ہو، لیکن اگر مالک کی طرف سے سفر میں لے جانے کی اجازت نہ ہو یا اجازت تو ہو، لیکن راستہ خطرناک ہو یا سفر غیر ضروری ہو یا سفر تو ضروری ہو، لیکن یہ اکیلے سفر کر رہا ہو اور مالِ ودیعت کو اپنے مقام پر اپنے اہل وعیال کے پاس چھوڑنے سے کوئی مانع بھی نہ ہو تو اِن تمام صورتوں میں مودَع ضامن ہوگا۔(۲)

ودیعت اور امانت رکھنے کے بدلے اُجرت لینا:

اگر امین اور مودَع مالکِ مال سے معاملہ طے کرتے وقت ہی محافظت کی کوئی اُجرت طے کردے تو اجرت واجب ہوگی اور متعینہ اُجرت ادا کرنی ہوگی۔(۳)

موجودہ دور میں بینکوں کے لاکرز، گاڑیوں کے سٹینڈز وغیرہ کے استعمال کے عوض جو پیسے لیے جاتے ہیں، وہ اسی قبیل سے ہیں ان کے جواز میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔(۴)

صاحبِ ودیعت اور امین میں اختلاف:

اصولی طور پر چونکہ مودَع کی حیثیت امین کی ہے، لہٰذا صاحب ودیعت کے پاس اگر مودع کے جھوٹے ہونے پر شہادت نہ ہو تو مالِ ودیعت کے تلف ہو جانے یا واپس کرنے سے متعلق مودَع کی بات قسم کے ساتھ

---

(۱) الهداية مع فتح القدير، كتاب الوديعة:۷/۴۶۱، البحر الرائق، أول كتاب الوديعة:۷/۴۶۵، بدائع الصنائع، كتاب الوديعة، فصل في بيان حكم العقد:۸/۳۵۸،۳۵۹

(۲) البحر الرائق، كتاب الوديعة، تحت قوله (وله أن يسافر بها عند عدم النهي):۷/۴۷۲،۴۷۳

(۳) خلاصة الفتاوى، كتاب الوديعة، المتفرقات:۴/۲۸۹

(۴) قاموس الفقه، مادة (وديعة):۵/۲۶۵

معتبر ہوگی، اسی طرح اگر صاحب ودیعت تلف شدہ مال کو قرض قرار دے اور مودَع اس کو ودیعت، تو گواہ نہ ہونے کی صورت میں پھر بھی قسم کے ساتھ مودَع کی بات مانی جائے گی۔(۱)

بنیادی طور پر یہ جزئیات اس اصل پر مبنی ہیں کہ اصل بری الذمہ ہونا ہے، لہٰذا اگر ایک شخص بری ہونے کا مدعی ہو اور دوسرا اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہو، گواہ کسی فریق کے پاس موجود نہ ہوں تو اس فریق کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی جو بری الذمہ ہونے کا مدعی ہو۔(۲)

عقد ختم ہونے کے اسباب:

بنیادی طور پر عقدِ ودیعت ایک غیر لازم عقد ہے، فریقین میں سے کوئی بھی کسی بھی وقت دوسرے فریق کی رضامندی کے بغیر اس کو فسخ کرسکتا ہے، تاہم فسخ کیے بغیر بذاتِ خود عقد ودیعت ختم ہونے کے لیے فقہا نے چند اسباب ذکر کیے ہیں۔

(۱) عاقدین میں سے کسی کی موت واقع ہوجائے، البتہ اگر صاحبِ ودیعت فوت ہوجائے تو مودَع پر مال ودیعت کی ادائیگی مطالبہ کے بغیر لازمی نہیں۔ اسی دوران اگر مالِ ودیعت ہلاک ہوجائے تو مودَع ضامن نہیں۔(۳)

(۲) عاقدین میں سے کوئی ایک پاگل ہوجائے۔

(۳) مودَع بذاتِ خود معزول ہوجائے یا صاحبِ ودیعت اس کو معزول کردے۔

(۴) مودَع ودیعت حوالہ کرنے سے انکار کردے، اس صورت میں عقد ودیعت ختم ہوکر مال ودیعت غصب کی طرح قابلِ ضمان بن جاتا ہے۔(۴)

❁❁❁

---

(۱) الفتاوی الهندية ، كتاب الوديعة،الباب التاسع في الإختلاف:٤/٣٥٧-٣٥٩

(۲) درر الحكام شرح مجلة الأحكام،مادة(٨):١/٢٥، قاموس الفقه، مادة(وديعة) :٥/٢٦٦

(۳) النتف في الفتاوى للعلامة على بن حسين السعدي، كتاب الوديعة،احوال لا ضمان فيها على الوديع: ٢/٥٨٠، مؤسسة الرسالة بيروت ،دار الفرقان ،عمان

(٤) الموسوعة الفقهية،مادةالوديعة:٤٣/٧٨-٨١

مسائل ودیعت اور امانت

لاپتہ شخص کا مالِ امانت

سوال نمبر (355):

زید نے عمرو کے پاس آٹھ ہزار روپے بطور امانت رکھ دیے۔ زید تقریباً آٹھ سال سے لاپتہ ہے۔ اب عمرو ان روپوں سے بری الذمہ ہونا چاہتا ہے، جب کہ اس کے پاس زید کا پتہ ہے، نہ اس کے ورثا کو جانتا ہے، لہٰذا اب اس رقم کے ساتھ کیا کیا جائے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں عمرو کے پاس زید نے جو رقم امانت کے طور پر رکھی ہے، زید کے لاپتہ ہونے کی صورت میں وہ رقم عمرو کے پاس پڑی رہے گی، یہاں تک کہ زید کے مرنے اور زندہ ہونے کا صحیح پتہ چل جائے۔ اگر زید کا زندہ ہونا یا پتہ معلوم ہو جائے تو وہ رقم زید کو یا اس کے ورثا کو واپس کر دے۔

اگر عمرو کے پاس زید کا پتہ ہے، نہ اس کے ورثا کو جانتا ہے تو پھر یہ رقم لقطہ کے حکم میں ہے، جس کا شرعی حکم یہ ہے کہ خواہ عمرو اپنی زندگی تک زید کا انتظار کرے اور وصیت کرے کہ میرے بعد اگر زید نہ آیا تو یہ رقم صدقہ کر دی جائے یا خود اپنی زندگی میں صدقہ کر دے، لیکن صدقہ کرنے کے بعد اگر زید آیا یا اس کے ورثا آئیں اور وہ اپنی رقم طلب کریں تو شرعاً عمرو کو یہ رقم دینا ہوگا اور صدقہ کا ثواب عمرو کو مل جائے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

غاب المودع ،ولا یدری حیاته ،ولا مماته ،یحفظها أبداً حتی یعلم بموته ،وورثته .(۱)

ترجمہ:

امانت رکھنے والا غائب ہو گیا اور اس کی موت وحیات کا کوئی علم نہ ہوا تو مودع (جس کے پاس امانت رکھی ہے) اس کو ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھے گا، یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اور اس کے ورثا مر گئے ہیں۔

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الودیعة، الباب السابع في رد الودیعة: ٤/٣٥٤

(علیه دیون ومظالم جهل أربابها، وأیس) من علیه ذلك (من معرفتهم فعلیه التصدق بقدرها من ماله وان استغرقت جمیع ماله). (۱)

ترجمہ: اس (مدیون) کے ذمہ نامعلوم مالکان کے دیون اور دوسرے واجبات ہیں اور یہ ان کو پہچاننے سے مایوس ہوا تو اس پر اپنے مال سے ان کے بقدر صدقہ کرنا واجب ہے، اگر چہ اس میں اس کا سارا مال ضائع ہو جائے۔

❁❁❁

متولی سے مسجد کا مال چوری ہونا

سوال نمبر(356):

ایک شخص مسجد کا مستقل متولی ہے۔ اس نے مسجد کی کچھ رقم اپنی حفاظت میں رکھی تھی، لیکن باوجود اس کے وہ رقم چوری ہوگئی۔ شریعت کی رُو سے کیا متولی پر ضمان ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے مسجد کے متولی کی حیثیت امین کی ہے اور امین سے اگر امانت (رقم) بغیر اس کی کوتاہی اور لاپرواہی کے چوری ہو جائے تو متولی پر اس صورت میں کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

مسئولہ صورت میں ذکر کردہ بیان کے مطابق واقعی اگر متولی نے مسجد کے مال کی حفاظت میں کوتاہی نہیں کی ہے تو اس پر ضمان نہیں آئے گا اور اگر مسجد کے مال کی حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی کا ارتکاب ہوا ہو تو پھر اس صورت میں مسجد کا متولی ہی ذمہ دار ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

(وهي أمانة) هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب ،واستحباب قبولها (فلا تضمن بالهلاك) إلاإذا كانت الوديعة بأجر .أشباه معزياً لزيلعي (مطلقا) سواء أمكن التحرزعنه أم لا،هلك معها شيء أم لا ،لحديث الدارقطني "ليس على المستودع غير المغل ضمان" .(۲)

---

(۱) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار، کتاب اللقطة:٦/٤٤٣

(۲) الدرالمختار علی صدرردالمحتار۔ کتاب الایداع:۱۲/٤٤٥۔٤٤٧

ترجمہ:

اور یہ (ودیعت) امانت ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ طلب کرنے پر اس کی حفاظت اور ادائیگی لازم ہے اور اس ودیعت کو اپنے پاس رکھنے کا ذمہ لینا صرف مستحب ہے (لہٰذا ہلاک ہونے سے اس پر ضمان نہ آئے گا) مگر یہ کہ مال ودیعت رکھنا اجرت پر ہو۔ یہ اشباہ میں زیلعیؒ کی طرف منسوب ہے (اور بصورت ہلاک مطلقاً ضمان نہیں آئے گا) خواہ حفاظت ممکن ہو یا نہ اور اس کے ساتھ دیگر چیز ہلاک ہوئی ہو یا نہ، کیوں کہ دار قطنی کی حدیث میں ہے کہ ”مستودع (امین) پر ضمان نہ آئے گا، بشرطیکہ کوتاہی کرنے والا اور لاپرواہ نہ ہو۔

❁❁❁

امانت واپس ملنے سے مالک کا انکار

سوال نمبر(357):

ایک شخص نے زید کے پاس کچھ رقم بطورِ امانت رکھی۔ کچھ عرصہ بعد وہ شخص خود آیا یا کسی دوسرے آدمی کو بھجوا دیا اور امین سے اپنی رقم وصول کی، لیکن اب مالک انکار کرتا ہے کہ میں نے تجھ سے رقم وصول نہیں کی۔ شریعت کی رُو سے مسئلہ کا حل بیان کر کے مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعیین بھی کریں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ امانت کے سلسلہ میں جب تک ظاہراً امین کی تکذیب نہ ہو تو اختلاف کی صورت میں امین کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا، لیکن وکیل کے ہاتھ پر امانت حوالہ کرنے کی صورت میں امین اس وقت تک بری الذمہ نہ ہوگا، جب تک مالک اقرار نہ کرے کہ ”مجھے امانت مل گئی ہے“ یا امین اس پر گواہ پیش نہ کرے۔

مسئولہ صورت میں زید امین ہے۔ وہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے امانت حوالہ کی ہے۔ اگر ظاہراً اس کی تکذیب نہ ہو رہی ہو اور وہ اپنے اس قول پر حلف اُٹھائے تو ضمان سے بری الذمہ ہوگا، لیکن کسی دوسرے شخص کے ہاتھ پر حوالہ کرنے کی صورت میں دو گواہ پیش کرنا لازمی ہے کہ یہ گواہی دیں کہ ”ہمارے سامنے اس نے فلاں شخص کو امانت حوالہ کی ہے“۔ تاہم مالک منکر ہونے اور امین کے ساتھ گواہ نہ ہونے کی صورت میں امین ضامن ہوگا۔ اس طرح زید جو کہ امین ہے۔ مدعی ہے اور مالک مدعیٰ علیہ ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو قال رددتها بید أجنبي ،ووصل إلیك ،وأنکر ذلك صاحب المال ،فهو ضامن إلا أن یقربه رب الودیعة ،أو یقیم المودع بینةً علی ذلك.(۱)

ترجمہ: اوراگر مودَع (امین) نے کہا کہ میں نے کسی اجنبی کے ہاتھ وہ امانت واپس کی ہے اور وہ تجھے پہنچی ہے، حالانکہ صاحب المال (مال کا مالک) اس کا انکار کرتا ہے تو وہ (امانت رکھنے والا) ضامن ہوگا۔ (ہاں دو صورتوں میں امین ضامن نہ ہوگا) ایک یہ کہ مال کا مالک اس کی اس بات کا اقرار کرے اور یا امین اپنے اس قول پر بینہ قائم کرے۔

قرض خواہ کو بطورِ حفاظت گھر حوالہ کرنا

سوال نمبر (358):

ایک شخص نے نقلِ مکانی کی صورت میں کسی آدمی سے قرض لے کر اپنا گھر اسے بطورِ حفاظت حوالہ کیا اور طے یہ ہوا کہ آپ اس سے رہن سہن وغیرہ کا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ قرض خواہ نے جواب میں یہ کہا کہ: ''یہ آپ کا اپنا گھر ہے جب بھی واپس آنا چاہیں تو آ سکتے ہیں، خواہ قرض واپس کریں یا نہ کریں۔ کیا یہ صورت رہن کی ہے یا امانت ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس آدمی نے اپنا گھر قرض خواہ کے حوالہ کیا ہے، وہ قرض کے بدلہ نہیں، بلکہ بطورِ حفاظت حوالہ کر کے صراحتاً یہ کہا ہے کہ: ''آپ اس سے رہن سہن کا فائدہ لے سکتے ہیں'' جب کہ قرض خواہ نے جواب میں یہ کہا ہے کہ: ''گھر آپ کا اپنا ہے، جب بھی واپس آنا چاہیں آ سکتے ہیں، خواہ قرض واپس کریں یا نہیں''۔ بظاہر تو ذکر کردہ صورت رہن کی نہیں، بلکہ ودیعت کی ہے، لہٰذا قرض خواہ کے لیے اس سے فائدہ اُٹھانا شرعاً درست ہے، کیوں کہ صراحتاً اجازت کی گئی ہے، البتہ اگر مالک مکان وہ گھر اس قرض کے احسان کے بدلے دینا چاہتا ہے یا قرض خواہ کے ذہن میں یہ ہو کہ مالک مکان یہ گھر مجھے قرض کے بدلے دے رہا ہے تو اس صورت میں یہ معنوی طور پر رہن کے حکم میں ہوگا، لہٰذا قرض خواہ اس گھر میں رہنے سے اجتناب کرے۔

(۱) الفتاوی الهندیة ، کتاب الودیعة ،الباب السابع في رد الودیعة: ٤/ ٣٥٤

والدلیل علی ذلك:

والحاصل أنه لیس لأحدهما الانتفاع بالرهن مطلقاً لا بسکنی، ولا بلبس ولا إجارة، ولا إعارة إلا بإذن أحدهما للآخر۔ (۱)

ترجمہ:

اور حاصل یہ ہے کہ مرہونہ سے فائدہ لینا کسی کے لیے بھی مطلقاً جائز نہیں، نہ گھر (میں رہنے کے ساتھ) اور نہ پہننے کے ساتھ اور نہ اجارہ اور نہ عاریت پر دینے کے ساتھ، ہاں ان میں سے کسی ایک کا دوسرے کو اجازت کے ساتھ فائدہ حاصل کرنا صحیح ہے۔

العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی لا للألفاظ والمبانی۔ (۲)

ترجمہ: تمام عقود میں مقاصد اور معانی کا اعتبار ہوگا، الفاظ اور کلام کی ترکیبی عبارت کا اعتبار نہ ہوگا۔

❁❁❁

بلا تعدی لقطہ ہلاک ہونا

سوال نمبر (359):

ایک رکشہ میں فارمی مرغیاں تھیں جس سے دو مرغیاں گر گئیں۔ میں نے انہیں اُٹھا کر رکشہ کے پیچھے دوڑ کر آواز دی، مگر وہ نہ سن سکا اور چلا گیا۔ چنانچہ بغرضِ حفاظت میں وہ مرغیاں اُٹھا کر گھر لے گیا، تاکہ بعد میں یہ امانت مالک کے حوالہ کر دوں۔ اتفاق سے صبح جب اُٹھا تو معلوم ہوا کہ دونوں مرغیاں بلی کھا گئی ہے۔ میرے ذمہ شرعاً اس کا ضمان ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر کوئی شخص لقطہ کو بنیتِ حفاظت اُٹھا کر مالک کو لوٹانا چاہے اور پھر اتفاقاً وہ لقطہ بغیر کسی تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہے۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر ذکر کردہ شخص نے واقعی بیانِ مذکور کے مطابق بغرضِ حفاظت مرغیاں اُٹھائی ہوں،

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة: ۷۵۰، ص/ ۴۱۵ (۲) ایضاً

تاکہ مالک کو حوالہ کردے اور اس کی طرف سے بغیر کسی تعدی کے وہ ہلاک ہوگئیں تو ایسی صورت میں اس شخص پر کوئی ضمان نہیں آئے گا، تاہم اس کے لیے ضروری تھا کہ اٹھاتے وقت اس پر دو گواہ بناتے کہ وہ یہ مرغیاں بطور حفاظت اٹھارہا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

اللقطة أمانة إذا أشهد الملتقط أن يأخذها ليحفظها فيردّها على صاحبها ،فلو هلكت بغير صنع منه لاضمان عليه .(١)

ترجمہ: لقطہ اُٹھانے والے کے ہاتھ میں امانت ہے، جب کہ وہ (اُٹھانے والا) اس پر گواہ قائم کرے کہ میں بطورِ حفاظت اس کو لیتا ہوں، تاکہ اس کے مالک کو یہ لقطہ لوٹاؤں۔ پس (اس طرح کرنے کے بعد) اگر اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہوگیا تو اس (اُٹھانے والے) پر کچھ ضمان نہیں۔

۞۞۞

امانت کی رقم سے کاروبار کرنا

سوال نمبر(360):

زید نے زکوٰۃ کی رقم میں سے کچھ رقم علاحدہ کرکے رفاہی کام میں صرف کرنا چاہا جو اس نے عمرو کو دی، تاہم عمرو نے یہ رقم بنیتِ زکوٰۃ قبول نہیں کی، بلکہ امانت کے طور پر اپنے پاس رکھی تو امین (عمرو) کے لیے اس رقم کو کاروبار میں صرف کرنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے محض نیت کرنا صحیح نہیں، بلکہ اس کے ساتھ تملیک اور قبض کرانا بھی شرط ہے۔ اگر عمرو کو زکوٰۃ کی رقم دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہیں کی ہو تو صرف زکوٰۃ کی نیت سے رقم علاحدہ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ہاں! عمرو کو دیتے وقت اگر عمرو زکوٰۃ کا مصرف ہو اور یہ رقم اس کو دی گئی ہو تو پھر وہی مالک متصور ہوگا، لیکن اگر عمرو درمیان میں وکیل کے درجہ میں ہو اور زید اس کے ذریعہ یہ رقم خرچ کرانا چاہتا ہو تو پھر یہ رقم عمرو کے پاس امانت ہوگئی، اس میں قبول کرنے کی نیت ضروری نہیں، بلکہ دینے والے کی نیت کافی ہے۔ ہاں! یہ رقم عمرو کے پاس امانت رہے گی، جو کاروبار میں خرچ نہیں کرسکتا۔

---

(١) الفتاوی الهندية، كتاب اللقطة:٢/ ٢٩١

والدلیل علی ذلک:

ویشترط أن یکون الصرف تملیکالاإباحة .(۱)

ترجمہ: یعنی غرباءاور فقراءپر مال خرچ کرنا تملیک کے طور پر ہو، اباحت کے طور پر نہیں۔

(وکذالو خلطہا المودع) بجنسہا،أوبغیرہ (بمالہ)أو مال آخر بغیر إذن المالك (بحیث لاتتمیز ضمنہا). (۲)

ترجمہ: اسی طرح اگر مودع ودیعت کواس کی جنس کے ساتھ خلط کرے یااس کی جنس کے علاوہ اپنے مال یاکسی دوسرے کے مال کے ساتھ بغیراس کی اجازت کے اس طرح ملائے کہ جداہونا مشکل ہوتووہ(مودع)ان تمام صورتوں میں اس کا ضامن ہوگا۔

۞۞۞

گندم خرید کراُسے دُکان دار کے پاس امانت رکھنا

سوال نمبر(361):

زید نے ایک دُکان دار سے سولہ 16 من گندم بعوض تین ہزارروپے تقریباًسات سال قبل خریدا،خریدتے وقت زید کادکان دار سے یہ طے پایا کہ وہ اس گندم کو بقدرِضرورت لیتارہے گا۔اس وقت زید دومن گندم گھر لے گیا اور چودہ14 من دکان دار کے پاس پڑارہا۔زید کے بقیہ گندم کے مطالبہ پر دکاندار نے کہا کہ اس باقی گندم کوموجودہ قیمت کے اعتبار سے بیچوں گا۔تواس بارے میں پوچھنایہ ہے کہ اب پرانے معاملہ کااعتبار ہوگایانئی قیمت کا۔نیز زید کا تین ہزارروپے کےسات سال کے منافع کامطالبہ کیساہے؟

بیّنواتوٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت کے مطابق اگرزید نے دکان دار سے سولہ 16 من گندم تین ہزارروپے کے عوض لی ہواور یہ بیع ایجاب وقبول کے ساتھ تام ہوئی ہواورزید نے اس گندم سے صرف دومن گندم استعمال کیاہواور چودہ من گندم باقی ہو

(۱) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار،کتاب الزکوۃ،باب المصرف:۳/۲۹۱

(۲) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار،کتاب الایداع:۱۲/۴۶۹۔۴۷۱

تو اس صورت میں چودہ من گندم دکان دار کے پاس امانت ہے، کیوں کہ یہ عقدِ بیع کے بعد رکھا گیا ہے، لہٰذا دکان دار پر بعینہ وہی گندم واپس کرنا لازم ہے، تاہم اگر دکان دار کے پاس اس وقت گندم نہ ہو تو چودہ من گندم کہیں سے خرید کر مالک کے حوالہ کر دے۔

والدّلیل علی ذلك:

البیع ینعقد بالإیجاب والقبول إذا کان بلفظي الماضي، وإذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحد منہما. (۱)

ترجمہ:

بیع ایجاب وقبول کے ساتھ منعقد ہوتی ہے۔ جب وہ (ایجاب وقبول) ماضی کے الفاظ کے ساتھ ہو اور جب ایجاب وقبول ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے اور طرفین میں سے کسی کو (فسخ کا) اختیار نہیں ہوتا۔

وأما حکمہا: فوجوب الحفظ علی المودع، وصیرورة المال أمانة في یدہ، ووجوب أدائہ عند طلب مالکہ. (۲)

ترجمہ:

اور ودیعت کا حکم یہ ہے کہ مودع پر اس کی نگرانی واجب ہے اور یہ مال اس کے ساتھ امانت ہے اور مالک کے مطالبہ کے وقت اس کی ادائیگی واجب ہے۔

۞۞۞

مالِ ودیعت خلط ملط کرنا

سوال نمبر (362):

ہمارے پاس اکثر اوقات مختلف ساتھیوں کے پیسے ہوتے ہیں اور بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت طلب کر لیتے ہیں، لیکن ان کی وہ جمع کردہ رقوم اکثر اوقات خلط ملط ہو جاتی ہیں، یعنی ادائیگی کے وقت پھر وہی نوٹ اور وہی پیسے ان کو واپس نہیں کیے جا سکتے۔

(۱) الهدایة، کتاب البیوع: ۲۰/۳

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الودیعة، الباب الاول: ۳۳۸/٤

(۱)..... کیا یہ امانت ہوگی یا اس کو قرضہ کا نام دیا جائے گا؟

(۲)..... کیا حوالہ کرتے وقت امانت یا قرض کی تعیین ضروری ہے؟

(۳)..... اگر اس کو قرض کا نام دیا جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اور امانت سے ذمہ بری ہو سکے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی کو امانت دیتے وقت امانت کی تعیین ضروری ہے۔ اور اس کے لیے باقاعدہ ایجاب وقبول صراحتاً یا دلالۃً بھی ضروری ہے۔ امانت کا حکم یہ ہے کہ وہ امین کے پاس بغیر اس کی زیادتی کے ضائع ہو جائے یا چوری ہو جائے تو امین پر اس کا کوئی ضمان نہیں آئے گا اور اگر امانت کی ہلاکت امین کی کسی کوتاہی کی بناء پر ہو تو امین پر اس کا ضمان آئے گا۔

مسئولہ صورت میں اگر امین اموال ودیعت کو ان کے مالکوں کی اجازت سے خلط ملط کرتا ہو تو معاملہ امانت کا ہی رہے گا اور ہر ایک کو اس کے حصے کے بقدر مال ملے گا اور ضائع ہونے کی صورت میں اس پر کوئی تاوان نہیں آئے گا اور اگر امین اموال ودیعت کو ان کے مالکوں کی اجازت کے بغیر خلط ملط کرتا رہتا ہو تو یہ امین کی طرف سے ودیعت میں تعدی ہے۔ لہٰذا یہ امانت کے حکم سے نکل کر امین کے ذمہ دین بنے گا اور مالکوں کو ان کا حق پہنچانا اس پر لازم ہوگا اور ضائع ہونے کی صورت میں اس پر تاوان لازم آئے گا۔ تاہم اگر مودِع کے پاس رقم کے خلط ملط کا مشاہدہ کرتے ہوئے کوئی امانت رکھے تو یہ خلط ملط کی اجازت کے مترادف ہے، جہاں خلط پر ضمان لازم نہیں۔

واضح رہے کہ رقوم اپنے پاس رکھتے وقت امانت یا قرض کی تعیین ضروری ہے، تاکہ بعد میں کسی قسم کا خلجان نہ رہے اور شرعی حکم پوری طرح واضح ہو سکے۔

والدّلیل علی ذلک:

وينعقد الإيداع بالإيجاب والقبول صراحةً أو دلالةً أو كنايةً. (۱)

ترجمہ: اور ایداع (یعنی ودیعت میں رکھنے کا عقد) ایجاب وقبول کے ساتھ منعقد ہوتا ہے (خواہ ایجاب وقبول) صراحتاً یا دلالتاً یا کنایتاً۔

خلط الوديعة بدون إذن المودِع بمال آخر بحيث لا يمكن تمييزها وتفريقها يعد تعديا. (۲)

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز المادة: ۷۷۳، ص/ ۴۲۹

(۲) شرح المجلة لسليم رستم باز المادة: ۷۸۸، ص/ ۴۳۷

ترجمہ:

مودع کی اجازت کے بغیر ودیعت کا کسی کے مال کے ساتھ اس طرح خلط کرنا کہ اس کی تمیز اور جدا ہونا ممکن نہ ہو، حد سے تجاوز میں شمار ہوتا ہے۔

❁❁❁

امانت کرنسی (ڈالر وغیرہ) کا ہلاک ہونا

سوال نمبر(363):

بطورِ امانت ڈالر یا کوئی اور کرنسی کا چوری، ہلاکت، ڈکیتی، جلنے، گم ہونے اور ضائع ہونے کی صورت میں کیا حکم ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جب کسی کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی جائے تو اس کی حفاظت کرنا اور مطالبہ پر مالک کو واپس کرنا امین کی ذمہ داری ہے، البتہ جہاں کہیں امین کی تعدی اور زیادتی کے بغیر یا اس کی حفاظت میں کوتاہی کے بغیر کوئی چیز ہلاک ہوجائے تو اس صورت میں اس پر ضمان نہیں، تاہم اگر اس کی ہلاکت میں امین کی تعدی پائی جائے یا حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی کی وجہ سے ضائع ہوجائے تو اس صورت میں اس پر ضمان واجب ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

وإنما كانت الوديعة أمانة لقوله عليه السلام" ليس على المستعير غير المغلّ ضمان ،ولا على المستودع غير المغلّ ضمان". (۱)

ترجمہ:

ودیعت مودع کے پاس امانت ہوتی ہے۔ (اگر ہلاک ہوجائے تو ضامن نہ ہوگا،) کیوں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''غیر خائن مستعیر پر ضمان نہیں اور نہ ہی غیر خائن مستودع پر''۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار ، کتاب الایداع ،تحت قوله(لحديث دارقطنی):۱۲/٤٤٧

امانت کے مطالبہ پر ٹال مٹول کرنا

سوال نمبر(364):

اگر کسی شخص کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے اور واپس کرنے کے لیے مطالبہ پر امین ٹال مٹول کرتا ہو اور امانت کو واپس نہ کرنا اس چیز کی ہلاکت پر دلالت کرتا ہو تو کیا امانت کی ہلاکت کی صورت میں امین پر ضمان ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ممکنہ حفاظت کے باوجود اگر امانت ہلاک ہو جائے تو امین پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، البتہ اگر امین سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جائے جو امانت کے استہلاک پر دلالت کرتا ہو تو ایسی صورت میں وہ ضرور نقصان کا ذمہ دار ٹھہرے گا۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر امانت مالک کے مطالبہ کے بعد ہلاک ہوئی ہو تو امین ذمہ دار ہوگا۔ مطالبہ سے پہلے ہلاک ہو تو ضامن نہ ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

وفي الخلاصه: المالك إذا طلب الوديعة ،فقال المودع :لا يمكنني أن أحضر الساعة ، فتركها وذهب: إن تركها عن رضا ،فهلكت لايضمن ؛لأنه لما ذهب ،فقد أنشاالوديعة، وإن كان عن غير رضا يضمن،ولو كان الذي يطلب الوديعة وكيل المالك يضمن ؛لأنه ليس له إنشاء للوديعة، بخلاف المالك وهذا صريح في أنه يضمن بعدم الدفع إلى وكيل المالك كما لا يخفى .(۱)

ترجمہ:

خلاصہ میں ہے(کہ) جب مالک، امانت دار سے اپنی امانت طلب کرے اور امانت دار یہ کہے کہ میں ابھی (وہ چیز) نہیں دے سکتا اور (مالک) اسے چھوڑ کر چلا جائے (تو) اگر (مالک) رضامندی (خوشی) سے اسے چھوڑ گیا ہو تو (بعد ہلاکت) امانت دار ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ جب وہ چلا گیا تو امانت (نئے سرے) سے رکھ دی اور اگر اس (مالک) کی خوشی (رضامندی) نہ ہو تو امانت دار ضامن ہوگا اور ودیعت طلب کرنے والا مالک کا وکیل ہو تو امانت دار

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الایداع :۱۲/ ٤٥٤،٤٥٥

ضامن ہوگا، کیونکہ وہ ودیعت نہیں دے سکتا، جب کہ مالک ایسا نہیں اور یہ اس (مسئلہ) میں صریح ہے کہ مالک کے وکیل کو امانت واپس نہ کرنے پر امانت دار ضامن ہوگا، جیسا کہ واضح ہے۔

❁❁❁

امانت کی رقم میں تصرف کرنا

سوال نمبر (365):

ایک شخص دوسرے شخص کو کچھ رقم، مثلاً: بیس ہزار 20,000 روپے دیتا ہے، تاکہ وہ اسے کسی مطلوب شخص تک پہنچادے۔ اگر وہ اس رقم میں تصرف کرکے اپنی ضرورت میں استعمال کرے تو کیا اس کی جگہ اور پیسے دے سکتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعاً امانت کو قبول کرنا اگرچہ امر مستحسن ہے، لیکن آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ میں اس کی حفاظت اور مالک کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت کے بغیر کسی قسم کا تصرف نہ کرنے کی نہایت تاکید آئی ہے، جس کی رُو سے امانت سے خود نفع اُٹھانا یا کسی دوسری چیز کے ساتھ اس طرح ملانا کہ علیحدہ کرنا ناممکن اور مشکل ہوجائے، خیانت کے مترادف ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ نیز اس رقم کے ذریعہ کمائی ہوئی رقم ضمان سے پہلے حلال نہیں اور حاصل شدہ منافع واجب التصدق ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر کسی شخص کو دوسرے تک پہنچانے کے لیے رقم دی گئی ہو تو وہ وکیل کے درجہ میں ہے اور وکیل کے پاس مال امانت کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے بغیر کسی تصرف کے مطلوب شخص تک پہنچانا ضروری ہے۔ تاہم مالک کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت کی صورت میں استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء ،وإيفاء الدين ،واستيفائه ،والمال الذي قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته هو في حكم الوديعة بيد الوكيل ،فإذا تلف بلا تعد ،ولاتقصير لا يلزم الضمان ،والمال الذي في يدالرسول من جهةالرسالة أيضاً في حكم الوديعة .(١)

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز،ص/٧٨٤،الماده :١٤٦٣

ترجمہ:

ہر وہ مال جس کو وکیل بالبیع یا بالشراء قبضہ کرے یا دین کے ادا کرنے یا دین کے حاصل کرنے کے عوض قبضہ کرے اور ہر وہ مال جس کو وکیل اپنی وکالت کی وجہ سے کسی عین کے عوض قبض کرے تو وہ وکیل کے ہاتھ میں امانت کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس اگر وہ کسی تعدی اور کوتاہی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان لازم نہ ہوگا اور اسی طرح وہ مال جو کسی قاصد کے ہاتھ میں بحیثیت قاصد ہونے کے ہو تو وہ بھی امانت کے حکم میں ہے۔

❁❁❁

بوقتِ ضرورت امانت سے فائدہ لینا

سوال نمبر (366):

کیا امانت سے بوقتِ ضرورت فائدہ حاصل کرنا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کسی کی امانت میں مالک کی رضامندی کے بغیر تصرف کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور امین پر امانت کی حفاظت لازمی قرار دیتی ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے جو بھی تدابیر اختیار کرنی پڑیں، کرسکتا ہے، مگر حفاظتی تدابیر کے علاوہ دیگر تصرفات کی صورت میں اگر ہلاکت واقع ہوجائے تو امین ضامن ہوگا، تاہم امانت رکھتے وقت اگر مالک اجازت دے تو امانت سے فائدہ اُٹھانے میں کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

والوديعة لاتودع ،ولا تعار ،ولا تؤاجر ،ولا ترهن وإن فعل شيئا منها ضمن .(١)

ترجمہ:

اور ودیعت مودع کی طرف سے نہ بطورِ ودیعت، نہ بطورِ عاریت، نہ بطورِ اجرت اور نہ بطورِ رہن دی جائیگی اور اگر اس (مودع) نے ان چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا تو وہ ضامن ہوگا۔

❁❁❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية ،كتاب الوديعة ، الباب الاول:٤/٣٣٨

مصادر ومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر
		الف	
۱	إرشاد السّاري إلى مناسك الملاعلي القاري	حسين بن محمدسعيد عبدالغني المكي	دار الكتب العلمية بيروت
۲	أحكام القرآن	ظفرأحمد العثماني (١٣٩٤هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی
۳	أحكام القرآن	أبو بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص الحنفي (٣٧٠هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٤	إسلامی تهذيب وتمدن اردو ترجمه "التشبه في الإسلام"	قاری محمد طيب قاسمي(١٤٠٣هـ)	إداره إسلاميات لاهور
٥	إعلاء السنن	ظفرأحمد العثماني (١٣٩٤هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٦	إعلام الموقّعين	ابن القيم الجوزية (٧٥١هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٧	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين السيوطي (٩١١هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٨	الاختيارلتعليل المختار	أبوالفضل عبد الله الموصلي (٦٨٣هـ)	دارالمعرفة بيروت لبنان
٩	الاستصناع	سعودبن مسعد الثبيتي	دارابن حزم بيروت
١٠	الاعتصام	أبوإسحاق إبراهيم الشاطبي (٧٩٠هـ)	مكتبه رشيديه پشاور
١١	الأشباه والنظائر	زين الدين بن إبراهيم ابن نجيم (٩٧٠هـ)	ايچ ايم سعيد كراچي
١٢	البحر الرائق	ابن نجيم (٩٧٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت

۱۳	البداية والنهاية	إسماعيل ابن كثير (۷۷٤هـ)	دارالفكر بيروت
۱٤	الترغيب والترهيب	زكي الدين عبدالعظيم بن عبدالقوي المنذري (٦٥٦هـ)	داراحياء التراث العربي بيروت
۱٥	التشريع الجنائي الإسلامي	عبدالقادر عودة	مؤسسة الرسالة بيروت
۱٦	التعليق الصّبيح	محمد إدريس الكاندهلوي (۱۳۹٤هـ)	المكتبة العثمانية لاهور
۱۷	التعليق الميسر على حاشية الروض الأزهر في شرح الفقه الاكبر	الشيخ الوهبي سليمان الغاوجي	دار البشائر الإسلامية بيروت
۱۸	التفسيرالكبير	فخر الدين الرازي (٦٠٦هـ)	داراحياء التراث العربي لبنان
۱۹	التلخيص الحبير	ابن حجر العسقلاني (۸٥۲هـ)	المكتبة الا ثرية شيخو بوره
۲۰	الجامع لأحكام القرآن للقرطبي	محمد القرطبي (٦٧١هـ)	داراحياء التراث العربي لبنان
۲۱	الجوهرة النيرة	أبوبكربن علي بن محمدالزبيدي (۸۰۰هـ)	دارالكتب العلمية لبنان
۲۲	الحيلة الناجزة	أشرف على التهانوي (۱۳٦۲هـ)	دارالإشاعت كراچی
۲۳	الدّرالمختار مع ردالمحتار	محمد بن علي الحصكفي (۱۰۸۸هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
۲٤	الدّرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر	ملا علي بن سلطان القاري (۱۰۱٤هـ)	دار احياء التراث العربي بيروت لبنان
۲٥	الزهد الكبيرللبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥۸هـ)	دارالجنان بيروت لبنان
۲٦	الشريفية شرح السراجية	السيدالشريف علي الجرجاني (۸۱٦هـ)	المكتبة الحقانية بشاور
۲۷	السنن الكبرى للنسائي	أحمد النسائي (۳۰۳هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان

۲۸	السنن الكبرىٰ للبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (۴۵۸ھ)	دارالفكر بيروت لبنان
۲۹	السّراجی فی الميراث	محمدبن عبدالرشيد السجاوندیؒ (۶۰۰ھ)	الميزان لاهور
۳۰	السّعاية	محمد عبدالحي اللكهنوي (۱۳۰۴ھ)	سهيل اكيڈمى لاهور
۳۱	الشمائل المحمدية للترمذي	محمد بن عيسى الترمذي (۲۷۹ھ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۳۲	العرف الشذي	أنورشاه الكشميري (۱۳۵۲ھ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
۳۳	العقائد الإسلامية	سيد سابق (۱۴۲۰ھ)	دار الكتاب العربي
۳۴	العقيدة فيِ الله	عمرسليمان الأشقر (۱۴۳۳ھ)	مكتبة الفلاح الكويت
۳۵	العناية على هامش فتح القدير	أكمل الدين محمدبن محمد البابرتي (۷۸۶ھ)	المكتبة الحقانية پشاور
۳۶	الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية	محمد بن شهاب الكردي(۸۲۷ھ)	مكتبه رشيديه كوئٹه،دارالكتب العلمية بيروت
۳۷	الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية	فخرالدين حسن بن منصور الأوزجندي (۵۹۲ھ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
۳۸	الفتاوى الكاملية في الحوادث الطرابلسية	محمد كامل بن مصطفى الطرابلسي (۱۳۱۵ھ)	المكتبة الحقانية پشاور
۳۹	الفتاوى الهندية (العالمگيرية)	شيخ نظام و جماعة من علماء الهند	مكتبه رشيديه كوئٹه
۴۰	الفتاوىٰ التاتارخانية	عالم بن العلاء الدهلوي(۷۸۶ھ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۴۱	الفقه الحنفي وأدلته	أسعد محمد سعيد الصاغرجي	دارالكلم الطيب بيروت لبنان
۴۲	الفقه الإسلامي وأدلته	د.وهبة الزحيلي (۱۴۳۶ھ)	دارإحسان دمشق

٤٣	القاموس الجديد	وحيد الزمان قاسمي كيرانوي(١٤١٥هـ)	إداره إسلاميات لاهور كراچي
٤٤	الكفاية علىٰ هامش فتح القدير	جلال الدين الخوارزمي(٧٦٩هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
٤٥	المبسوط للسرخسي	شمس الأئمة السرخسي (٤٨٣هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٤٦	المبسوط للشيباني	محمد بن الحسن الشيباني (١٨٩هـ)	دارالمعارف النعمانية لاهور
٤٧	المجموع شرح المهذب	محي الدين أبوزكريا يحيىٰ بن شرف النووي (٦٧٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٤٨	المحيط البرهاني في الفقه النعماني	محمودبن أحمدبن عبدالعزيز عمربن مازة البخاري (٦١٦هـ)	المكتبة الغفارية كوئٹه
٤٩	المختصرللقدوري	أبوالحسين أحمد القدوري (٤٢٨هـ)	الميزان لاهور
٥٠	المدخل	محمدبن محمد العبدري المالكي المعروف بابن الحاج (٧٢٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٥١	المسامرة على المسايرة	كمال الدين محمد بن محمد ابن أبي الشريف (٩٠٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥٢	المستدرك على الصحيحين	أبوعبدالله محمدبن عبدالله الحاكم النيسابوري (٤٠٥هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٥٣	المسلك المتقسط في المسلك المتوسط على هامش إرشادالساري	الملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان

٥٤	المصنف لابن أبی شیبة	الإمام أبوبکر عبد الله بن محمد ابن أبي شيبة (٢٣٥هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراجي، طيب إكادمي ملتان
٥٥	المعجم الأوسط	الحافظ سليمان الطبراني(٣٦٠هـ)	مكتبة المعارف الرياض
٥٦	المعجم الكبيرللطبراني	الحافظ أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (٣٦٠هـ)	شركة معمل و مطبعة الزهراء الحديثة المحدودة عراق
٥٧	المغني على الشرح الكبير	للإمامين موفق الدين(٦٢٠هـ) و شمس الدين ابني قدامة(٦٨٣هـ)	المكتبة التجارية المكةالمكرمة
٥٨	المفهم شرح صحيح مسلم	أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي (٦٥٦هـ)	دارابن كثيردمشق، دارالكلم الطيب بيروت لبنان
٥٩	المنجد في اللغة والأعلام	جماعة علماء المستشرقين	دار المشرق بيروت لبنان
٦٠	الموافقات في أصول الأحكام	أبو إسحاق إبراهيم بن موسى اللخمي الشاطبي (٧٩٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٦١	الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت	طباعة ذات السلاسل الكويت
٦٢	الموضوعات الكبرىٰ	ملاعلي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	مكتبه دارالسلام پشاور
٦٣	النبراس شرح شرح العقائد	عبد العزيز فرهاروي (١٢٣٩هـ)	المكتبة الحقانية ملتان
٦٤	النتف في الفتاوىٰ	علي بن الحسين السغدي (٤٦١هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت
٦٥	النّهر الفائق	عمر بن إبراهيم بن نجيم (١٠٠٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
٦٦	الوجيز	عبد الكريم زيدان (١٤٣٥هـ)	فاران اكيڈمی لاهور
٦٧	الوسيط في شرح القانون المدني	عبدالرزاق السنهوري (١٣٩١هـ)	دارإحياء التراث العربي، بيروت

٦٨	الهداية	برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني (٥٩٣هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور
٦٩	اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة	جلال الدين عبد الرحمن السيوطي (٩١١هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٧٠	الأحكام السلطانية	علي بن محمد الماوردي (٤٥٠هـ)	نفيس اكيڈمی كراچی
٧١	كفاية الأخيار في حل غاية الاختصار	تقي الدين أبوبكر بن محمد الحصيني (٨٣٩هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٧٢	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين عبدالرحمن السيوطي (٩١١هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٧٣	الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف	علاؤالدين علي بن سليمان المرداوي (٨٨٥هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
٧٤	إمدادالفتاوىٰ	أشرف علي التهانوي (١٣٦٢هـ)	مكتبه دارالعلوم كراچی
٧٥	أوجز المسالك	محمدزكريا الكاندهلوي (١٣٠٢هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٧٦	اوزان شرعيه	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	إدارة المعارف كراچی
٧٧	آكام المرجان في أحكام الجان	بدر الدين أبوعبد الله محمد بن عبد الله الشبلي (٧٦٩هـ)	كارخانه تجارت كتب كراچی
٧٨	أشرف التوضيح	نذير أحمد (١٤٢٥هـ)	مكتبة العارفي فيصل آباد

ب

٧٩	بدائع الصّنائع في ترتيب الشّرائع	علاء الدين أبوبكربن مسعود الكاساني (٥٨٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٠	بداية المجتهد ونهاية المقتصد	ابن رشد محمدبن أحمد القرطبي (٥٩٥هـ)	مكتبة نزار مصطفىٰ الباز مكة المكرمة

٨١	بذل المجهود في حل أبي داؤد	خليل أحمد السهارنفوري (١٣٤٦هـ)	دار اللو ئ للنشر و التوزيع الرياض

ت

٨٢	تاريخ التشريع الإسلامي	منّاع القطان (١٤٢٠هـ)	موسسة الرسالة بيروت لبنان
٨٣	تبصرة الحكّام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام	إبراهيم بن علي ابن فرحون المالكي (٧٩٩هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٤	تبيين الحقائق في شرح كنز الدّقائق	فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي (٧٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٨٥	تحفة الفقهآء	علاء الدين السمر قندي (٥٧٥هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٨٦	تفسير المظهري	محمد ثناء اللّٰه پانی پتی (١٢٢٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه پاكستان
٨٧	تفسير القرآن الكريم	عمادالدين إسماعيل بن كثير (٧٧٤هـ)	مكتبه إمداديه مكة المكرمة
٨٨	تفسير أبي السعود	أبو السعود محمد بن محمد (٩٨٢هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
٨٩	تقرير ترمذي	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرز كراچي
٩٠	تقريرات الرافعي	محمدرشيد بن عبداللطيف البيساري الرافعي (١٣٢٣هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٩١	تقليد کی شرعی حیثیت	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرز كراچي
٩٢	تكملة البحرالرائق	محمدبن حسين بن علي الطوري (١١٣٨هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٩٣	قرة عيون الأخيار تكملة ردالمحتار	محمدعلاء الدين بن محمدأمين ابن عابدين (١٣٠٦هـ)	مكتبه إمداديه ملتان

٩٤	تكملة عمدة الرعاية على شرح الوقاية	مولانا فتح محمد التائب(١٣٢٧هـ)	مكتبه رحمانية اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاهور
٩٥	تكملة فتح الملهم	محمدتقي العثماني	مكتبه دارالعلوم كراچي
٩٦	تنوير الأبصار مع الدرالمختار	محمد بن عبدالله بن أحمد التمرتاشي (١٠٠٤هـ)	مكتبه إمداديه ملتان

ج، ح، خ، د

٩٧	جامع البيان المعروف تفسيرالطبري	أبوجعفر محمدبن جرير الطبري (٣١٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٩٨	جامع الترمذي	أبوعيسىٰ محمدبن عيسى الترمذي (٢٧٩هـ)	الميزان، لاهور
٩٩	جامع الرموز	شمس الدين محمد القهستاني (٩٥٣هـ)	ايچ۔ ايم۔ سعيد كراچي
١٠٠	جواهرالفقه	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	مكتبه دارالعلوم كراچي
١٠١	حاشية الشلبي على تبين الحقائق	شهاب الدين أحمد بن يونس الشلبي (١٠١٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
١٠٢	حاشية الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية	طباعة ذات السلاسل الكويت
١٠٣	حاشية الهداية	محمد عبد الحيّ اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور
١٠٤	حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح	أحمد بن محمد الطحطاوي الحنفي (١٢٣١هـ)	المكتبةالعربية كوئٹه
١٠٥	حاشية على البناية في شرح الهداية	ناصرالإسلام محمد عمر رامفوري (١٢٩٥هـ)	مكتبة رشيديه كوئٹه

۱۰۶	حجة الله البالغة	شاہ ولي الله أحمد الدهلوي (۱۱۷٦هـ)	المكتبة السلفيةلاهور
۱۰۷	خلاصه التحقيق في حكم التقليد والتلفيق	عبد الغني النابلسي (۱۱٤۳هـ)	مكتبة الحقيقة استنبول، تركيا
۱۰۸	خلاصة الفتاویٰ	طاهربن أحمد البخاري (٥٤۲هـ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۱۰۹	درر الحكام شرح مجلة الأحكام	علي حيدر (۱۲٥٤هـ)	المكتبة العربية کوئٹہ

ر، س، ش

۱۱۰	رحمة الأمة في اختلاف الآئمة	أبو عبد الله محمد بن عبد الرحمن قاضي صفد (۷۸۰هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
۱۱۱	ردّالمحتار على الدّرالمختار	محمدأمين ابن عابدين (۱۲٥۲هـ)	مکتبہ امدادیہ ملتان
۱۱۲	روح المعاني	شهاب الدين محمود الآلوسي البغدادي (۱۲۷۰هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان
۱۱۳	سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد	شمس الدين محمد بن يوسف الشامي (۹٤۲هـ)	دار الكتب العلمية بيروت ،
۱۱٤	سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة	محمد ناصرالدين الألباني (۱٤۲۰هـ)	المكتب الإسلامي بيروت
۱۱٥	سنن الدارمي	عبدالله بن عبد الرحمن الدارمي (۲٥٥هـ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۱٦	سنن النسائي	أبو عبد الرحمن أحمدبن شعيب الخراساني النسائي (۳۰۳هـ)	مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
۱۱۷	سنن أبي داؤد	سليمان بن الأشعث السجستاني (۲۷٥هـ)	ایچ ایم سعید کراچی
۱۱۸	سنن الدارقطني	علي بن عمر الدار قطني (۳۸٥هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان

۱۱۹	شرح السّنة	الحسين بن مسعود البغوي (۵۱۰هـ)	المكتب الإسلامي بيروت،
۱۲۰	شرح العقائد النّسفية	مسعود بن عمر التفتازاني (۷۹۳هـ)	مکتبہ حقانیہ پشاور
۱۲۱	شرح العقيدة الطحاوية	ابن أبي العزّ الحنفي (۷۹۲هـ)	قدیمی کتب خانہ کراچي
۱۲۲	شرح المجلّة	سليم رستم باز اللبناني (۱۳۳۸هـ)	المكتبةالحبيبية كوئٹه
۱۲۳	شرح المجلة	خالد الأتاسي (۱۳۲۶هـ)	المكتبةالحقانية پشاور
۱۲٤	شرح النقاية	علي‌بن محمدسلطان القاري (۱۰۱٤هـ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچي
۱۲۵	شرح الوقاية	عبيدُ الله بن مسعود (۷٤۷هـ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۱۲٦	شرح صحيح البخاري لابن بطال	أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك (٤٤۹هـ)	مكتبة الرشد الرياض
۱۲۷	شرح عقود رسم المفتی لابن عابدين	محمدأمين الشهير بابن عابدين (۱۲٤۳هـ)	مكتبة البشرى كراچي
۱۲۸	شرح مسلم للنووي	يحيى بن شرف النووي (٦۷٦هـ)	مکتبہ دارالفكر بيروت لبنان
۱۲۹	شرح معاني الآثار	أحمدبن محمد الطحاوي (۳۲۱هـ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچي
۱۳۰	شعب الإيمان للبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤۵۸هـ)	دارالكتب العلميه بيروت لبنان

ص، ع، غ

۱۳۱	صحيح ابن حبان	محمد بن حبان (۳۵٤هـ)	مكتبة دارالفكر بيروت لبنان

۱۳۲	صحیح البخاري	محمدبن إسماعیل البخاري (۲۵٦هـ)	قدیمی کتب خانه کراچي
۱۳۳	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج القشیري (۲٦۱هـ)	قدیمي کتب خانه کراچي
۱۳٤	عقد الجید في أحکام الاجتهاد والتقلید	شاه ولي الله الدهلوي (۱۱۷٦هـ)	دار الفتح الشارقه
۱۳۵	علوم الحدیث	عبیدالله أسعدي	مجلس نشریات إسلام کراچي
۱۳٦	علوم القرآن	محمد تقي عثماني	مکتبه دارالعلوم کراچي
۱۳۷	عمدة الرعایة حاشیة شرح الوقایة	محمد عبد الحي اللکهنوي (۱۳۰٤هـ)	مکتبه رشیدیه کوئٹه
۱۳۸	عمدة القاري شرح صحیح البخاري	العلامة بدرالدین العیني (۸۵۵هـ)	دار إحیاء التراث العربي بیروت لبنان
۱۳۹	عون المعبود شرح سنن أبي داؤد	محمدشمس الحق عظیم آبادي (۱۳۲۹هـ)	دارالفکربیروت، لبنان
۱٤۰	غمز عیون البصائر شرح الأشباه والنظائر	أحمدبن محمد الحموي (۱۰۹۸هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراچی
۱٤۱	غنیة الناسك في بغیة المناسك	محمد حسن شاه المهاجر المکي (۱۳٤٦هـ)	مکتبة ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچي
۱٤۲	غنیة المستملي المعروف بالحلبي الکبیري	إبراهیم الحلبي (۹۵٦هـ)	مکتبه نعمانیه کوئٹه

ف

۱٤۳	فتاویٰ ابن تیمیه	تقي الدین ابن تیمیه (۷۲۸هـ)	تحت إشراف الرئاسة العامة لشئون الحرمین الشریفین
۱٤٤	فتاویٰ المرأة المسلمة	جماعة من علماء العرب	دارالفکر بیروت لبنان

۱٤۵	فتاوىٰ خيرية علىٰ هامش تنقيح الفتاوىٰ الحامدية	خير الدين الرملي (۱۸۱۰هـ)	مكتبه حقانيه پشاور پاكستان
۱٤٦	فتاوىٰ رشيديه	رشيدأحمد گنگوهي(۱۳۲۳هـ)	مؤتمرالمصنفين اكوڑه خٹك
۱٤۷	فتح الباري	أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (۸۵۲هـ)	دارالفكر بيروت، لبنان
۱٤۸	فتح الغفار شرح المنار	زين الدين بن إبراهيم ابن نجيم(۹۷۰هـ)	مكتبه اسلاميه ،كوئٹه
۱٤۹	فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير	محمد بن علي بن محمد الشوكاني (۱۲۵۰هـ)	دار الفكر بيروت لبنان
۱۵۰	فتح القدير	ابن الهمام كمال الدين محمدبن عبدالواحد (۸٦۱هـ)	مكتبه حقانيه پشاور پاكستان
۱۵۱	فتح الملهم شرح صحيح مسلم	شبيرأحمد العثماني(۱۳٦۹هـ)	مكتبه دارالعلوم كراچي
۱۵۲	فقه السنة	السيد السابق (۱٤۲۰هـ)	دار ابن كثير دمشق لبنان
۱۵۳	فيض الباري على صحيح البخاري	محمد أنورشاه الكشميري (۱۳۵۲هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
۱۵٤	فيض القدير شرح الجامع الصغير	محمد عبد الرؤوف المناوي (۱۰۳۱هـ)	دارالكتب العلمية بيروت، لبنان

ق ،ك

۱۵۵	قاموس الفقه	سيف الله رحماني	زم زم پبلشرز كراچي
۱۵٦	كتاب التعريفات	سيد شريف الجرجاني(۸۱٦هـ)	دارالمنارللطباعة والنشر
۱۵۷	كتاب الفقه على المذاهب الأربعة	عبدالرحمن بن محمدعوض الجزيري (۱۳٦۰هـ)	وحيدي كتب خانه پشاور
۱۵۸	كتاب الأموال	أبو عبيد قاسم بن سلام (۲۲٤هـ)	دارالكتب العلمية بيروت

۱۵۹	كشاف القناع عن متن الإقناع	منصور بن يونس البهوتي (۱۰۵۱هـ)	دار الكتب العلميه بيروت
۱۶۰	كشف الأسرار	أبوالبركات عبداللهبن أحمد حافظ الدين النسفي(۷۱۰هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
۱۶۱	کفایت المفتی	مفتی کفایت اللہ دہلوئؒ (۱۳۵۲هـ)	دارالاشاعت کراچی
۱۶۲	كنزالدّقائق	أبوالبركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (۷۱۰هـ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۶۳	كنزالعمال	علاء الدين المتقي الهندي (۹۷۵هـ)	اداره تالیفات اشرفیه ملتان پاکستان

ل،م

۱۶۴	لسان الحكام	إبراهيم بن محمد، المعروف بابن الشحنة الحلبي (۸۸۲هـ)	البابي الحلبي القاهرة
۱۶۵	لسان العرب	محمد بن منظور الافريقي (۷۱۱هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱۶۶	ماهنامه العصرپشاور	مفتی غلام الرحمن	جامعه عثمانیه پشاور
۱۶۷	مجلة الأحكام العدلية	لجنة العلماء المحققين	میر محمد کتب خانه کراچی
۱۶۸	مجمع الأنهرشرح ملتقى الأبحر	عبدالله بن محمد بن سليمان دامادأفندي (۱۰۷۸هـ)	دارإحياء التراث العربيبيروت
۱۶۹	مجمع الزوائد	نور الدين علي بن أبي بكرالهيثمي (۸۰۷هـ)	دار الكتب العلمية بيروت
۱۷۰	مجموعه قوانين اسلامی	ڈاکٹرتنزیل الرحمن	اداره تحقیقات اسلامی اسلام آباد
۱۷۱	مجموعة رسائل ابن عابدين	محمدأمين ابن عابدين (۱۲۴۳هـ)	سهيل اکیڈمي لاهور

۱۷۲	مجموعة رسائل اللكهنوي	عبدالحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	إدارة القران كراچى
۱۷۳	مرقاة المفاتيح	ملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
۱۷٤	مسند الإمام أحمد	أحمد بن حنبل (٢٤١هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
۱۷٥	مسند أبي عوانة	أبو عوانه يعقوب بن إسحاق الأسفرائيني (٣١٦هـ)	دار المعرفة بيروت
۱۷٦	مسند أبي يعلى الموصلي	أحمدبن علي الموصلي(٣٠٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۱۷۷	مشكوة المصابيح	محمدبن عبدالله الخطيب التبريزي (٧٣٧هـ)	المكتبة الحقانيه بشاور
۱۷۸	مصنف عبدالرزاق	أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني(٢١١هـ)	إدارة القران والعلوم الاسلاميه كراچى
۱۷۹	معارف السنن	محمديوسف البنوري (١٣٩٧هـ)	ايچ۔ ايم ۔سعيد كراچي
۱۸۰	معجم لغة الفقهاء	محمد رواس قلعه جى (١٤٣٥هـ)	دارالنفائس بيروت
۱۸۱	معين الحكام	علاء الدين علي بن خليل الطرابلسي (٨٤٤هـ)	مكتبة القدس كوئٹه
۱۸۲	مغني المحتاج	محمدبن أحمد الخطيب الشربيني(٩٧٧هـ)	دارالذخائرللمطبوعات قم إيران
۱۸۳	مفردات غريب القرآن	الحسين بن محمد الراغب الأصفهاني (٥٠٢هـ)	دارالقلم دمشق
۱۸٤	منحةالخالق على البحرالرائق	محمدأمين ابن عابدين (١٢٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۱۸٥	منهاج السنن شرح جامع السنن	المفتي محمد فريد(١٤٣٢هـ)	مكتبه حقانيه پشاور

۱۸۶	موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان	نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي (۸۰۷هـ)	المطبعة السلفية و مكتبتها بيروت
۱۸۷	موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر	عبد الحليم عويس (۱٤۳۳هـ)	دار الوفاء منصورة
۱۸۸	موطا الإمام مالك	مالك بن انس (۱۷۹هـ)	الميزان لاهور
۱۸۹	نفع المفتي والسائل	عبد الحي اللكهنوي (۱۳۰٤هـ)	ايج ايم سعيد كمپنی كراچی

ن

۱۹۰	نور الأنوار	ملاأحمدجيون (۱۱۳۰هـ)	مير محمد كتب خانه كراچی
۱۹۱	نيل الأوطار	محمدبن علي بن محمد الشوكاني (۱۲۵۰هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان

ihsan.usmani@gmail.com
+92 333-9273501 / +92 321-9273561
+92 312-0203501 / +92 315-4499203